جب عشق سمندر اوڑھ لیا



امجد جاوید

عشق سمندر کے گوہر نایاب

دِل اگر دریا ہے تو عشق بھی کسی طور سمندر سے کم نہیں۔ عشق ایک سچائی ہے جو اپنا آپ منوا کر رہتی ہے۔ دل دریا میں اگر عشق اتر آئے تو پھر سمندروں کی سی وسعت انسان کے من میں ٹھاٹھیں مارنے لگتی ہے۔ وہ عشق جو من کی گہرائیوں ہی میں ہی نہیں پوری زندگی پر بھی محیط ہو جائے اور اس سے اعلیٰ مقاصد جیسے گوہر نایاب بھی ہاتھوں میں آتے چلے جائیں تو اس دنیا میں آنے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

عشق کی سچائیوں میں سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ عشق کٹھن سے کٹھن راستوں کے اندھیروں کو دور کرتے ہوئے اس قدر حوصلہ بڑھاتا ہے کہ انسان اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے مشکل ترین اور ناممکن ترین راہوں پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور زندگی میں بامقصد ہو کر بامراد ہوتا ہے۔ عشق کی جنونی کیفیات کی ایک اور سچائی یہ بھی ہے کہ جب عشق پوری زندگی پر محیط ہوتا ہے تو پھر یہی اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ اسی سے ظاہر و باطن ایک ہوتے ہیں اور تبھی زندگی کے وہ کرشماتی پہلو سامنے آتے ہیں جب آگ اور پانی مل جاتے ہیں۔

"عشق کی راہیں کہاں آسان ہوا کرتی ہیں۔ اس میں ایک زندگی، کئی زندگیاں دوسروں کے لیے گذارنا پڑتی ہیں۔ راہ عشق میں چلنے والوں کو جس لذت سے آشنائی ملتی ہے، وصل کے لیے، ہجر کی جن جانکاہ راہوں پر چلنا پڑتا ہے۔ وہی حاصل زندگی قرار پاتے ہیں۔ وہ عشق ہی کیا جس میں محبوب کی طرف نگاہ کر کے بیٹھا جائے...... میں نے جس منزل کا تعین کیا تھا، اس میں محبوب میرے انتظار میں تھا، میری ریاضتیں رنگ لا رہی تھیں اور میں نے وصل کے اس لمحہ بے تاب کے لیے عشق سمندر میں اتر کر اسے اوڑھ لیا تھا، اس اوڑھے ہوئے عشق سمندر میں کیا کیا

گوہر نایاب میرے ہاتھ لگے، کسی کو کیا معلوم؟...... ایک قطرہ جب سمندر کا روپ دھار لے تو یہ کمال صرف اور صرف عشق کا مرہونِ منت ہے۔ یہاں منطق اور دلیلیں مٹی کے ڈھیر سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ ایک جلتا ہوا آنسو جو میری ہتھیلی پر گرا تھا، اس قدر پھیلا کہ سمندر بن گیا اور اس سمندر کو میں نے جی جان سے اوڑھ لیا۔"

جب عشق سمندر اوڑھ لیا! ایک مہم جو فطرت رکھنے والے عامر زبیر کی دلچسپ، سنسنی خیز اور مہماتی داستان ہی نہیں بلکہ اس میں سے وہ آئیڈیل نوجوان جھلکتا ہے جس کی آج شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ تبھی امجد جاوید نے پورے اہتمام کے ساتھ اس داستان کو صفحہ قرطاس پر مجسّم کر دیا۔ آپ لکھاریوں کی صف میں اس لیے بھی منفرد ہیں کہ ان کی کہانیوں کا موضوع "محبت" نہیں ہوتا۔ اگرچہ محبت ایک آفاقی جذبہ ہے اور اس جذبے سے وہ بھی انکار نہیں کرتے لیکن ان کے نزدیک مقصد کے سامنے محبت کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا نظریہ محبت منفرد و معتبر ہے جس کی تشریح انہوں نے اس داستانِ دل پذیر میں کی ہے۔ ایک جھلک پیش خدمت ہے۔

"...... میں مانتا ہوں کہ محبت کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے مگر کیا خوشگوار چہروں ہی سے ہوتی ہے، جو وقت کے ساتھ ماند پڑ جاتے ہیں اور پھر کیا محبت، وقت کی محتاج ہوئی یا خوشگوار چہروں کی...... اس راہ پر چلتے ہوئے ہم پہلا قدم ہی غلط رکھ دیتے ہیں پھر بتاؤ، بھلا منزل کیسے مل سکتی ہے؟ میں تم سے یہی کہوں گا کہ پہلے خود کو اس قابل بناؤ کہ تم محبت کر سکو۔ اس کے لیے تمہیں محبت کو سمجھنا ہوگا۔ محبت کی تفسیریں ہوتی رہی ہیں، اب بھی ہوتی ہوں گی اور رہتی دنیا تک ہوتی رہیں گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک عام آدمی کی محبت اور ایک "مرد" کی محبت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میجر نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ پہلے یہ سمجھو کہ مرد ہوتا کون ہے، بلاشبہ اسی سے تمہیں محبت کی سمجھ آئے گی......"

امجد جاوید ایسے کرداروں کو لے کر قلمکاری کرتے ہیں کہ جن کی زندگی جدوجہد سے مزین ہوتی ہے۔ وہ اپنی راہیں خود ڈھونڈتے ہیں۔ وہ ایسے کردار تلاش کر کے سامنے لاتے ہیں جن کے پاس اہم مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کا ہی نہیں اپنے وطن کا درد بھی سینے میں رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں سے "پاکستانیت" جھلکتی ہے۔ زیرِ نظر داستان میں ان کی پاکستانیت کھل کر سامنے آتی ہے جو دوسروں کے لیے ایک پیغام بھی ہے۔

"سوال یہ ہے کہ آخر بھارت سے ہی اسرائیل کا گٹھ جوڑ کیوں ہوا؟ اس کی صرف ایک

وجہ ہے کہ بیشتر عرب ممالک اور خصوصاً پاکستان ایسے ممالک ہیں جہاں اسرائیلی رسائی انتہائی مشکل امر ہے۔ اسرائیل کی اس مشکل کو بھارت اپنے سفارت کاروں کے ذریعے پورا کر رہا ہے۔"

"......ہم بحیثیت پاکستانی قوم حصار سے باہر پڑے ہوئے ہیں اور حصار میں ان دیکھے دشمن موجود ہیں۔ ہم حصار سے باہر کھڑے کسی تماشائی کی طرح اونچی آواز میں گلا پھاڑ کر محض تبصرہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے نام نہاد دانشور حصار میں نہ ہونے کی بناء پر انتشار جیسے دشمن کا شکار ہو چکے ہیں جو ان کے مفتوح ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔ اصل میں سوچنے والی بات یہ ہے کہ انتشار شروع کہاں سے ہوا؟......"

"جب عشق سمندر اوڑھ لیا" میں امجد جاوید نے برہمنیت کا اصل روپ دکھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی نگاہ ہندوازم پر بہت گہری دکھائی دیتی ہے بلکہ خطے کی موجودہ صورتحال میں کس طرح برہمن ازم کا عمل دخل ہے اس کی بھی سمجھ آتی ہے۔ رام راج اور اکھنڈ بھارت کے لیے جدوجہد میں وہ میڈیا پر کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، امجد جاوید نے اس کی واضح نشاندہی کی ہے تاکہ پاکستانی نوجوان آگاہ ہوں کہ وہ کس طرح ریشمی کپڑے میں تعصبات کو لپیٹ کر میڈیا کے ذریعے پیش کر رہے ہیں۔

"سرطان......" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "یہ تو ہم نے بھی تمہاری قوم کو لگا دیا ہے۔ دن رات کتنے بھارتی چینل اپنا پیغام تم لوگوں تک پہنچا رہے ہیں اور وہ لوگ بڑے اطمینان سے پاکستان مخالف باتیں سنتے رہتے ہیں۔ ان کے ضمیر سو رہے ہیں اور ہم یہی چاہتے ہیں۔"

"کیا یہ مردانگی ہے کہ تم اپنی کسی نیم برہنہ عورت کو......"

"نہیں ڈیئر! وہ عورت محاذ پر کھڑی ہے۔ جنگ لڑ رہی ہے، نشہ دے رہی ہے تمہاری قوم کو جو سکرین سے جڑے بیٹھے رہتے ہیں اور یہی ہماری کامیابی ہے۔"

....

......صرف تم ہی نہیں پچانوے فیصد ہندو ایسا ہی کہیں گے اور ان پنڈتوں سے جا کر اگر تم سوال کرو گی تو وہ اپنے اور تمہارے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر تمہیں خاموش کر دیں گے۔ کیونکہ اگر دھرم کی حقیقت سامنے آتی ہے تو برہمن کا ان دیکھا طلسم ٹوٹتا ہے اور اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے رام پر کچھ نہیں کہا، تمہارے ہی مہاتما لیڈروں کے لفظ دہرائے ہیں۔"

امجد جاوید نے اس داستان میں اپنے جاندار کرداروں کے ذریعے فلسفہ اور دلیل سے زندگی، شعور اور انسانی رویئے کے بارے میں بہت سارے رمز بیان کیے ہیں۔ طاقت کے حصول

اور اس کے استعمال میں انسانی کاوشیں اسے کہاں تک لے جاتی ہیں، اس کی جذباتی لگن اور اختیارات کیا رنگ لاتے ہیں، ان کا اظہار انتہائی دلچسپ، خوبصورت اور متاثر کن پیرائے میں کیا ہے۔

"آج کے انسان کا المیہ یہ ہے کہ مادیت نے اسے فطرت سے دور کر دیا ہے۔ پھول کی مہک، ڈوبتے ہوئے سورج کا منظر، بادلوں سے دکھائی دیتا ہوا نیلا آسمان، جھومتا ہوا درخت، پھل کی لذت کیا دولت سے خریدی جاسکتی ہیں۔ میں اپنی روح کی بالیدگی کے لیے لفظوں میں نہیں اترا کیا یہ المیہ نہیں ہے؟ لفظ بے جان نہیں ہوتے۔ یہ انسان کا اپنا احمق پن ہے کہ انہیں بے جان خیال کرتا ہے یہ تو تبھی آ کر ہمکلام ہوتے ہیں جب لفظوں کو معلوم ہو کہ یہ شخص ہمکلام ہونے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟"

"ایک عام مسلمان پاکستانی اس دانشور سے کروڑ درجے اچھا اس لیے ہے کہ اس میں کسی بھی وقت سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے اندر تعصب کی سڑاند نہیں۔"

جب عشق سمندر اوڑھ لیا جیسی معنی خیز داستان کو منفی رنگینیوں سے سہارا دینے کی قطعاً کوشش نہیں کی گئی بلکہ ان سے صرف نظر کیا ہے۔ امجد جاوید اس داستان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس کہانی کے تانے بانے ممبئی شہر ہی میں بُنے گئے ہیں۔ عامر زبیر کے ساتھ جو واقعات اور پیش آئے، انہیں جزئیات کے ساتھ پیش کرنا ہی کہانی کے ساتھ انصاف کرنے کے مترادف ہے لیکن ممبئی شہر کی ثقافت، روایات اور ماحول کو من وعن بیان کرنے سے قلم جھجک جاتا ہے۔ یوں کبھی صرف نظر، کبھی نظر انداز اور کبھی اشارے میں بات کہنے کی کوشش ہوگی۔"

تاہم اس داستان میں منظر نگاری اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔

امجد جاوید آج کے نوجوان سے بہت پر امید ہیں۔ یہاں تک کہ وہی ان میں مستقبل دیکھ رہے ہیں۔ اس داستان کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کا روئے سخن نوجوانوں ہی کی طرف ہے۔

"مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے مجھے ایک راستہ بتایا، مجھے بتایا کہ مردانگی کیا ہوتی ہے۔ میں بنجر زمین نہیں تھا کہ جس میں زرخیز بیج ڈالا جائے تو وہ لگے گا نہیں اور میجر صاحب! مجھے یقین کامل ہے کہ میری قوم، پاکستانی قوم کے نوجوان بنجر زمین نہیں ہیں۔ بڑی زرخیزی ہے ان میں لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ زرخیز بیج کے باوجود نہ کوئی زمین کو پہچان پا رہا ہے اور

نہ بیج کو...... اصل شے تو پہچان ہے نا، وہ چاہے کسی شے کی ہو۔"

"یہ دنیا ایک مقتل ہے میجر صاحب! جو بھی باشعور سر ہے، وہ کاٹا جا رہا ہے لیکن کیا سر کٹ جانے سے مقصد مر جاتا ہے، ہارے ہوئے لشکر کی قیادت کرنے والے کیا واقعی ہار جاتے ہیں؟ تاریخ کے خوں رنگ اوراق گواہی دیں گے کہ ایسا نہیں ہوا۔"

جس عشق سمندر اوڑھ لیا، ایک مسحور کن خوشبو کی مانند ہے۔ یہ داستان میں اس اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ ہمارے نوجوان کو اس سے ایسے بہت خیالات ملیں گے جن سے نہ صرف وہ اپنی زندگی کو بامقصد بنا پائیں گے بلکہ ان کی راہیں بھی نکھر کر واضح ہو جائیں گی۔ کیونکہ بامقصد زندگی انہی کی ہوتی ہے جو اپنے دوست اور دشمن کی پہچان رکھتے ہیں۔

گل فراز احمد

تبصرہ

کہتے ہیں کہ محبت آفاقی جذبہ ہے لیکن آج کل کے محبتیوں نے اسے نفسی جذبہ بنا رکھا ہے اور ہر کوئی اسی کا شکار نظر آتا ہے۔ کم سن بچوں سے لے کر عمر رسیدہ افراد تک ہر کوئی ہی بیمار محبت ہے۔ اس ہوس پرستی کا محرک وہی چیزیں ہیں جو عام ہیں اور ہر گھر میں جن کی رسائی ہے۔ بالیدگی، آگاہی، مثبت سوچ، پرلطف جذبہ محبت اور محبت حاصل کرنے کے جائز اور دلپذیر اصول و عقائد تو اب عنقا ہی ہوئے لیکن کچھ لوگ جو ابھی بھی اس سب کو نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ اپنائے بھی بیٹھے ہیں، انہی میں "جب عشق سمندر اوڑھ لیا" کے عامر زبیر اور مس ثمن بھی شامل ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو بس یہی کہاوت ان دونوں پر لاگو ہوتی ہے۔ عامر کے متعلق تو ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اس کے اندر جو کچھ صلاحیتیں تھیں، وہ تو خداداد تھیں ہی لیکن ان کو پالش بھی بروقت کر دیا گیا اور اس کی تربیت کرنے والے لوگ اسے مقصد کی پاکیزگی کے عروج تک لے گئے جس سے کہ وہ بخوبی کامیاب ہو کر لوٹا۔ کہانی میں ممبئی اور وہاں کے معاشرے کے متعلق جو معلومات دی گئیں، وہ مصنف کی ذہانت اور تحقیقی عادت کی نشاندہی کرتی ہیں جو کہ عام قاری، جسے سیدھی سادی کہانی پڑھنے کی عادت ہوتی ہے، کے لیے بوجھل پن ہوتی ہے لیکن آپ جانیئے کہ جہاں ہم اتنا بڑا پراجیکٹ اٹھاتے ہوں اور انسانوں کے مخصوص، منفی اور طاقتور گروہ کے متعلق سچائی لکھ رہے ہوں تب ایسی باتیں اگنور کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔ عامر کے سوچنے کا انداز، کام کرنے کا طریقہ اور بالخصوص شاردا سے تعلق بڑا دلچسپ رہا۔ کیا یہ وصف ہر کسی میں ہوتا ہے کہ ایک دشمن ملک میں جانا، وہاں قانونی طریقے سے رہ کر بھی اپنی خفیہ سرگرمیاں بآسانی انجام دینا؟ یہ الگ بات کہ عامر کی بیک پر بھی خفیہ اور مضبوط ترین لابی تھی (کام تو وہ آگے خود ہی کر رہا تھا) اور پھر ایک تو بالکل ختم ہوتا ہوا کاروبار نئے سرے سے چلانا، پھر وہاں ہندو ذہنیت کی پروردہ شاردا کو فیس کرنا جس کی اپروچ کافی

اوپر تھی اور وہ مسلمانوں کے خلاف روایتی تعصب سے لیس تھی۔ سریتا کو بھی راہ راست پر لانا، ارون گولی کو شرد چندر کی جگہ سیاست میں ایڈجسٹ کرنا۔ دو لڑکیوں کی نارمل انداز میں شادی کا انتظام، لکشمن راؤ کے لیے انڈر ورلڈ میں جگہ بنانا، غرض یہ سب کام ایسے ہیں جو عام انسان کے لیے ناممکنات میں شامل ہیں لیکن انارکلی کے عامر بھوا نے یہ سب کر دکھایا۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ اور دیومالائی باتیں ہیں لیکن ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ پرائے دیس میں جا کر اس طرح کی "غنڈہ گردی" (ہمارے لیے نہ سہی لیکن متاثرہ لوگوں کے لیے تو یہ غنڈہ گردی ہوگی) ناقابل یقین سی لگی اور پھر عامر کی ایک ایک حرکت بھی نوٹ کی جاتی رہیں اب آتے ہیں کہانی کے مرکزی خیال کی جانب تو ایسا بے مثال اور لاجواب اس کا مرکزی خیال ہے کہ بے اختیار رائیٹر کو داد دینے کو جی چاہتا ہے بلکہ اس مرکزی کردار کو کہ جس نے یہ نیک مقصد پالا اور بے شک اس سب کی بنیاد پر ایک لڑکی کی محبت تھی لیکن بعد میں آ کر اس نے دشمن کی محبت کی بجائے وطن کی محبت پر نگاہیں مرکوز رکھیں۔ عامر زبیر کے ان جذبات پر ہم دلی عقیدت رکھتے ہیں۔ کہانی کا ٹیمپو بھی مناسب رہا لیکن آخری قسط میں واقعات کو ذرا جلدی سمیٹ دیا گیا۔ ٹھیک ہے آپ فالتو بات لکھ کر قارئین کا ٹائم ضائع نہیں کرنا چاہتے لیکن ایسا کیا کہ ذہنی تسکین ناممکن سی ہو۔ ہلکی ہلکی سی تشنگی کا احساس ہوتا رہا۔ اب یہ امجد صاحب ہی جانتے ہیں کہ وہ کون سا پوائنٹ آؤٹ کرتے کرتے رہ گئے۔ آخر میں یہی کہ امجد جاوید نے ایک اچھی کہانی پڑھنے کو دی جس کا مقصد بہت عظیم تھا، اتنا کہ محبتوں سے بھی ذرا بڑھ کر۔ کاش، ہمارے نوجوان عامر زبیر کی سوچ کے مطابق ہو جائیں تو پھر انڈین افواک تو کیا، انڈین میڈیا بھی ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہی نہیں۔ ایک جگہ پر شرد چندر نے کہا تھا کہ برہنہ انڈین لڑکی جو ٹی وی پر آ رہی ہے، دراصل وہ محاذ آرائی کر رہی ہے (پاکستان کے خلاف) تو واقعی غیر مسلم محاذ پر تو ایسی بیہودہ تاریخ رقم کرتے آئے ہیں جس کا ثبوت صلیبی جنگیں ہیں جن میں مسلمانوں کو بہکانے (انہیں خبر تھی کہ یہ مسلمانوں کا کمزور پہلو ہے) کی غرض سے لڑکی اور حشیش کا تلوار سے کہیں زیادہ استعمال کیا گیا۔ بس ہم اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں جو غیر مسلموں کے ان ہتھکنڈوں کے ذریعے ہمیشہ زیر ہوتے آئے ہیں۔ مبارکباد ہے امجد صاحب کے لیے اور احسان ہے ان کا ہم پر کہ وہ آج کی نسل کا خیال کرتے ہوئے ہدایت بھرے قصے اور سچ لکھتے ہیں۔

شبیہہ مظہر رانجھا (بھلوال)

تبصرہ

امجد جاوید کی تحریر "جب عشق سمندر اوڑھ لیا" کا اختتام ہوا۔ امجد صاحب نے تحریر میں وقتاً فوقتاً عشق کی بہت اچھے انداز میں تشریح کی۔ عشق تو بے خودی کا، خود کو فنا کرنے اور سب کچھ قربان کر دینے کا نام ہے۔ اس فنا میں بھی بقا ہے۔ عامر محب وطن تھا، ثمن نے اسے مزید حب الوطنی کی بنیاد فراہم کی۔ عامر نے ثمن کے لیے ایک آگ کا دریا عبور کیا، ثمن کی خاطر۔ ثمن کو حاصل کرنے کے لیے وہ رنگین تتلیوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اس تک آن پہنچا کہ سچائی اسی کو کہتے ہیں۔ ثمن بھی اس کی منتظر رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مٹی واقعی زرخیز ہے مگر یہاں مفاد پرستی، خود غرضی، لالچ، طمع، حرص و ہوس ہے۔ یہ کہنا بجا ہے کہ ہمارے ہی لوگ اپنے ہی گھر کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ نہ انصاف دیکھنے کو ملتا ہے اور نہ ہی ایمانداری، کیا بھیڑ چال ہے۔ مقام افسوس ہے کہ ہم کسی نہ کسی حادثے کے منتظر رہتے ہیں۔ انتہائی حادثوں میں ہماری حب الوطنی اور یکجہتی دنیا کو دیکھنے کو ملتی ہے، عام دنوں میں پھر سے ہم عام لوگ بن جاتے ہیں حالانکہ قدم قدم پہ اس گھر کو ہماری چاہت اور وفا کی ضرورت ہے۔ عامر کے پیش نظر ایک خاص مقصد تھا جس نے اپنے عشق کو وطن کی محبت میں قربان کر دیا۔ یہ اس کی بڑائی ہے حالانکہ اسی عشق کی خاطر بندہ تھل میں رل جاتا ہے، جوگی بن جاتا ہے اور کہیں کچے گھڑے پہ اپنی جان ہار دیتا ہے۔ ثمن کا کردار کافی حد تک مختصر رہا، اسے جاندار روپ میں سامنے آنا چاہیے تھا۔ ثمن بھی کافی ظرف والی نکلی جو عامر کی جدائی میں کندن بن گئی، جسے تنہا رہنے کا ڈھنگ آ گیا۔ دونوں نے ایک خاص مقصد کے تحت اپنے اپنے جذبوں کو میٹھی نیند سلا دیا۔ دیکھنے میں بہت مشکل کام ہے۔ تیتل نے اچھی دوست ہونے کا حق ادا کیا۔ شاردا ایک بھٹکی ہوئی اور پیاسی عورت تھی جس نے عامر کو روکنے کے لیے ایک سطحی سا طریقہ اختیار کیا لیکن شاید بھول بیٹھی تھی کہ محبت زبردستی کا سودا نہیں ہوتا البتہ عامر واقعی ہیرو نکلا جو اپنی جان ہتھیلی پہ لیے پھرتا رہا اور ہر خطرے میں کود پڑتا رہا اور بحفاظت اپنے مقصد کی تکمیل کو پہنچا۔ محترم امجد جاوید! تحریر کی تکمیل پر مبارکباد قبول کریں۔

زوبیہ جہد (کھیالی)

ممبئی کے لئے ایئر انڈیا کا بوئنگ طیارہ ہیتھرو ایئرپورٹ سے ٹیک آف کر کے فضا میں ہموار ہو گیا۔ میں نے گہری سانس لیتے ہوئے بیلٹ اتار دی۔ تبھی ان کھردرے لمحات میں ناہموار بے چینی میرے اندر سرایئت کر گئی یوں جیسے کسی جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی میں سے لاوا پھوٹ پڑے۔ میں اس ناہموار بے چینی پر مطمئن تھا ایسا ہونا ایک فطری عمل تھا اور میں اس فطری بے چینی کو بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اک طویل مسافت کے بعد جب کسی تھکے ہوئے مسافر کو منزل کے قریب پہنچ جانے کا یقین ہو جائے تو ایسی ہی بے ترتیب کیفیات سے آشنائی ہوتی ہے۔ میرے لئے یہی لمحات حاصل زندگی سے کسی طرح بھی کم نہیں تھے۔ میں کسی ایک منزل کا راہی نہیں تھا بلکہ میری منزلیں مخالف سمتوں میں تھیں۔ دوسری منزل تک رسائی تبھی ممکن تھی اگر میں پہلی منزل کو فتح کر کے پلٹ آتا۔ یہی شرط اولین تھی۔ اب جو میں پوری تیاریوں کے ساتھ پہلی منزل کو پا لینے کے لئے سفر کا آغاز کر چکا تھا' ایسے وقت میں اندر کی دنیا اتھل پتھل تو ہونا تھی۔۔۔۔ اجنبی دیس میں' ان دیکھے لوگوں کے درمیان جاتے ہوئے بلاشبہ مختلف جذبات بے لگام ہو جاتے ہیں' پھولوں جیسے نرم جذبے ملنے کی توقع کے ساتھ سنگلاخ پتھروں جیسے رویوں سے ٹکرانے کا پورا یقین ہوتا ہے۔ مجھے خود پر پورا اعتماد تھا اور اسی بھروسے کی وجہ سے میں اجنبی دیس میں ان لوگوں کے درمیان جا رہا تھا' جن سے میں پہلے کبھی نہیں ملا تھا انہیں صرف تصویروں میں دیکھا تھا۔ ان چہروں کا ایک ایک نقش میرے ذہن پر کندہ ہو گیا تھا۔ وہ اگر ہزار لوگوں میں بھی ہوں تو میں انہیں پہچان سکتا تھا مگر بے جان تصویریں کسی کے رویئے کا اظہار تو نہیں کرتیں اور نہ ہی تصویروں کے ذریعے کسی کے باطن میں جھانکا جا سکتا ہے۔ یہ تعلق ہو جانے پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھتے ہیں؟

بھارت کا یہ انجانا سفر بہ ظاہر میرے اپنے لئے نہیں تھا بلکہ راہول اور سمرن پر احسان تھا' وہی دونوں میرے اس سفر کا وسیلہ بنے تھے۔ وہ نہ صرف مجھے اپنا دوست سمجھتے تھے بلکہ اس تعلق پر مان بھی رکھتے تھے۔ میرا یہ سفر اس بات کی مضبوط دلیل تھا کہ میں ان کا اعتماد جیت چکا ہوں۔

"آپ کیا پینا پسند کریں گے۔۔۔؟"

ایک کومل سی فضائی میزبان نے اپنا چہرہ میرے قریب لاتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں کہا تو میں طیارے کے ماحول میں آ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں ناہموار بے چینی کے ساتھ بہہ کر کس قدر ذہنی طور پر یہاں سے غیر حاضر تھا' یہ کوئی خوشگوار بات نہیں تھی۔۔۔ میں نے اس فضائی میزبان کے ملیح چہرے کی جانب دیکھا' بلاشبہ وہ بھارتیہ ناری خوبصورت کہی جا سکتی تھی۔ وہ اپنی نرگسی آنکھوں میں شگفتگی اور ہونٹوں پر مسکان سجائے' بڑے اعتماد سے میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اک لمحہ کے لئے میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں۔ میں نے کوئی لفظ کہے بنا دھیرے سے انکار میں سر ہلا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکان قدرے گہری ہو گئی' پھر وہ بھرپور نگاہوں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں نے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھا۔ میں درمیان کی نشستوں میں' انتہائی بائیں والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ساتھ دائیں جانب ایک یورپی جوڑا ایک دوسرے میں مدغم تھا' شاید انہوں نے پہلے ہی طے کر رکھا تھا کہ طیارہ اڑتے ہی ایک دوسرے میں کھو جائیں گے۔ انہیں کوئی ہوش نہیں تھا۔ میں نے اپنے بائیں جانب دیکھا' دو بوڑھے اونگھ رہے تھے جو شاید نیپالی تھے یا تامل۔ ان بوڑھوں کے اور میرے درمیان راستہ تھا جہاں سے چند لمحے پہلے فضائی میزبان گزری تھی۔۔۔ کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ میں نے سکون سے آنکھیں موند لیں تو میرے اندر کی ناہمواری مزید بڑھنے لگی۔

میدان جنگ میں اترنے سے پہلے اگر حریف کے لگائے ہوئے زخموں کے بارے میں ہی ایسا سوچا جائے جس سے شکست خوردگی کے زخم پھر سے ہرے ہو جائیں تو یہ احساس ہی بذات خود آتش انتقام مزید بھڑکانے کا باعث ہے۔ ایسی یادوں کے ساتھ جڑے ہوئے جذباتی لمحے' کھو دینے کا احساس اور پا لینے کی تمنا میرا ارتکاز مجروع کر سکتے تھے۔ دوسری منزل کے حصول میں' پہلی منزل کا سفر کھوٹا کر لینا دانشمندی نہیں ہوتا۔ میں ان جذباتی یادوں کو دہرانا نہیں چاہتا تھا جو میری توجہ کو منتشر کر دیتیں۔ مجھے یہ سبق اچھی طرح یاد تھا کہ جیسے عشاق ہر شے سے انکار کر کے اپنی توجہ فقط اپنے معشوق پر رکھتے ہیں' بالکل اسی طرح دشمن کی شکست پر اپنی توجہ لگا دینا ہی پہلی کامیابی ہوا کرتی ہے۔ میں نے ان ریشمی یادوں کو بڑے خلوص سے لاشعور میں بند کر دیا اور اپنے اندر ہونے والی ناہموار بے چینی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں اپنی اس کیفیت کے بارے میں سوچتا رہا تو میرا ماضی میرے سامنے تن جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ ایسے وقت میں کیا کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنی ارتکازی قوتوں کو مجتمع کیا تو چند لمحوں میں یادوں کی یہ امربیل اوجھل ہو گئی۔ میں راہول کو یاد کرنے لگا جو مجھے میری پہلی منزل تک رسائی کا قدرتی وسیلہ بن گیا تھا۔ میں اگرچہ بریڈ فورڈ آتے ہی کسی ایسے وسیلے کی تلاش میں تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی ضرور ملے گا مگر یہ گمان نہیں تھا کہ راہول جیسا شخص بھی مل سکتا ہے۔ میں نے اسے غیبی مدد ہی تصور کیا تھا۔

✿✿

راہول بریڈ فورڈ یونیورسٹی میں نہ صرف میرا کلاس فیلو تھا بلکہ وہ واحد ایشائی تھا جو "ویرنے ہال" میں بالکل میرے سامنے والے کمرے میں آن ٹھہرا تھا۔ وہ بھارت سے بزنس کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ فقط ایک ہفتے میں اس سے متعلق کار آمد حد تک معلومات مجھے مل گئیں۔ وہ مجھے اپنے مطلب کا بندہ لگا۔ اگلے دو ہفتوں میں وہ میرے قریب آگیا' میرے ان تعلق داروں میں راہول کا بھی اضافہ ہو گیا جو بھارتی کمیونٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ قدرے لا ابالی اور لاپروا نظر آتا تھا۔ نکلتا ہوا قد' مضبوط جسم' تیکھے اور مردانہ وجاہت سے بھرپور نین نقش' جس پر بھاری مونچھیں بڑی جاذب نظر لگتی تھیں۔ وہ پہلی نظر میں احمقانہ حد تک معصوم دکھائی دیتا تھا مگر وہ احمق تھا نہیں۔ کسی بھی مخصوص نظریات کا حامل شخص' ناممکن ہے کہ ان نظریات کے زیر اثر نہ ہو جنہیں وہ مقدس خیال کرتا ہے۔ اس شخص میں پوری طرح نہ سہی لیکن تھوڑی بہت وہ خوبیاں یا خامیاں ضرور موجود ہوتی ہیں جو ان مخصوص نظریات کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں۔ بالکل ایسے جس طرح دین اسلام میں نظریہ جہاد ذوق شہادت پیدا کرتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنی جان گنوا دینے کو مسلمان نعمت عظمیٰ گردانتے ہیں۔ راہول ہندوؤں کے اس طبقے سے تعلق رکھتا تھا جنہیں براہمن کہا جاتا تھا' جو اپنے دھرم میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ اس نے کبھی اپنے کسی رویئے سے خود کو ایسا ثابت نہیں کیا تھا' وہ خود کو سیکولر کہتا تھا اور اپنے کہے ہوئے پر کار بند بھی تھا مگر تاریخ یہی سبق دیتی ہے کہ چانکیہ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے یہ لوگ اپنی جون تک بدل لیتے ہیں مگر اپنے خیالات نہیں بدلتے۔۔۔۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھتے تھے۔ دھیرے دھیرے ایک دوسرے کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کا تو پتہ نہیں کہ وہ کس مقصد کے لئے میرے نزدیک ہوا تھا یا اس کا کوئی مقصد تھا بھی یا نہیں لیکن میں نے اسے جذباتی جنگ کا نام دے رکھا تھا۔ ایسی جنگ میں احسانوں کے پے در پے وار کر کے حریف کو چت کیا جاتا ہے۔ سوائے مذہب کے ہمارے درمیان ہر موضوع پر باتیں ہوتیں۔ پڑھائی سے لے کر جذباتی رویوں تک' دنیا کے ہر معاشی نظام سے لے کر ان کے اثرات تک' جنس سے لے کر ایٹم بم کی تباہ کاریوں تک۔ تاہم راہول کا پسندیدہ ترین موضوع "سمرن" تھا' جس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا۔ سمرن ممبئی میں تھی۔ وہ جب اس کے بارے میں باتیں کرتا تو پھر اسے ہوش نہیں رہتا تھا' وہ بے تکان بولتا۔ سمرن اس کی جذباتی کمزوری تھی۔ وہ ہر ویک اینڈ پہ ایک مخصوص وقت پر سمرن کو فون کرتا۔ میں ہر ہفتے کی شام ویرنے ہال سے چلا جایا کرتا تھا اور اتوار کی شام واپس آتا۔ تب میں اس سے پوری تفصیل سنتا۔ جسے وہ بڑے جذب کے ساتھ سنایا کرتا۔ اس نے کیا کیا باتیں کی ہیں' وہ ممبئی میں اس کے بغیر کیسا محسوس کر رہی ہے' اس نے کیا کچھ کہا' یہی سب بتاتے اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔ ہماری وہ شام کسی نہ کسی انڈین ریستوران میں گزرتی۔ وہ براہمن ہونے کے باوجود میرے ساتھ

گوشت کھالیا کرتا تھا۔ سمرن کا ہر ہفتے خط بھی آتا جو زیادہ تر انگریزی زبان میں اور کبھی کبھی ہندی رسم الخط میں ہوتا۔ انگریزی میں لکھا گیا خط تو وہ مجھے پڑھنے کے لئے دے دیتا لیکن ہندی رسم الخط والا خط وہ خود پڑھ کر سناتا۔ اگرچہ راہول کے پاس سمرن کی خاصی تصویریں تھیں لیکن اگر کبھی وہ اپنی تازہ تصویر بھیج دیتی تو راہول کی خوشی دیکھنے لائق ہوتی' وہ بہت زیادہ خوش ہو جاتا۔ یوں میں پورے ویرنے ہال میں اس کا شریک راز ہونے کے باعث اس کی خوشیوں بھی بھی شامل تھا۔

راہول کا تعلق ممبئی کے ایک امیر کاروباری خاندان سے تھا۔ اس کا باپ کشن لعل ایک ٹیکسٹائل مل کا مالک تھا۔ وہ اس کاروبار میں پرانا آدمی ہونے کے باعث سارا نظام سنبھالے ہوئے تھا۔ دو بہنیں تھیں' شاردا اس سے بڑی اور سریتا اس سے چھوٹی تھی۔ یہ مختصر سا خاندان ممبئی میں "جوہو" کے علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ اسی علاقے کے انڈسٹریل ایریا میں ان کی مل تھی۔ راہول نے مجھے اپنے گھر والوں کی اتنی تصویریں دکھائیں کہ میں اس کے گھر والوں سے ملے بغیر ہی ان سے مانوس ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے گھر کو بہت یاد کیا کرتا۔ وہاں اس کا تابناک مستقبل تھا۔ یہاں سے پڑھائی ختم کر کے اسے واپس جانا تھا تاکہ اپنا کاروبار سنبھال سکے اس لئے لاابالی اور لاپروا دکھائی دینے والا راہول' پوری محنت اور دیانت داری سے بزنس کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ پڑھائی اور سمرن تک محدود تھی۔ بریڈ فورڈ کے آزاد ماحول میں بکھرے رنگ کشش رکھتے تھے۔ کھانے پینے سے لے کر رنگین شاموں تک اور دوستی سے لے کر جنسی تعلقات تک سبھی کچھ تھا۔ ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ موجود تھے۔ جن کے ساتھ ان کی ثقافت اور رویئے تک تھے مگر اس نے کبھی کسی پر توجہ نہیں دی تھی' اس کے لئے سمرن کی یادیں اس قدر مسحور کن تھیں کہ وہ انہی میں مسرور رہتا۔ ایسا اس لئے بھی تھا کہ سمرن کے ہر خط میں پیار بھرے جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہوتا' ان میں وہ میٹھی تڑپ بھی موجود ہوتی جس سے عشاق زندگی پاتے ہیں۔

اس رات بھی ہم اپنے پسندیدہ انڈین ریستوران میں بیٹھے کھانے کے انتظار میں تھے۔ راہول کو اس ریستوران کے کھانے بہت پسند تھے' خصوصاً" بریانی اور مجھے مٹن کباب۔ اس کے علاوہ مجھے وہاں پر آنے والے ان لوگوں میں دلچسپی ہوا کرتی تھی جو ہندو کمیونٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر میرے واقف کار یا شناسا ہوتے اس رات بھی میں اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ راہول نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"عامر! مجھے آج کل سمرن بڑی یاد آ رہی ہے۔۔۔؟"

"یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔۔۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "حیرت تو اس وقت ہوگی جب تم یہ کہو گے کہ سمرن مجھے یاد نہیں آ رہی ہے۔"

"عامر! جب سے وہ مجھے پہلے دن۔۔۔"

میں نے اسے ٹوکتے ہوئے بدمزگی سے کہا۔ "بائے گاڈ' راہول! میں یہ تمہاری پہلی ملاقات اتنی بار سن چکا ہوں کہ مجھے لگتا ہے' تم نہیں بلکہ اس سے میں ملا ہوں۔ ایک ایک لفظ اور سمرن کا ایک ایک انداز مجھے ازبر ہو چکا ہے' چاہو تو مجھ سے ابھی سن لو۔"

"پہلے میری بات تو سن لو---" اس نے بے چارگی سے سر مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا' بولو---" میں نے اس پر گویا احسان کر دیا۔

"میں پہلی ملاقات سے لے کر اب تک اسے بھول نہیں پایا۔ مجھے بریڈ فورڈ آئے ایک سال ہو چکا ہے۔ یہاں آ کر میں اسے بھولا نہیں بلکہ اس کی یاد شدت سے بڑھی ہے مگر اس پورے سال میں ایسا خیال مجھے کبھی نہیں آیا جو چند دنوں سے مجھے بے حال کر رہا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک ثانیہ کے لئے رکا۔ میں خاموش رہا تو اس نے دھیرے سے بولا۔ "مجھے اس کی بہت یاد آ رہی ہے' میں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے واپس ممبئی چلے جانا چاہئے۔"

اس نے اتنی بڑی بات انتہائی نرم انداز میں کہی تو مجھے ایک دم سے جھٹکا لگا۔ میں جو یہ سمجھتا تھا کہ میں راہول کی تمام تر شدتوں کو جانتا ہوں' میرا اندازہ یوں غلط تھا کہ جیسے کوئی ساحل سمندر پر لہروں کی دیوانگی سے سمندر کے طوفان کی شدت کا اندازہ لگا لے۔ اس کی شدت میں کتنے طوفان برپا ہیں' ان کی ذرا بھی خبر نہ ہو--- میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اتنی حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہو---؟"

"تم نے بات ہی ایسی کہہ دی ہے میرے دوست! میں نہیں سمجھتا کہ تم سمرن کے لئے اتنی شدت رکھتے ہو۔ جو تمہاری سوچ کو اس سطح پر لے آئے گی اور تم واپس جانے کا سوچنے لگو گے' وہ بھی اپنی تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں---"

"عامر! میں کیا کروں' میرا دل ہی نہیں لگتا۔ مجھے خود پر اختیار ہی نہیں' میں یہاں ہوں لیکن میرا دھیان وہیں سمرن کے آس پاس ہوتا ہے۔"

وہ بے چارگی سے پلیٹ گھماتے ہوئے بولا۔ میں چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے خلوص پر شک نہیں ڈیئر! مگر تمہارا یہ جو انداز محبت ہے نا' یہ غلط ہے۔"

میں نے دھیمے انداز میں کہا۔ میری بات کا ردعمل اس کی آنکھوں نے ظاہر کر دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیسے---؟"

"تم نے سمرن کو اپنا مرکز بنا لیا ہے اور اب اس کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہو' اس لوہے کی مانند جو مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے---"

"مگر میں کیا کروں' میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے بہت کوشش۔۔۔"

"مجھے یہ بتاؤ' راہول! کیا سمرن کے لئے تمہارا پیار' تمہاری محبت اور تمام تر شدتیں' اس کے وجود کے ساتھ ہی ہیں' اس کا جسم اور اس کی لذتیں ہی تمہارے لئے سب کچھ ہے؟ محبت تو بالکل ایک الگ طرح کا جذبہ ہے' میرے نزدیک اس میں وجود کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔" میرے یوں کہنے پر وہ اچانک ڈھیلا پڑ گیا جیسے اس کی ساری سوچیں کاٹ کر پھینک دی گئی ہوں۔ وہ خاموش رہا تو میں نے کہا۔ "دیکھو راہول! جس طرح تمہاری شدتیں خالص ہیں اور تم اسی کے لئے سوچتے ہو' کیا وہ بھی ایسا ہی سوچتی ہے' اس کا تمہیں یقین ہے۔۔۔؟"

"مجھے۔۔۔!" اس نے تذبذب کے عالم میں کچھ کہنا چاہا لیکن پھر ایک دم تیزی سے بولا۔ "مگر کوئی ایسا پیمانہ ہے جو خلوص اور محبت کو ناپ سکے۔۔۔؟"

"ہاں ہے' اور وہ ہے عمل۔۔۔" میں ایک لحظہ خاموش ہو کر اپنی بات کا رد عمل اس کے چہرے پر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن ہنوز تیر رہی تھی۔ تب میں نے کہا۔ "یہ تمہاری تعلیم کا دورانیہ ہی ایک معیار ہے' ایک پیمانہ ہے' جس سے نہ صرف تم سمرن کا خلوص بلکہ اپنی محبت کو بھی جانچ سکتے ہو۔ یہی تعلیمی دورانیہ وقت کی وہ بھٹی ہے جہاں تم دونوں کے جذبات کا سونا اس کے خالص یا نا خالص ہونے کا ثبوت دے گا۔"

"یہ بالکل ٹھیک ہے' صحیح بات ہے مگر۔۔۔ سوال پھر وہی ہے کہ میں کیا کروں؟"

"جب تک تم اس تک پہنچنے کا سوچتے رہو گے' دل بھی تمہاری اسی سوچ کا ساتھ دے گا اور تم ہمیشہ پریشان رہو گے لیکن اگر تم یہ سوچ لو کہ تمہیں انتظار کی بھٹی میں اپنے سونے جیسے جذبات کو کندن بنانا ہے تو پھر منتظر رہو۔ بلاشبہ پھر مرکز تم ہی بن جاؤ گے اور پھر لوہا تم نہیں' وہ ہو گی۔ وہ تمہارے مدار میں خود بخود آ جائے گی اور تم مقناطیس بن جاؤ گے۔"

میں نے دھیرے دھیرے کہا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"اویو' عامر! تم نے پہلے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔ تم نے تو میری سوچ ہی بدل کر رکھ دی ہے۔۔۔"

"پہلے تم نے کبھی ایسی احمقانہ بات نہیں کی تھی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔

"عامر! سچ بتانا' تم نے محبت کی ہے؟"

اس نے ایک بار پھر ایک بہت بڑی بات آرام سے کہہ دی۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر بات کرتے ہوئے یا اس پر سوچتے ہوئے میرے سارے زخم پھر سے ہرے ہو جایا کرتے تھے۔ میں نے

مکمل ضبط سے اپنے اندر کی کیفیت پر قابو پایا اور ہنستے ہوئے کہا۔

"پہلے تم نے احمقانہ بات کہی تھی' اب بے وقوفانہ سوال کر دیا۔۔۔" میرے عام سے انداز پر وہ میری بات نظرانداز کر گیا' پھر اگلے ہی لمحے وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"میں نے سمرن سے متعلق تمہیں اپنی شدتوں کے بارے میں ہی بتایا ہے اور عامر! میں سچے دل سے جانتا ہوں کہ تمہاری باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے' وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں نے سمرن کے بارے میں تمہیں یہ کچھ نہیں بتایا کہ اس کے حالات کیا ہیں' تم جب سنو گے تو خود ہی میرے ہم خیال ہو جاؤ گے۔۔۔"

یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ ویٹرس کھانا لگانے لگی۔ وہ چلی گئی تو کھانے کے دوران راہول مجھے بتاتا چلا گیا۔

"سمرن کوئی معمولی خاندان کی لڑکی نہیں ہے' اس کا باپ ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ وہ ابھی بہت چھوٹی تھی جب اس کے ڈیڈ کا دیہانت ہو گیا' سمرن اور اس کی ماما تنہا رہ گئے۔ اگرچہ وہ لوگ ایک بڑے اور بھرے پرے خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر سمرن کی ماما نے اپنے سسرال والوں کی بجائے اپنے بڑے بھائی رنجیت کھرانہ پر اعتماد کیا اور سارا بزنس اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ یوں ان کی دیکھ بھال سے لے کر ان کے کاروبار تک کا خیال اس نے رکھا۔ وہ اپنی فیملی لے کر انہی کے ساتھ آ کر رہنے لگا۔ وہ ایک سرکاری آفیسر تھا مگر اس نے کروڑوں کا بزنس سنبھال کر اپنے خاندان کا مستقبل بھی سنوار لیا۔ اس نے ایک دم سے مرغی نہیں کھائی بلکہ سونے کے انڈے کھاتا رہا۔ رنجیت کھرانہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ سمرن بچپن ہی سے یہ سب کچھ دیکھتی اور سمجھتی آئی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کی ماما اور ماموں کیا سوچ رہے ہیں۔ وہ پڑھائی ختم کرے گی تو اس کی شادی اس کے ماموں زاد اجیت سے کر دی جائے گی۔ پھر وہ نہ صرف اس کی زندگی کا مالک ہو گا بلکہ کاروبار کا بھی۔ اس لئے اجیت ابھی سے اپنے باپ کے ساتھ کاروبار کو سمجھ رہا ہے۔"

راہول نے ٹکڑوں میں اپنی بات مکمل کی اور خاموش ہو گیا۔ تب میں نے پوچھا۔

"وہ اس وقت کیا کر رہی ہے' مطلب پڑھ رہی ہے یا۔۔۔؟"

"وہ محض وقت گزاری کے لئے پڑھ رہی ہے' اس کے ساتھ ایک فیشن میگزین کے لئے بھی کام کرتی ہے۔ یہ سب اجیت کے ساتھ شادی سے بچنے اور میرے انتظار کے لئے ہے۔ تم اب میری بات بخوبی سمجھ سکتے ہو۔۔۔"

"تمہیں صرف یہی ڈر ہے کہ سمرن کی شادی اجیت سے کر دی جائے گی؟" میں نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

"بالکل۔۔۔ وہ وہاں پر اکیلی ہے' اسے اگر اعتماد ہے تو صرف میری ذات پر اور ابھی تک ہمارے

تعلق کے بارے میں کسی کو نہیں پتہ' اس وجہ سے سمرن کے لئے وہاں کے حالات تنگ نہیں ہیں مگر وہ کب تک وقت گزار پائے گی؟--- میں چاہتا ہوں کہ سمرن کے لئے وقت اور حالات تنگ ہونے سے پہلے ہی--- تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

راہول نے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ میں اسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دینا چاہ رہا تھا' اس لئے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"یار! آج ان کے کبابوں میں وہ لذت نہیں ہے---"

میرے اس طرح کہنے پر اس نے گہری سانس لی اور ڈھیلے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا۔

"عامر! میں نے تمہیں اپنا دوست سمجھا ہے' مجھے تم پر مان ہے اور تم ہی میری بات کو اہمیت نہیں دے رہے ہو---"

شدت جذبات کے باعث اس کا گلا رندھ گیا۔ پھر اس نے کچھ نہیں کہا' کتنی دیر تک وہ ڈھیلے سے انداز میں کھانا کھاتا رہا۔ میں نے کھانا ختم کیا اور نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"راہول! تمہیں اپنے پیار پر اعتماد ہے یا نہیں---؟"

میرے یوں پوچھنے پر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"بالکل ہے' مجھے اپنے پیار پر مکمل اعتماد ہے---"

"تو پھر یقین رکھو' کچھ بھی نہیں ہو گا۔ تمہارے کہنے کی مطابق وقت اور حالات تنگ ہو سکتے ہیں تو ہو جانے دو۔ دیکھو تو سہی' وہ کرتی کیا ہے؟ صرف دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ وہ تمہیں سوری کہہ دے گی اور اس کی شادی اجیت سے ہو جائے گی۔ تب پھر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا۔ اس کی طرف پلٹ کر دیکھنا یا کوئی قدم اٹھانا تمہارے گھٹیا پن کا ثبوت ہو گا۔ دوسری صورت یہ ہو گی کہ وہ مجبور ہو کر تمہیں پکارے گی' اپنی ماما سے بغاوت کر کے تمہاری مدد چاہے گی۔ تب پھر تم پوری دنیا تج کے اس کی مدد کرنا' بھلے اس میں جان بھی چلی جائے۔ یہی دستور محبت ہے۔"

"وہ ایک نازک سی لڑکی اور اس کا اتنا بڑا خاندان--- عامر! اسے مجبور کر دیا جا سکتا ہے اور میں اتنی دور---"

"لیکن' راہول ڈیئر! جب سمرن کا دل تمہارا ہے تو اسے تم سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا--- خود پر اور سمرن پر اعتماد کرو۔ بس اپنی سوچ بدل کر' صبر سے تھوڑا عرصہ انتظار کرو۔"

میں نے یہ کہتے ہوئے اشارے کے ساتھ اسے کھانے کی طرف متوجہ کیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے اندر جنگ چھڑ گئی ہے۔ جب بندہ ہونے اور نہ ہونے جیسی کیفیت میں مبتلا ہو جائے تو اذیت کی ایک صبر آزما صورت سے متعارف ہوتا ہے--- راہول اپنے طور پر کوئی بھی

فیصلہ کرتا' مجھے معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ میرے کام آ سکتا ہے یا پھر مجھے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہئے۔ اگر وہ میرے مطلب کی سوچ اپناتا تب میں اس پر مزید محنت کرتا ورنہ پھر میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا تھا۔

✿✿

اگلے اتوار جب میں واپس آیا تو رات گہری ہو چکی تھی۔ میں اپنے کمرے میں آ کر جوتے اتار رہا تھا کہ راہول آ گیا۔ میں نے یوں اسے بے وقت آتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"تم سوئے نہیں--- خیریت تو ہے؟"

وہ میرا سوال نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے تم یہ بتاؤ کہ ہر ویک اینڈ پر کہاں چلے جاتے ہو۔ مجھے آج تک تم نے یہ نہیں بتایا؟"

اس نے کہا تو مجھے ایک ذرا سا جھٹکا لگا' تاہم میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا اور عام سے لہجے میں پوچھا۔

"ہوا کیا ہے--- خیریت تو ہے' نا؟"

"میں نے یہ پوچھا ہے کہ تم ہر ویک اینڈ پر کہاں جاتے ہو' اس طرح غائب ہوتے ہو کہ پتہ بھی نہیں چلتا؟" وہ اٹکا رہا۔ اس کے لہجے میں شک سے زیادہ شکوہ عیاں تھا۔

"مانچسٹر میں میرے کچھ پاکستانی دوست ہیں' ان کے پاس چلا جاتا ہوں۔"

"مگر ان میں سے کوئی ایک بھی تمہارے پاس کبھی نہیں آیا؟"

راہول نے نکتہ کی بات کہی۔ تو میں نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اصل میں' ڈیئر! مانچسٹر میں میرے ایک دوست کا اپنا ذاتی گھر ہے۔ ہم کئی سارے بے گھر دوست وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس کی بیوی کھانا بناتی ہے' ہم کھاتے پیتے اور گپیں لگاتے ہیں۔ پھر یوں کسی کے پاس وقت بھی تو نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کے پاس جائیں---"

"میں یہاں اکیلا بور ہوتا رہتا ہوں' مجھے بھی اپنے ساتھ لے جایا کرو---"

"ٹھیک ہے--- تم بتاؤ' آخر بات کیا ہے؟"

میں نے اس موضوع کی اہمیت ختم کر دینے کے لئے کہا کیونکہ میں اسے قطعاً" نہیں بتا سکتا تھا کہ میں ہر ویک اینڈ پر کہاں جاتا ہوں؟ یہ میرے لئے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اب جبکہ راہول نے میرا غائب ہونا محسوس کر لیا تھا تو میرے لئے محتاط ہو جانا بہت ضروری تھا ورنہ راز فاش ہو جانے کا مطلب اپنے مقصد کے ساتھ اپنی جان بھی گروی رکھ دینے والی بات تھی۔

"بات کیا ہونی ہے' وہی سمرن--- وہ یہاں میرے پاس بریڈ فورڈ آنا چاہتی ہے۔"

اس نے دھیرے سے گویا دھماکہ کر دیا مگر میں نے پورے تحمل سے پوچھا۔

"تم نے خود اسے کہا تھا کہ آ جاؤ۔۔۔؟"

"بھگوان قسم' میں نے اس سے نہیں کہا بلکہ میری آواز سنتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو رکا اور پھر دھیرے سے بولا۔ "اس پر شادی کے لئے دباؤ بڑھ گیا ہے اور مزید پڑھائی کے علاوہ اس کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے۔ یوں اس نے اپنے طور پر یہی حل نکالا ہے کہ وہ پڑھنے کے لئے بریڈ فورڈ آ جائے۔ اس نے یہاں آنے کے لئے سارے مرحلے طے کرنا بھی شروع کر دیئے ہیں۔ اب پتہ نہیں' وہ یہاں تک پہنچ بھی پاتی ہے یا نہیں؟"

"اس میں اتنی مایوسی کی بات اب کیا ہے' بس وہ آ جائے گی۔۔۔"

"صرف اور صرف اس کی ماں کی اجازت مانع ہے۔ وہ نہیں چاہ رہی' وہ تو اس کی شادی کر دینا چاہتی ہے اور وہ بھی جلد از جلد۔۔۔"

"اک ذرا سا اور صبر' میری جاں۔۔۔!" میں نے راہول سے کہا۔ "یہی وہ مرحلہ ہے جہاں تمہاری سمرن کے تمام تر جذبوں کے خالص اور ناخالص ہونے کا پتہ چل جائے گا۔"

"کہنا کیا چاہتے ہو تم۔۔۔؟"

"یہی کہ اگر وہ اپنی ماں کی بات مان کر وہیں رہ جاتی ہے اور اجیت سے شادی بھی کر لیتی ہے تو پھر تمہارا اس پر کوئی حق نہیں۔ اسے بھولنا ہو گا' اسے اپنی دنیا میں جینے دینا۔ یہ مشرقی عورتیں اپنے آپ کو خاندان کے ماحول میں بڑی جلدی ڈھال لیتی ہیں اور اگر وہ آ جاتی ہے تو پھر اس کی قدر کرنا' اتنی کہ اس پر اپنا آپ وار دینا۔۔۔"

میں نے کہا تو وہ کتنی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ یہ تو اسے ممبئی سے یہاں بریڈ فورڈ تک آنا ہے' محبت کرنے والے تو اس سے بھی مشکل مرحلوں سے گزر جاتے ہیں۔۔۔ مجھے انتظار کرنا ہو گا۔" راہول کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "اوکے۔۔۔ تم آرام کرو' صبح ملاقات ہو گی۔"

"وش یو گڈ لک' مائی فرینڈ!۔۔۔ پریشان مت ہونا۔"

میں نے دروازے میں سے کہا اور چٹخنی چڑھا کر اپنے بیڈ پر پھیل گیا۔ مجھے اب راہول سے بہت زیادہ محتاط رہنا تھا۔

✿✿

ان دنوں راہول پر سمرن کے چھن جانے کا خوف مسلط تھا۔ اس کا وہ سارا لاابالی پن دھویں کی طرح فضا میں تحلیل ہو چکا تھا' وہ خود سے بے گانہ ہو رہا تھا۔ جب سوچیں اسے حد درجہ پریشان کر دیتیں' ایسے میں وہ میرے پاس آ جاتا۔ خوف میں لپٹی ہوئی باتیں' جذبات میں بھیگی ہوئی سمرن کی یادیں

ور محبت سے رچے ہوئے انتظار ملی ڈھیروں باتیں کرتا۔ میں بڑے تحمل اور توجہ سے اس کی باتیں سنتا
رہتا۔ پھر ایک دن وہ تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرے کمرے میں آگیا' شدت جذبات سے کوئی
نظ اس کے منہ سے نہیں نکل پا رہا تھا۔ وہ میرے ساتھ لپٹتا ہوا خوشی سے بولا۔

"وہ آ رہی ہے--- میرا پیار' میری محبت' میری سمرن' میرے لئے صرف میرے لئے ممبئی سے
ہاں آ رہی ہے--- بولو' ڈیئر عامر! وہ اپنے جذبوں میں خالص ہے کہ نہیں؟"

"کب آ رہی ہے---؟" میں نے اس کی خوشی میں شامل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک تین دن بعد--- میری ابھی اس سے بات ہوئی ہے' اس نے فلائیٹ نمبر اور وقت بتایا
ہے۔ وہ لیڈز ایئر پورٹ پر آئے گی اور--- اور ہم اسے لینے جائیں گے۔"

اس نے ایک ہی سانس میں ساری معلومات دیتے ہوئے کہا--- اس کا سمرن سے مسلسل رابطہ
ا۔ یہاں پر سارے کام اسی نے نمٹائے تھے۔ داخلہ کروا کے فیس جمع کروائی' ویزے کے معاملات اور
ہنے کے لئے ڈینس بارے ہال میں کمرہ بھی لے لیا تھا۔ پانے کی آرزو میں گھلنا' کسی شے کو پانے کا
ن مل جانا اور پھر پالینے کے بعد' یہ ساری مختلف کیفیات ہیں اور انہی کا نام زندگی ہے۔

اس روز لیڈز ایئر پورٹ پر راہول کی بے چینی اپنے عروج پر تھی' سمرن ہیتھرو پہنچ چکی تھی
ر وہاں سے اس نے فون بھی کر دیا تھا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھتا۔ اس کے لئے وقت ایسی برف ہو گیا تھا
کسی طور گھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ مجھ سے آدھی ادھوری بات کرتا اور پھر ادھر ادھر
یکھنے لگتا۔ وہ اپنے اندر کی کیفیات چھپانے میں ناکام تھا' اسی کشمکش میں فلائیٹ آنے کا اعلان ہو گیا تو
اہول کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکل گیا۔

"وہ آ گئی ہے---"

تب میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی' کچھ دیر بعد مسافروں کی آمد شروع ہو گئی۔ راہول کی
ری توجہ ان کی طرف تھی۔ میں نے ایک طرف ہٹ جانا چاہا تو اس نے محسوس کر کے کہا۔

"اے' تم کدھر جا رہے ہو؟--- اب وہ آ رہی ہے اور تم ہو کہ---"

"میں اس لئے تھوڑا ہٹ کر کھڑا ہونا چاہتا ہوں ڈیئر کہ وہ اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ تمہیں مل
لے۔ ہو سکتا ہے' میرے ہونے کے احساس سے وہ شرما جائے' ان شدتوں کا اظہار نہ کر پائے جو وہ
ارے ساتھ اکیلے میں کر سکتی ہے۔"

میرے یوں کہنے پر اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ممنونیت اتر آئی۔ میرا یہ عمل ضائع نہیں
تھا' وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ میں چند قدم کے فاصلے پر جا کے کھڑا ہو گیا۔ ذرا سا وقت گزرا ہو گا'
ن کاندھے پر ہلکا بیگ لٹکائے' متلاشی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی نظر آئی۔ وہ انہی تصویروں جیسی تھی
میں نے راہول کے پاس دیکھی تھیں۔ وہی بھرے بھرے جسم والی سانولی سی' نکلتے ہوئے قد کے

ساتھ لمبے بالوں والی' خالص مشرقی نین نقش جن میں آنکھیں جادو اثر رکھتی تھیں۔ اس نے کالی پتلون کے ساتھ گلابی رنگ کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی جس میں سے ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے گلے میں میرون کلر کا لیڈیز مفلر تھا۔ اس کے گہرے بھورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ لمحوں میں اس کی نظر راہول پر پڑی' تب وہ تیز قدموں سے بڑھتی ہوئی اس کے گلے لگ گئی۔ میں ان دونوں کی بے چینیاں دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی' دوریوں کا احساس میرے رگ و پے میں سرائیت کر گیا اور ایک لمحے کو احساس محرومی نے مجھے نڈھال کر کے رکھ دیا۔ میں نے تیزی سے خود پر قابو پایا اور سمرن کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں کاجل پھیل گیا تھا۔ خوشی اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی' ایسے میں آنسو نجانے کہاں سے آ جاتے ہیں؟--- ان کی بے چینیاں کم ہوئیں تو راہول نے سمرن کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور میری جانب بڑھ آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ تعارف کرواتا' سمرن نے جلدی سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً آپ عامر ہیں---؟"

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا' اس کی آنکھوں میں اپنائیت اتر آئی تھی۔

"بالکل صحیح پہچانا' میں عامر ہی ہوں--- کیسا رہا تمہارا سفر؟" میں نے دھیرے سے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا--- ہیتھرو سے لیڈز کے لئے جہاز بدلتے ہوئے تھوڑا وقت لگا لیکن یہ سفر بڑا طویل لگا۔" اس نے چمکتی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے' سمرن! جب کسی اپنے تک پہنچ جانے کی جلدی ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے---"

میں نے کہا تو اک شرگیں احساس کے ساتھ اس کی نگاہیں حیا بار ہو گئیں اور انہی لمحوں میں ہلکی سی فتح مندی کا احساس مجھے سرشار کر گیا۔ یہ بالکل ایک ایسی کیفیت تھی جیسے کسی کو میدان جنگ میں اترنے سے قبل اپنا پسندیدہ ہتھیار مل جائے' میری محنت ضائع نہیں گئی تھی۔

اس رات ہم تینوں اپنے پسندیدہ انڈین ریستوران میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ سمرن ان مراحل کے بارے میں بتا چکی تھی کہ وہ کیسے یہاں تک پہنچی ہے۔ وہ اس وقت بہت تر و تازہ لگ رہی تھی' کسی اپنے کی پناہوں میں آجانے سے شاید ایسی ہی تازگی میسر آ جاتی ہے۔

"میں بہت خوش ہوں یہاں آ کر' میرا اعتماد بڑھ گیا اور پھر راہول کے ساتھ آپ جیسا دوست مل گیا۔" وہ جذبات سے بوجھل لہجے میں بولی۔

"ہاں' مجھے بھی بہت خوشی ہوئی جو ایک عاشق کی باتیں سننے سے بچ گیا ہوں۔ اس کی نہ سنتا تو یہ پھٹ جاتا۔ تمہارے ساتھ پہلے دن کی ملاقات سے لے کر اب تک کی ساری کہانیاں میں نے ہی سنی ہیں اور اتنی بار سنی ہیں کہ تم سب کچھ مجھ سے سن سکتی ہو' میرا حوصلہ دیکھو---"

میں نے خوشگوار الفاظ میں کہا تو وہ مصنوعی حیرت سے راہول کی طرف دیکھ کر بولی۔

"راہول! سب کچھ بتا دیا' یعنی سب کچھ ---؟"

اس پر وہ فقط مسکرا کر رہ گیا تو میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کوئی کمی بیشی ہو' وہ اب تم پوری کر دینا ---"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "راہول آپ کی تعریفیں ہی اتنی کرتا تھا کہ میں سمجھی' آپ لڑکی ہو۔" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"اگر میں لڑکی ہوتا تو پھر تم کیا کرتیں ---"

میں نے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو وہ قہقہہ لگا کے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"جسٹ شوٹ ہر ---" (میں اسے گولی مار دیتی) یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور پھر بڑے رسان سے کہا۔ "آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی' آپ راہول کے اتنے پیارے دوست ہیں۔"

"دوستی کرو گی مجھ سے ---؟"

میں اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا پھیلا ہوا ہاتھ تھاما اور اپنائیت سے بولی۔

"کیوں نہیں' پورے دل سے کروں گی۔ آپ راہول کے اتنے اچھے دوست ہیں' جو میرا سب کچھ ہے ---" اس نے جذبات میں بھیگے لہجے میں کہا۔

"اتنا پیار کرتی ہو اس سے ---؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اس کی شدتوں بھری جھیل میں کنکر پھینکا تو وہ جذب سے آنکھیں بند کر کے بولی۔

"خود سے بھی زیادہ ---"

وہ محبت میں پور پور بھیگی ہوئی لڑکی مجھے بہت اچھی لگی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہی' پھر کہتی چلی گئی کہ راہول سے ملاقات ہونے سے پہلے اس کی زندگی کتنی سپاٹ تھی' تنہائیوں میں اتری ہوئی گھمبیر خاموشی اس کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اس کی ذات کی طرف آنے والے سبھی راستے سنسان تھے جن پر اداسیت کا موسم پوری شدت سے ہمہ وقت اترا ہوا تھا۔ اس کے لئے زندگی ایک سیدھے سادے فارمولے کی طرح تھی کہ وہ پڑھائی ختم کرے گی تو اس کی شادی اجیت سے ہو جائے گی' بچے ہوں گے اور وہ ان میں کھو جائے گی۔ وہ سب کچھ سوچ کر ایک پھیکی' بے رنگ اور اداس زندگی کے ماہ و سال بتائے چلی جا رہی تھی جس میں کوئی چارم نہیں تھا۔ تب راہول اس کی زندگی میں آ گیا۔ وہ دونوں کالج

میں ملے تھے' تب سمرن کی زندگی میں جیسے بہار آگئی۔ اسے محسوس ہوا کہ پھولوں کے رنگ بھی ہوتے ہیں' ہوائیں بھی سرگوشیاں کرتی ہیں' لفظوں میں خوشبو رچی ہوتی ہے اور کسی کا انداز نگاہ کئی دنوں تک سرشار رکھ سکتا ہے۔ تنہائی کی لذتیں کیا ہوتی ہیں' طویل راتیں آنکھوں میں کیسے سمٹ جاتی ہیں۔ سورج کی تپش اور ایک مسکان کی حدت میں کتنا فرق ہوتا ہے' یہی طے کرتے ہوئے کتنا سارا وقت یونہی بیت گیا۔ چھوٹی سی بات کی سلجھن کو خود ہی الجھا کر انجانا سرا تلاش کرنے بیٹھ جانا کتنا سرور بخش ہوتا ہے۔ آئینے سے نت نئے سوال کرنا کتنا اچھا لگتا ہے' مہکتے ہوئے رنگوں سے ملاقات کس قدر فرحت بخش ہوتی ہے ـــــ وہ راہول کے پیار میں ڈوب گئی۔ پھر وہ بزنس کی تعلیم کے لئے بریڈ فورڈ چلا آیا' تب اسے احساس ہوا کہ دوریاں کتنی تکلیف دہ ہو جاتی ہیں۔ کھو جانے کا ڈر کتنا جان لیوا ہوتا ہے' یادوں کے زخم کتنی ٹیسیں رکھتے ہیں۔ پردیس میں بیٹھے ہوئے کسی اپنے کو خط لکھتے ہوئے کتنے آنسو پروے جاتے ہیں۔ محبتوں میں قربت کی خواہش' کیا کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ منزل تک رسائی میں راہوں کی تلاش کرتے ہوئے آوارگی کرنا کتنا اچھا لگتا ہے۔ اپنا آپ وار دینا کس قدر انوکھا ہوتا ہے۔ دوریاں برداشت سے باہر ہوئیں تو وہ سارے بندھن توڑ کے اس کے پاس آ پہنچی۔ اب جو کچھ بھی ہو گا' وہ اس کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتی تھی۔

سمرن شاید ساری رات باتیں کرتی رہتی مگر ریستوران بند ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔ ہم اسے ڈینس ہال چھوڑ کر ویرنے ہال آ گئے۔ راہول اور سمرن میں یہ دوری اس لئے تھی کہ بزنس کی لئے ایک کیمپس تھا اور سمرن میڈیا کی تعلیم حاصل کرنے آئی تھی جو مین کیمپس میں تھا۔

✿✿

"ہے' ینگ مین! کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں ـــ؟"

میرے ساتھ بیٹھے یورپی جوڑے میں سے مرد نے مجھے چھوتے ہوئے کہا تو مجھے پھر سے طیارے کے ماحول میں آنا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ میری بائیں طرف فضائی میزبان کھڑی تھی' اس کی نگاہوں میں نرماہٹ کی بجائے حیرت تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میری غائب دماغی محسوس کر چکے ہیں اسی لئے انہوں نے ایسے رویئے کا اظہار کیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ تو وہ فضائی میزبان مسکراتے ہوئے بولی۔

"ڈنر ـــ آپ کے لئے ـــ"

"شکریہ ـــ"

میں نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھوں میں خوشی اتر آئی۔ وہ کھانا رکھتے ہوئے بولی۔

"میں نے سوچا' شاید اب بھی آپ انکار کر دیں گے۔" لہجے میں مسرت گھلی ہوئی تھی۔

"لیکن اب میں نے سوچا ہے کہ بار بار انکار کرنے سے آپ ناراض بھی ہو سکتی ہیں۔" میرا لہجہ

حد درجہ خوشگوار تھا۔

"میرا اتنا خیال ہے آپ کو' اپنی بھوک کا نہیں؟" وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔

"میں انسان سے محبت کرتا ہوں۔۔۔"

میں نے اس کے چہرے پر پھیلی حیرت دیکھ کر کہا۔ تب وہ کچھ نہ بولی اور آگے بڑھ گئی۔ میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا تو یورپی جوڑے میں سے لڑکی نے کہا۔

"اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اک بات کہوں؟" اس کی آنکھوں سے مسکراہٹ چھلک رہی تھی۔

"کہو' میں سن رہا ہوں۔" میں نے اسی کے لہجے میں کہا۔

"میں نے سفر کے آغاز ہی میں پال سے کہا تھا کہ ممبئی میں میرے لئے سب سے زیادہ دلچسپی مجسموں میں ہو گی۔ مجھے یہ احساس تک نہیں تھا کہ میری یہ خواہش قبول ہو جانے والی دعا کی طرح ہو گی' مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایک مجسمہ بھی سفر کرے گا۔۔۔"

اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا' تبھی مجھے احساس ہوا کہ پچھلی نشست پر کھڑی فضائی میزبان بھی ہنسی تھی۔

"میں ایک جیتا جاگتا انسان ہوں۔۔۔"

"لیکن ایک مجسمے کی طرح۔۔۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے' انہیں کوئی پریشانی ہو۔۔۔؟" اس کے ساتھی مرد نے کہا۔

"نہیں' ایسا کچھ نہیں ہے۔"

میں نے دھیرے سے کہا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر ہم تینوں کے درمیان باتیں چلتی رہیں۔ وہ سیاح تھے اور سیر کے لئے نکلے تھے۔ تقریباً چھ ہفتے انہوں نے بھارت میں رہنا تھا' اس کے بعد انہوں نے پاکستان جانا تھا۔ ان کے پاس پاکستان میں سیر کے لئے خاصی معلومات تھیں۔ انہیں پرانی عمارتوں اور شمالی علاقہ میں دلچسپی تھی۔ میں نے انہیں مزید معلومات دیں۔

✿✿

سمرن اور راہول کی بھی زبردست خواہش تھی کہ وہ پاکستان دیکھیں۔ میرے پاس شمالی علاقے اور دیگر مقامات کی ڈھیروں تصویریں تھیں۔ میں انہیں اپنے ساتھ ہی بریڈ فورڈ لے گیا تھا' یونہی ایک دن سمرن نے کہا۔

"عامر! ہم تمہاری شادی پر پاکستان آئیں گے' اگر تم نے وہاں شادی کی تو۔ ہم ضرور آئیں گے چاہے سیاسی حالات کیسے بھی ہوں۔ میں تو تمہاری دلہن کے ساتھ خوب سیر کروں گی۔ آپ لوگ چاہو تو ساتھ میں ہنی مون بھی منا لینا۔"

"تب تک نجانے ہم کہاں ہوں گے' ہوں گے بھی یا نہیں۔۔۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر

قدرے گرم جوشی سے بولا۔ "تم دونوں جلدی کرنا۔۔۔"

"بس یہ ذرا تعلیمی معاملہ ختم ہو جائے تو اپنے گھر کی بنیاد رکھیں۔" راہول نے پوری سنجیدگی سے کہا تو سمرن کی آنکھوں میں نہ جانے کتنے سپنے ستاروں کی مانند چمک اٹھے۔

وقت دھیرے دھیرے ڈھلتا گیا' تین سال لحہ بہ لحہ گھل گئے۔

وہ دونوں اپنی زندگی میں مست تھے۔ پہلے پہل میں ان کے ساتھ رہا مگر پھر خود ہی ان سے دور ہوتا چلا گیا۔ وہ میری قائم کردہ حدود تک رسائی کر جاتے اگر میں مزید ان کے ساتھ وقت گزارتا۔ ہمارے درمیان دوستی کے رنگ گہرے ہو گئے تھے اور اعتماد ایک اٹوٹ بندھن کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ میں نے پوری کوشش سے انہیں اپنی ذاتی زندگی سے دور رکھا' اک ذرا سی جھلک بھی انہیں نہیں دکھائی تھی اور نہ ہی ایسا کر سکتا تھا ورنہ میری ساری محنت ضائع چلی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی میری کامیابی تھی۔ پھر وہ وقت آ گیا جب مجھے یونیورسٹی کے توسط سے عملی تعلیم کے لئے لندن جانا تھا' جہاں مجھے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرنا تھا۔ راہول وہیں بریڈ فورڈ میں رہ گیا کیونکہ سمرن ابھی مزید ایک سال وہیں تھی۔ وہ مہینے میں ایک بار ضرور میرے پاس آتے۔ وہاں ان کے جاننے والوں کا بھی اچھا خاصا حلقہ تھا' ان سے ملتے' یوں میں ان کے ذریعے لندن میں مقیم ہندو کمیونٹی کے لوگوں سے بھی متعارف ہو گیا' ان لوگوں سے تعلق بہت ضروری تھا۔

وہ ایک بھیگی ہوئی شام تھی اور میں اپنے گھر میں آتش دان کے سامنے بیٹھا وطن سے آئے خط پڑھ رہا تھا۔ اگرچہ دور جدید میں فون' سیل فون اور کمپیوٹر سے پیغامات کی رسائیاں بہت تیز تر ہو گئیں تھیں لیکن ابھی میرے گاؤں میں نہ تو فون لگا تھا اور نہ ہی وہ کمپیوٹر کے بارے میں جانتے تھے' خط تھے جو وہ لکھ دیتے تھے۔ وطن کی خوشبو اور اپنوں کے جذبات سے رچے ہوئے ان خطوں کے لفظ لفظ میں پیار سمایا ہوا تھا۔ اس وقت انہی خطوط نے مجھے حد درجہ جذباتی کر رکھا تھا۔ تقریباً چار سال ہونے کو آئے تھے اور میں لوٹ کر اپنے وطن نہیں جا سکا تھا کیونکہ وطن جانے کے لئے میری راہیں مسدود تھیں۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی اور اسی ملٹی نیشنل کمپنی سے میرا مزید دو سال کا معاہدہ ہو گیا تھا اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی پردیس کاٹنے پر مجبور تھا۔ میرا مقصد ابھی ادھورا تھا اور میں اسے پورا کئے بنا کبھی واپس جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس وقت ایک ایک چہرہ' ایک ایک منظر میری نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ میرے شفیق والد' میری مہربان ماں' محبت کرنے والے بہن بھائی' بچپن کے دوست' گاؤں کے باہر اکھاڑا' اپنی حویلی کی چھت جہاں سے دور تک کھیت ہی نہیں' ثمن کا صحن بھی دکھائی دیتا تھا۔ یہی میری سب سے پسندیدہ جگہ بن گئی تھی جہاں نہ صرف مجھے اپنے آپ سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا بلکہ ثمن کا آنگن میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتا تھا۔ ثمن! جو میری محبت تھی' میرا عشق تھا' جس کے باعث میں یہاں پر تھا اور جس کی وجہ سے مجھے مقصد ملا تھا۔ وہ پگڈنڈیاں' وہ کنواں' وہ برگد کا

ورلست اور شاداب کھیت جہاں میں نے پہلی بار ثمن کو دیکھا تھا۔ میں تصور ہی تصور میں اپنے گاؤں
ماہوا ہوا تھا کہ کال بیل کی تیز آواز نے مجھے سنٹرل لندن کے تاریک اور نیم گرم کمرے میں ہونے کا
احساس دلا دیا۔ میں جب تک دروازے پر پہنچا' دوسری بار بیل بج چکی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو
میرے سامنے راہول اور سمرن کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ دونوں ایک ہی وقت میں میرے ساتھ لپٹ
گئے' تبھی راہول نے دھیرے سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیسے ہو عامر۔۔۔؟"

"ایک دم ٹھیک۔۔۔۔ تم سناؤ؟"

میں باوجود کوشش کے اپنے لہجے سے بھیگا پن دور نہیں کر سکا جسے سن کر سمرن نے پوچھا۔

"عامر! خیریت تو ہے جو یوں۔۔۔؟"

میں اس کی تشویش پر محض مسکرا دیا اور انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ سمرن اندر چلی گئی اور
راہول فرش پر دھرا بڑا سا سوٹ کیس دھکیلتا ہوا آگیا۔ سمرن میری جگہ پر بیٹھ چکی تھی اور سامنے
پڑے خطوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اب سمجھی' یوں تنہائی میں اپنوں کو یاد کیا جا رہا ہے۔۔۔ کاش' عامر! میں تمہاری اردو زبان پڑھ
پاتی۔ میں محسوس کرتی کہ ان خطوں میں کیسے کیسے جذبات پروے گئے ہیں۔"

اس نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا تو میں نے ماحول کے تناؤ کو ختم کرنے کے لئے خوشگوار انداز
میں کہا۔

"تم لوگ سناؤ' اچانک کیسے ٹپک پڑے ہو۔ میں اگر کہیں نکل گیا ہوتا؟" یہ کہتے ہوئے میں نے
سارے خط سمیٹ کر دراز میں رکھ دیئے۔

"تمہارا سیل فون کس کام آتا اور دیکھو' ہم مل گئے' نا۔۔۔!"

سمرن نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ پھر اس کے ساتھ ہی ہم میں باتیں چل پڑیں۔ اس دوران
کھانا پینا چلتا رہا۔ جب وہ پر سکون ہو گئے تو راہول نے صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عامر! ایک بہت اہم بات پر میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔۔۔"

"بولو۔۔۔؟" میں نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم پاکستان کب جا رہے ہو۔۔۔؟" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں
کہا۔

"فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ میرا معاہدہ ختم ہونے میں ابھی ڈیڑھ سال باقی ہے' پھر ہی
امکان ہو پائے گا کہ میں وطن واپس جاؤں۔"

"تمہارا من نہیں چاہتا وطن جانے کو۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"چاہتا ہے' بہت چاہتا ہے' مجھ پر کوئی قانونی پابندی بھی نہیں' میرے والدین کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ ان سے کوئی مدد نہ لوں' واپس جاؤں تو میرے پاس اتنا پیسہ ہو کہ--- بس مجھے تھوڑا صبر کرنا ہو گا۔" میں نے اسے مستقبل کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا جو صریحا" جھوٹ تھا کیونکہ پیسہ اب میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

"مگر میں اسی ہفتے واپس بھارت جا رہا ہوں---" اس نے ٹوٹتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خیریت--- مطلب تم لوگ اتنی جلدی پروگرام بنا کر واپس جا رہے ہو---؟" میری حیرانگی میں شدت تھی' مجھے اپنی محنت ضائع ہوتی ہوئی نظر آئی۔

"ہم نہیں' فقط میں--- سمرن نہیں جا رہی' یہ ابھی یہیں رہے گی اور مجھے چند ہفتوں کے بعد واپس آنا ہو گا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"یہ اچانک جانا' واپس آنا' سمرن نہیں جا رہی--- میں سمجھ نہیں سکا؟" اس بار میرے لہجے میں مصنوعی حیرت کی بجائے حقیقی تجسس تھا۔

"میری بڑی بہن شاردا کی شادی ہو رہی ہے' اگلے ہفتے اس کی بارات آ رہی ہے اور میں یہ بھی چاہ رہا ہوں کہ اپنے گھر والوں سے سمرن کے ساتھ شادی کی اجازت لے آؤں--- میں مشورہ یہ چاہ رہا تھا کہ ایسے موقع پر ان سے بات کروں یا نہ کروں' مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہیں سمرن کے ساتھ شادی کر لینے کی اجازت دے دیں گے؟"

"انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ شادی بھارت میں دھوم دھام سے ہونی چاہئے اور بس--- میں انہیں سمجھا لوں گا۔ جب ہم واپس بھارت جائیں گے تو ایک گرینڈ پارٹی دے دیں گے' اسی میں سب اپنے ارمان پورے کر لیں گے۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر تم شادی کر کے ہی جاؤ' بلکہ اسے ساتھ لیتے جاؤ' بہو کے طور پر اس گھر سے ہو آئے گی---"

"کیا اس طرح ہر ایک سے یہ وضاحت نہیں کرنا پڑے گی کہ میں نے اچانک سمرن سے شادی کیوں کی؟ اس کے علاوہ اور بہت سے سوال اٹھ سکتے ہیں---"

"فرض کیا' وہ سمرن سے شادی پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ تب پھر تم کیا کرو گے؟"

"شادی تو بہر حال مجھے اسی سے ہی کرنا ہے کیونکہ یہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

راہول نے ہچکچاتے ہوئے کہا تو غیر ارادی طور پر میری نگاہیں سمرن کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ نظریں جھکائے اپنے ناخن کرید رہی تھی۔ جو ہونا تھا' وہ تو ہو چکا تھا' مجھے کوئی اخلاقی لیکچر نہیں دینا تھا۔ وہ دونوں ایک ہو چکے تھے جس کا ثبوت سمرن کے جسم میں پرورش پا رہا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ وہ میرے سامنے شرمندہ نہ ہوتی' اب اگر وہ نگاہیں جھکائے شرمسار تھی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے کچھ نہ کچھ

اہمیت دے رہی تھی۔ سو میں نے کسی منفی تاثر کے بغیر گرمجوشی سے کہا۔

"مبارک ہو' تم لوگ ماتا پتا بننے والے ہو۔۔۔"

سمرن سسک پڑی' چند لمحوں بعد گلوگیر لہجے میں بولی۔

"عامر! مجھے انہی لمحوں سے ڈر لگتا تھا کہ نجانے تم کیا کہو۔ ساری دنیا غلط کہے تو کہے مگر تم۔۔۔ تم بہت اچھے ہو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ رو دی۔ میں نے اسے رونے دیا۔۔۔ کتنا وقت یونہی گزر گیا۔ کمرے میں اس کی سسکیاں گونجتی رہیں۔ تبھی میں نے کہا۔

"سمرن! کیوں روتی ہو' ایسا ہونا فطری سی بات ہے۔ خود پر قابو رکھو' کل کیا ہونا ہے اب ہمیں اس کے بارے میں سوچنا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے راہول کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "واپسی چھ ہفتے بعد یقینی ہے؟"

"ہاں' اگر مزید رکنا بھی پڑا تو محض ایک ہفتہ۔۔۔ اس دوران سمرن یہیں رہے گی۔ مطلب یہیں سنٹرل لندن میں' کچھ بھارتی لڑکیاں رہتی ہیں ایک بوڑھی انڈین خاتون کے ساتھ۔۔۔ یہ یہاں ایک فیشن میگزین کے لئے کام کرے گی۔ اس کے پروفیسر کی وجہ سے اسے جاب مل گئی ہے اور مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔"

اس نے تفصیل سے بتایا تو میں نے گہری سانس لی' سمرن اسی فلیٹ میں رہنے نہیں آئی تھی۔ اس میں حرج کوئی نہیں تھا لیکن اسے میرے معمولات سے' میری ذاتی مصروفیات سے شک پڑ سکتا ۔۔۔ ہمارے درمیان اسی موضوع پر باتیں چل نکلیں جو ڈنر لینے کے بعد تک چلتی رہیں۔ پھر اگلے چند دنوں میں سمرن ان بھارتی لڑکیوں کے پاس مینیوو پارک چلی گئی اور راہول ممبئی کے لئے پرواز کر گیا۔

✿✿

"اے' مسٹر مجسّمے! یہیں پر ہو گیا۔۔۔؟"

میں نے دائیں کاندھے پر ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہوئے اس سمت دیکھا تو جوزفین آنکھوں میں شرارت سجائے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا تو وہ مجھے بلیک ڈاگ کی بوتل دکھاتے ہوئے بولی۔ "لو' پیو۔۔۔"

"نہیں' میں پیتا نہیں ہوں۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"میں شرط جیت گئی۔۔۔ میں نے پال سے شرط لگائی تھی کہ تم پیتے نہیں ہو اور اگر پیتے ہو تو

میری آفر پر انکار کر دو گے اور وہ تم نے کر دی---" اس نے تیزی سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔
"ویسے، مسٹر مجتبے! تم پریشان ضرور ہو۔ کیا میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں؟" اس نے خمار آلود نگاہیں عجیب انداز میں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا۔

"یونہی سمجھ لو--- میں اپنی ممبئی میں مصروفیت کے بارے میں سوچ رہا ہوں جس کے لئے وقت بہت کم ہے، کام زیادہ ہے---"

"کیا کرنے جا رہے ہو---؟"

وہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی تو میں انڈسٹری اور فنانس سے متعلق یونہی بے سروپا باتیں کرنے لگا۔ وہ کمپیوٹر سے متعلق جاب کرتی تھی اور محض تفریح کے لئے بھارت جا رہی تھی۔ پال شاید زیادہ پی جانے کے باعث لڑھک چکا تھا۔ باتوں کے دوران جوزفین نے بیل دے دی تو لمحوں میں وہی فضائی میزبان آ گئی۔ اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کے لئے سوفٹ ڈرنک یا ہو سکے تو کوئی فریش جوس---"

وہ فضائی میزبان میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ اس کی مسکان میں اپنا آپ نچھاور کر دینے والی ادا چھلک رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ مجھے سوفٹ ڈرنک دے گئی۔ میں جوزفین سے باتیں کرتا رہا۔ وہ نشے میں تھی اس لئے آہستہ آہستہ اس کے حواس گم ہونا شروع ہو گئے۔ میں بھی سونا چاہ رہا تھا لیکن نیند میری آنکھوں میں نہ اتری۔ جوزفین سو چکی تھی۔ میں کتنی ہی دیر تک سیٹ سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا، تب پھر سمرن میری آنکھوں میں در آئی۔

✿✿

راہول کے بھارت چلے جانے کے بعد سمرن بہت پریشان اور بے چین رہا کرتی تھی۔ وہ مجھے روزانہ فون کر لیتی۔ اس کا فون اکثر رات گئے آیا کرتا۔ جب اسے یقین ہوتا کہ میں فلیٹ پر ہوں اور اس سے گپ شپ بھی کر سکتا ہوں۔ شاید بہت ساری سوچوں کا گھیراؤ تھا جس میں اس نے فرار کا یہی راستہ نکالا تھا۔ نئے ماحول سے سمجھوتہ، راہول کی بھارت سے واپسی اور نئی جاب کے تقاضے، انہی موضوعات پر وہ مجھ سے ڈھیروں باتیں کرتی۔ میں اسے تسلی بھرے لفظوں سے مطمئن کرتا رہتا۔ اسے اطمینان ہوتا یا نہیں، میں اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اتنا یقین تھا کہ اسے ڈھارس ضرور مل جاتی ہو گی۔ انسان جب تذبذب کا شکار ہو جائے اور اسے اپنے ہی خیالات کے مطابق تائید حاصل ہو جائے تو وہ قدرے مطمئن ہو جاتا ہے تاہم یہی وقت خطرناک بھی ہوتا ہے۔ جو کوئی جیسا چاہے، اپنی مرضی کے مطابق خیال تبدیل کر دے یا اپنی پسند کی راہ پر چلا لے--- وہ ہر ویک اینڈ پر میرے پاس آنا چاہتی تھی لیکن میں ہی اپنی مصروفیات کا بہانہ بنا کر رکھتا۔ یہی ایک دن مجھے اپنے ان دوستوں کے لئے مختص کرنا پڑتا تھا جن سے میرے انتہائی خفیہ تعلقات تھے۔ ان دنوں تو

معاملات بہت ہی اہم تھے۔ میں جو پہلے تربیتی مراحل میں تھا' اب اس سطح پر تھا کہ اپنے مشورے دے سکوں۔ میری رائے کی اہمیت تھی۔ اس دن بھی ایسا ہی معاملہ تھا اور سمرن بہت اداس تھی۔ وہ کئی بار مجھے فون کر چکی تھی۔ میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میری واپسی کب ہوتی کیونکہ وہاں پر کچھ اہم فیصلے ہونا تھے اور میرا جانا اشد ضروری تھا۔ میں نے سمرن کو سمجھایا کہ وہ آ جائے اور اگر میں نہ ملوں تو سامنے کے فلیٹ میں موجود مسز اینڈرسن سے چابی لے لے' میں انہیں دوسری چابی دے جاؤں گا--- میری واپسی رات گئے ہوئی۔ میں گھر میں داخل ہوا تو مجھے لگا جیسے گھر میں کوئی نہیں ہے۔ میں نے محتاط انداز میں دیکھا' سمرن میرے بیڈ پر بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال تکئے پر پھیلے ہوئے تھے۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ اس وقت وہ مجھے ایک معصوم گڑیا کی مانند لگی' تب مجھے اس پر بہت ترس آیا۔ میں نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور دھیرے سے پلٹ کر آتش دان روشن کر دیا۔ میں نے کپڑے تبدیل کئے اور وطن سے آئے ہوئے سارے خط اپنے سامنے پھیلا لئے۔ ان کے جواب لکھنے تک سمرن بیدار نہ ہوئی' تب میں نے ایک کاروباری سروے رپورٹ اٹھا کر باقی ماندہ کام مکمل کر لیا۔ میں نے تھکے ہوئے وجود کو صوفے پر پھیلایا اور آنکھیں موند لیں' پھر پتہ نہیں میری کب آنکھ لگ گئی۔ میں جب بیدار ہوا تو سمرن میرے سامنے صوفے پر بیٹھی میری طرف دیکھ رہی تھی' شاید اس کے میرے پاس بیٹھنے کے احساس سے ہی میری آنکھ کھل گئی تھی' مجھے یوں اپنی طرف متوجہ پا کر وہ ہنس دی اور پھر بڑے خوشگوار لہجے میں بولی۔

"تم بھی میری طرح سو گئے---" پھر حال احوال پوچھنے کے بعد بولی۔ "پتہ ہے' تین بج رہے ہیں---"

"او ہو' تو اتنی رات گزر گئی---" میں نے کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھوک تنگ نہ کرتی تو شاید میں بھی صبح تک سوئی رہتی--- یہاں آ کر مجھے بہت سکون ملا ہے۔" اس نے رسان سے کہا تو میں ہنس دیا' تب وہ بولی۔ "دو ہفتے ہو گئے' میں سکون سے پوری نیند نہیں لے سکی--- خیر' میں کھانا گرم کرتی ہوں۔ تم برتن رکھنے میں میری مدد کرو۔"

کچھ دیر بعد ہم پیٹ بھر کے کھا چکے تو سمرن برتن اٹھا کے کچن میں چلی گئی۔ وہ وہاں مصروف رہی' شاید برتن دھونے لگی تھی۔ وہ واپس پلٹی تو اس کے ہاتھ میں دو مگ تھے' ایک میری طرف بڑھا کر بولی۔

"یہ لیں جی' گرما گرم کافی--- اب نیند تو آئے گی نہیں' باتیں ہی کرتے ہیں۔" وہ سامنے کے صوفے پر بیٹھ گئی تو اس نے پوچھا۔ "راہول کا فون آیا---؟" اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا' وہ خود ہی بولی۔ "عامر! کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ واپس آ سکے گا---؟" اس سوال میں حد درجہ مایوسی جھلک رہی تھی۔

"اتنی مایوسی کیوں ہے تمہیں؟ وہ آئے گا اور ضرور آئے گا' کیا تمہیں اپنے پیار پر بھروسہ نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بھروسہ ہے اسی لئے تو میں نے اسے یوں جانے دیا لیکن پتہ نہیں کیوں' جب میں سوچتی ہوں تو میرا دل میرا ساتھ نہیں دیتا---" اس نے مرتعش لہجے میں کہا۔

"سمرن! اپنے دل پر ہی نہیں' اپنے دماغ پر بھی قابو رکھو۔ ہونا وہی ہے جو میرا اللہ چاہے گا مایوس نہیں ہوتے---"

"مگر اذیت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اس نے جا کے محض ایک مختصر سا فون کیا ہے کہ میں پہنچ گیا ہوں' پھر اب تک اس سے کوئی رابطہ نہیں---"

"پتہ نہیں' وہاں اس کے لئے کیسے حالات ہیں---؟" میں نے اسے تسلی دی۔

"لیکن خود سوچو۔ ایسے حالات میں جبکہ میرے اندر ایک جان پرورش پا رہی ہے' وسوسے تو آتے ہیں نا---؟"

"بلاشبہ ایسے ہوتا ہے مگر تم خود سمجھتی ہو' ایسا ہونے سے کیا ہو گا؟ سوائے پریشانی کے کچھ حاصل نہیں---" ایسا کہتے ہوئے میں نے موضوع بدل دیا اور پوچھا۔ "اچھا یہ بتاؤ' جب راہول بریڈ فورڈ گیا تھا تب اس وقت تمہاری کیا کیفیت تھی۔ تم نے تب سوچا تھا کہ یوں اس کے پاس آ جاؤ گی؟"

میرے اس سوال پر وہ بہت دیر تک اپنی پرانی یادیں دہراتی رہی' پھر فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"اب میں دوبارہ وہ وقت نہیں دہرانا چاہتی' میں اس کے پیچھے ممبئی نہیں جاؤں گی کیونکہ اب میں ایسا کچھ نہیں کر سکتی یہاں رہتے ہوئے میں اپنے بچے کی پرورش کر لوں گی' کوئی مجھے کچھ نہیں کہے گا لیکن وہاں گئی تو لفظوں کے اتنے تیر مارے جائیں گے کہ میں زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔ وہاں میری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں رہے گی۔ اب حالات مجھے اس نہج پر لے آئے ہیں کہ مجھے اب اپنے لئے نہیں' اپنے بچے کے لئے جینا ہے---"

اس نے اس قدر جذباتی انداز میں کہا کہ وہ مجھے بالکل منفرد سی عورت لگی۔ وہ ماں بن کر سوچ رہی تھی' تب میں نے اسے ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے حتمی سی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پوچھا۔

"فرض کیا' راہول واپس نہیں آتا۔ پھر تم کیا کرو گی---؟"

"کم از کم واپس نہیں جاؤں گی کیونکہ اب میرے پاس واپسی کا راستہ ہی نہیں ہے--- میری ماں اب بھی یہی آس لگائے بیٹھی ہیں کہ میں اس سال کے اختتام پر اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس ممبئی جاؤں گی تو وہ میری شادی دھوم دھام سے کر دیں گی لیکن اب ایسا ممکن کہاں؟ انہیں جیسے ہی پتہ چلے گا کہ میں ایک بچے کی ماں ہوں تو میرے لئے سارا پیار' نفرت میں بدل جائے گا۔ میری حیثیت جو ہو گی

ہو گی' میرے بچے کے ساتھ جو ہو گا وہ--- اجیت مجھے اپنا بھی لے تو میری وقعت کیا ہو گی؟"
...ں نے بہت دور تک سوچا تھا جس کی جھلک انتہائی مایوس کن تھی۔ تبھی اس نے ساری سوچوں کو
...ٹکتے ہوئے سکون سے کہا۔ "ویسے' عامر! تمہارے ہاں بہت سکون ہے' دل چاہتا ہے کہ یہیں
رہوں۔"

اس کے یوں کہنے پر میں تذبذب کا شکار ہو گیا' میں نے اوپری دل سے کہا۔

"آ جاؤ' روکا کس نے ہے---؟"

"راہول کی خواہش تھی کہ میں تمہارے پاس ہی رہوں اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں کوئی تحفظ
...وس نہ کروں تو فوراً" تمہارے پاس آ جاؤں لیکن---" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر مسکراتے ہوئے
...ا۔ "یہاں سے میرا آفس بہت دور ہے آپ میری وجہ سے ڈسٹرب رہیں گے' میری فکر رہے گی۔
...ں لڑکیاں ہیں' ایک تجربہ کار خاتون ہے' میرے بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں---"

اس نے بے چارگی میں اشارے سے بہت کچھ سمجھاتے ہوئے کہا--- میں چند لمحے سوچتا رہا پھر
...ون اٹھالایا اور اپنے سامنے رکھ کر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔

"اگر اس نے فون نہیں کیا تو ہم کر لیتے ہیں---"

"رہنے دو' عامر! جب وہ نہیں---" یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ وہ بول ہی نہ سکی۔

"صبر کرو اور مطمئن رہو---" میں نے ریسیور واپس رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں شاید احساس
نہیں کہ وہ اتنے عرصے بعد وطن واپس گیا ہے' اس کی بہن کی شادی ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے
گھر سے فون نہ کر پایا ہو اور پھر کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تم سے لاپرواہ ہو گا؟--- خیر چھوڑو ان باتوں
کو' میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے نمبر ڈائل کر دیئے--- وہ خاموش رہی' کچھ دیر بعد رابطہ ہو گیا۔ فون کسی لڑکی
نے اٹھایا تو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میں عامر زبیریات کر رہا ہوں لندن سے' مجھے راہول سے بات کرنا ہے---"

"ارے' عامر جی' آپ--- میں سریتا ہوں' کیسے ہیں آپ---؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ' کیسی ہو---؟"

میں نے کہا تو اس نے اونچی آواز میں کسی سے راہول کو بلوانے کے لئے کہا۔ پھر اپنائیت لئے
خوشگوار انداز میں کہا۔

"ایک دم ٹھیک ہوں--- آپ نے جو میرے لئے تحفے بھجوائے ہیں' بہت پیارے ہیں۔ بہت
شکریہ' مجھے بہت پسند آئے ہیں--- آپ بتائیں' آپ کی کوئی خاص پسند ہے جو میں آپ کو یہاں سے
بھجواؤں؟"

اس نے پر جوش لہجے میں کہا تو مجھے اس کی بات سے اندازہ ہو گیا کہ راہول واپس آئے گا' اس نے گھر میں بتایا ہو گا کہ اسے واپس جانا ہے تبھی وہ تحفہ بھجوانے کی بات کر رہی ہے۔ تب میں نے کہا۔

"بس ڈھیر ساری دعائیں بھجوا دینا' میرے لئے یہی سب سے قیمتی ہوتی ہیں--- سناؤ تمہاری دیدی کی رخصتی ہو گئی؟"

"کل ہی بارات آ رہی ہے--- آپ بھی آ جاتے بھیا کے ساتھ' وہ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ ہمیں بھی آپ سے ملنے کا بڑا تجسّس ہے۔ آپ کے بارے میں انہوں نے ہمیں اتنی باتیں بتائی ہیں کہ بس' پوچھیں مت---"

سریتا نے کہا تو مجھے یوں لگا جیسے راہول میرے بہانے سمرن کو یاد کر رہا ہے اور سمرن سپیکر پر ساری باتیں سن رہی تھی۔

"ماما اور پاپا کیسے ہیں---؟"

"بہت زیادہ مصروف--- پر میں نے پوچھا تھا' آپ کیوں نہیں آئے؟ بہت مزہ آتا--- لیں' بھیا سے بات کریں۔"

سریتا نے کہا تو لمحوں میں راہول کی آواز گونجی۔

"بولو' عامر! سب خیریت تو ہے' نا---؟" اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔

"ابے او' گھامڑ! تم نے جا کے فون کیوں نہیں کیا---؟"

میں نے سختی سے کہا تو وہ اگلے ہی لمحے جھکتے ہوئے بولا۔

"میں تو گھبرا ہی گیا تھا' وہاں تو رات کے پانچ بجے ہوں گے' خیر--- کچھ نہ پوچھو' بہت مصروف ہوں۔ ساری روداد آ کے بتاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ دھیرے سے بولا۔ "کہاں ہے وہ---؟"

"لو' بات کرو---"

میں نے ریسیور سمرن کو تھمایا اور خود وہاں سے ہٹ کر کچن میں چلا گیا--- میں کافی بنا کر لایا تو وہ آنکھیں موندے صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی' میری آہٹ پا کر متوجہ ہو گئی۔ پھر مگ پکڑتے ہوئے بولی۔

"کہہ رہا تھا' انتہائی مصروف ہوں۔ ابھی تک اپنے والدین سے میرے لئے بات نہیں کی۔ کہتا ہے' رخصتی کے بعد تفصیل سے بات کروں گا اور ہر صورت میں دو ہفتے بعد واپس آ جاؤں گا۔"

"--- اور کچھ---؟"

"--- اور پوچھ رہا تھا' میری طبیعت کیسی ہے؟"

اس نے دبے ہوئے لہجے میں کہا تو میں نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا' صبح

ے پانچ بجنے والے تھے۔ یوں ہمارے درمیان پھر سے اسی موضوع پر باتیں چلتی رہیں--- وہ سارا دن سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اور باتوں میں گزر گیا۔ اسی شام میں اسے مینیوور پارک چھوڑ آیا۔ پھر اگلے ہفتوں میں اس کا مسلسل رابطہ رہا، یوں دن گزرتے گئے۔

✿✿

میرے ساتھ بیٹھی جوزفین کسمسائی تو میری ساری توجہ اس کی طرف ہو گئی، وہ نیند میں طیارے کی سیٹ کو اپنا بیڈ سمجھے ہوئے تھی۔ میں نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر وقت دیکھا، ہمیں سفر کرتے ہوئے چھ گھنٹے ہو چکے تھے اور میں اتنی دیر سے جم کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھنے سے قبل فضائی میزبان کو بلایا، چند لمحوں میں وہ میرے پاس کھڑی سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔

"پہلے تو اس خاتون کو اپنی حد میں کریں اور پھر اگر ہو سکے تو کافی پلا دیں---"

میں نے جوزفین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو تقریباً مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے اسے سنبھال کیا تو میں اٹھا۔ میں واش روم سے واپس آیا تو وہ کاغذی مگ لئے میرے انتظار میں تھی۔ میں نے کپ پکڑا تو وہ ملائمیت سے بولی۔

"اور کچھ چاہیے---؟"

اس کے یوں کہنے پر میں نے ترنگ میں کہا۔

"ہاں، کوئی اچھی سی بات---"

میرے یوں کہنے پر وہ آنکھوں سمیت مسکرا دی اور ہندی میں بولی۔

"آپ کا تعلق بھارت کے کس شہر سے ہے---؟"

اس نے کچھ اس انداز سے پوچھا کہ میں چونک گیا، مجھے اپنے تاثرات پر قابو تھا اس لئے میری کیفیت اس پر ظاہر نہ ہوئی۔ وہ میرے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

"میں بھارتی شہری نہیں ہوں---"

میرے دھیرے سے کہنے پر وہ حیرانگی سے میری طرف دیکھنے لگی۔ چند لمحے خاموشی کے بعد بولی۔

"تو پھر آپ کہاں کے ہیں---؟"

"میں پاکستانی ہوں اور پچھلے چھ سال سے یو کے میں ہوں--- کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" میں نے اپنے لہجے کو انتہائی خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

"بس یونہی--- آپ نے کہا نا، کوئی اچھی سی بات کہو--- ویسے میں دو سال سے ایئر ہوسٹس ہوں، اتنا لمبا سفر اتنی سنجیدگی اور بے نیازی سے کسی مسافر کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ منفرد سے لگے ہیں---" آخری لفظ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی تھی۔

"ہو سکتا ہے' آئندہ آنے والے برسوں میں دیکھ لیں--- آپ بہرحال بہت اچھی ہیں کہ آپ نے میرا خیال رکھا۔"

"یہی تو ہمارا کام ہے--- آپ کافی انجوائے کریں' میں نے خود بنائی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے سے یوں لگا جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔

"بلاشبہ یہ آپ کی طرح اچھی ہو گی---"

میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا تو وہ ہلکے سے مسکرا کر پلٹ گئی' میں کافی کے سپ لینے لگا جو واقعتاً اچھی تھی۔

✿✿

چھ ہفتے بعد راہول لندن پلٹ آیا۔ میں اور سمرن اسے ہیتھرو ایئرپورٹ سے لینے گئے تھے۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی لیکن میرے فلیٹ تک پہنچ کر وہ پر سکون ہو گئی--- ڈھیر ساری باتوں کے دوران اچانک راہول نے کہا۔

"میں نے سمرن سے شادی کے لئے اپنے گھر والوں سے بات کی۔" اس نے قدرے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا تو میں چونک گیا۔ یہی وہ بات تھی جس کے لئے میرا تجسّس اور سمرن کی بے تابیاں عروج پر تھیں۔ ہم خاموش رہے تو اس نے کہا۔ "میں نے انہیں پوری وضاحت سے سمجھایا بھی لیکن--- وہ نہیں مانے۔"

"مطلب---؟" سمرن نے ڈرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میرے پاپا نہیں مانے۔ وہ اپنی بہن کی بیٹی کملا سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں جہاں شاردا بیاہی گئی ہے۔ وہ ہمارے ہم پلہ ہیں' ذات برادری اور رشتے دار ہیں۔ وہ اپنے طور پر سارے معاملات بھی طے کر چکے ہیں۔"

"کیا تم نے اپنے ہونے والے بچے کے بارے میں---"

میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ وہ کملا سے شادی کے علاوہ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں ہیں--- وہ تو مجھے واپس لندن بھی نہیں آنے دے رہے تھے۔ پڑھائی تو میری ختم ہو چکی ہے' جواز تو نہیں تھا---"

"پھر طے کیا ہوا---؟" میں نے پوچھا۔

"طے کیا ہونا تھا--- مجھے اگر شادی کرنا ہے تو صرف سمرن سے اور بس' وہ اب ہم کر لیں گے۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

"اس پر تمہارے گھر والے تو---"

"ہاں' وہ ناراض ہو جائیں گے--- میرے پاپا بڑے ضدی ہیں۔ میرے لئے میرے گھر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ ان کے فیصلے سے انحراف کرنے والے انہیں قطعاً" پسند نہیں۔ مجھے اپنا سب کچھ چھوڑنا پڑے گا مگر مجھے ذرا سا بھی دکھ نہیں ہے کیونکہ جب سمرن نے میرے ساتھ شادی کر لی تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔" وہ اتنا کہہ کر سانس لینے کے لئے رکا اور پھر عزم سے بولا۔ "ہم نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کریں گے' ہم یہیں رہیں گے۔ اس کے علاوہ اب ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔" اس نے جذباتی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ سمرن کا چہرہ پر سکون تھا' جیسے جوار بھاٹے کے بعد سمندر خاموش ہو جائے--- "صبح ہم رجسٹریشن کروا لیں گے۔ پھر جتنی جلدی ہو سکا' پھیرے بھی ہو جائیں گے۔"

وہ اپنے تئیں سب کچھ طے کر چکا تھا۔ اپنا سب کچھ تج دینے کا فیصلہ بہت آسان ہوتا ہے لیکن پھر زندگی کا سفر طے کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان راہوں میں ایسے مقام بھی آ جاتے ہیں جہاں پچھتاوے جان کا روگ بن جاتے ہیں' تب اپنا آپ گنوا دینے کا احساس جان لیوا ہوتا ہے۔ اس وقت میں نے اپنی سوچ کا اظہار نہیں کیا بس مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم دولہا بنے کیسے لگو گے---؟"

"نہیں' یار! اتنا سب نہیں کرنا' قانونی حیثیت کے لئے رجسٹریشن اور دھرم کے لئے پھیرے' اور بس---"

"او نہیں' میرے یار! تم دولہا بنو گے اور سمرن دلہن' باقی سب میرے ذمے رہا---"

میں نے کہا تو اس نے خوشگوار انداز سے میری جانب دیکھا اور پھر کچھ نہیں کہا--- ٹھیک ایک ہفتے بعد میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے' ہندو کمیونٹی سے میرے تعلقات نے سب کچھ آسان کر دیا۔ ایک ہوٹل میں مشترکہ دوستوں کو جمع کر لیا۔ سمرن دلہن بنی شادی کے منڈپ پر راہول کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی' اگنی کے سامنے بیٹھا ہوا پنڈت نجانے منہ میں کیا اشلوک پڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھیروں کے دوران ہندو کمیونٹی کے لوگوں نے پھول نچھاور کرتے ہوئے سماں باندھ دیا۔ کھانے کے بعد وداعی کا لمحہ آیا' سمرن وداع ہو کر راہول کے ساتھ میرے گھر چلی گئی۔ آخری مہمان رخصت ہو جانے اور سارے بل ادا کر دینے کے بعد میں گھر آیا۔ وہ دونوں سٹنگ روم میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں یوں بیٹھے دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"ارے' بابا! آج تم لوگوں کی سہاگ رات ہے' تمہیں تو بیڈ روم میں ہونا چاہئے---"

میرے یوں کہنے پر سمرن تیزی سے اٹھی اور میرے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' شاید اسے ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ مجھے اس کی ایسی حالت کا احساس تھا۔ دیار غیر میں اجنبیوں کے درمیان خوشیاں تلاش کرنا بالکل ایسے ہی تھا جیسے تتلی پکڑنے کی

کوشش میں کانٹوں سے ہاتھ زخمی کر لئے جائیں---- میں نے اسے اپنے آپ سے الگ کر کے صوفے پر بٹھا دیا' پھر سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اب سارے آنسو ایک طرف رکھ دو' تمہارے سامنے ایک نئی زندگی ہے---- تم خوش ہو کہ راہول جیسا اچھا جیون ساتھی تمہیں مل گیا۔ وہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اپنا آپ تم پر وار دینے کا حوصلہ رکھتا ہے پھر بقول تمہارے' اب تمہیں اپنے لئے نہیں' اپنے بچے کے لئے جینا ہے۔"

"یہی میں اسے سمجھا رہا ہوں۔" راہول بولا۔ "ہمارا اب پیچھے مڑ کر دیکھنا فضول ہے۔ اب ہمیں اپنی زندگی خود بنانا ہے۔"

اس کے یوں کہنے پر سمرن نے میری طرف دیکھا اور بھیگی آواز میں بولی۔

"کافی پئیں گے آپ لوگ---؟"

اس نے بھیگی پلکوں اور مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ کچھ ایسی ادا سے کہا کہ وہ بہت اچھی لگی۔ اس طرح پوچھنے سے اس نے باور کرا دیا کہ وہ ہماری باتوں کو سمجھ کر مان گئی ہے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا گیا' وہ دونوں چند دن میرے پاس رہ کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنا نیا گھر و۔ مبلی (WEMBLY) کے علاقے میں لے لیا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے مگر میں کسی صورت میں بھی ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔ میں اپنے گیان کے حصول میں تپسیا کے آخری مراحل میں تھا اور یہی وقت میرے لئے انتہائی قیمتی تھا---- ٹھیک چوتھے ماہ ان کے ہاں روہیت پیدا ہوا' سمرن اس میں کھو گئی۔ پھر نکھیال پیدا ہوا تو وہ پوری گرہستن بن گئی۔ ہمارے درمیان تعلق دھیرے دھیرے بے نام سا رہ گیا جو فقط فون تک محدود تھا جس میں احوال کے تبادلے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا تھا اور انہی دنوں وہ شخص بھی لندن میں آ گیا جس کا مجھے پچھلے چھ سالوں سے انتظار تھا۔ وہ میرا شکار تھا اور اسے میں نے دبوچنا تھا۔ میں پاکستان جا کر اسے ختم نہیں کر سکتا تھا' وہاں میں نے اس پر اور طرح کی ضرب لگائی تھی' جس کے لئے وہ سسکتا پھر رہا تھا۔ میں یہاں سے جاتا تو مجھے اپنی تربیت ادھوری چھوڑنا پڑتی تھی' میں پاکستان میں جا کر نا کام بھی ہو سکتا تھا لیکن یہاں اس کے بار بار آنے کی امید تو تھی۔ پچھلی بار وہ ذرا سے اندازے کی غلطی سے بچ گیا تھا لیکن اس بار اس کا بچ جانا انتہائی مشکل تھا۔ وہ اندرون سندھ کا وڈیرہ عطا شاہ تھا۔ یہ وڈیرے پاکستان میں تو لینڈ کروزر اور قیمتی گاڑیوں سے نیچے اپنا پاؤں رکھنا شان کے خلاف سمجھتے ہیں' یہاں لندن میں ٹرام اور ٹیوب میں ان کا سفر ہوتا تھا۔ یہاں وہ لوگ محض اپنی عیاشیوں یا عالمی سطح کی سازش میں کسی مہرے کی حیثیت سے آتے تھے۔ لندن ہمیشہ سے سازشیں تیار کرنے والا شہر رہا ہے۔ سازش کی کامیابی ہمیشہ وہاں کے لوگوں کو کٹھ پتلی بنا کر ہی ملتی تھی جہاں ان لوگوں کا مقصد ہوتا ہے' چند روزہ عیاشی اور دولت کی خاطر بہت بڑے بڑے بکتے رہے ہیں۔ عیسائی ابھی تک صلیبی جنگ کو نہیں بھولا' اب بھی اس کے وہی ہتھیار ہیں۔ یہ ہتھیار

ایسے ہی لوگوں پر آزمائے جاتے ہیں۔ نوے کی دہائی میں لندن ہی میں ایک ایسا سیمینار ہوا تھا جس میں یہی مسئلہ زیر بحث تھا کہ کیا برصغیر دوبارہ کسی نکتے پر اکٹھا ہو سکتا ہے؟ وہی برصغیر جو کبھی انگریز کے لئے سونے کی چڑیا رہا تھا۔۔۔اس سیمینار کا اعلامیہ یہی تھا کہ ایسا صرف ثقافت ہی سے ممکن ہے۔ صرف ایک عشرے میں کیا سے کیا ہو گیا' ہمیں شاید یہ سب دکھائی نہ دے لیکن ایسا غور کرنے پر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ انہیں ہی دکھائی دیتا ہے جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ عطا شاہ بھی ایک ایسا ہی غدار وطن تھا' اسے کم از کم میں کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ جن دنوں اس کی لندن میں آمد متوقع تھی' میں نے اسے ختم کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔۔۔ انہی دنوں اچانک مجھے سمرن کا فون آگیا' وہ مجھے بلا رہی تھی۔ پہلے تو میں نے انکار کر دیا لیکن جب اس کا اصرار بڑھ گیا تو میں ان کے ہاں جا پہنچا۔ وہ بہت حد تک بدل چکی تھی۔ اس کی کوملتا نجانے کہاں کھو گئی تھی' رعنائیوں کو جیسے گہن لگ گیا تھا۔ میں نے سٹنگ روم میں آمنے سامنے بیٹھتے ہوئے اسے بڑے غور سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر چپکی ہوئی ادھوری مسکراہٹ اور آنکھوں میں اتری ہوئی اداسی میں قطعاً" مطابقت نہیں تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ اس کے چہرے پر سے تازگی بچھڑ گئی ہو یا پھر کسی دکھ بھرے موسم نے چرا لی ہو۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھی بکھرے ہوئے لہجے میں یوں بات کر رہی تھی جیسے زندگی اس کے لفظوں میں سے نچوڑ لی گئی ہو۔ وہ جو کبھی جذبات کی گرمی سے بھرپور ہوا کرتی تھی' اپنے وجود سے گھر کے گرم ماحول کو باہر کی کہر آلود فضا کی طرح بج کر رہی تھی۔ میں نے کئی بار اسے غور سے دیکھا کہ شاید بیتے دنوں کا کوئی ہیولا اس میں دکھائی دے جائے مگر ہر بار اجنبی سمرن میرے سامنے موجود رہی۔ میں نے اسی تذبذب میں پوچھا۔

"تمہارا یوں اصرار کر کے بلانا' میرے آنے پر راہول کا گھر پہ نہ ہونا اور سب سے بڑھ کر جس سمرن کو میں جانتا ہوں' اس کا وقت کی گرد میں کہیں کھو جانا مجھے پریشان ہی نہیں کر رہا بلکہ دکھ بھی دے رہا ہے۔۔۔ بتاؤ' ایسا کیوں ہے؟"

میری بات اس نے اطمینان سے سنی اور پھر دھیرے سے بولی۔

"یہی ساری باتیں کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ ایک تم ہی تو ہو اس دنیا میں جس سے میں اپنے دکھ درد بانٹ سکتی ہوں۔۔۔ یہ ساری حیرتیں چھوڑو اور میری بات غور سے سنو۔" یہ کہہ کر وہ ایک ثانیہ کے لئے خاموش ہوئی' پھر تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ "پچھلے دو ماہ سے راہول پریشان ہے' وہ اپنی پریشانی مجھے بتانا نہیں چاہتا مگر مجھے معلوم ہو گئی ہے اور ساری خرابی اسی باعث ہے۔"

"ایسی افتاد کیا ہے جو وہ تمہیں بھی نہیں بتانا چاہتا اور تمہیں معلوم ہو گئی۔۔۔؟"

"یہ تمہیں پتہ ہے کہ شاردا کو پچھلے سال طلاق ہو گئی تھی' شاید اس دکھ کے باعث اس کے پاپا پر فالج کا حملہ ہو گیا۔ وہ مفلوج ہو کر گھر پڑے ہیں۔ ہو سکتا ہے' فالج کی وجوہات کچھ اور رہی ہوں لیکن گمان یہی ہے۔"

"اس کے پاپا مفلوج ہو گئے اور مجھے بتایا تک نہیں---؟"

"پتہ نہیں' وہ کیا سوچ رہا ہے--- ان کے مفلوج ہونے کے باعث کاروبار یکدم نقصان میں چلا گیا۔ سریتا اس قابل نہیں کہ معاملات سنبھال سکے لیکن شاردا نے کاروبار سنبھالا' یہ کوشش اس قدر مہنگی پڑی کہ کروڑوں کا نقصان ہو گیا اور سب کچھ ٹھپ ہونے کو ہے۔ ایسے حالات میں راہول کو بھارت ہونا چاہئے تاکہ اپنا ختم ہوتا ہوا کاروبار اور اپنے گھر کو سنبھال لے مگر اس کے مفلوج باپ میں اتنی ضد اور انا ہے کہ اس نے بیٹے کو واپس آنے کی اجازت نہیں دی' بہت سارے لوگوں کے کہنے پر اتنی لچک دی ہے کہ وہ سمرن کو چھوڑ کر آ جائے---"

"یہ بے جا ضد ہے۔ اب بچے ہو گئے اور حالات اس قسم کے---"

"اس معاملے میں وہ سبھی گھر والے ایک ہیں کہ جس عورت نے ان کا بیٹا چھین لیا' وہ اسے برداشت نہیں کر پائیں گے اور عامر! اب صورت حال یہ ہے کہ راہول دن بدن اندر ہی اندر سے ٹوٹتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی یہ حالت مجھ سے نہیں دیکھی جا رہی۔ وہ مجھ سے بات اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے کوئی دکھ دینا نہیں چاہتا۔ وہ مجھے بچا لینا چاہتا ہے اور اپنے گھر کو بھی اور سچی بات یہی ہے کہ یہی وقت ہے جب اسے اپنے گھر میں ہونا چاہئے۔ اس کے گھر کو اس کی ضرورت ہے۔ وہ اس وقت دکھ کی جس شدت سے گزر رہا ہے' میں اسے اپنے دل پر محسوس کر رہی ہوں۔ میں دوراہے پر ہوں' خود غرض بن کر اپنا گھر بچا لوں یا راہول کے خاندان کو ٹوٹنے سے بچا لوں جو تباہی کے دہانے پر ہے--- کیا کروں' عامر! میں کیا کروں؟"

آخری لفظ کہتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی--- میں خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے خود پر قابو پایا تو بولی۔

"میرا اب کوئی آسرا نہیں رہا۔ میں نے جب سے اپنی ماما کو اپنی شادی کے بارے میں بتایا ہے تب سے میرا ان کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اس وقت میری ماما نے مجھے اتنا ضرور کہا تھا کہ جب تمہارا شوہر تمہیں چھوڑ دے اور تب تک میں زندہ رہی تو میرے پاس چلی آنا--- عامر! کسی عورت کے لئے یہ بہت بڑا طعنہ ہے۔ تب میں نے فیصلہ کیا تھا کہ چاہے مجھے سڑک پر آنا پڑے' میں پلٹ کر ماما کے پاس نہیں جاؤں گی۔ آخر کس منہ سے جاؤں---؟"

"ان ساری باتوں کا تمہیں پتہ کیسے چلا---؟"

"اتفاقاً" میں نے راہول اور سریتا کو فون پر باتیں کرتے سن لیا تھا' گھر کے حالات جاننے کے لئے راہول کا اسی سے رابطہ ہے' ان کے حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے سمرن میری طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے کوئی مرتا ہوا شخص پانی کی طرف دیکھتا ہے۔ اگرچہ زندگی کے رنگ بدلنا ایک فطری عمل ہے تاہم کس وقت زندگی کس بھیس میں ہمارے

سامنے آجائے' اس بارے میں کچھ بھی حتمی نہیں کہا جا سکتا۔ میں جو ان سے لاتعلق ہو گیا تھا' اب یہی لوگ میرے لئے زاد راہ کا باعث بن گئے تھے۔ یہی وہ موقع تھا جس سے میں بھرپور فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ مجھے اپنی راہ میں حد درجہ آسانیاں پیدا ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کا مسئلہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا' اس کا حل میری انگلی کی نوک پر تھا۔ میں نے سمرن کی طرف دیکھا اور پوری سنجیدگی سے کہا۔

''اس وقت حالات الجھے ہوئے ہمارے سامنے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ انہیں ہم نے ہی سلجھانا ہے اور پریشانی میں ہم ان رشتوں کا کوئی نہ کوئی کچا دھاگہ توڑ بیٹھیں گے--- میں آگیا ہوں نا' اب تم اطمینان رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میرے یوں کہنے پر اس کے چہرے کا تناؤ قدرے کم ہو گیا۔ میں نے اسے خاصا حوصلہ دیا اور پھر لنچ کے بعد وہاں سے آگیا--- اس دن واپسی پر میں نے پہلی بار منزل کے قریب پہنچ جانے کے احساس سے اپنے بدن میں سنسناہٹ محسوس کی تھی۔ میں سوچنا چاہتا تھا۔ باپ بیٹے کی انا اور ضد میں وہ خاندان معاشی طور پر تباہ ہو رہا تھا باپ تو جسمانی طور پر مفلوج تھا ہی' بیٹا بھی ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا تھا۔ راہول ہر معاملے میں میرے ساتھ مشورہ کرتا چلا آیا تھا لیکن گمبھیر مسئلے پر مجھ سے بات نہ کر کے اس نے شاید پردہ داری چاہی تھی یا پھر کوئی اور معاملہ تھا۔ ان کے تمام تر مسائل کا حل یہی تھا کہ راہول کے والدین سمرن کو اپنی بہو کے طور پر قبول کر لیں۔ میں نے اب تک جو سیکھا تھا' اس میں یہ مسئلہ کم از کم میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ میرے لئے سوچنا یہی تھا کہ ان حالات کو اپنی گرفت میں لے لوں۔

اسی رات راہول کا فون آگیا۔ وہ شکوہ کر رہا تھا کہ میں ان کے ہاں ٹھہرا نہیں' اس کے آنے سے پہلے ہی واپس چلا آیا تھا۔ یونہی باتوں کے دوران اس نے پوچھا۔

''سناؤ' وطن واپس نہیں گئے' تمہیں تو خاصا عرصہ ہو گیا ہے یہاں پر---؟''

''ہاں' چھ سال ہو گئے اور اب تو میرا کمپنی کے ساتھ معاہدہ بھی ختم ہونے والا ہے۔ نئے معاہدے کی بات چل رہی ہے' وہ لوگ مجھے پاکستان یا بھارت بھجوانا چاہ رہے ہیں۔''

''پھر تو تم پاکستان ہی جانا پسند کرو گے---؟''

''باس لوگ ترجیح دے رہے ہیں کہ میں ممبئی چلا جاؤں اور یہ آفر بہت بڑی ہے۔ پاکستان کے لئے وہ مجھے کوئی پیکیج نہیں دے رہے۔'' میں نے صریحاً جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

''کاش! تم ممبئی جا سکتے---؟''

''مطلب--- تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''تمہیں شاید معلوم نہیں' میں ان دنوں کس اذیت سے دوچار ہوں---''

"کیا ہوا۔۔۔؟"

میرے یوں پوچھنے پر اس نے سمرن کی بتائی ہوئی تفصیل دہرا دی۔

"اب بتاؤ' میں کیا کروں؟ ایک طرف کروڑوں کا نقصان' دوسری طرف بیمار باپ' تیسری جانب آبائی گھر جس میں ایک بہن طلاق یافتہ ہے اور دوسری بیاہنے والی ہے اور چوتھی طرف یہاں میرا اپنا گھر' میری بیوی' میرے بچے۔۔۔ میں ممبئی جا سکتا ہوں' سمرن کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں مگر یہ کیا کہ میرے باپ نے ایک دفعہ بھی نہیں کہا کہ میں واپس پلٹ آؤں۔ اتنی بڑی کیا غلطی ہوگئی مجھ سے۔ اپنا گھر اور کاروبار تباہ ہونا برداشت ہے لیکن بیٹے کو واپس۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا۔

"حالات تو خاصے گمبھیر ہیں۔۔۔ ویسے تمہاری ماما تمہارے معاملے میں یا سمرن کے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہیں؟"

"وہ تو ماں ہے نا' یار! وہ تو تب بھی میری خواہش پر مجھے اجازت دے چکی تھیں مگر اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اگر میں نے کملا سے شادی نہ کی تو وہ شاردا کو چھوڑ دیں گے۔۔۔ میں یہاں ہوں مگر میرا من وہاں ہے۔ میں اپنے پریوار کے ساتھ ان کے پاس جانا چاہتا ہوں مگر۔۔۔ میں نے ہر کوشش کر کے دیکھی ہے' ممبئی کے دوستوں سے بھی کہلوایا ہے لیکن ان کی وہی ضد ہے کہ سمرن کو چھوڑ کر آ جاؤں۔"

"ساری الجھن تمہارے پاپا کی انا کے باعث ہے۔ یوں تمہارے کڑھنے سے کچھ نہیں ہونے والا۔۔۔ اپنے گھر والوں کو بھول جاؤ' ہمیشہ کے لئے اپنی دنیا میں مست ہو جاؤ یا پھر سمرن کو چھوڑو اور واپس چلے جاؤ۔"

"یہ تو ہوگا' ایسا تو ہونا ہی ہے۔ تم نے کوئی نیا حل نہیں بتایا مگر ایسا کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔۔۔ اصل میں تم میرے دکھ کی گہرائی محسوس نہیں کر پا رہے ہو کہ میں کس اذیت سے دوچار ہوں' تمہیں اس کا ذرہ برابر اندازہ نہیں ورنہ تم ایسی بات نہ کرتے۔۔۔"

"میں تمہاری بات مان بھی لوں تو بتاؤ' تیسرا راستہ کونسا ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔۔۔ بس بھگوان سے پرارتھنا ہے' وہی کوئی حل نکالے گا۔"

"تم مایوس مت ہونا' کوئی حل ضرور نکلے گا۔۔۔"

"بھگوان کرے۔۔۔"

اس نے کہا اور پھر الوداعی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔۔۔ اس رات میں سو نہیں سکا بلکہ دونوں پہلوؤں پر سوچتے ہوئے رات گزر گئی۔ میرے سامنے عطا شاہ تھا اور دوسری طرف ممبئی کا سفر' میں دونوں ہی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ پھر صبح جب میں دفتر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا' اس وقت سارا منصوبہ میرے ذہن میں تشکیل پا چکا تھا۔ اسی دن میں دفتر میں تھا کہ سمرن کا فون آ گیا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ شاید کوئی حل نکل آئے گا مگر---"

"میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت راہول کی ذہنی حالت بہت نازک ہو چکی ہے' وہ کچھ بھی کر سکتا ہے---"

"میں نے بڑی امید کے ساتھ تمہاری طرف دیکھا ہے۔ بھگوان کے لئے میرا گھر بچا لو عامر---!"

"یوں نہ کہو' میں سوچتا ہوں---"

"سوچنے کا وقت گزر چکا ہے' یہی وقت ہے کچھ کرنے کا--- مجھے یہ خوف نہیں کہ وہ مجھے چھوڑ جائے گا مگر وہ اذیت میں ہے' بہت کچھ برباد ہو جانے والا ہے۔"

"خود پر قابو رکھو--- میں نے کہا ہے نا' سوچتا ہوں۔ کوشش ہی ہے' نا---!"

"تم وعدہ کرو کہ پورے دل سے کوشش کرو گے۔ مجھے تمہارے وعدے پر پورا اعتماد ہے--- میرا گھر اور میرے راہول کو بچا لو' مجھے پورا یقین ہے' تم ایسا کر سکتے ہو۔"

"تو' سمرن! پھر سنو--- تم راہول سے بات کرو اور ممبئی جانے اور راہول کے خاندان کے ساتھ رہنے کا کوئی بھی جواز مجھے دے دو۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکا' میں ممبئی چلا جاؤں گا' پھر سب ٹھیک ہو جائے گا' یہ تم یقین رکھو---"

"کیا تم ممبئی جاؤ گے---؟" اس کی آواز میں حیرت بھری تھی۔

"ہاں' یہی اس مسئلے کا حل ہے--- پہلے کاروبار کو سنبھالا جائے گا اور اس دوران ہی راہول کے لئے راہ ہموار کی جائے گی کہ وہ تمہارے ساتھ وہاں آ جائے--- یہاں تو اندازے ہیں' حقیقت تو وہیں کھلے گی کہ کیا ہو سکتا ہے؟"

"لیکن تمہارا مستقبل' تم---"

"مدد بھی مانگ رہی ہو اور--- مجھے تم لوگوں کا گھر اور زندگی زیادہ عزیز ہے' بس سب بھول جاؤ اور مجھے جواز دے دو اور ہاں' ایک بات اور--- خود کو اس پریشانی کے دباؤ سے بچاؤ' اپنے حواسوں میں رہو۔ یہی تمہارے اور تمہارے گھر کے لئے مناسب ہے۔ ٹیک کیئر' سمرن---!"

"میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی---"

اس نے مسرت بھرے لہجے میں کہا' پھر الوداعی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

✿✿

ہمیں سفر کرتے ہوئے آٹھ گھنٹے ہو چکے تھے۔ جوزفین نیند سے بیدار ہو کر کسمسا رہی تھی۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے میری جانب دیکھا اور مسکرا دی۔ چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد عام سے انداز میں بولی۔

"مجسمے! تم سوئے نہیں۔۔۔؟"

"مجھے نیند ہی نہیں آتی۔" میں نے اس کے ستے ہوئے چہرے پر دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"میں سمجھی۔۔۔ کہیں تم مراقبے میں تو نہیں چلے جاتے؟ میں نے سنا ہے' انڈین لوگ روحانی طور پر۔۔۔" وہ مزید کہنا چاہ رہی تھی کہ میں نے ٹوک دیا۔

"تم ٹھیک نہیں سوچ رہی ہو۔۔۔"

میں نے کہا تو اس نے بوتل ڈھونڈی اور چند گھونٹ پینے کے بعد سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں' شاید مے کی تلخی برداشت کر رہی تھی یا اس سے لطف لے رہی تھی۔ میں نے اس سے توجہ ہٹائی اور اپنی دنیا میں آ پہنچا۔

✿✿

برٹین سٹریٹ پر سنٹرل اپارٹمنٹ کے ایک کشادہ کمرے میں میرے مربی اور مہربان استاد محترم حبیب الجوزی میرے انتظار میں تھے۔ میں ہائیڈ پارک اسٹیشن' ٹیوب سے پہنچا تھا اور وہاں سے پیدل گیا تھا۔ میں نے ہی ان سے ملنے کی فوری استدعا کی تھی۔ ادھیڑ عمر استاد استقامت' ذہانت اور ریاضت میں پہاڑ کی مانند تھے۔ وہ حق کی ان راہوں کے مسافر تھے جہاں میدان کارزار ہمیشہ گرم رہتا ہے۔ مجھے انہی کے پاس لندن بھیجا گیا تھا' تب سے وہی میرے سرپرست تھے۔ میں تربیت کے جس مرحلے سے بھی گزرا' وہی میرے نگران رہے۔ ان کی نگاہ عقاب کی طرح ہم پر لگی رہتی تھی' ذرا سی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ مٹی کو کندن بنانا جانتے تھے۔ میں جو اپنا ذاتی مقصد لے کر ان تک پہنچا تھا' اب راہ حق میں اپنا آپ قربان کر دینے کو اپنا مقصد اولین بنا لیا تھا۔ ان کا انداز تربیت اور مہم سر کرنے کا طریقہ یکسر مختلف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ہتھیار اس وقت استعمال کرنا چاہئے جب فرار کی کوئی راہ نہ بچے' گولی چلانے سے بہتر ہے کہ دشمن کو سالوں تک ذہنی کشمکش میں رکھا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ خود کو اتنا قابل بنایا جائے کہ دشمن کی سوچ جہاں ختم ہوتی ہے' وہاں سے اپنے عمل کا آغاز کیا ائے۔ اپنی قابلیت کا لوہا اس قدر منوایا جائے کہ دشمن بھی مجبور ہو کر سامنے ہاتھ پھیلا دے۔ ہر طرح ی تربیت حاصل کر کے اس طرح لیس ہوا جائے کہ دشمن کو اپنی شہ رگ کٹنے کا احساس تک نہ ہو۔ آتشیں اسلحہ کو وہ ثانوی حیثیت دیتے تھے اور عملی قوت کو اولین درجہ۔۔۔ میں نے جو بریڈ فورڈ یونیورسٹی سے بزنس کی تعلیم حاصل کی تھی' وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا جو مجھے استاد حبیب الجوزی کی درس گاہ سے ملی تھی۔ دنیا بھر کی اکانومی میرے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھی۔ حرب و ضرب کے فن سے لے کر علمی موشگافیوں تک' انسانی معاشرت کو سمجھنے سے لے کر ذاتی صلاحیتوں کے استعمال تک کی تعلیم سے اس قدر سیراب کر دیا گیا تھا کہ مزید تشنگی بڑھ گئی تھی۔ اب جبکہ میں ممبئی جا سکتا تھا ر عطا شاہ بھی لندن میں موجود تھا' میں ایسے مواقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے محض چند گھنٹوں

ں ان سے میری ملاقات کا بندوبست کرایا گیا۔ میں ان کے سامنے حاضر ہوا تو انہوں نے انتہائی شفقت
ے مجھے گلے لگالیا اور محبت سے پوچھا۔
"عامر بیٹا! ایسی کیا افتاد آن پڑی جو یوں ہنگامی طور پر ملاقات کا اہتمام کرنا پڑا۔۔۔؟"
یہ کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے پاس بیٹھ کر تمام صورت حال انتہائی اختصار
ے ان کے سامنے رکھ دی' نہایت تحمل سے سننے کے بعد انہوں نے کہا۔
"جہاں تک عطا شاہ کا معاملہ ہے' اس سے متعلق تو میں نے تمہیں پہلے بھی اجازت دے دی
ں للذا تم جب چاہو' ویسے بھی وہ چوٹ کھائے ناگ کی طرح برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔ دوسری
ا یہ ہے کہ انسان ساری زندگی سیکھتا رہتا ہے۔ بنیادی طور پر تمہاری تربیت مکمل ہو چکی ہے۔ اب
ہا' اپنی تربیت کو آزماؤ۔ میری دعا ہے کہ تم کامیاب واپس آؤ۔۔۔ میں کوئی خاص ذمہ داری تم پر
ما نہیں کرتا' مجھے تمہارا مقصد معلوم ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اپنے مقصد میں سرخرو رہو اور
اں معذور بوڑھے سے اپنا کیا ہوا وعدہ نبھاؤ جو پاکستان میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔ تم اعتماد سے جاؤ'
ی طرف سے اجازت ہے بس آنکھیں کھلی رکھنا' بھارت میں اسرائیلی دلچسپی کوئی خیر کا باعث نہیں
' وہ اپنے مفاد کے لئے بہت کچھ کر رہا ہے۔ تم ایک ذمہ دار ساتھی ہو' اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو'
اں پر نہیں' ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھنا کہ وہی سارے کام بنانے والا ہے۔۔۔"
یہ کہہ کر وہ اٹھے' مجھے گلے لگا کر پیار کیا اور روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد میں بھی نکل گیا۔ میں خود
ا ان کی دعاؤں کے حصار میں نہایت پر اعتماد محسوس کر رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اب میں جہاں بھی
وں گا' استاد حبیب الجوزی کی نگاہوں کے سامنے رہوں گا۔

✿ ✿

اسی ویک اینڈ پر سمرن اور راہول اپنے بچوں سمیت میرے ہاں آ گئے۔ راہول بڑا کملایا ہوا دکھائی
ے رہا تھا اور سمرن کے چہرے پر سے تازگی ہنوز بچھڑی ہوئی تھی۔ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں بتا رہی
ں کہ راتیں جاگ کر گزاری گئی ہیں۔۔۔ اس شام ہم بیٹھے تو راہول نے کہا۔
"عامر! تم میرے دوست ہی نہیں' میرے محسن بھی ہو' یہاں لندن آنے کے بعد تم نے مجھ پر
ے احسان کئے ہیں کہ مزید تمہیں کچھ کہتے ہوئے شرم محسوس کر رہا ہوں۔ میں اپنے سارے حالات
ے کہہ دینا چاہتا تھا' مجھے یہ پورا یقین ہے کہ ایک تم ہی وہ واحد شخص ہو جو میرے حالات ٹھیک کر
ا ہو لیکن۔۔۔"
"لیکن کیا۔۔۔؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔
"اتنے سالوں کی محنت۔۔۔ تم ایسے مرحلے میں ہو جہاں ترقی۔۔۔"
"میرے بارے میں سوچنا چھوڑو۔ مجھے یہ بتاؤ' تم لوگوں نے فیصلہ کیا کیا ہے۔۔۔؟"

"میرے لئے اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ میں اپنے ختم ہوتے ہوئے کاروبار اور ٹوٹتے ہوئے گھر کو بچا لوں۔ تمہاری اس کوشش میں نجانے کتنا وقت لگ جائے لیکن بہرحال میری امید تم سے ہی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے مگر ممبئی کے لئے میرے پاس جواز کیا ہے---؟"

"میں نے شاردا سے بات کی ہے' اسے کہا ہے کہ ختم ہوتے ہوئے کاروبار کو سنبھالنے کے لئے میں اپنے دوست عامر کو بھجوا رہا ہوں جو سب کچھ ٹھیک کر کے واپس آ جائے گا اور تم یہی مقصد لے کر جاؤ گے۔ میرے گھر میں رہو گے تو سب کچھ سنبھال لو گے۔"

"شاردا کا اس پر کیا تاثر تھا کہ کاروبار کے لئے کسی شخص کو---"

"اس نے کیا کہنا ہے' وہ تو چاہے گی کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ اسے تو مدد کی ضرورت ہے لیکن مجھے احساس ہے کہ تمہیں وہاں جا کر بہت کچھ سہنا پڑے گا۔"

"مثلاً---؟" میں نے پوچھا۔

"میرا حوصلہ تو نہیں پڑ رہا لیکن تمہیں کہہ دینا ضروری ہے--- میری بہن شاردا دھرم کو بہت زیادہ مانتی ہے' بہت مذہبی ہے۔ ہو سکتا ہے' اس کی طرف سے تمہیں ذہنی اذیت ملے تو پلیز---"

"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں' اس کے علاوہ کچھ اور ہو تو بتاؤ---؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی پھیکی ہنسی ہنس دیا--- اس رات ہم نے بہت باتیں کیں بہت کچھ طے کیا۔ اگلے دن وہ میرا پاسپورٹ لے کر چلا گیا۔

✿✿

وہ اوائل جون کی ایک خوشگوار صبح تھی جب میں اور میرے دو ساتھیوں نے ساؤتھ ہاراؤ کے علاقے میں عطا شاہ کے گھر کے سامنے کار روکی۔ وہ پرانی طرز کا وکٹورین سٹائل مکان تھا جس میں زیادہ تر لکڑی کا کام کیا گیا تھا' وہ گلی میں دائیں جانب تیسرا تھا۔ گزشتہ ہفتے سے اس مکان اور باسیوں کی پوری طرح نگرانی کی جا رہی تھی۔ گلی میں داخل ہوتے ہی ہمیں راستہ صاف ہونے کا اشارہ مل گیا۔ وہ بوڑھا گھروں کے باہر بنے ہوئے لان میں ایک بینچ پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا' اس نے کار کی نمبر پلیٹ دیکھی اور موہوم سے مخصوص اشارہ سے بتا دیا کہ وہ اندر ہی ہے اور اس کے ساتھ تین افراد ہیں۔ اس بوڑھے نے ہمیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا' اس کام کے لئے کسی اور نے اسے معاوضے پر تیار کیا تھا۔ لندن اور اس کے نواح میں ایسے انگریز بوڑھے کہیں زیادہ مل جاتے ہیں جو معاوضے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایشائیوں سے خصوصی قسم کے تعصب کی وجہ سے ان کے خلاف کسی بھی قسم کی تخریبی کاروائی کے لئے فوراً" تیار ہو جاتے تھے۔ اس بوڑھے کو کس نے اور کیسے تیار کیا تھا' میں نہیں جانتا تھا۔ وہ ہمیں دوبارہ کبھی پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ ہلکے میک اپ سے ہمارے چہرے بڑی حد تک

ہدیل ہو گئے تھے۔ وہ بوڑھا ہماری طرف سے رخ پھیر کر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ ایک ساتھی اور نکلا' تیسرا کار میں ہی موجود رہا۔ میں نے ڈور بیل بجائی۔ تھوڑی دیر تک بجاتے رہنے کے رد عمل میں ایک ہلر نما بوڑھا دروازے پر نمودار ہوا' اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔ ہم نے بہت صبح انہیں ڈسٹرب کر دیا تھا۔

"ہمیں عطا شاہ سے فوری ملنا ہے۔۔۔"

میں نے جان بوجھ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا تو وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا۔

"وہ اس وقت سو رہے ہیں' آپ بعد میں آیئے گا۔۔۔"

"بہت زیادہ ایمرجنسی ہے' انہیں کچھ معلومات دینا ہے جو ان کے لئے بہت ضروری ہیں۔ آپ پلیز۔۔۔"

میرے یوں کہنے پر اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور اندر آنے کے لئے راستہ دیا۔ ہم اندر آ گئے' وہ دروازہ بولٹ کر کے واپس آیا اور ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم بیٹھ گئے تو وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا جو اوپری منزل پر تھا۔ جیسے ہی اس نے دروازے پر جا کر دستک دی' ہم بھی اٹھ کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ وہ کمرے کے اندر جا چکا تھا اور ہم دروازے کے باہر کان لگائے کھڑے تھے۔ وہ عطا شاہ کو جگا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پوری طرح حواسوں میں آتا' ہم اندر داخل ہو گئے اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کے سر پر جا پہنچے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی تھی' بٹلر کی آنکھوں میں بھی حیرت اس وقت منجمد ہو گئی جب میرے ساتھی نے ریوالور کا دستہ اس کے سر پر دے مارا تھا۔ وہ لہراتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ عطا شاہ حیرت سے ششدر تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ بیڈ پر ایک انگریزی لڑکی بے لباس پڑی تھی جو اس قدر گہری نیند میں تھی کہ اسے اب تک کچھ خبر نہیں تھی' بلاشبہ وہ نشے میں وھت ہو گی۔ کمرے کے درمیان میز پر کئی بوتلیں شراب کی پڑی ہوئی تھیں جو مختلف برانڈ کی تھیں۔ میں نے احتیاطاً" سوئی ہوئی انگریز لڑکی کو بے ہوش کر دیا' اس کے منہ سے بس ہلکی سی کراہ نکلی تھی۔

"کون ہو تم۔۔۔؟"

عطا شاہ کے منہ سے خوف زدہ آواز نکلی' تب میں نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"میں خدائی فوجدار ہوں۔۔۔ یاد کرو میجر اکرم کو جس کا ایک بیٹا ضیاء اللہ تھا۔ کراچی ڈیفنس ایریا میں جس کے خاندان کے قتل میں تم بھی شامل تھے۔ اس کا قصور صرف یہی تھا کہ وہ محب وطن تھا "را" کے پھیلتے ہوئے مذموم مقاصد کو روکنے کے لئے اپنا فرض نبھا رہا تھا' اور تم "را" کے ایجنٹ۔۔۔"

"تو۔۔۔ وہ تم۔۔۔ ہو جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا تھا؟"

"بالکل میں وہی ہوں--- تم ہاتھ نہیں آئے تھے لیکن میں نے تمہیں یہ بتا دیا تھا کہ بیٹے کے مر جانے کا غم کیا ہوتا ہے۔ میں تمہیں انہی دنوں ختم کر سکتا تھا جب تم بیٹے کے جنازے کو کاندھا دیتے پھر رہے تھے لیکن تم جیسے غدار وطن کو اذیت کیسے محسوس ہوتی--- خارش زدہ کتے کی طرح تم نے مجھے تلاش کیا تھا اور آج میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"اب تم کیا چاہتے ہو---؟" اس نے موہوم سی امید کے ساتھ کہا۔

"ہمیشہ کے لئے تمہاری فائل بند کر دینا چاہتا ہوں تاکہ تمہارا اور میرا حساب ختم ہو جائے---"

"میں توبہ کر چکا ہوں۔ پھر تم نے میرا بیٹا قتل کر کے حساب تو برابر---"

"کیسے' عطا شاہ! کیسے؟--- وہ جو "را" کی بھینٹ چڑھے' لسانی فسادات میں مارے گئے۔ بم دھماکوں نے جنہیں ابدی نیند سلا دیا' ان کا حساب کون دے گا' تم تو ایک مہرے ہو لیکن پھر بھی اس قدر قصوروار ہو کہ---"

شدت جذبات سے میں کچھ بھی نہ کہہ سکا میں نے سرعت سے پتلے پھل والا خنجر نکال کر خاص تکنیک سے پکڑا اور اس کے گلے پر پھیر دیا۔ خون کا فوارہ پھوٹنے سے قبل میں نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ جہاں وہ تڑپنے اور ڈکارنے لگا۔ میرے بدن پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں لگا تھا۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اس انگریزی لڑکی اور بٹلر کو ٹب میں پھینکا' پانی سے ٹب بھرنے کے بعد الیکٹرک شیور کو توڑ کر پانی میں ڈال دیا۔ بجلی کا بٹن آن کرنے کے چند لمحوں بعد وہ بے ہوشی کے عالم میں اوپر پہنچ گئے۔ عطا شاہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں ابھی تیسرا شخص تھا۔ ہم احتیاط سے باہر نکلے تو وہ ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیا' بس نیچے کچن میں نل چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے کچن میں جھانکا' ایک شخص بے نیازی سے مصروف تھا۔ ہم نے اسے ویسے چھوڑا اور باہر نکل آئے۔ وہ بوڑھا اب بھی وہیں موجود تھا اور اسی اطمینان سے اخبار پڑھ رہا تھا۔ ہم سکون سے کار میں بیٹھے اور گلی پار کر گئے۔ تھوڑا سا سفر کرنے کے بعد ساؤتھ ہاراؤ ٹیوب سٹیشن پر انہوں نے مجھے اتارا اور میں ٹیوب کے ذریعے اپنے علاقے کی طرف نکل گیا' جاتے ہوئے میں نے اپنا خنجر گاڑی میں ہی چھوڑ دیا تھا اس یقین کے ساتھ کہ اس پر میری انگلیوں کے نشان نہیں ہیں۔

اسی دن شام کے اخباروں میں عطا شاہ کے قتل کی خبروں سے سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دفتر سے واپسی پر ایک ایسا اخبار خریدا جس میں زیادہ تفصیل سے بتایا گیا تھا' گھر آ کر میں نے وہ خبر تراشی اور بقیہ اخبار آتشدان میں پھینک دیا۔ پھر اس خبر کو سفید لفافے میں بند کیا اور صفدر علی خاں کے پتے پر پوسٹ کر دیا' اس نوعیت کا یہ میرا دوسرا خط تھا۔ ایسا کر کے میں نے ایک گونہ سکون محسوس کیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے ثمن نے خوشی سے بھرپور نگاہوں سے میری جانب دیکھا ہو۔ میں تصور ہی تصور میں اس کے ساتھ نجانے کہاں تک چلا گیا--- ثمن! جو میری زندگی تھی' میری محبت تھی' میرا عشق تھا۔

اگلے ویک اینڈ پر راہول اور سمرن آ گئے۔ فون پر انہوں نے مجھے ساری تفصیلات بتا دیں تھیں کہ مجھے کب اور کس وقت ممبئی کے لئے نکلنا ہے۔ میں تیار تھا۔ میرے فلیٹ سے ہیتھرو ایئرپورٹ نزدیک تھا' وہ سارا دن میرے پاس رہے اور شام کے وقت انہوں نے مجھے نم آلود آنکھوں سے الوداع کہا۔

✿✿

طیارے کے ماحول میں پائیلٹ کی آواز گونج رہی تھی' وہ ممبئی پہنچ جانے کے رسمی اعلان کے ساتھ موسم وغیرہ کے بارے میں معلومات دے رہا تھا۔ اعلان کے ختم ہوتے فضائی میزبان آ گئیں' وہ مسافروں سے سیٹ بیلٹ باندھ لینے کو کہہ رہی تھیں۔ تبھی وہ سانولی سی تیکھے نین نقش والی فضائی میزبان میرے نزدیک آئی اور بڑی خوبصورتی سے ہندی میں کہا۔

”اندر دیوتا کی کرپا سے' ممبئی کی صبح' آپ کا سواگت کرنے کو بے تاب ہے۔“

اس کا یوں کہنا مجھے عجیب سا لگا۔ میں نے اپنے احساسات چھپاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”بے شک ممبئی کی صبح آپ ہی کی طرح خوبصورت اور روشن ہوگی۔“

میرے یوں کہنے سے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اتر آئی جس میں حسرت کا رنگ نمایاں تھا۔ تبھی وہ مجھے سیٹ بیلٹ باندھنے کا کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی اور میں اس کے لچکیلے بدن کو دیکھتا رہ گیا۔

”وہ ایئر ہوسٹس تمہیں کیا کہہ رہی تھی؟“

جوزفین نے مسکراتی آنکھوں کے ساتھ تجسّس سے پوچھا تو میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”یہی کہ تمہارے ساتھ بیٹھی انگلش لڑکی بہت خوبصورت اور پیاری ہے۔“

میرے جواب پر اس نے ہونٹوں کو سکیڑا اور پھر آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولی۔

”تم اگر نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی لیکن سفر کے اختتام پر اس نے ایسا کہنا ہی تھا--- ویسے ایک بات کہوں مجتبے---؟“ اس نے کہا تو میں نے جواب طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' وہ بولی۔

”اس لڑکی کی آنکھوں میں تمہارے لئے بہت زیادہ پسندیدگی تھی۔“

”بہت زیادہ سے مراد--- کتنی ہو سکتی ہے؟“

میرے پوچھنے پر اس نے سوچنے والے انداز میں کہا۔ ”اتنی کہ اگر تم اسے آج ہی ملاقات کی آفر کرو تو وہ تم سے ملنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔“

”تم نے یہ کیسے محسوس کیا---؟“

”اس لئے کہ تم بہت وجیہہ ہو' کسی بھی لڑکی کو متاثر کر دینے کی صلاحیت تم میں ہے اور یہی ت میں اس کی آنکھوں میں دیکھ چکی ہوں۔ ایسا تمہاری کشش کے باعث ہی ہوا ہے---“

"کیا تم بھی---؟" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل' میں تمہارا ساتھ چاہتی اگر میرے ساتھ پال نہ ہوتا تو---"

اس نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ باتیں پال بھی سن رہا تھا' انہی باتوں میں جہاز لینڈ کر گیا--- ایئرپورٹ کے سارے مراحل سے گزرنے کے بعد میں اپنا سامان لئے باہر آگیا۔ بھارتی سر زمین پر قدم رکھتے ہی ایک عجیب طرح کی کی کیفیت میرے اندر اپنا آپ منوانے لگی جس میں ایسی تشنگی تھی' جو فقط خون سے ہی بجھتا تھی۔ میں نے گھڑی پر وقت دیکھا جسے میں نے بھارتی وقت کے مطابق کر لیا تھا۔ پھر ایک سرے سے دوسرے سرے تک نگاہ دوڑائی' کوئی بھی شناسا چہرہ نہیں تھا۔ مجھے شاردا یا سریتا ہی لینے آسکتی تھیں۔ میں نے اپنے تصور میں ان کے خدو خال ابھارے اور پھر سے ایسے ہی کسی چہرے کے لئے ادھر ادھر دیکھا مگر مجھے مایوسی ہوئی۔ میں ذہنی طور پر ہر طرح کے حالات کے لئے تیار تھا' اس لئے پر سکون تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک کوئی بھی شناسا چہرہ دکھائی نہیں دیا تو میں نے فون کر کے صورت حال جاننے کے لئے سوچا۔ میری پاس سکے تھے نہ کارڈ۔ سو میں ایک پی سی او پر جا پہنچا۔ میں نے اپنی جیبی انڈکس میں سے نمبر دیکھا اور ڈائل کر دیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی' کافی دیر بعد ایک کھنکارتی ہوئی آواز ابھری تو میں نے کہا۔

"میں عامر زبیر بات کر رہا ہوں' شاردا یا سریتا سے بات کرائیں---"

"آپ' عامر بابو! آپ پہنچ گئے--- میں بنواری لعل بات کر رہا ہوں۔ وہ شاردا بٹیا تو اپنے کمرے میں پوجا کر رہی ہے' سریتا بیٹا آپ کو لینے ایئرپورٹ گئی ہوئی ہے۔"

"وہ تو اب تک یہاں نہیں پہنچی---"

"کیسے پہنچ سکتی ہے' وہ تو ابھی گئی ہے۔ بس کچھ دیر میں پہنچ جائے گی---"

"اچھا ٹھیک ہے' بنواری لعل! میں انتظار کر رہا ہوں---"

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ فون بند کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے پاؤنڈ تو بھارتی کرنسی میں تبدیل ہی نہیں کروائے۔ میں نے جیب سے پاؤنڈ نکالا اور پی سی او والے کو دینا ہی چاہتا تھا کہ عقب سے آواز آئی۔

"رہنے دیں' میں دے دوں گی--

میں نے مڑ کر دیکھا تو وہی فضائی میزبان میرے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر دیئے۔ رابطہ ہو جانے پر وہ اپنی ماں سے باتیں کرنے لگی' تب تک میں نے پاؤنڈ دے دیا اور اس کی بھی ادائیگی کر دی۔ اس نے ریسیور رکھا اور میری طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ میں ادائیگی کر چکا ہوں' اس لئے میری طرف ہاتھ جوڑ کر نمستے کے انداز میں بولی۔

"دیوی اور دیوتاؤں کی سرزمین پر آپ کا سواگت ہے---" اس کے سانولے چہرے پر آنکھیں بہت خوبصورت تھیں' اس کا پرنام کرنے کا انداز بہت دلکش تھا۔ میں دھیرے سے مسکرا دیا تو وہ بولی۔
"مجھے شیتل کہتے ہیں--- شیتل ورما!"
اس کے ساتھ ہی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے بڑے نرم انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"میں عامر ہوں---" میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا' تھکے تھکے چہرے پر تازگی اتری ہوئی تھی۔
"آئیں' جب تک آپ کو لینے کے لئے کوئی نہیں آ جاتا---"
اس نے ایک جانب بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور ایک سٹال سے ٹین پیک سوڈا لے لیا۔
"ایئر انڈیا والے تمہیں ڈراپ نہیں کرتے؟"
"کرتے ہیں لیکن میرے پاس اپنی گاڑی ہے جو پارکنگ میں کھڑی ہے۔ مجھے کہیں سے ہو کر جانا ہوتا ہے---"
اس نے کہا تو ہمارے درمیان یونہی باتیں چل پڑیں۔ وہ لڑکی نجانے مجھ سے کیا چاہ رہی تھی' اس کا مقصد کیا تھا؟ میں نے سوچا کہ میرا پی سی او تک آنا اور پھر اس سے ملاقات کیا محض اتفاقیہ تھی؟ مجھے اگر انتظار نہ کرنا پڑتا تو شاید میرا اور اس کا آمنا سامنا بھی نہ ہو پاتا' میں ٹیکسی پکڑ کر جو ہو نکل جاتا۔ اب سریتا کے آنے تک مجھے شیتل کے ساتھ وقت گزارنا تھا۔ اس گزرے ہوئے وقت کا نتیجہ کیا نکلتا۔ اس بارے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا--- ہمیں باتیں کرتے ہوئے خاصی دیر ہو گئی اور ان باتوں کے لئے اس نے ہندی کی بجائے انگریزی زبان کو ترجیح دی تھی۔ وہ جون کے آخری دن تھے۔ وہ انہی دنوں کے حوالے سے، موسم کے متعلق بہت کچھ کہتی رہی' ممبئی کے بارے میں بتاتی رہی اور یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ میں اس کی باتیں بھی سن رہا تھا مگر میرا دھیان ان متوقع راہوں پر تھا جہاں سے سریتا آ سکتی تھی۔ اس دوران شیتل نے مجھے اپنا فون نمبر بھی دے دیا۔
"اگر میں فون نہ کر سکا تو---؟" میں نے یونہی ایک خیال کے تحت کہا۔
"تو میں کر لوں گی---"
یہ کہہ کر اس نے وہی فون نمبر دہرا دیا جو تھوڑی دیر قبل میں نے ڈائل کیا تھا۔ مجھے اس کی یادداشت پر قدرے حیرت ہوئی مگر میں نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔ انہی لمحات میں ایک لڑکی سامنے کے داخلی دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس نے ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا' وہ اضطرابی انداز میں متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے سارے بال سمیٹ کر پونی بنائی ہوئی تھی۔ میں اسے پہچان گیا' وہ سریتا ہی تھی۔ چند لمحے اسی کیفیت میں گزر گئے۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو ٹھٹک گئی۔ وہ بے

تحاشا میری طرف بڑھی تو میں کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے قریب آ کر غور سے مجھے دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔

"آپ عامر زبیر---؟"

"ہاں' سریتا! میں عامر ہی ہوں۔"

میں نے کہا تو شاید میری آواز نے اس کے شک کو یقین میں بدل دیا۔ وہ تیزی سے میرے گلے لگ گئی۔ پھر چند لمحوں بعد اسی تیزی سے الگ ہوتے ہوئے منتشر لہجے میں بولی۔

"سوری' ویری سوری' ریئلی ویری سوری' وہ دراصل--- بس چھوڑیں---"

"اوکے' اوکے سریتا! شانت ہو جاؤ---"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔ تبھی اسے میرے ساتھ کھڑی شیتل کا احساس ہوا۔ وہ بس دیکھ کر رہ گئی' شاید اس کی یونیفارم دیکھ کر سریتا کچھ نہیں بولی تھی۔

"اوکے' شیتل پھر ملیں گے---" میں نے اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اسے محض رسمی فقرہ سمجھوں یا---؟"

میرا ہاتھ تھام کر اس نے میرے چہرے پر نگاہیں ڈالتے ہوئے کسی تاثر کے بغیر کہا تو میں نے دھیرے سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

ایئرپورٹ کی عمارت سے نکلتے ہوئے ہم دونوں خاموش تھے۔ تبھی ہمارے قریب سے شیتل گزری' وہ سفید رنگ کی ماروتی میں تھی۔ میں نے اس کی گاڑی کا نمبر ذہن نشین کر لیا۔

"یہ شیتل اسی جہاز کی ایئر ہوسٹس تھی جس میں آپ آئے ہیں؟" سریتا پوچھ رہی تھی۔

"ہاں--- دوران سفر میرا اچھا رویہ دیکھ کر شاید اس نے مجھے کمپنی دی' بہرحال میں بور نہیں ہوا۔"

"سوری' عامر جی! وہ دراصل آپ کے آنے کی خوشی میں مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ میرے ذہن میں یہ بھی تھا کہ آپ کو ریسیو کرنے جانا ہے' میں نے شاردا دیدی سے بھی کہا تھا کہ اگر میں سو جاؤں تو مجھے وقت پر جگا دے۔ میری آنکھ لگ گئی اور کسی نے مجھے جگایا نہیں' اس لئے میں---"

"دیر سے بیدار ہوئی اور دیر سے ایئرپورٹ پہنچی---" میں نے اس کی بات اچکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کیسے پتہ---؟" وہ معصومیت سے بولی۔ پھر خود ہی اپنی بات کا احساس کر کے قہقہہ لگایا اور بولی۔

"راہول بھیا بہت اچھے ہیں اور بلاشبہ آپ بھی اتنے ہی اچھے ہوں گے۔ انہوں نے اتنے اعتماد سے آپ کو یہاں بھیجا ہے اور آپ آ بھی گئے تو مجھے پورا وشواش ہے کہ اب سارے معاملات درست

ہ جائیں گے۔"

"سریتا! تم میری مدد کرو گی' نا۔۔۔؟"

"پورے دل سے۔۔۔" اس نے سٹیرنگ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔۔۔ "پر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ کسی بھی الجھن کو سلجھاتے ہوئے کشٹ تو ہوتا ہی ہے۔"

"یہ سارے کشٹ جو ہیں نا' اب مجھ پر چھوڑ دو۔"

میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا اور نرمی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔

"میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں جو اپنے گھر کے معاملات کو نہ سمجھوں۔ میں سب جانتی ہوں مگر المیہ یہ ہے کہ کچھ کر نہیں سکتی۔ مجھے آپ کو سبھی کچھ بتانا ہے تاکہ آپ اس سے پورا ماحول سمجھ جائیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ آپ گھبرائیں گے نہیں۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر تم نے راہول اور اس کے پریوار کے بارے میں نہیں پوچھا؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"جب آپ فلائی کر چکے تھے تو انہوں نے فون کیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ انہوں نے روہیت اور نکھیال کی تصویریں بھی بھجوائی ہیں۔۔۔"

وہ خوشدلی سے بولی تو میں نے پہلی بار غور سے سریتا کو دیکھا۔ وہ سرخ گالوں اور گلابی ہونٹوں والی زندگی سے بھرپور لڑکی تھی' راہول سے اس کی بڑی حد تک شباہت تھی۔ بھرے بھرے بدن والی' تراشیدہ بال اس کی گوری رنگت پر بچ رہے تھے۔ لمبی گردن پر سنہری روئیں اور کان میں ہیرے کے بندے چمک رہے تھے۔ وہ گریجویشن کر چکی تھی اور اب کسی بھی یونیورسٹی میں داخلہ لینے والی تھی۔۔۔ ہمارے درمیان خاموشی آن ٹھہری تو میں نے پوچھا۔

"ہم کتنی دیر تک گھر پہنچ جائیں گے؟"

"بس کچھ ہی دیر میں۔۔۔ ہم سانتا کروز کے علاقے سے نکلے ہیں اور اب جوہو میں ہیں' کچھ ہی دیر بعد یہ آگے گرونانک روڈ آئے گا اور۔۔۔"

"تمہارا کیا خیال ہے' مجھے یہ سب یاد رہے گا؟" میں نے کہا تو وہ زندگی سے بھرپور انداز میں ہنس دی۔

"ایک اور بات' سریتا! تمہارے ملک کے قانون کے مطابق مجھے پولیس اسٹیشن میں بھی حاضری دینا ہے۔ اگر تو جوہو پولیس اسٹیشن کہیں نزدیک ہے تو ادھر سے ہوتی چلو ورنہ۔۔۔"

"کوئی بات نہیں' چلے جائیں گے۔ فی الحال سیدھے گھر جانا ہے۔۔۔"

اس نے کہا اور تھوڑی رفتار اور بڑھا دی۔ تبھی دائیں جانب سے ایک کار ہماری سائیڈ دبانے

لگی۔ پہلے میں یہی سمجھا کہ اتنی ٹریفک کے باعث ایسا ہو رہا ہے لیکن جب مسلسل ایسا ہونے لگا تو سریتا بد حواس ہو گئی' وہ اپنی کار کی رفتار کم کرنے لگی۔ یہ ایسا وقت تھا کہ اگر میں اسے کوئی ہدایت دیتا تو مزید بد حواس ہو جاتی۔ میں نے دوسری کار میں جھانکا۔ اس میں چار افراد تھے جو شکل ہی سے غنڈے دکھائی دے رہے تھے۔ کسی بھی متوقع حادثے کے لئے میں خود کو تیار کر چکا تھا۔ تبھی کار سریتا کے کنٹرول سے باہر ہوگئی اور وہ اگلی کار کو بچاتی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔ ایک دھچکے کے ساتھ میرا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا گیا۔ چند لمحوں ہی میں خون کی چپچپاہٹ میں نے اپنے ماتھے اور پھر ناک پر محسوس کی۔ میں نے سریتا کی طرف دیکھا' وہ دہشت سے نیم جاں ہو گئی تھی۔ میں جلدی سے نیچے اترا اور دوسری طرف کا دروازہ کھولا تاکہ اسے باہر نکالوں۔ اس کا جسم بالکل ڈھیلا ہو چکا تھا۔ میں نے ایک بازو اس کی پنڈلیوں اور دوسرا گردن کے نیچے ڈالا اور بڑی احتیاط کے ساتھ اسے باہر نکال لیا۔ وہ بے ہوش نہیں بلکہ حواس باختہ تھی۔ میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا۔ اسے کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ اتنی دیر تک کافی لوگ ہمارے اردگرد جمع ہو گئے۔ ہم دونوں نے ہی انہیں دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ بھیڑ بڑھ جائے گی تبھی میں نے سریتا سے پوچھا۔

"تم ٹھیک ہو۔۔۔؟"

میرے پوچھنے پر اس نے میرا چہرہ دیکھا۔ پھر انتہائی سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں۔۔۔ میں تو ٹھیک ہوں' آپ کے۔۔۔"

"کوئی بات نہیں' معمولی سی چوٹ ہے۔" میں نے اسے تسلی دی' پھر کہا۔ "میں دیکھتا ہوں گاڑی ٹھیک بھی ہے یا۔۔۔؟"

یہ کہہ کر میں نے اگلی طرف سے گاڑی کو دیکھا جو اتنی مخدوش حالت میں نہیں تھی۔ میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور بڑے اطمینان سے بولا۔

"کیا ہوا' صاحب! چوٹ جاستی لگی یا ناہی۔۔۔؟"

میں نے اسے غور سے دیکھا' بڑی بڑی سحر انگیز بھوری آنکھوں والا وہ نوجوان میری طرف بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آف وائیٹ کلر کی پینٹ اور میرون ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔۔۔" میں نے اپنا منہ رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اگر جیادہ لگی ہے تو باجو میں کلینک ہے۔۔۔"

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔۔۔"

میں نے ذرا ترش لہجے میں کہا تو ہنس دیا اور بولا۔

"یہ ممبئی کا ٹریفک سالا اتنا چالو ہے کہ اندھا ہوئی لا ہے پر تم دیکھو' صاحب! گاڑی چلتا بھی ہے یا پھس ہوئی لا ہے؟"

ایسا کہتے ہوئے اس نے میرا بازو پکڑ کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ اس دوران اس کا ہاتھ پھسل کر میرے ہاتھ میں آگیا' تبھی میں نے ہتھیلی میں کاغذ کی تھرتھراہٹ محسوس کی۔ میں نے اسی لمحے کاغذ کا وہ پرزہ اپنے ہاتھ میں بھینچ لیا اور اس نوجوان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں آنکھوں میں موہوم سی شناسائی تھی۔ میں نے اس کا چہرہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ میں جب تک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا' تب تک وہ کاغذ کا پرزہ میں اپنی جیب میں سنبھال چکا تھا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ دو چار بار کی کوشش سے کار کا انجن نہیں جاگا۔ میں نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں کار سے باہر نکلا تو وہ لڑکا غائب ہو چکا تھا۔

"اب کیا کریں۔۔۔؟"

سریتا نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا تو میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ مت' سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔۔۔"

میں نے ٹیکسی کے لئے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ اسی دوران ایک ٹریفک سارجنٹ ہمارے قریب آن رکا۔ سریتا اسے تفصیل بتانے لگی' اس نے اپنی نوٹ بک پر کچھ درج کیا اور انگریزی میں بولا۔

"آپ کوئی قانونی کاروائی کرنا چاہیں گی یا نہیں۔۔۔؟"

"فی الحال ہمیں گھر پہنچنا ہے' بعد میں دیکھیں گے۔"

میں نے کہا تو اس نے قریب سے گزرتی ایک ٹیکسی کو روکا۔ میں نے ڈگی سے اپنا سوٹ کیس اور بیگ نکال کر ٹیکسی میں رکھا اور وہاں سے چل دیئے۔ سریتا ٹیکسی والے کو اپنے گھر کا پتہ بتا چکی تو میں نے کہا۔

"شکر ہے' سریتا! تمہیں چوٹ نہیں لگی۔۔۔"

"میری پنڈلی پر لگی ہے مگر اتنا درد نہیں ہو رہا۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ پوش علاقے میں محل نما گھر تھا جس کے گیٹ پر ٹیکسی رکی۔ لمحوں میں چوکیدار برآمد ہوا' وہ ایک لمحے کو ٹیکسی دیکھ کر چونک گیا لیکن جیسے ہی اس نے سریتا کو دیکھا' فوراً گیٹ کھول دیا۔ ٹیکسی پورچ میں جا رکی تو کئی سارے ملازم باہر نکل آئے۔ جب تک میں نے ٹیکسی والے کو ادائیگی کی' وہ سامان اٹھا کر جا چکے تھے۔ پورچ کے ساتھ ایک طویل برآمدہ تھا' دائیں طرف ایک باغ اور پھر آگے سوئمنگ پول جو سبزے سے گھرا ہوا تھا۔ سورج کی روپہلی کرنیں شفاف پانی پر چمک رہی تھیں۔ ہم ابھی وہیں تھے کہ ایک بے داغ وردی میں ملبوس ڈرائیور نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا۔

"سریتا جی! آپ کی گاڑی۔۔۔"

"حادثہ ہو گیا ہے۔۔۔" اس نے انتہائی غصے میں کہا۔ "تم بتاؤ' کیا مر گئے تھے۔ تمہیں معلوم بھی تھا کہ ہمیں ایئرپورٹ جانا ہے۔"

"م' مم--- میں تیار تھا۔ میں ذرا اپنی پتنی---"

"میں سب سمجھتی ہوں--- میں تمہیں بعد میں دیکھتی ہوں' پہلے جاؤ وہاں---"

یہ کہہ کر وہ اسے حادثہ والی جگہ سمجھانے لگی۔ تبھی میں نے سامنے دیکھا' پورچ کے ملحقہ برآمدے میں سے اندر جانے کے لئے جو لکڑی کے نقش و نگار والا دروزاہ تھا' اس میں راہول کی ماما سمتری دیوی کھڑی تھیں۔ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں حسرت لئے مسلسل میری جانب دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں آرتی اتارنے والا تھال تھا جس میں ایک دیا روشن تھا۔ وہ عام ہندو عورتوں کی طرح ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ جو خاصی قیمتی اور سی گرین رنگ کی کام والی تھی۔ ماتھے پر بڑا سا تلک' روشن اور خوبصورت نقوش والا چہرہ جس سے ممتا پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ ایک ٹک میری طرف دیکھے چلے جا رہی تھیں' شاید وہ مجھ میں اپنے راہول کو دیکھ رہی تھیں۔ میں آگے بڑھا تو میرے خیال مجھے تڑپانے لگے میری ماں بھی یونہی میرے گاؤں میں میری منتظر ہو گی' وہ بھی اسی طرح میری راہ تک رہی ہو گی' اس کا ایک ایک لمحہ کیسے گزرتا ہو گا؟--- میں ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ نجانے آنسو کا قطرہ میری آنکھ سے کیسے چھلک پڑا تھا۔ میری آنکھ کے آنسو کی شاید اتنی حدت تھی کہ سمتری دیوی کی آنکھوں میں برسات آ گئی۔ وہ بھینچے ہونٹوں کے ساتھ میری آرتی اتارتی رہیں۔ دروازے کے دائیں بائیں تیل گرایا اور پاس کھڑی نوکرانی کو تھال دے کر مجھے گلے لگا لیا۔ کس قدر حسرت ناک منظر تھا۔ میں کسی میں اپنی ماں تلاش کر رہا تھا اور وہ مجھ میں اپنا بیٹا تلاش کر رہی تھیں۔ دونوں میں اس الوہی تعلق کی حدت تھی۔ یہاں درمیان میں نہ کہیں مذہب تھا نہ اجنبیت' بس جذبات بول رہے تھے اور پوری شدت سے اپنا آپ منوا رہے تھے۔ وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا--- پتہ نہیں کتنا وقت بیت گیا۔ میں الگ ہوا تو وہ میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"سو اگر تم' بیٹا! بھگوان کرے' تمہارے قدم میرے گھر کے لئے بھاگوان ثابت ہوں۔"

"اطمینان رکھیں' ماں جی! میں آ گیا ہوں نا' سمجھیں کہ راہول آ گیا۔"

میں باوجود کوشش کے اپنے لہجے سے جذباتی پن ختم نہیں کر سکا۔ سمتری دیوی نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ تبھی ماتھے پر زخم کا نشان دیکھ کر چونک گئیں جو شاید پہلے بالوں کے نیچے آ جانے سے دکھائی نہیں دیا تھا۔

"یہ--- یہ کیا ہوا؟" وہ حد درجہ پریشانی سے بولیں۔

"کچھ نہیں ہوا' بس سریتا نے کار سے جھگڑا کیا اور بیچ بچاؤ کراتے ہوئے معمولی سی چوٹ لگ گئی---" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اندر تو چلیں' تفصیل سے بتاتی ہوں---"

سریتا نے کہا تو وہ سب اندر مڑ گئیں' میں ان کے پیچھے چلتا گیا اور تبھی اس نے حادثے والی

ساری بات بتا دی۔

✿✿

وہ ایک بڑا سا ڈرائنگ روم تھا' ہر شے سے بلکہ در و دیوار سے امارت ٹپک رہی تھی۔ یہاں آ کر مجھے اندازہ ہوا کہ راہول کس قدر دولت مند ہو سکتا ہے' وہاں لندن میں تو وہ محض سمرن کے لئے دن کاٹ رہا تھا--- سمتری دیوی نے ایک طرف پڑے صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو بیٹا---!" اور پھر پاس کھڑی ملازمہ سے بولیں۔ "بنواری لعل سے کہو' فوراً" ڈاکٹر کو بلوائے---"

"او نہیں' ماں جی! معمولی سی چوٹ ہے' آپ گھبرایئے مت---" میں نے تیزی سے کہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔ "آپ مجھے پہلے راہول کے پتا جی سے ملوا دیں---"

"وہ اوپر اپنے بیڈ روم میں ہیں۔ تم تازہ دم ہو جاؤ' کچھ کھا پی لو تو---" سمتری دیوی کہتے رک گئیں۔

"یہ سب ہوتا رہے گا مگر میں پہلے ان سے مل لینا چاہتا ہوں---"

میں نے اصرار کیا تو وہ اٹھ گئیں۔ میں بھی ان کے پیچھے لپکا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولیں۔

"انہیں تمہاری آمد کے بارے میں پتہ ہے۔ میں انہی کے پاس تھی جب بنواری لعل نے تمہارے فون کے بارے میں بتایا---"

"ماں جی! میری آمد پر انہیں کوئی اعتراض---"

"نہیں' بیٹا! ایسا سوچو بھی نہیں--- سچی بات تو یہ ہے کہ وہ خود بھی یہی چاہ رہے ہیں کہ کوئی اپنا ہو جو ختم ہوتے ہوئے کاروبار کو سنبھال لے۔ میں ان کی پتنی ہوں' میرے سامنے تو اظہار کرتے ہیں۔" وہ جھلملاتی آنکھوں سے بولیں۔

"راہول کے---"

میں نے کہنا چاہا تو انہوں نے مجھے جملہ مکمل نہ کرنے دیا اور بولیں۔

"ابھی ان کے سامنے کوئی بات مت کرنا' کہنا کہ تم تنخواہ پر آئے ہو' بس---"

انہوں نے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی آنکھوں سے آئے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"وعدہ کریں کہ اب آپ روئیں گی نہیں' کم از کم میرے سامنے---"

میرے یوں کہنے پر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولیں۔

"جی' بیٹا! اب نہیں---"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئیں' چند قدم کے بعد ایک دروازے کے سامنے رک کر بولیں۔

"آؤ' آ جاؤ---"

میں کمرے میں داخل ہوا تو سامنے جہازی سائز بیڈ پر سفید دھوتی کرتے میں کشن لعل لیٹے ہوئے تھے۔ دبلا سا جسم' پیلا سا رنگ' چہرے پر سفید سفید سی گھومتی ہوئیں آنکھیں کوئی خوشگوار تاثر نہیں دے رہیں تھیں۔ وہ منجمد سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں ملگجی تاریکی تھی۔ ان کے دائیں طرف زمین پر ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا۔ موٹا سا' بڑھے پیٹ والا' کالا بھجنگ جس کا سر منڈھا ہوا تھا۔ اس نے دھوتی بنیان کے ساتھ کاندھے پر بڑا سا کپڑا رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھا اور بڑی عاجزی سے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"آیئے' آیئے' عامر بابو! ادھر بیٹھے۔۔۔۔ میں نے صاحب کو آپ کے فون کے بارے میں بتا دیا تھا۔"

اس نے ایک کرسی صاف کرتے ہوئے بتایا تو میں سمجھ گیا وہ بنواری لعل تھا۔ میں اسے نظرانداز کرتا ہوا کشن لعل کے بیڈ کے ساتھ دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بڑی مشکل سے انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ پتہ نہیں' وہ ہاتھ ملانا چاہتے تھے یا پرنام کرنا چاہتے تھے؟ ان کا ایک بازو فالج زدہ تھا۔ انہوں نے ہاتھ ملانے سے پہلے ہی اپنا ہاتھ گرا لیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چھوت چھات کا قائل ہے۔

"کیسے ہیں آپ۔۔۔؟"

میں نے رسمی انداز میں پوچھا' تبھی سمتری دیوی بولیں۔

"یہ بول نہیں سکتے مگر بھگوان کی کرپا ہے کہ سن اور سمجھ لیتے ہیں۔۔۔"

میں کچھ دیر کشن لعل کے پاس بیٹھا رہا۔ ظاہر ہے' کوئی اہم بات تو ہو نہیں سکتی تھی۔ تب سمتری دیوی نے کہا۔

"چلو' عامر! تازہ دم ہو کر ناشتہ کر لو' پھر باتیں ہوں گی۔۔۔"

میں نے کشن لعل سے اجازت چاہی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ بنواری لعل مجھے اسی منزل کے ایک کمرے میں چھوڑ آیا' جہاں پہلے ہی سے میرا سامان موجود تھا۔ میں نے دروازہ بند کرتے ہی جیب سے وہ کاغذ نکالا۔ وہ ایک فون نمبر تھا جس کے ساتھ فقط پرنس لکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ انگریزی میں ایک ایسا کوڈ درج تھا جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ میرے دوست تھے مگر حادثہ؟۔۔۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کی چبھن میں نے شدت سے محسوس کی۔ کار کی سائیڈ دبا کر حادثے سے دوچار کر دینے میں ضرور کوئی نہ کوئی پیغام تھا۔ بلاشبہ کوئی اور بھی تھا جو یہاں میرے سواگت کے لئے موجود تھا۔ میرا حد درجہ محتاط ہو جانا ایک فطری بات تھی۔ میں نے وہ فون نمبر ذہن نشین کرتے ہوئے اپنی انڈکس میں لکھ لیا اور کاغذ کا پرزہ فلش میں ضائع کر دیا۔

میں تیار ہو کر نیچے سٹنگ روم کی طرف آیا۔ میں سیڑھیوں میں ہی تھا' وہیں سے میں نے دیکھا

ا سمتری دیوی اور سریتا کے ساتھ قیمتی ساڑھی میں شاردا بھی میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ میرے سامنے کچھ فاصلے پر تھی اور میں نے وہیں سے اس کا بھرپور جائزہ لے ڈالا۔ ہلکے پیازی رنگ کی ساڑھی میں اس کا گلابی رنگ دہک رہا تھا۔ وہ قدرے فربہی مائل تھی۔ گول چہرہ' لمبے بال جو اس نے کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ موٹی موٹی آنکھیں' پتلے پتلے ہونٹ اور اوپر کو اٹھی ہوئی ناک' لانبی گردن' جس سے کھلے گریبان والا ہاف سلیو بلاؤز' وہ ہتھیلی کی پشت پر ٹھوڑی رکھے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی کلائی میں سونے کا کنگن تھا' وہ اپنی پوری شخصیت سے سنجیدہ قسم کی خاتون ہونے کا تاثر دے رہی تھی جو اس کی عمر سے لگا نہیں کھا رہا تھا۔ قدرتی حسن کے ساتھ بیوٹی پارلر کے کمال والا تاثر میرے ذہن نے قبول نہیں کیا۔ اک وہی تھی جس سے میں نہیں ملا تھا--- میں نے میز کے قریب جا کر انتہائی خوشگوار انداز میں کہا۔

"شاردا جی! کیسی ہیں آپ---؟" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ بلاشبہ وہ حسین لڑکی تھی' ہلکے میک اپ کے ساتھ اس کے ماتھے پر لگا تلک اس کی "مشرقیت" میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں--- آپ ٹھیک ہیں؟"

اس نے میکانکی انداز میں یوں کہا جیسے لفظ برف زدہ ہوں' جنہیں کہنا اس کے لئے انتہائی تکلیف دہ عمل رہا ہو۔ میں نے اس سرد مہری کو شدت سے محسوس کیا لیکن کسی بھی کیفیت کا اظہار نہ کرتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سمتری دیوی کی طرف دیکھ کر انتہائی حیرت سے بولی۔

"کیا یہ ہمارے ساتھ ناشتہ کریں گے؟--- ان کا ناشتہ انہی کے کمرے میں بھجوا دیا ہوتا---"

اس کے یوں کہنے پر سریتا اور سمتری دیوی کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ میں ایسے ہی کسی وقت کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا اس لئے مجھے ذرا بھی محسوس نہ ہوا' تاہم سریتا تیزی سے بولی۔

"شاردا دیدی! آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ یہ کون ہیں---؟"

"میں نے کب ان کی حیثیت کے بارے میں کچھ کہا ہے' میں تو دھرم کے انوسار کہہ رہی ہوں--- تمہیں یاد ہے ناں کہ ہم براہمن ہیں۔"

"دھرم یہ نہیں کہتا کہ---" سریتا نے انتہائی غصے میں کچھ کہنا چاہا۔

"ریلیکس' سریتا! تمہیں اپنی دیدی کو اس طرح نہیں کہنا چاہئے--- میں یہاں ناشتہ نہیں کروں گا۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"نہیں۔ آپ ناشتہ یہیں کریں گے' شاردا دیدی کو اگر دھرم چاہئے تو وہ خود اپنے کمرے میں جا کر ناشتہ کر سکتی ہیں۔"

"سریتا---!" میں نے تیزی سے کہا۔ "وہ تمہاری بڑی بہن ہیں' ایسے بات کرتے ہیں؟"

"وہ آپ کی توہین۔۔۔؟"

"نہیں' یہ میری توہین نہیں ہے۔ ان کے دھرم کا معاملہ ہے۔ میں بھی نہیں چاہوں گا کہ کوئی میرے دھرم کے معاملے میں دخل اندازی کرے۔۔۔" میں نے ذرا سختی سے کہا' پھر پیار سے بولا۔ "دیکھو' ہم سب کچھ کرتے ہیں مگر جب دھرم کا نام آ جاتا ہے تو بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ کوئی بھی دھرم ہو' وہ برداشت سکھاتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم برداشت کریں۔۔۔ چلو' سوری کرو۔۔۔" آخری لفظ میں نے ذرا سخت لہجے میں کہے تو اس نے دھیرے سے "سوری" کہہ دیا۔ اسی لمحے میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"شاردا! آپ کس وقت تک آفس پہنچ جاتی ہیں؟"

"یہی کوئی دس بجے۔" اس نے یوں کہا جیسے چند لمحے پہلے یہاں کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔

"چلیں' وہیں پر باتیں ہوں گی۔۔۔ اور ہاں' آپ کے سٹاف کو معلوم ہے کہ میں آ رہا ہوں؟"

"میں نے ابھی انہیں نہیں بتایا۔ یونہی کہہ دینے کا فائدہ' اگر آپ نہ آتے تو؟۔۔۔ آج بتا دوں گی' کل آپ آ جایئے گا' آج آپ آرام کریں' اتنا لمبا سفر کیا ہے۔۔۔" اس نے قدرے بولڈ لہجے میں میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے آرام کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔ میں آج ہی آپ کے سٹاف کے ساتھ میٹنگ چاہوں گا۔"

"آپ سکون کیجئے' رات بھر سفر کیا ہے۔۔۔" سریتا جلدی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا' میں عادی ہوں۔" میں نے یہ کہتے ہوئے شاردا کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں غصے کی سرخی نمایاں تھی۔ میں نے اس کی پروا کئے بغیر کہا۔ "میں آ رہا ہوں وہاں آج ہی۔۔۔؟"

"کیا اب مجھے آپ کے احکامات کی تعمیل کرنا ہو گی؟"

"ایسا نہیں ہے' مجھے اپنے طریقے سے کام کرنا ہے اور جہاں مجھے آپ کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں ضرور کہوں گا۔"

میں نے اس کی طرف دیکھ کر قدرے سرد لہجے میں کہا اور پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سریتا میرے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے سلگ رہی تھی۔ میں ناشتہ کر چکا تو اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یوں فضول میں سر نہیں کھپاتے' ابھی تو شروعات ہوئی ہے' ابھی تو بہت کچھ سامنے آنے والا ہے۔۔۔ خیر' ان سب باتوں کو چھوڑو' تمہیں آج کچھ کام کرنا ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"میں جب شام تک واپس آؤں تو میرے رہنے کا بندوبست گیسٹ ہاؤس میں ہو چکا ہو اور وہ بھی کچن سمیت' پھر وہیں چائے پئیں گے اور ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔"

”کیا آپ بھی شاردا دیدی کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے۔۔۔؟“

”میں جو کہہ رہا ہوں نا' وہی کرو۔ تم نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔“

”او کے۔۔۔“

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے بے دلی سے کہا تو میں آفس جانے کے لئے نکل آیا۔

✿✿

راہول ٹیکسٹائل جوہو کے اس علاقے میں تھی جہاں کبھی پہلے انڈسٹریل ایریا ہوا کرتا تھا لیکن آبادی کے گنجان ہو جانے کے باعث ایسا کوئی فرق ہی نہیں رہا تھا۔ میں ڈرائیور سے اس علاقے کے بارے میں معلومات لیتا رہا اور وہ مجھے تفصیل سے بتاتا رہا۔ میں شاردا کی گاڑی میں سفر کر رہا تھا جسے واپس آ کے شاردا کو دفتر لانا تھا۔ میں راستے ذہن میں رکھتا ہوا اس سے باتیں کرتا رہا۔ تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہم ملز کے مین گیٹ پر جا پہنچے۔ کار دیکھتے ہی گیٹ وا ہو چکا تھا۔ پختہ روش پر ذرا آگے جانے کے بعد دائیں جانب خاصی جدید اور خوبصورت عمارت کا پورچ تھا جس میں کار روک دی گئی۔ میں کار سے اتر آیا اور ڈرائیور کو واپس چلے جانے کو کہا۔ میں نے اردگرد کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ آفس سے مل ایریا خاصے فاصلے پر اور بہت زیادہ تھا۔ میں بلا جھجک عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہاں قدرے سناٹا تھا۔ ذرا آگے بڑھا تو سٹاف کے کمرے سے باتوں اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں کمرے میں گیا تو مختلف عمر کے چند مرد باتوں میں مشغول تھے۔ ان میں سے ایک اپنے سامنے رجسٹر رکھے ان کی باتوں سے بے نیاز اپنے کام میں مگن تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا پختہ کار شخص لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں پر موٹے عدسوں والی عینک تھی' دبے دبے سے نین نقش اور دبلا پتلا سا وجود تھا۔ اسے دیکھ کر ہی اس کی غربت کا احساس ہوتا تھا۔ ان سے کافی ہٹ کے ایک کومل سی لڑکی ٹائپ مشین سے بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ ٹائپ رائٹر کی کھٹ کھٹ کچھ زیادہ ہی تھی جیسے وہ غصے میں کی دبا رہی ہو۔ باتوں میں الجھے ہوئے لوگوں نے ایک بار میری جانب دیکھا اور کسی بھی توجہ کے قابل نہیں گردانا۔ چند لمحے یونہی بیت گئے۔ وہ کسی نئی فلم پر انتہائی گھٹیا اور سوقیانہ قسم کا تبصرہ کر رہے تھے۔ جو کم از کم کسی خاتون کے سامنے زیب نہیں دیتا تھا۔ میں نے اس لڑکی پر نظر ڈالی' وہ شاید اسی لئے تیزی سے ٹائپ کر رہی تھی کہ ان کی آوازیں اس کے کان میں نہ پڑیں۔ میں ان سے کچھ کہے بغیر پلٹ آیا۔ ذرا آگے جا کر بالکل سامنے جے ایس راجپوت کے نام کی تختی کے نیچے مینجر لکھا ہوا تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا۔ دروازے کے ساتھ سیکرٹری کی سیٹ خالی تھی اور ایک چپڑاسی نما شخص بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اسے کرنٹ لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میرے سامنے کا منظر انتہائی واہیات تھا۔ ایک موٹا کالا شخص جس نے بڑا نفیس سوٹ پہنا ہوا تھا' اس لڑکی میں بری طرح کھویا ہوا تھا جو اس کے سامنے دھری میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس لڑکی کا مختصر لباس' مزید

اختصار میں تھا۔ وہ کسے ہوئے بدن والی لڑکی شکل سے ہی کال گرل دکھائی دے رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں ہڑبڑا کے الگ ہو گئے۔ راجپوت نے بجائے شرمندگی کے انتہائی بے غیرتی سے کہا۔

"کون ہو تم اور یوں اندر کیسے آ گئے ہو۔۔۔؟"

"تم جے ایس راجپورت ہو۔۔۔؟"

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کر کے پوچھا تو اس نے جواب دینے کی بجائے اونچی آواز میں ہانک لگائی۔

"نرائن' ابے او نرائن! کہاں مر گئے۔۔۔؟"

شاید وہ باہر کھڑے چپڑاسی کو بلا رہا تھا۔ فوراً" ہی وہ شخص ہانپتا ہوا اندر آ گیا اور کانپتے ہوئے بولا۔

"صاحب! میں نے انہیں روکا تھا مگر یہ۔۔۔"

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"۔۔۔ اور میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو اور اندر کیسے آ گئے؟"

انتہائی گھٹیا لہجے میں اس نے ساتھ میں گالی بھی نتھی کر دی۔ میں بڑے سکون سے آگے بڑھا اور پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ وہ لڑھکتا ہوا گر گیا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور کرسی پر بٹھا دیا' اس کے منہ سے خون کی لکیر بر آمد ہو چکی تھی۔ میں نے چپڑاسی کی طرف دیکھ کر غراتے ہوئے کہا۔

"دروازہ لاک کر دو۔۔۔"

لمحوں میں اس نے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا' وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"جے ایس راجپورت ہو تم۔۔۔؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی' تب میں نے ایک اور تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا۔ "پہلے ہی بتا دیتے' خواہ مخواہ مجھے اتنی زحمت کرنا پڑی' بہرحال۔۔۔ میں عامر زبیر ہوں اور میں شاردا جی کے آفس میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ اپنا حلیہ درست کر کے وہاں آ جانا۔۔۔" میں نے ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑتے ہوئے کہا اور کسی جانب دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

شاردا جب آفس میں آئی تو میں اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس وقت تک میں پورے مل ایریا کا چکر لگا آیا تھا اور جو دیکھنا تھا' دیکھ چکا تھا۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی' میں اخبار میں کھویا رہا۔ چند لمحے بعد وہ بولی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے۔۔۔؟"

"نہیں تو' میں کیوں ناراض ہونے لگا۔۔۔؟"

"صبح آپ۔۔۔؟"

"وہ آپ کے دھرم کا معاملہ ہے۔ مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ دھرمی معاملات پر ناراض ہو

جاؤں۔"

"ہاں' یہ تو سبھی کو حق حاصل ہے---"

"اسی لئے' شاردا جی! میں ایک بات واضح کہہ دوں میں یہاں اگر آیا ہوں تو تمہارے معاشی معاملات ٹھیک کرنے کے لئے' اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ اب اگر تم میری مدد کرو گی تو یہ سب جلدی ہو جائے گا۔"

اچانک ہی میں "آپ" سے "تم" پر اتر آیا۔ یہ بات کہتے ہوئے میرا لہجہ بھی سخت تھا۔ وہ محض میری طرف گھور کر رہ گئی' بولی کچھ بھی نہیں۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ کچھ کہے۔ تبھی راجپورت آفس میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ ذرا سا سوج گیا تھا اور شرمندگی' خجالت اور غصے کے ملے جلے تاثرات اس کی آنکھوں سے عیاں تھے۔ اس نے آفس کی فضا کا اندازہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ پھر "صبح بخیر" کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھنے لگا تو میں نے کہا۔

"راجپوت جی! بیٹھنے کی زحمت مت کیجئے اور غور سے میری بات سنیں---" میرے یوں کہنے پر دونوں ہی نے میری طرف حیرت سے دیکھا' میں نے انہیں نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "فوری طور پر پورے سٹاف سے میٹنگ کا بندوبست کریں اور دوسری بات' کل میں جب آؤں تو میرا آفس الگ سے ہو۔ اب جائیں اور فوراً" مجھے بتائیں---"

اسے گمان بھی نہیں تھا کہ میرا رویہ اس کے ساتھ اس قدر ہتک آمیز ہو گا۔ وہ حیرت سے گنگ تھا۔ اسی حالت میں اس نے شاردا کی طرف دیکھا' شاید اسے کچھ ہمدردی کی امید ہو مگر وہ فقط ہونٹ ہلا کر رہ گئی۔ وہ جب کچھ نہ بولی تو راجپوت تیزی سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے شاردا سے کاروباری باتیں شروع کر دیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں محض مغز کھپائی کر رہا ہوں' وہ ذرا بھی نہیں جانتی تھی تاہم اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہاں کے ماحول بارے تھوڑا اندازہ ہو گیا۔ وہ آئے دن ہڑتال اور مطالبات سے بری طرح ہراساں تھی۔ اس کا آسان ترین لیکن قدرے ٹیڑھا حل میرے پاس موجود تھا۔

اس دن میرے حساب سے سٹاف کے ساتھ میری میٹنگ کامیاب رہی تھی۔ مجھے اپنے مطلب کے صرف دو بندے دکھائی دیئے۔ ایک اکاؤنٹینٹ سنیل بھاٹیہ جو خاصا سنجیدہ طبع شخص تھا اور اس نے انتہائی مطلب کی باتیں کیں تھیں۔ دوسری مالتی تھی' وہی کومل سی لڑکی جو ٹائپ رائیٹر سے بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ میں شاردا کے آفس میں آ گیا' دوپہر ڈھلنے تک وہیں رجسٹر سے حساب کتاب دیکھ کرتا رہا اور ان لوگوں سے ملتا رہا جو اس مل میں کسی بھی حیثیت میں اہمیت رکھتے تھے۔

ہوتا یوں ہے کہ جب کوئی بھی کام شروع کیا جائے تو بہت مشکل دکھائی دیتا ہے کیونکہ ہم اس کی گہرائی میں نہیں دیکھ پاتے۔ جیسے ساحل پر کھڑے ہو کر اندازہ نہیں ہوتا کہ سمندر میں کہاں کتنی گہرائی

ہے' کہاں چٹانیں ہیں۔ کس طرف' کس طرح کے قزاقوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے لیکن جب سمندر میں چھلانگ لگا ہی دی جائے تو پھر سب واضح ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

اس شام جب میں واپس راہول لاج آیا تو سریتا میرے انتظار میں تھی' وہ لاؤنج میں ایک صوفے پر بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھا' اس نے ہلکے سبز رنگ کا منی اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ سفید سینڈل میں سے جھلکتے گلابی پاؤں بڑے خوبصورت لگ رہے تھے۔ اس نے بالوں کا ایک خاص انداز بنایا ہوا تھا جن میں سفید رنگ کا پھول اٹکا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا' میگزین بند کر کے کھڑی ہو گئی اور پھر خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

"گڈ ایوننگ' عامر جی---!"

"کیسی ہو' سریتا---؟" میں نے خوش دلی سے کہا اور اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بالکل ٹھیک---" اس نے آنکھیں بند کر کے معصوم بچوں کی طرح کہا۔

"تبھی اتنی نکھری نکھری سی لگ رہی ہو---"

میں نے کہا تو ذرا سی شرما گئی پھر جلدی سے خود پر قابو پا کر بولی۔

"پتہ ہے' میں نے کتنے کام کئے ہیں---" میں کچھ نہ بولا تو وہ بولی۔ "سب سے پہلے آپ کے رہنے کے لئے گیسٹ ہاؤس ٹھیک کروایا ہے' ایک فون بھی ادھر شفٹ کر دیا ہے اور آپ کا سارا سامان ادھر رکھ دیا ہے۔ مسلم کک کے لئے اخبار میں اشتہار بھی دے دیا ہے' میرا خیال ہے کہ کل تک اس کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"ویری گڈ' تم تو بہت کام کی لڑکی ہو---"

"بہت زیادہ---" اس نے شوخی سے کہا' پھر ہنستے ہوئے بولی۔ "ابھی ہم گیسٹ ہاؤس کی طرف جائیں گے' وہاں چائے پئیں گے پھر مارکیٹ جانا ہو گا تاکہ جو چیز وہاں نہیں ہے' وہ خرید لی جائے۔"

"ویری نائس--- تو پھر چلیں؟" میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اٹھ گئی۔

اس گھر سے ملحقہ گیسٹ ہاؤس' اصل عمارت سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا۔ ہم جب وہاں سے نکلے تو ممبئی کی تیز ہوا نے اپنا احساس دلایا۔ میں نے سنا تھا کہ ممبئی کے موسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا' ابھی دھوپ ہے تو کچھ دیر میں بارش ہو جائے گی۔ ان دنوں ویسے بھی مون سون کا موسم تھا--- جدید انداز سے بنا ہوا وہ گیسٹ ہاؤس مجھے بہت اچھا لگا۔ وہاں میں نے قدرے خوشگواریت محسوس کی۔ سریتا نے مجھے سارے کمرے دکھائے۔ میرا سامان بیڈ روم میں پڑا تھا۔ کچھ دیر تک چیزیں اپنے ٹھکانوں تک رکھتے ہوئے ہم باتیں بھی کرتے رہے۔ پھر میں نہا کر تازہ دم ہوا تو وہ سٹنگ روم میں چائے پر میرا انتظار کر رہی تھی' میرے بیٹھتے ہی وہ بولی۔

"اچھا یہ بتائیں' آفس کا ماحول کیسا لگا؟"

"قدرے الجھا ہوا ہے مگر میں ٹھیک کر لوں گا--- تم مجھے کچھ تفصیل سے بتانا چاہ رہی تھیں؟"

"ہاں---" اس نے کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اصل میں راہول بھیا کو بریڈ فورڈ ہی نہیں جانا چاہئے تھا۔ ساری گڑ بڑ یہیں سے شروع ہوئی ہے' نہ وہ وہاں جاتے اور نہ ہی سمرن بھابی ان کی زندگی میں آتی مگر یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی' ان کی واپسی ممکن ہو سکتی تھی۔ اب شاردا دیدی ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ راہول بھیا واپس آئیں۔"

"وہ کیوں---؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجبور کر دی گئی ہیں' عامر جی! میں جو کچھ آپ کو بتانے جا رہی ہوں اس کا صرف مجھے پتہ ہے' ماما پاپا نہیں جانتے اور شاردا بھی یہی سمجھتی ہے کہ میں انجان ہوں۔" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ میں خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ تبھی وہ دو چار سپ لینے کے بعد بولی۔ "تقریباً چار سال پہلے شاردا دیدی کی زندگی میں کمل جیت رائے نامی ایک شخص آیا۔ وہ دادر میں رہتا ہے' انڈسٹریلسٹ ہے' بہت دولت مند ہے۔ دونوں کسی کو بتائے بغیر انتہائی قریب ہو گئے۔ دیدی اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں لیکن نہ کر سکیں۔ وہ بھونرا تھا' دیدی کے حسن سے سیراب ہو کر اڑ گیا۔ اس نے شادی کر لی' چاہئے تو تھا کہ دیدی اسے بھول جاتیں' اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی مان کر لیکن دیدی اپنی شادی کے بعد بھی اپنے گھر کی نہ ہو سکیں۔ انہوں نے خود کو اپنے سسرال میں ایڈجسٹ ہی نہیں کیا۔ وہ لوگ شاید اتنی ضد میں نہ آتے مگر قانونی طور پر علیحدہ ہو جانے میں دیدی کی مرضی زیادہ تھی۔ پھر انہوں نے کاروبار سنبھال لیا اور کمل جیت نے پھر سے رابطہ بحال کر لیا۔ اب یہ تعلق اپنے عروج پر ہے---" اس نے سب کہہ کر یوں سانس لی جیسے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ اب تک جو نقصان ہو چکا ہے' اس کا ذمہ دار کمل جیت ہے؟" میں نے بغیر کسی تاثر کے پوچھا۔

"بلاشبہ ایسا ہی ہے--- دیدی کی اپنی کوئی سوچ نہیں ہے' ایک طرح سے کاروبار کمل جیت ہی چلا رہا ہے۔ وہ اسی کے دماغ سے سوچتی ہے۔ وہ جو کہتا ہے' وہی ہوتا ہے۔" سریتا نے بکھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اتنی بھی کیا مجبوری--- وہ نا سمجھ نہیں' وہ کیوں کر رہی ہے ایسا؟" میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور پھر جلدی سے پوچھا۔ "یہ ساری معلومات تمہیں کہاں سے ملیں---؟"

"ان کے حالات میرے سامنے ہیں اور میں یہ سب جانتی ہوں--- وہاں آفس میں ایک لڑکی ہے مالتی' شاید آپ اس سے ملیں ہوں؟"

"ہاں' میں اس سے مل چکا ہوں---"

"وہاں پر وہی میرے کان اور آنکھیں ہے۔ وہ بہت مجبور لڑکی ہے۔ میرے ساتھ کالج میں پڑھتی

تھی۔ پھر اسے کام کرنا پڑا' میں نے ہی اسے یہاں نوکری دلوائی تھی۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتا دیا ہے' آپ اس سے بلا جھجک بات کر سکتے ہیں۔"

"او' تو اس کا مطلب ہے کہ تم پوری جاسوس بھی ہو---"

میں نے مزاحاً" کہا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ بھی بات کا مزہ لیتی مگر اس نے آرزدگی سے کہا۔

"عامر جی! مجھے بھی تو اپنے گھر کو بچانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے اور میں اپنی سی کوشش کر رہی ہوں۔"

"او کے' سریتا! گھبراؤ مت' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب ہم دونوں مل کر کوشش کریں گے۔"

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "آؤ' مارکیٹ چلیں---"

✿✿

وہ ایک بڑا سا شاپنگ سنٹر تھا۔ سریتا خریداری میں مصروف ہو گئی تو میں نے فون بوتھ کی تلاش شروع کر دی۔ تھوڑی سی کوشش پر وہ مل گیا۔ میں نے اجنبی نوجوان کے نمبر ڈائل کئے تو تھوڑی دیر بعد رابطہ ہو گیا' دوسری طرف سے کسی نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔

"کون اے---؟"

"پرنس سے بات کراؤ۔" میں نے اس کا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کون پرنس---؟"

دوسری طرف سے اسی لہجے میں پھر کہا گیا تو میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کوڈ دہرا دیا اور وہ لہجہ ایک دم بدل گیا۔

"اس ٹائم پرنس دوسرے فون پر ہے' نمبر لے لو---"

یہ کہہ کر اس نے سیل فون کا نمبر دے دیا۔ میں نے اس کا نمبر ذہن نشین کیا اور فون بند کر دیا۔ میں نے اس نمبر پر ٹرائی کیا تو وہ مصروف تھا۔ دو تین بار کوشش پر نمبر مل گیا۔ وہاں انتہائی شائستگی سے کسی نے ہیلو کہا' پھر چند باتیں ہوئیں۔

"میں پرنس ہوں۔ ٹھیک نو بجے ہوٹل سن اینڈ سینڈ میں ملتے ہیں' میں خود ہی آپ کو دیکھ لوں گا۔"

یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ میں سریتا کے پاس پہنچا تو وہ پتہ نہیں کیا کچھ خرید چکی تھی۔

"ایک اہم شے تم بھول چکی ہو---"

"وہ کیا---؟"

"مجھے ایک سیل فون کی بھی ضرورت ہے۔"

"گھر چلیں' وہ بھی مل جائے گا---" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایک اور اہم کام تم بھول رہی ہو۔۔۔“

”اب کیا۔۔۔؟“

”تھانے جانا ہے‘ اپنی رپورٹ لکھوانے کے لئے۔۔۔“

میں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

”گھر جانے سے پہلے چلتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے‘ میرا پاسپورٹ میرے پاس ہے۔۔۔“

یونہی باتیں کرتے ہوئے ہم پارکنگ تک آئے۔ میں نے وقت دیکھا‘ اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔۔۔ جوہو پولیس اسٹیشن ایک پرانی طرز کی عمارت میں تھا۔ سریتا نے گاڑی روکی تو میں گاڑی سے باہر آ گیا۔ مدقوق سی روشنی لئے ایک بلب روشن تھا لیکن سٹریٹ لائٹ کے باعث خاصی روشنی تھی۔ سریتا گاڑی لاک کر کے آئی تو ہم دونوں پولیس اسٹیشن میں داخل ہو گئے۔ اس جگہ پر بھی وہی پرانی انگریزی طرز کی چھاپ تھی۔ بس سامنے گاندھی کی تصویر تھی اور اس کے نیچے کرسی پر ایک موٹا سا کالا بھجنگ شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے ہی سے خباثت ٹپک رہی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”میں یہاں کے ذمہ دار پولیس آفیسر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔“ میں نے انگریزی میں کہا۔

”کا کہت ہو؟“

اس نے کان میں انگلی پھیرتے ہوئے کہا تو سریتا نے میری بات دہرا دی۔

”وہ تو ناہی ہیں۔۔۔ بولو‘ کام کا ہے؟“

اس نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔ تب سریتا نے آمد کا مقصد بتا دیا۔

”یوں بولو۔۔۔ یہ تو میں ہی کرت ہوں‘ لاؤ اپنے کاگ جات۔“

اس کے یوں کہنے پر میں نے اپنا پاسپورٹ اسے دے دیا۔ وہ چند لمحے دیکھتا رہا‘ پھر بڑے مشتبہ انداز میں بولا۔

”نام سے تو مسلمان ہو‘ پاکستانی بھی ہو؟ انگریجی بولت ہو‘ دال میں کالا تو ہوا‘ نا!؟“

”تم اپنی جانچ پڑتال پوری کر لو۔“ میں نے پھر انگریزی میں کہا۔

”یہ انگریجی کا رعب ہم پہ مت ڈالو بابو۔۔۔ پاکستانی تو ہوئے نا۔۔۔؟“

اس نے ایک فارم اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ سوال جواب شروع کرتا‘ سریتا نے اپنے پاپا کا وزٹنگ کارڈ نکالا اور اسی بہانے ایک بڑا نوٹ بھی نکال لیا۔ وہ یہ کاروائی غور سے دیکھتا رہا۔ کارڈ کے ساتھ نوٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

”یہ ہمارا تعارف ہے‘ اب آپ جو چاہیں۔۔۔“

"ایسا پہلے بولنا تھا نا' جی---"

اس نے خوش ہوتے ہوئے نوٹ جیب میں رکھا اور خود ہی سارے اندارج کر کے مجھ سے دستخط کروائے۔ تھوڑی دیر بعد ہم فارغ ہو چکے تھے۔ پولیس اسٹیشن سے باہر آ کر میں نے سریتا سے کہا۔

"کیا ضرورت تھی رشوت دینے کی؟ وہ چاہے جتنی---"

"جتنے میں نے اسے روپے دیئے ہیں نا' اتنے کا پیٹرول خرچ ہو جانا تھا۔ وہ چکر بھی اتنے لگواتے' تنگ الگ کرنا تھا۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"زیادہ سے زیادہ کتنے چکر لگوالیتا؟ میں کون سا غلط ہوں جو مجھے کوئی ڈر ہوتا---"

میں نے سریتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری بات کا وہی اثر ہوا جو میں چاہتا تھا' وہ خواہ مخواہ ہی مرعوب ہو گئی--- دراصل یہ اپنی ذات پر اعتماد ہی ہے جو وقت اور حالات کے ساتھ نہ صرف چلنا سکھا دیتا ہے بلکہ ماحول سے اپنے مطلب کی صورت حال کشید کرنے کا گر بھی بتا دیتا ہے۔

"میرا خیال ہے' اب ہمیں کھانا کھا کر ہی گھر واپس جانا چاہئے---"

میں نے سریتا کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا جو گاڑی اسٹارٹ کر چکی تھی۔ اس نے ندامت بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اب تک صبح کی بات ذہن میں رکھے ہوئے ہیں---؟"

"بات یہ نہیں ہے' تم کوئی غلط خیال ذہن میں نہ رکھو۔ مجھے ویسے ہی ہوٹلنگ کا بہت شوق ہے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ کافی وقت گزر گیا تو اس نے پوچھا۔

"کس قسم کا کھانا پسند کریں گے آپ---؟"

"بہت اچھا کھانا' بہت اچھے سے ہوٹل میں---" میں نے سڑک پر رواں ٹریفک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں جوہو بیچ پر دو ہی بڑے ہوٹل ہیں' ہالی ڈے ان اور سن اینڈ سینڈ؟" وہ بولی۔

"یہ آخری والا ٹھیک رہے گا۔"

میں نے لاپرواہی سے کہا تو اس نے سیل فون نکال کر دو چار دوستوں سے باتیں کیں اور انہیں وہیں ڈنر پر بلا لیا۔ میں خاموش ہی رہا۔

✿✿

جس وقت ہم سن اینڈ سینڈ کی لابی میں داخل ہوئے تب طے شدہ وقت سے چند منٹ اوپر ہو گئے تھے۔ مجھے پرنس کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی' اسے خود مجھ تک پہنچنا تھا' ہم ہال میں جا

گئے۔ ہمیں ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ میری نگاہوں کی سیدھ میں ایک شخص آ بیٹھا جس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے انتہائی مختصر لباس پہنا ہوا تھا جبکہ وہ نوجوان بہترین تراش کے ڈنر سوٹ میں تھا۔ مجھے اس کا چہرہ شناسا لگا' وہ بھی میری طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں وہی صبح والا نوجوان جھلک گیا جس نے مجھے فون نمبر دیا تھا۔ وہ بالکل بھی پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ ویٹر کے آ جانے پر سریتا نے جوس منگوا لیا۔ اس دوران سریتا مجھے اپنے بارے میں' ممبئی کے بارے میں' باتوں سے متعلق بتاتی رہی۔ میں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک لڑکی آ گئی۔ بوائے کٹ بال' بھرے بھرے جسم والی' گلابی سی لڑکی۔ جس کے نین نقش تو موٹے تھے لیکن ہونٹ انتہائی رسیلے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے ٹی شرٹ اور نیکر کے ساتھ جوگر پہنے ہوئے تھے۔

"یہ نکی ہے۔"

سریتا نے اس کا نک نیم بتاتے ہوئے تعارف کرایا تو وہ مجھ سے گویا لپٹ ہی گئی۔

"ہاؤ سویٹ--- یہ تو بہت پیارے ہیں۔ سوینگ' سو ڈیشنگ---"

اس نے ترسے ہوئے لہجے میں کہا تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ نوجوان میرے انتظار میں بڑے تحمل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بظاہر وہ لڑکیوں میں مصروف تھا لیکن اس کی پوری توجہ میری جانب تھی۔ جیسے ہی وہ دونوں باتیں کرنے لگیں' میں اٹھ گیا۔ میرے ساتھ وہ نوجوان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیز قدموں سے ایک جانب بڑھ گیا۔ میں بھی بے نیازی سے اس طرف جانے لگا۔ وہ لفٹ کے پاس کھڑا ہو گیا تو میں بھی جا کھڑا ہوا۔ لفٹ آنے پر ہم دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ ہمارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے اس لئے کوئی بات نہ ہو سکی۔ لفٹ رکنے پر اس نے آنکھوں سے موہوم سا اشارہ کیا کہ میں اس کے پیچھے آؤں۔ چند لمحوں کے بعد وہ ایک دروازے پر تھا۔ اس نے دستک دی جس کے جواب میں فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔ میں اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا۔ یہاں میرے سامنے علی رضا بیٹھا ہوا تھا۔ سفید ململ کا کرتا اور تنگ پائنچوں والا پاجامہ پہنے۔ اس کے پاؤں میں سلیم شاہی جوتا تھا۔ اس کے ساتھ چند لڑکے اور لڑکیاں بیٹھے ہوئے تھے جو سبھی نوجوان تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا' اس کی بھاری مونچھوں تلے مسکراہٹ تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ مجھے بہت اچھی لگا کرتی تھی۔ وہ تقریباً ایک سال ہی ہمارے ساتھ بریڈ فورڈ میں رہا تھا' پھر کچھ عرصہ لیڈز میں رہ کر وہ نجانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ میرے ساتھ اس کی خاصی دوستی ہو گئی تھی مگر وہ کچھ عرصہ مجھے یاد رہا پھر میں اسے بھول گیا اور اب اچانک یوں اسے سامنے دیکھ کر دل مہک اٹھا تھا۔ پھر وہاں پر موجود سبھی لوگ باہر چلے گئے' ہم تنہا ہوئے تو وہ انتہائی خوشی سے بولا۔

"ممبئی میں خوش آمدید' ڈیئر عامر---!" وہ بازو پھیلائے میری جانب بڑھا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

"تم یہاں کیسے۔۔۔؟"
میں نے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے انتہائی تجسس سے پوچھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے صوفے پر بٹھایا اور میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولا۔
"عامر بھائی! میں پیدا ہی یہیں ہوا تھا۔ اسی ممبئی کے علاقے باندرا کی ایک جھونپڑ پٹی میں۔ وقت نے بہت ذلیل کیا۔ بہرحال یہ ایک لمبی کہانی ہے کہ میں یہاں کے انڈر ورلڈ کے ساتھ کیسے جڑا ہوں' یہ ایسی دنیا ہے کہ یہاں بندہ آ تو جاتا ہے لیکن واپس نہیں پلٹ سکتا۔ میرا دنیا میں کوئی نہ تھا' میں بے خوف تھا اور اسی لئے ممبئی کے انڈر ورلڈ میں اچھا خاصا نام ہو گیا۔ مجھے ایک چیز پھر بھی ستاتی رہتی تھی جس سے میں خود لاعلم تھا پھر میں اس نیٹ ورک کے ساتھ شامل ہوں جس کا ایک حصہ آپ بھی ہو۔"
"لیڈز میں۔۔۔"
"میں نے وہاں بہت کم وقت گزرا' میں آپ جیسا ہیرا تھوڑی تھا جسے تراشنے میں وقت لگتا۔۔۔" یہ کہہ کر وہ زوردار انداز میں ہنس دیا۔
"تو یہاں تم پرنس کے نام سے پہچان رکھتے ہو۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں۔۔۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ میں بین الاقوامی نیٹ ورک کے ساتھ ہوں۔" اس نے وضاحت کر دی۔
"صبح جو حادثہ ہوا تھا' اس کے بارے میں کچھ پتہ چلا۔۔۔؟"
"بہت جلد پتہ چل جائے گا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی اور بھی آپ کے سواگت کو ہے اور لڑکوں کو پتہ نہیں تھا ورنہ وہیں چھاپ لیتے۔۔۔"
یہ کہہ کر اس نے مجھے چند ضروری باتیں بتائیں' ہم میں کچھ طے ہوا اور پھر میں اٹھ گیا۔
"عامر بھائی اب شاید ہی میں سامنے آؤں لیکن رابطہ اس فون نمبر پر رہے گا۔۔۔ میں آپ کے آس پاس ہی رہوں گا۔ جب چاہیں اور جس وقت چاہیں' میں حاضر ہوں گا۔"
"مجھے پتہ ہے' علی! کہ تمہاری اس ممبئی میں ہوائیں بھی میری دشمن ہیں۔ مجھے سانس بھی بہت سوچ سمجھ کر لینا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ذرا سی غلطی میری سارے مشن کو چوپٹ کر کے رکھ دے۔ مجھے جب بہت ضرورت ہو گی تو تمہیں زحمت دوں گا۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اچانک مجھے خیال آ گیا تو میں نے کہا۔ "کل کے اخبار میں ایک باورچی کا اشتہار ہے' وہاں کوئی ایسا بندہ بھیج دینا جو تمہارے اور میرے درمیان رابطہ رکھ سکے۔"
میں نے یہ کہتے ہوئے کوڈ ورڈ دے دیا' پھر گلے مل کر واپس پلٹ آیا۔
سریتا اور نکی کے ساتھ دو لڑکے اور بھی تھے۔ ان سے تعارف ہوا تو ان میں سے ایک روبندر تھا

اور دوسرا وجے ورما' وہ بھی انہی جیسے امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دوستیاں اور تعلق بھی تو ماحول اور وقت کے تابع ہوتی ہیں۔ وہاں موجود ان چاروں میں سے کسی کا ماحول بدل جائے تو تعلق میں بھی فرق پڑتا تھا۔۔۔ڈنر کرتے ہوئے ہم ڈھیر ساری باتیں کر چکے تھے۔ تعارف' لندن اور ممبئی کا موازنہ' ممبئی کے بارے میں معلومات' لوگوں کے رویئے' سیاست کے انداز' پولیس کا کردار' راہول اور سمرن' یہی موضوع رہے۔ ہم جب وہاں سے اٹھے تو نکی' رویندر' وجے نے اپنے اپنی طور پر تعاون کا یقین دلایا۔ جو بہرحال پہلے ہی دن میرے لئے حوصلہ بخشنے والا تھا۔

"کیسے لگے میرے دوست۔۔۔؟" ہوٹل سے نکلتے ہوئے سریتا نے پوچھا۔

"تمہاری طرح بہت پیارے۔۔۔"

میں نے بڑی سڑک پر کار موڑتے ہوئے کہا' تب وہ ایک ایک کے بارے میں اپنی رائے دینے لگی۔ انہی باتوں کے دوران ہم گھر تک آ پہنچے۔

"آپ بہت تھک گئے ہوں گے' پلیز آپ جائیں اور سکون سے سو جائیں۔ مجھے پتہ ہے ماما جاگ رہی ہوں گی لیکن اگر ان سے سامنا ہو گیا تو باتوں میں رات گہری ہو جائے گی پلیز عامر جی' آپ آرام کریں۔"

اس نے کچھ ایسی لجاجت سے کہا کہ میں ہنس دیا اور پھر وہیں سے گیسٹ ہاؤس کی طرف چلا گیا۔ اس رات مجھے بہت سکون سے نیند آئی تھی۔

✿✿

وہ صبح انتہائی خوشگوار تھی۔ میں بیدار ہوا تو میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں تھا' شاید ایسا گہری نیند کے بعد تھکان دور ہو جانے کے باعث تھا۔ میں کتنی دیر تک یونہی سرشاری کی کیفیت میں آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ بلاشبہ وہی لمحے سکون بخش ہوتے ہیں جب دماغ میں انتشار پیدا کرنے والا کوئی خیال موجود نہ ہو۔ ایسا اسی وقت ممکن ہے جب شعور پوری طرح بیدار نہ ہوا ہو اور بندہ لاشعور کی وسعتوں میں گم ہو کہ لاشعور بہت بڑی نعمت ہے۔۔۔ دھیرے دھیرے میں شعوری حالت میں آتا گیا تو احساس ہوا کہ میں کہاں ہوں' اس کے ساتھ ہی خیالات کے ہجوم نے میرے ذہن پر حملہ کر دیا جس کے رد عمل میں نیند کا شائبہ تک میری آنکھوں میں نہیں رہا۔ میں بستر پر پڑا نہ رہ سکا' میں اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ میں نہا کر باہر آیا اور نیکر ہی میں کچن تک چلا گیا تاکہ اپنے لئے چائے بناؤں۔ میں تولیئے سے بال پونچھتا کچن میں داخل ہوا تو سریتا وہاں پہلے ہی سے موجود تھی۔ اس نے سفید رنگ کا مختصر سا بلاؤز اور نیلے رنگ کی جین والی نیکر پہنی ہوئی تھی' پاؤں میں جوگر پہنے اور ہلکے سنہری بالوں کی پونی بنائے وہ کام میں مصروف تھی۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ اسے میری آمد کا احساس ہو گیا تھا' اس نے بغیر مڑے کہا۔

"صبح بخیر' عامر جی---!"

"صبح بخیر--- مگر تم اتنی صبح یہاں---؟"

میں نے قدرے حیرت سے پوچھا تو وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔

"میں صبح جلدی اٹھتی ہوں اور جوگنگ کے بعد آ کر کافی کچھ کھاتی پیتی ہوں' آج جوگنگ کے بعد سیدھی ادھر آ گئی ہوں تاکہ آپ کے ساتھ کچھ کھا پی سکوں--- کوئی اعتراض؟"

اس نے مسکراتے چہرے کے ساتھ تفصیل بتا دی تو میں ہنس دیا' وہ خوشگوار چہرے کے ساتھ اچھی لگ رہی تھی۔

"یہ اعتراض تب ہو گا' جب آئندہ تم مجھے اپنے ساتھ جوگنگ کے لئے لے کر نہیں جاؤ گی۔"

"یہ تو بہت اچھا ہو گا---"

اس نے پلیٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا جس میں سلائس رکھے ہوئے تھے' ان کے درمیان میں تلے ہوئے انڈے اور سبزیاں تھیں۔ میں نے سلائس اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"سریتا! کیا تم براہمن نہیں ہو؟ جہاں تک میری معلومات ہے کہ---"

"--- میں ہوں لیکن میں اتنا دھرم کو نہیں مانتی' آپ مجھے ادھرمی کہہ سکتے ہیں' مطلب دھرم کو نہ ماننے والی---" اس نے کاندھے اچکا کر کہا اور چائے بنانے لگی۔ پھر مگ تھماتے ہوئے بولی۔ "اب آپ یہ مت پوچھئے گا کہ میں ایسی کیوں ہوں' بس ہوں---"

اس کے لہجے میں باغی پن چھلک رہا تھا۔ میں نے مگ تھاما اور سٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بھی میرے پیچھے آ گئی' میرے سامنے بیٹھتے ہوئی بولی۔

"رات ماما ہمارا انتظار کرتی رہیں۔ میں نے آپ کے بارے میں بتایا تو وہ جا کر سو گئیں---" میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ سیب کاٹتے ہوئے بولی۔

"آج آپ کا کیا پروگرام ہے---؟"

"وہی آفس--- لیکن سریتا! جہاں تک میں سمجھتا ہوں' خرابی کہیں اندر نہیں ہے بلکہ باہر سے کچھ لوگ اثر انداز ہیں۔ جیسے ہی ان کے اثرات ختم ہو گئے' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اس کے لئے میں جہاں کام آ سکتی ہوں' مجھے بتایئے گا ضرور---"

"تم--- تم تو میرے ساتھ ہو۔ جہاں کام آنے کا کیا مطلب---؟"

میں نے کہا تو وہ ہنس دی--- ہم کچھ دیر تک یونہی بیٹھے کھاتے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ چائے کا آخری سپ لیتے ہی میں اٹھ گیا تو وہ بھی چل دی۔ کچھ دیر بعد میں تیار ہو کر راہول کی ماں سے ملنے چلا گیا' مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سٹنگ روم میں میرا انتظار کر رہی ہوں گی اور میرا یہ یقین سچ ثابت ہوا' وہ وہیں بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی ان کا چہرہ کھل گیا' یہ میرے لئے بڑا نازک لمحہ تھا۔ میں

نہ تو ان کے پاؤں چھو سکتا تھا اور نہ ہی انہیں ہاتھ جوڑ کر پرنام کر سکتا تھا سو میں نے بڑے پیار سے جا کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

"کہئے' ماں جی! کیسی ہیں آپ---؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ' نیند تو ٹھیک آئی نا---! کچھ کھایا پیا بھی ڈھنگ سے ہے کہ نہیں؟" انہوں نے ایک ہی سانس میں کتنا کچھ کہہ دیا۔

"ارے' ماں جی! آپ میری بالکل فکر نہ کریں۔ میں پچھلے چھ سال سے اکیلا لندن میں رہ رہا ہوں۔" میں ہنس دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں تو تمہیں گھر کا سارا آرام ملنا چاہئے نا---؟" سمتری دیوی نے سادگی سے کہا۔

"ماں جی! میں آرام کرنے کے لئے تو نہیں آیا' مجھے اپنی ذمہ داری نبھانی ہے' آپ بس دعا کیجئے گا---" میں نے ان کے ہاتھ تھپتھپائے اور کہا۔ "میں اب چلتا ہوں---"

میں یہ کہہ کر مڑا تو سریتا کی آواز آئی۔

"عامر جی! ٹھہریئے گا---" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے تیزی سے آ رہی تھی۔ میں رک گیا' وہ قریب آئی اور سیل فون میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ لیجئے فون---" پھر آنکھ دباتے ہوئے بولی۔ "رابطے میں رہئے گا۔"

میں نے اس کی معصوم شرارت پر ہنستے ہوئے فون پکڑ لیا۔ وہ میرے ساتھ پورچ تک آئی جہاں ڈرائیور گاڑی لئے کھڑا تھا۔

✿✿

میں آفس میں داخل ہوا تو ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سامنے ایک چپڑاسی نما شخص کھڑا تھا' میرے قریب پہنچتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب! آیئے' میں آپ کو آپ کا آفس دکھاؤں۔"

"تم کون ہو---؟"

میں نے پہلی بار اس کی طرف غور سے دیکھا۔ خاکی وردی میں ملبوس' سر پر دوپلی ٹوپی ٹیڑھے انداز میں رکھے' پتلا سا' سانولا' کنجی آنکھوں اور موٹے نین نقش والا تھا' اس کا قد اتنا لمبا نہیں تھا۔ وہ بڑے عاجزانہ انداز میں کھڑا تھا۔ میرے پوچھنے پر وہ جلدی سے بولا۔

"اتم داس ہوں' جی--- بہت عرصے سے یہاں کام کر رہا ہوں' راجپوت جی نے میری ڈیوٹی ادھر لگائی ہے۔" ایسا کہتے کہتے وہ قدرے جھجکا اور بڑی مشکل سے بولا۔ "صاحب! میں' میں بتا دوں' میں نچلی ذات سے ہوں اور---"

"---کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن یہ بتاؤ' کیا تم پہلے ادھر ہی ڈیوٹی کرتے تھے؟"

"وہی بتا رہا ہوں' صاحب! مجھے یہاں کام کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میں تو یہاں جھاڑو پوچا کرتا ہوں' وہ ادھر---"

اس نے اشارے سے مل ایریا کی طرف مجھے متوجہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ راجپوت نے مجھے ذہنی اذیت دینے کی گھٹیا سی کوشش کی ہے۔ میں اتم داس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تو اس نے قدرے حیرت سے میری جانب دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں' تم سیکھ جاؤ گے--- آؤ میرے ساتھ---"

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں حیرت کے ساتھ ممنونیت جمی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی روبوٹ کی مانند چل پڑا--- دفتر بس ٹھیک ہی تھا۔ پہلی نگاہ میں یہی تاثر ملتا تھا کہ جیسے محض عارضی طور پر سب کچھ سجایا گیا ہو' میں کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اتم داس سے راجپوت کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آکر بتایا کہ وہ آ رہا ہے۔ اتنی دیر تک میں نے پورے کمرے کا جائزہ لے لیا کہ کہیں کوئی خفیہ مائیک یا ڈکٹافون قسم کی کوئی چیز تو نہیں؟ میں نے ابتدا میز سے کی اور پھر گلدان سے لے کر دیوار پر لگی تصویروں تک کو دیکھا لیکن ایسا کچھ بھی مجھے دکھائی نہیں دیا۔ میں مطمئن ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اتم داس کے آتے ہی میں نے اسے چائے بنانے کے لئے کہہ دیا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد راجپوت آگیا' اس نے کمرے میں آتے ہی بڑے رعب دار انداز میں کہا۔

"ہائے عامر جی---!" یہ کہہ کر وہ بیٹھا نہیں بلکہ کرسی کی پشت کے ساتھ ہی کھڑا رہا۔

"کیا حال ہے' راجپوت! ٹھیک تو ہو---؟"

"ٹھیک ہوں میں--- کس لئے بلایا ہے مجھے؟" اس کے لہجے میں ہنوز اکھڑپن تھا۔

"ارے راجپوت جی! اتنا غصے کیوں ہوتے ہو؟--- آؤ بیٹھو' تھوڑی دیر باتیں کر لیں---" میں نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور قدرے مسکراتے ہوئے میرے سامنے والی کرسی پر ڈٹ کر بیٹھ گیا تو میں نے کہا۔ "ہاں تو' راجپوت صاحب! کل میٹنگ میں کچھ کام میں نے آپ کے ذمے لگائے تھے' ان کی رپورٹ کیا ہے؟"

"کل تو کچھ نہیں ہو سکا' آج دیکھوں گا---" وہ بولا۔

"نہیں' ایسے نہیں چلے گا' جو میں کہوں' اسے فوراً کرنا ہو گا اور آپ کرو گے---"

"یہ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ ایسا سمجھنا چاہتے ہو تو یہی سمجھ لو---" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ قدرے مضطرب ہو گیا اور خاموشی میں فقط ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ تب چند لمحوں بعد میں نے کہا۔ "آپ کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ جب تک میں ہوں۔ آپ کو میرے کہنے کے مطابق کام کرنا ہو گا اور آپ کی

ماں بھی یہی چاہتی ہے۔"

"اگر میں ایسا نہ کر سکا تو---؟" اس نے تیزی سے کہا۔

"میں آپ کو یہاں سے جانے نہیں دوں گا اور اس کے لئے چاہے مجھے جو بھی ذریعہ استعمال کرنا پڑے، آپ بھاگ نہیں سکتے اور ہاں' ایک اور بات جو مجھے آپ کو خاص طور پر کہنی تھی کہ یہاں کا بزنس سیکریٹ اگر آپ کی وجہ سے کسی کو پتہ چلا تو یہ آپ کے لئے بالکل اچھا نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب---؟"

اس نے قدرے حیرت سے کہا' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' اتم داس چائے لے کر آگیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

"چائے بنا لیتے ہو' اتم داس؟"

"جی' حضور! مجھے مالتی جی نے سب سمجھا دیا ہے---"

"مالتی جی---؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "چلو بناؤ' میں دیکھتا ہوں۔"

میرے کہنے پر اس نے ایک کپ میرے سامنے رکھا اور دوسرا راجپوت کے آگے رکھ دیا تو وہ بھڑک کر بولا۔

"اے' یہ کیا کرتا ہے--- اٹھا اسے' میں تیرے ہاتھ کی چائے پیوں گا کیا؟"

"کیوں' اس کے ہاتھ کو کیا ہے؟" میں نے انتہائی سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ--- یہ نچلی ذات کا ہے اور میں--- یہ نہیں ہو سکتا' میرے دھرم کا معاملہ ہے۔" اس نے اٹکتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"دھرم--- تمہارا دھرم---" میں نے بہت کچھ کہنا چاہا لیکن فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

"عامر جی! آپ ہمارے دھرم کے معاملے میں زور زبردستی نہیں کر سکتے۔ آپ کو پتہ ہے کہ میں کتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کر سکتا ہوں۔ آپ چند دن تو کیا' چند گھنٹے بھی یہاں نہیں گزار پاؤ گے۔"

اس نے غراتے ہوئے کہا تو میں ہنس دیا اور بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم کوئی ہنگامہ کھڑا کرو اور اگر یہ چائے پینے کے بعد تم ہنگامہ کرو گے تو اب یہ لازمی ہو گیا ہے۔" میں نے کہا تو اس نے میری طرف گھور کر دیکھا۔ اتم داس چائے بنا چکا تھا۔ اس نے دونوں کپ ہمارے سامنے رکھ دیئے۔ "اتم داس! جاؤ' دروازہ بند کر آؤ۔ راجپوت جی نے چائے پینی ہے۔"

میرے کہنے پر اتم داس دروازے کی جانب بڑھ گیا' تبھی راجپوت نے کپ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ہم خاموشی سے چائے پیتے رہے--- یہ ہندو دھرم بھی عجیب دھرم ہے۔ جہاں انسان کو نہیں' چھوت چھات کو اہمیت دی جاتی ہے اور یہ لوگ اس قدر شدت پسند ہیں کہ زندہ انسانوں کو اپنے

سامنے مرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ غلامیت کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ برہمن ذہنیت نے ویدوں تک کو بدل کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ کسی انسان کی پیدائش سے لے کر مرجانے تک اور پھر مر جانے کے بعد کی رسومات میں تمام انسانی زندگی پر برہمنیت چھائی ہوئی ہے۔ اس قدر شکنجے میں کس لیا ہے کہ یہ معاشرہ اور اس معاشرہ کا کوئی فرد فرار حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک برہمن چاہے کتنا ذہنی طور پر غلیظ کیوں نہ ہو' وہ بہرحال اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے' اسی باعث وہ ہندو معاشرے پر تسلط قائم کئے ہوئے ہیں۔ صدیوں سے برہمن ازم کے خلاف آواز اٹھتی رہی ہے اور اس کے خلاف شدید رد عمل بھی سامنے آتا رہا ہے لیکن وہ دور ایسا تھا کہ عوامی شعور اتنا طاقتور نہیں تھا۔ کوئی وقت تھا کہ برہمن ازم کے لوگ سرحد سے باہر جانے والے کو ادھرمی گردانتے تھے لیکن اب ایسی صورت حال نہیں رہی' جدید دنیا نے برہمن ازم کو اس حد تک متاثر کر دیا ہے کہ انہیں اپنی جڑوں کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ ظلم' تشدد' غلامیت کو اب سچائی کی طاقت گھنا رہی ہے--- چائے پینے کے بعد راجپوت ڈھیلے سے انداز میں اٹھ گیا۔ اس نے کوئی بات نہیں کی' بس چپ چاپ آفس سے چلا گیا۔ اتم داس بھی برتن سمیٹ کر چلا گیا تو دفتر میں خاموشی چھا گئی۔ میرے سامنے بھارت کے انگریزی اخبار پڑے ہوئے تھے۔ میں نے وقت گزاری کے لئے ایک اخبار اٹھایا۔ معمول کی خبروں والے صفحات کے علاوہ "شہر کی خبروں" والا صفحہ میرے سامنے آیا تو ایک بڑی سی رنگین تصویر پر میری نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ شرد چندر اگاشی ایک صنعتی پراجیکٹ کا افتتاح کر رہا تھا--- شرد چندر اگاشی! یہی وہ شخص تھا جس کی خاطر میں نے ایک طویل سفر کیا تھا' اسی کو قتل کرنا ہی میری منزل تھی' یہی میرا ٹارگٹ تھا۔ یہی وہ "را" کا ایجنٹ تھا جس نے میجر اکرم کے خاندان کو قتل کیا تھا' صرف یہی نہیں بلکہ نجانے ان کے ٹارگٹ پر کتنے لوگ موت کی نیند سوئے تھے' کتنے ذہنوں میں زہر بھرا گیا تھا اور نجانے کتنے معصوم لوگ ان کی خباثت کی بھینٹ چڑھے ہوں گے۔ میں نے اس کی جو پہلے تصویر دیکھی تھی' اس میں اور اس تصویر میں فرق صرف اتنا سا تھا کہ اس میں ایک جوان شخص کا چہرہ تھا اور اب وہ قدرے ادھیڑ عمر تھا۔ ماتھے پر تین لکیروں والا تشقشہ' داڑھی مونچھیں صاف' گاندھی والی ٹوپی۔ شرد اگاشی وہ ایجنٹ تھا جو تن دھن سے اپنے وطن کے لئے کام کرتے ہیں۔ یقیناً وہ نڈر' ذہین اور چالاک رہا ہو گا جو اندرون ملک میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ شاید اب اس کی خدمات تبدیل ہو گئیں تھیں جو وہ ٹیکسٹائل انڈسٹری میں آن وارد ہوا تھا۔ اس نے چند سالوں میں ہی کامیاب بزنس مین کے طور پر اپنا نام بنا لیا تھا' اس کے ساتھ ساتھ وہ اچھے خاصے "سماج سیوک" کے طور پر بھی مشہور ہو گیا تھا۔ لگتا تھا' اس کی یہ سرگرمیاں آنے والے الیکشن میں شامل ہونے کے لئے ہوں۔ ہر محب وطن کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے وطن کی خدمت کرے لیکن حب الوطنی کے نام پر انسانیت کی چیر پھاڑ' ظلم اور تشدد کے علاوہ توسیع پسندی کے عزائم کبھی بھی برداشت نہیں کئے جا سکتے تھے' اور نہ ہی کرنے

چاہیں۔ ہر ملک کو اپنے تحفظ کا حق حاصل ہے اور اپنے اس حق کے لئے وہ اپنی قوت کے مطابق ہی عمل پیرا ہوتا ہے۔ 1968ء میں بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے زمانے میں "را" کا قیام عمل میں آیا۔ بظاہر یہ تحقیقاتی اور تجزیاتی ایجنسی تھی لیکن یہ بھارت کی سپریم جاسوس ایجنسی ہے جو اپنے تمام تر اعمال اور افعال کے لئے ملک کے وزیر اعظم ہی کو جوابدہ ہے۔ "را" کا بنیادی مقصد جارحیت اور ٹارگٹ ممالک کی جاسوسی' تخریب کاری' فتنہ انگیزی کے ذریعے غیر مستحکم کرنے کے لئے خصوصی مشن سونپے جاتے ہیں۔ مسٹر سنجیوی پلائی! جو "را" کا آرکیٹکٹ ہے' اس نے اس کی بنیاد ہی بیرونی محاذ پر انٹیلی جنس اور جاسوسی کاروائیوں کے لئے رکھی تھی۔ را نے اپنی غیر ملکی سرگرمیوں کا آغاز پاکستان ہی سے کیا تھا کیونکہ یہی ملک اس کے لئے سب سے اہم ٹارگٹ تھا' ہے اور رہے گا--- پاکستان کے عوام بنیادی طور پر مخلص' معصوم اور جذباتی ہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ان کے ساتھ کیا کیا کھیل نہیں کھیلے گئے۔ عوام کو کھیل کی سمجھ اس وقت آتی ہے جب کھلاڑی اپنی اپنی بساط لپیٹ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ نقصان کسی بھی کھلاڑی کا نہیں ہوتا۔ وہ کبھی نہیں ہارتے' وہ ہمیشہ جیتتے ہیں اور ہار محض عوام کے مقدر میں ہوتی ہے۔ یہی کھلاڑی اپنی جیت کے لئے جس طرح کی بھی بے ایمانی کر سکیں' کرتے ہیں جو بحیثیت مجموعی قوم کی کمزوریاں بن جاتے ہیں اور انہی سے دشمن فائدہ اٹھاتے ہیں۔

"عامر جی! ٹھیک تو ہیں آپ' کہاں کھو گئے---؟"

مالتی کی خوشگوار آواز نے مجھے سوچوں کے بھنور سے نکال لیا۔ میں نے اخبار ایک طرف سمیٹ کر رکھتے ہوئے کہا۔

"ایسے ہی بس' یہ سٹی نیوز پڑھ رہا تھا۔ یہ پڑھتے پڑھتے سوچنے لگا تھا کہ کب یہاں کے کاموں سے فرصت ہو گی تو یہ ممبئی شہر دیکھ پاؤں گا---"

"بڑا رنگین شہر ہے' عامر جی! آپ کے لندن سے بھی زیادہ رنگین' بس یہ یاد رہے کہ کہیں گم نہ ہو جایئے گا---"

مالتی نے ہنستے ہوئی کہا تو وہ مجھے کچھ نکھری نکھری دکھائی دی۔ یوں تو میں نے پہلے بھی اس کے گال پر پڑنے والا ڈمپل دیکھا تھا لیکن اس دن تو وہ خاصا ہی گہرا معلوم ہوا۔ وہ عام ہندو عورتوں کی طرح سستی سی سوتی ساڑھی میں ملبوس تھی' غالباً" اس کا رنگ انگوری رہا ہو گا جو اب اڑ چکا تھا۔ اس نے اپنے سیاہ گھنے بال سمیٹ کر جوڑا بنایا ہوا تھا۔ قدرے موٹے نین نقش' سانولا رنگ' پتلی سی' سب سے زیادہ متوجہ کرنے والی وہ تار نما نتھلی تھی جو اس نے ناک میں ڈالی ہوئی تھی۔

"مالتی! آج تم خاصی فریش لگ رہی ہو---"

"وہ یوں ہے نا' عامر بابو! مجھے ایک سال ہو گیا ہے یہاں کام کرتے ہوئے۔ کبھی دفتر کا ماحول اچھا

نہیں ہوا تھا' آپ کے آنے سے کم از کم ذہنی دباؤ کم ہو گیا ہے۔ میں تو کہوں' آپ ہمیشہ یہاں رہیں۔"

"نہیں' مالتی! میں بس تھوڑا سا عرصہ یہاں ہوں' پھر قسمت نجانے کہاں لے جائے---"

"یہ قسمت ہی تو ہے جو انسان کو کتا بننے پر مجبور کر دیتی ہے---"

اس نے اچانک انتہائی تلخی سے کہا تو میں چونک گیا۔ اس کا لہجہ اس قدر زہر آلود تھا' ایک فقرے میں اس نے سماج سے اپنی شدید ترین نفرت کا اظہار کر دیا تھا۔

"اوپر والے نے بندے کو اتنا مجبور نہیں کیا کہ وہ---"

"نہیں' عامر بابو!" اس نے میری بات مکمل نہ ہونے دی۔ "جن کے پاس طاقت نہیں ہوتی نا' بھگوان بھی انہیں نہیں پوچھتا' بھگوان بھی ان کے ساتھ ہے جن کے پاس قوت ہے' وہ ہم جیسے لوگوں کے ساتھ جو چاہیں' کریں۔ کسی کیڑے کی طرح مسل دیں یا پھر زمین پر رینگنے کے لئے چھوڑ دیں---"

"اتنی تلخ کیوں ہو' مالتی---؟"

میں نے پوری سنجیدگی سے پوچھا تو اس نے ایک نظر میری جانب دیکھا اور بولی۔

"دیکھیں' میں اتنی مجبور ہوں کہ آپ کو پوری بات بھی نہیں بتا سکتی۔ آپ بس اپنی آنکھیں کھول کر رکھیئے گا۔ کوئی پتہ نہیں' کس جانب سے تیر آن لگے۔"

"مالتی! میری فکر مت کرنا' ہمارا یہ ایمان ہوتا ہے کہ موت کا ایک وقت معین ہے' وہ جب آتی ہے تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا اور اس سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت موت نہیں دے سکتی۔ تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں' تمہیں جو اچھا لگتا ہے' وہ کرو۔ میں خود کو سنبھال سکتا ہوں۔"

"بھگوان کرے' آپ کو کچھ بھی نہ ہو لیکن راجپوت کے ساتھ آپ نے جو سلوک روا رکھا ہوا ہے وہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ وہ ہنگامہ کھڑا کر دے گا' اس کی جڑیں یہاں بہت گہری ہیں۔ آپ کو آئے ابھی دو دن ہوئے ہیں' کون---"

"میں جب لندن سے چلا تھا تو میں نے سب سوچ لیا تھا اور جو ٹھیک ہے' اسی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں' تمہارے ذمے جو کام ہے' اسے پورا کرتی رہو---" میں نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں قدرے حیرت اور تھوڑی بہت حواس ختگی تھی--- وہ کتنی دیر تک خاموش رہی اور پھر ایک فائل مجھے دیتے ہوئے بولی۔

"سر! اس میں وہ تمام معلومات ہیں جو آپ نے مجھ سے چاہی تھیں--- مزید کوئی حکم؟"

"ٹھیک ہے' میں بعد میں بتا دیتا ہوں---"

میں نے فائل لے کر کہا تو وہ اٹھ کر چل دی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے چند لمحوں

لے اپنے دماغ سے تمام تر خیالات نکال دیئے اور خالی الذہن ہو کر بیٹھا رہا۔ مجھے یہ اچھی طرح احساس تھا کہ جب تک میں واضح برتری حاصل نہیں کر لیتا' اس وقت تک لوگ میری مدد سے بھی کتراتے رہیں گے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ لوگ اسی طرف اپنا جھکاؤ رکھتے ہیں جس طرف طاقت ہوتی ہے۔ان دو دنوں میں حالات قطعاً" میرے موافق نہیں تھے۔ میں نے اس پہاڑ میں سوراخ ضرور کر دیا تھا جہاں سے لاوا رسنے والا تھا۔ میں اسی انتظار میں تھا کہ کب کوئی سامنے آتا ہے تو میں اسی سے اپنا امد حاصل کرنے کے لئے راہیں ہموار کروں--- میں نے چند لمحے سوچا اور پھر سے اخبار دیکھنے لگا۔ ...ر چندر اگاشی بلاشبہ کوئی نہ کوئی طاقت ضرور رکھتا ہو گا جس کی بنیاد پر وہ کامیاب بزنس مین' سماج ...ک اور کسی قدر سیاست دان کے روپ میں عوام کے سامنے آیا تھا۔اس تک رسائی کا بظاہر میرے ...اں نہ کوئی ذریعہ تھا اور نہ کوئی راستہ' یہ تو وقت ہی بتا سکتا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ یہی سوچتے ہوئے اچانک مجھے پرنس کا خیال آیا۔ میں نے اسے اپنا سیل نمبر دیا ہی نہیں تھا۔ میں نے اس کا نمبر ڈائل کیا' ...سری بیل پر رابطہ ہو گیا۔

"عامر جی! اچھا کیا' آپ نے رابطہ کر لیا۔ میں صبح سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے کدھر بات کروں۔"

"یہ سیل فون نمبر میرا ہی ہے--- کہو' کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" میں نے کہا۔

"یہی کہ ان لوگوں کا پتہ چل گیا ہے جنہوں نے آپ کا سواگت کیا تھا۔ وہ ادھر رام بستی کے چند ...والی غنڈے ہیں' پیسہ لے کر مار پیٹ کرتے ہیں' ان لڑکوں کا چھوٹا موٹا گینگ ہے' انہوں نے کمل ...یت نامی شخص کے کہنے پر آپ کا سواگت کیا تھا۔ اس کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ راہول ...ا نائل کی مالک شاردا دیوی کا پرانا یار ہے--- سیدھی سی بات ہے یہ آکڑا کمل اور شاردا ہی کا ہے۔" اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"مجھے شک تھا اور اب یقین ہو گیا ہے--- خیر' یہ رام بستی کدھر ہے؟" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"ادھر ساتھ ہی میں ہے' پر آپ کا مطلب کیا ہے؟" اس کی آواز میں تذبذب تھا۔

"مطلب--- میں خود جاؤں گا وہاں پر---" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ارے ایسا بھی کیا--- لڑکے بھجوا دیتا ہوں' وہ حساب برابر کر آئیں گے۔" اس نے حقیرانہ لہجے میں کہا۔

"دیکھو' پرنس! تمہاری مدد میرے لئے صرف اس حد تک ہونی چاہئے کہ تم کبھی بھی سامنے نہ آؤ۔ تم خاموشی سے میری مدد کرتے رہو بس اتنا ہی---"

"لیکن آپ اکیلے وہاں کچھ نہیں کر سکتے' وہ نیبل ٹاک کو نہیں سمجھتے' وہ مارا ماری کی زبان جانتے

ہیں۔ کہو تو انہیں اٹھوا کر۔۔۔"

"نہیں۔۔۔! بس تم کوئی ایسا لڑکا بھجوا دینا جو مجھے اس بستی میں ان کے پاس لے جائے۔۔۔"

میں نے کہا اور مزید تفصیل طے کر کے فون بند کر دیا۔ میں طے کر چکا تھا کہ میں نے کیا کرنا ہے۔

دوپہر ہونے تک میں مل ایریا میں گھومتا پھرتا رہا۔ میں ذاتی طور پر ان لوگوں تک رسائی کرنا چاہتا تھا جو کسی بھی حوالے سے وہاں اہمیت رکھتے تھے۔ ان کی طرف سے اچھا خاصا رسپانس ملا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہی میری کامیابی کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ میں وہاں پر تمام تر مسائل کی جڑ کو سمجھ چکا تھا۔ کمل جیت اور شاردا کا تعلق ہی تمام مسائل کی وجہ تھی۔ اس تعلق کے ختم ہوتے ہی سارے مسائل کو حل کیا جا سکتا تھا۔ میرے اندازے یقین میں بدلتے جا رہے تھے۔۔۔ اب میں صرف اس انتظار میں تھا کہ شاردا کب میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔

✿✿

اس سہ پہر میں راہول لاج پہنچا تو سریتا میرے انتظار میں تھی۔۔۔ ڈرائیور مین گیٹ سے گاڑی سیدھا گیسٹ ہاؤس کی طرف ہی لے گیا تھا۔ جیسے ہی گاڑی پورچ میں رکی تو سریتا باہر آ کر کاریڈور میں کھڑی ہو گئی۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو اس نے جواباً ہلکی سی مسکان سے بھی نہیں نوازا۔ اس کے چہرے پر غصہ اور ناراضگی صاف پڑھی جا رہی تھی۔ اس وقت اس نے بال کھولے ہوئے تھے جو بمشکل اس کے کاندھوں تک تھے۔ وہ تراشیدہ بال ہوا سے لہرا رہے تھے جس سے اس کے کانوں میں پڑے ٹاپس چمک رہے تھے۔ اس کا چہرہ گلابی گلابی ہو رہا تھا۔ اس نے جینز کے ساتھ مہین کاٹن کا کرتا پہنا ہوا تھا جس سے پورا بدن چھلک کر رہ گیا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو وہ قدرے غصے میں بولی۔

"یہ وقت ہے گھر آنے کا۔۔۔؟"

اس نے کچھ ایسے کہا کہ میں نے بمشکل اپنا قہقہہ روکا۔ پھر چند لمحوں بعد دھیرے سے کہا۔

"معاف کرنا، دیوی جی! کام زیادہ ہونے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔"

"آپ کو پتہ ہے زیادہ کام کرنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے اور پھر گھر میں بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"سوری۔۔۔" میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "آئیں، دیوی جی! باقی باتیں اندر چل کر ہو سکتی ہیں۔" وہ بغیر جواب دیئے واپس مڑ گئی۔ میرے بیٹھ جانے پر وہ بولی۔

"کھانا کھایا آپ نے۔۔۔؟"

"جی، کھا لیا تھا، اب اگر تم کچھ کھلانا پلانا چاہتی ہو تو اچھی سی چائے پلا دو۔ میں اتنے میں فریش ہو جاتا ہوں۔"

"چلیں جائیں لیکن صرف دس منٹ بعد آپ کو یہاں ہونا چاہئے۔۔۔"

وہ مسلسل سنجیدگی سے بولی تو میں نے قدرے جھک کر کہا۔

"جیسے آپ کی آگیا' دیوی جی!"

میرے اس طرح کہنے پر وہ یکدم ہنس دی اور تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ میں اپنے بیڈ روم میں گیا اور فریش ہو کر واپس سٹنگ روم میں آگیا' وہ چائے کے ساتھ لوازمات دھرے میرے انتظار میں تھی۔

"دیکھئے' عامر جی!" اس نے کپ سیدھا کرتے ہوئے کہا۔ "کھانے اور آرام کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں چلے گا۔ آپ وقت پر کھانا---"

"نہیں' سریتا! کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ میرے پاس تھوڑا سا وقت ہے اور یہاں کے مسائل بہت الجھے ہوئے ہیں۔ مجھے دن رات ایک کرنا ہو گا تو ہی میں کچھ کر پاؤں گا--- میں تمہیں بتاؤں' مسائل ہمارے اپنے گھر میں ہی پڑے ہوئے ہیں' باہر سے کہیں نہیں آئے۔ تم نے یہ مثال تو سنی ہی ہو گی کہ گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھاتا ہے۔"

"یہ سب ٹھیک ہے لیکن جب صحت ہی نہیں ہو گی تو آپ کیسے---" اس نے مجھے کپ دیتے ہوئے کہنا چاہا۔

"میں عادی ہوں' میرے بارے میں فکر مت کرنا---" یہ کہہ کر میں نے سپ لیا۔ پھر پلیٹ میں سے چپس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کیا تم نے بنائے ہیں؟"

"جی' میں نے ہی بنائے ہیں اور ابھی کچھ دیر بعد آپ کو اپنے لئے باورچی کا انتخاب کرنا ہو گا۔ میں نے سب کو شام ہی کا وقت دیا ہے۔"

"کتنے لوگوں نے رابطہ کیا ہے---؟"

"یہی کوئی سات آٹھ ہوں گے--- بہت دیکھ بھال کر رکھئے گا' پھر نہیں کہنا کہ یہ کھانا اچھا نہیں بنا۔"

"چلو' جب وہ آئیں گے تو دیکھا جائے گا' فی الحال تو چائے کا مزہ لیتے ہیں۔"

میں نے اس مسئلے کی اہمیت کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ تب وہ یونہی مل کے حالات کے بارے میں بتانے لگی' یوں باتیں کرتے ہوئے ہمیں کافی سارا وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔ جب احساس ہوا تو ہم اٹھ کر سمتری دیوی کے پاس چلے گئے جو لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے ملازم کو ان لوگوں کو بلوانے کے لئے بھیج دیا جو باورچی کی ملازمت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ بلاشبہ ان میں پرنس کا بھجوایا ہوا بندہ ضرور ہو گا' اسے بس پہچاننا تھا--- کچھ دیر بعد ہی ان لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ نواں اور آخری تھا۔ خوب ہٹا کٹا' گہرا سانولا رنگ' لمبے لمبے بال' کرتا اور پاجامہ پہنے' سر پر دوپلی ٹوپی' خواجہ سراؤں کی طرح لچکتا' بل کھاتا ہوا وہ ہمارے قریب آن کھڑا

ہوا۔ وہ پان کھانے کا عادی تھا۔ اس نے قریب آتے ہی میری طرف بہت غور سے دیکھا اور ماتھے تک ہاتھ لے جا کر خالص لکھنوی انداز میں کہا۔

"آداب بجالاتا ہوں' حضور والا---!"

"کہاں کے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"لکھنؤ سے تعلق ہے ہمارا' نام انار کلی ہے---"

"انار کلی---" سمتری دیوی کے ساتھ سریتا بھی چونک گئی۔ "ارے یہ نام تو عورتوں کا ہوتا ہے؟" سمتری دیوی نے کہا۔

"اجی ہم تو ایسی ہی ہیں' خواجہ سراؤں میں بڑا نام ہے ہمارا--- کیا ہوا کہ لکھنؤ میں ہمارے نواب صاحب کی وہ قسمت نہ رہی اور ہم یہاں دھکے کھاتے ممبئی آ پہنچے ہیں' ہماری انگلیوں میں وہ ذائقہ ہے کہ حضور نواب صاحب تو ہمارے دیوانے تھے' کھانا تو بس---"

"بس' بس---"

سریتا نے کہا تو اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کوڈ دہرا دیا۔ میری پوری توجہ اسی کی طرف تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کرتی' میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے' انار کلی جی! ہم تمہیں چند دنوں کے لئے رکھتے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں بھی نواب صاحب کی طرح دیوانہ بنالیا تو پھر خوب جمے گی۔"

"ہم بڑا بول تو نہیں بولتے لیکن خود پر مان ہے جی کہ آپ ہمیں جانے نہیں دیں گے' اگر ہم جانا چاہیں گے تو بھی---"

اس نے خواجہ سراؤں کی طرح ہاتھ لچکاتے ہوئے کہا تو سریتا ہنس دی۔ یوں انار کلی کا انتخاب ہو جانے کے بعد سب کو واپس کر دیا گیا اور ملازمہ کو اسے باورچی خانہ دکھانے بھجوا دیا گیا--- گھر میں روشنیاں جلائی جانے لگیں تو میں اٹھ گیا۔

✿✿

اس وقت میں ہرے راما ہرے کرشنا مندر کے پاس جا کر رکا تھا۔ شام کب کی رات میں ڈھل چکی تھی۔ وہ جگہ قدرے سنسان تھی۔ مجھے مندر کی سیڑھیوں سے ذرا آگے بریک لگائے ابھی ایک منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ دوسری جانب پرنس تھا' میرے ہیلو کے جواب میں اس نے کہا۔

"اپنے بائیں طرف دیکھیں' وہاں آپ کو سفید پتلون اور چیک دار شرٹ میں دکھائی دے گا ایک لڑکا' نام اس کا اشوک دھوریہ ہے' بڑے جگرے والا ہے' یہ آپ کو ان لوگوں تک لے جائے گا۔"

اس کے کہنے پر میں نے دائیں جانب دیکھا' تقریباً بیس سال کا صحت مند لڑکا پوری نشانیوں کے

ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سیل فون اور دوسرے میں سگریٹ تھا۔ وہ وہاں یوں کھڑا تھا جیسے ہر طرف سے بے نیاز محض آتی جاتی ٹریفک کا نظارہ کرنے کے لئے کھڑا ہو۔ تب میں نے کہا۔

"ہاں' وہ کھڑا تو ہے۔۔۔"

"ٹھیک ہے' اسے لے جائیں۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے گاڑی بڑھائی اور اس کے پاس جا کے کھڑی کر دی' وہ میری طرف متوجہ ہوا' میں نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"آؤ' اشوک! بیٹھو۔۔۔"

میں نے انتہائی بے تکلفانہ انداز اختیار کیا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرایا' سگریٹ کا ٹکڑا ایک طرف پھینکا اور اسی بے نیازی سے میرے ساتھ آ بیٹھا۔ قدرے قیمتی خوشبو کا جھونکا گاڑی کے ماحول میں پھیل گیا۔ اس نے دروازہ بند کیا تو میں نے گاڑی بڑھا دی' تبھی وہ بولا۔

"یہ آگے چندن تھیٹر ہے' اس کے باجو میں گاڑی گھمائیں' آگے میں راستہ بتا دوں گا۔"

"نام کیا ہے تمہارا۔۔۔؟" میں نے اس کی بات سن کر پوچھا۔

"پرنس نے میرا نام اشوک دھوریہ بتا دیا ہوگا۔۔۔" اس نے اسی بے نیازی سے کہا اور سگریٹ کا پیکٹ نکال لیا' پھر سگریٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "پئیں گے۔۔۔؟"

"میں نہیں پیتا' تم موج کرو۔۔۔"

میں نے کہا تو اس نے سگریٹ سلگا لی۔ پھر ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ وہ بس اشارے سے مجھے راستہ بتاتا رہا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ سفر کرنے کے بعد ہمارے سفر کا اختتام ایک بستی کے چوک میں ہوا۔ یقیناً وہ ساحل سمندر کے قریب ہی تھی کیونکہ جیسے ہی میں نیچے اترا' نم دار تیز ہوا نے مجھے اپنا احساس دلایا۔ پاؤں تلے بھربھری ریت پر چلتے ہوئے میں نے سامنے دیکھا۔ وہ بانسوں لکڑیوں اور ٹین سے بنا ہوا ایک ڈھابہ نما سستا سا ہوٹل تھا جہاں اونچی آواز میں فلمی گیت چل رہا تھا' دو تین لڑکے جابجا کرسیوں پر بیٹھے لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء سرو کر رہے تھے۔ پرسکون سے رات کے ماحول میں ہلکی ہلکی ہلچل تھی۔ میں نے اشوک دھوریہ کی طرف دیکھا' وہ وہاں پر بیٹھے لوگوں کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ تبھی ایک جگہ اس کی نگاہیں ٹک گئیں' اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"وہ سامنے' آخری والی ٹیبل سے پہلے جو تین لوگ بیٹھے ہوئے ہیں' ان میں سے ایک نے نیلی دھاریوں والی ٹی شرٹ پہنی ہوئی ہے۔"

"میں سمجھ گیا' تم کار میں جا کر بیٹھو۔۔۔" یہ کہہ کر میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر پوچھا۔

"گاڑی چلانا آتی ہے؟"

میرے کہنے پر وہ قدرے ہنسا پھر بولا۔

"بس جہاز چلانا نہیں، پر گاڑی جہاز بنالیتا ہوں---"

"چابی اگنیشن میں ہی ہے۔ جانا چاہو تو گاڑی لے کر نکل جانا---" میں نے کہا اور ان کی طرف بڑھ گیا۔

اصل میں یہ خوف ہی ہوتا ہے جو انسانی صلاحیتوں میں سے قوت نکال دینے کا باعث بن جاتا ہے۔ جس طرح خالی الذہن انسان سکون کی انتہائی رسائیوں پر ہوتا ہے، اس طرح بے خوف انسان اعتماد کی اعلیٰ ترین رسائی پر ہوتا ہے۔ ایسے میں خود پر یقین کی قوت بھی ہو تو سامنے چاہے جتنا بڑا طوفان بھی ہو، اس سے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات انسان ایسی چیزوں سے بھی شکست کھا جاتا ہے جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جیسے اندھیرا جبکہ روشنی کا ایک ذرا سا شعلہ بھیانک اندھیرے کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ لمحہ بھی ایسا ہی تھا۔ مجھے یہ پوری طرح احساس تھا کہ میں انجانی جگہ پر، انجانے لوگوں میں کس نیت سے جا رہا ہوں۔ میں چاہتا تو پرنس کے آدمیوں سے ان کا جو چاہتا، کروا دیتا لیکن میں خود سامنے آنا چاہتا تھا تاکہ جس مقصد کے لئے میں آیا تھا اس کا کہیں نہ کہیں سے تو آغاز ہو اور میں شروعات انہی لوگوں سے کرنا چاہتا تھا۔ مجھے پوری طرح یہ احساس بھی تھا کہ اشوک دھور یہ مجھ سے ایک قدم پیچھے چلتا چلا آ رہا ہے۔ میں نے اسے واپس مڑ جانے کا آپشن دے دیا تھا، اب اگر وہ میرے ساتھ آ رہا تھا تو یہ اس کی مرضی تھی۔ میرا اور ان کا فاصلہ دس بارہ قدم کا رہا ہو گا، ہماری گاڑی رکتے ہوئے کئی لوگوں نے ایک نظر ہماری جانب دیکھا تھا اور پھر سے کھانے پینے میں مصروف ہو گئے تھے۔ چند لمحوں بعد میں ان کے پاس جا کر چوتھی خالی پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تو انہوں نے چونک کر میری جانب دیکھا، شاید ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں یوں ان کے پاس آ کر بیٹھ جاؤں گا۔ بلاشبہ انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا اسی لئے ان تینوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ پھر انہی میں سے ایک نے انتہائی غصیلے لہجے میں میری طرف دیکھ کر کہا۔

"کون اے بے تو اور یہاں کیسے بیٹھا ہے؟"

"میں تم لوگوں سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ کل ایئرپورٹ سے واپسی پر جو تم لوگوں نے نامروی دکھائی تھی، وہ کس کے کہنے پر تھی؟"

"اے اے، سالا بات کیسے کرتا ہے رے---"

ان میں سے ایک نے کھانا روک کر مصنوعی حیرت سے کہا تو تیسرے نے نخوت سے کہا۔

"ابے چل بھاگ یہاں سے، نہیں تو ہڈی پسلی تیری ایک بھی نہیں بچے گی۔"

"میں نے جو کہا، وہ آرام سے بتا دو، اس طرح تم یہ کھانا بھی کھا سکو گے اور تمہاری ہڈیاں بھی سلامت رہیں گی---"

میں نے ان کی سنی، ان سنی کرتے ہوئے کہا تو ان میں سے ایک جو میرے سامنے بیٹھا تھا، غصے

یں بپھر کر اٹھا۔

''ابے' ڈائیلاگ بازی کرتا ہے' سالے؟''

یہ کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھایا۔ میں انہی لمحوں کی تاک میں تھا' میں نے اس کی کلائی پکڑی اور میز پر لٹا لیا۔ میں نے نیچے سے پوری قوت کے ساتھ اس کے منہ پر گھونسہ ے مارا جس سے اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ جانا لازمی تھا۔ وہ ڈکراتا ہوا وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اتنے میں وہ ونوں مجھ پر پل پڑے۔ میں نے ایک کی ہنسلی کی ہڈی پر کھڑا پنچ مارا' وہ اتنی قوت سے پڑا تھا کہ وہ ساتھ ی نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ تب تک تیسرا مجھے دو تین گھونسے مار چکا تھا' میں اس کی طرف مڑا اور اسے اٹھا کر انہی کرسیوں پر پٹخ دیا اور یقیناً اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جس کی وجہ سے وہ وہیں لوٹ پوٹ ہونے لگا تھا' میں نے پہلے کو اٹھایا اور اسے دھنک کر رکھ دیا۔ جب وہ بے بس ہوگیا تو اسے اٹھا کر ایک طرف پھینکا اور دوسرے کی طرف بڑھا' وہ مجھے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر دور ہی سے چلانے لگا۔

''بتاتا ہوں' بتاتا ہوں۔۔۔''

میں رکا نہیں اور اسے کالر سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اسے پہلے کے اوپر پھینک کر تیسرے کی طرف بڑھا تو وہ بھی چیخنے لگا۔ میں نے ارد گرد دیکھا' سب لوگ حیرت سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

''ہمیں کمل جیت جی نے اس کام کے لئے روپے دیئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ بس سائیڈ مار کر گزر جانا ہے۔''

''اب اسی کو جا کر اپنی حالت کے بارے میں بتانا اور میری طرف سے یہ بھی کہنا کہ ہیجڑوں کی طرح چھپ کے وار نہیں کرو' سامنے آؤ۔۔۔''

یہ کہہ کر میں نے اسے دوبارہ پٹخ دیا۔ اس سارے تماشے میں چار سے پانچ منٹ لگے ہوں گے۔ میں نے پھر سے ارد گرد کا جائزہ لیا' ہر بندہ سہم کر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ تبھی میری نظر اشوک دھوریہ پر پڑی' وہ حیرت و تحسین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ میری جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ بولا کچھ نہیں بلکہ اس ڈھابے والے کی طرف بڑھ گیا جس نے ریکارڈنگ بند کر دی تھی۔ اس نے چند بڑے نوٹ اس کے سامنے رکھ دیئے اور بولا۔

''تیرا نقصان ہوا ہے' اندازے کے ساتھ ان میں سے نوٹ اٹھا لے۔''

''نہیں' صاحب! کوئی بات نہیں' یہ مارا ماری تو آئے دن ہوتا رہتا ہے۔''

''پر ہم جیسا کوئی نہیں آیا ہوگا۔۔۔ نوٹ اٹھا لو۔۔۔''

اس نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ ڈھابے والے نے کچھ نوٹ اٹھا لئے۔ اس کا انداز یوں تھا جیسے اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ روپے دے کر وہ پلٹ آیا' ہم دونوں نہایت سکون سے واپس

گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ اشوک ڈرائیونگ سیٹ پر تھا' میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے ڈھابے کی جانب دیکھا' وہاں لوگ ابھی تک ساکت تھے اور حیرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ گاڑی کا گیئر لگاتے وقت اشوک نے کہا۔

"یہ اس علاقے کے بڑے غنڈوں میں شمار ہوتے تھے' آج ان کا رعب ختم ہوگیا ہوگیا۔۔۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں' اشوک! ابھی پتہ نہیں کتنے لوگ سامنے آئیں گے' ان سے بھی بڑے غنڈے۔۔۔"

"۔۔۔ پر مان گئے' صاحب! آپ کا سٹائل بڑا زبردست ہے۔ اتنی سی فائٹ میں بڑی گر والی باتیں سامنے آئی ہیں۔ سکھائیں گے مجھے آپ؟" اشوک کا لہجہ انتہائی فدویانہ تھا۔

"اب مجھے نہیں پتہ' تم کس حد تک فائٹر ہو۔۔۔؟"

میں نے کہا تو اس نے اچانک بریک لگا دیئے اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"ابھی دو چار بندوں کے ساتھ بھڑ جاتا ہوں' دیکھ لیجئے گا۔۔۔"

"نہیں' اشوک! پھر کسی وقت سہی۔۔۔"

میں نے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تو اس نے گاڑی بڑھا دی۔ وہ انہی راہوں سے واپس آ رہا تھا اور میں کوشش کر رہا تھا کہ وہ راستے میرے ذہن میں رہیں۔ اسی طرح وہ واپس چندن تھیٹر کے پاس آ رکا۔

"یہاں سے مجھے ٹیکسی مل جائے گی۔۔۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں اب آپ سے رابطے میں رہوں گا۔"

میں نے ڈیش بورڈ میں پڑی نوٹوں کی گڈی اس کی طرف بڑھا دی' اس نے بغیر کچھ بولے واپس رکھ دی۔ میں نے خاموشی سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ وہ اتر کر ایک طرف بڑھ گیا۔

جب میں واپس راہول لاج آیا تو رات کے دس بج رہے تھے۔ میں نے گاڑی گیسٹ ہاؤس کے پورچ میں روکی اور سیدھا سٹنگ روم میں جا پہنچا۔ پورے گھر میں کھانے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ انار کلی کو میری آمد کا احساس ہو گیا تھا' وہ کچن سے وارد ہوا تو میں نے پوچھا۔

"جی' انار کلی جی! کیا کچھ بنایا ہے آپ نے۔۔۔؟"

اس نے شاید میری بات نہیں سنی تھی' وہ میرا جائزہ لینے لگا تھا چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"حضرت جی! ہم نے تو بہت کچھ بنایا ہے' پر آپ تازہ دم ہولیں تو کھانا پروسیں۔۔۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو رکا' پھر بولا۔ "سریتا جی کہہ گئی ہیں کہ جب آپ آجائیں تو میں انہیں فون کر کے بلوا

لوں، آپ کپڑے تبدیل کر لیجئے نا۔۔۔!"

اس نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر ایک جگہ سے مسکی ہوئی قمیض پر ہاتھ رکھ دیا، پھر ایک جگہ سے ریت صاف کر کے ہنس دیا۔ بلاشبہ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں کیا کر کے آیا ہوں۔ میں اس کی ذہانت پر مسکراتا ہوا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔۔۔ میں ابھی باتھ روم میں ہی تھا کہ میرا سیل فون بجنے لگا۔ میں نے رنگ بیک کرنے کا سوچ کر نہ اٹھایا مگر وہ مسلسل بجتا رہا۔ میں اطمینان سے باہر آیا تو فون کی بیل آ رہی تھی۔ میں نے اسے آن کیا تو دوسری جانب پرنس تھا۔

"آپ تو اچھے خاصے فائٹر نکلے، یہ اشوک تو آپ کا دیوانہ ہوئی لا ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت وش اور خوشی کے ملے جلے جذبات تھے۔

"میں بھی اس کے حوصلے کی داد دیتا ہوں، وہ اکیلا ہی میرے ساتھ چل پڑا تھا۔" میں نے کہا۔

"وہ تو آپ کے ساتھ رہنے پر زور دے رہا ہے، کہہ رہا ہے کہ بہت کچھ سیکھے گا، اگر ایسا ہے تو اسے رکھیں اپنے ساتھ۔۔۔"

"ابھی بڑا وقت پڑا ہے، پرنس۔۔۔ خیر تم اسے کہو کہ صبح مل آ جائے۔ تب تک میں اس کے بارے میں کچھ سوچ لوں گا۔۔۔"

"چلو ٹھیک ہے، باقی میں سنبھال لوں گا۔۔۔"

اس نے کہا تو میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس بار پرنس کا لہجہ بھی بدلا ہوا تھا۔ وہ جو اک ہلکی سی سرد مہری اس کے لہجے میں پہلے ہوا کرتی تھی، وہ ختم ہو کر رہ گئی تھی۔۔۔ میں نے نیکر ٹی شرٹ پہنی اور سٹنگ روم میں آ گیا جہاں سریتا ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے ملٹی کلر کے شاٹس پہنے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تو وہ بولی۔

"دیکھیں، انار کلی کیا بناتا ہے، کہیں بھوکے ہی نہ رہ جائیں۔۔۔"

"تمہاری پسند کا باورچی ہے، دیکھیں کیا کرتا ہے۔" میں نے جان بوجھ کر کہا تو وہ ہنس دی، تب اس نے کہا۔ "ماں جی کو بھی بلوا لینا تھا، وہ بھی۔۔۔"

"نہیں، وہ ماس نہیں کھاتیں اور نہ ہی اپنے سامنے دیکھ سکتی ہیں۔ ہاں، کبھی یہ کچھ نہ ہوا تو شاید یہاں آ کر کھا لیں۔"

"سریتا! اگر تم غصہ نہ کرو تو ایک بات کہوں؟"

"بولیں۔۔۔"

"میں نے کسی قدر رامائن کے قصے پڑھے ہیں۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ رام جی نے گوشت کھایا تھا۔ جتنا عرصہ وہ بن باس کاٹتے رہے، ان کا ایسی ہی خوراک پر گزارا تھا۔ تو پھر جب انہوں نے۔۔۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا--- میں تو کھالیتی ہوں' اب وہ جانیں اور ان کا دھرم۔" یہ کہہ کر اس نے اونچی آواز میں پکارا۔ "اری او' انار کلی! اب کھانا لے بھی آؤ---"

"ابھی لائی---"

اس نے کچن ہی سے کہا اور اسی آواز کی بازگشت میں برتن اٹھا کر لے آیا۔ اس نے کھانا واقعی ہی لذیذ بنایا تھا' سریتا نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ کافی دیر تک اسی پر باتیں کرتے رہنے کے بعد جب وہ جانے لگی تو رات بارہ سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا۔ انار کلی اسے چھوڑنے کے لئے چلا گیا' کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور آتے ہی میرے پاس بیٹھ گیا۔

"آپ ہمیں سمجھا دیں کہ کیا کچھ کرنا ہے؟"

"بس ہر طرف نظر رکھنا' کوئی بھی خلاف توقع بات اوجھل نہ ہو' بس چوکنے رہنا--- ضرورت کے ساتھ تمہیں بتاتا رہوں گا۔"

"ایک بات آپ نظرانداز کر رہے ہیں---"

انار کلی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو مجھے تجسّس ہوا۔

"وہ کیا---؟"

"یہی کہ رات کے وقت جب سو جاتے ہیں تو آپ کے تحفظ کے لئے کوئی بندوبست نہیں۔"

"یہ تمہیں کیسے احساس ہوا؟"

"ہم نے شام سے یہی اندازہ لگایا ہے۔ پھر ضروری نہیں کہ آپ روزانہ بیڈ روم میں ہی سویا کریں--- خیر' اب میں ہوں نا' یہاں پر' ہم پہرے داری بھی کروں گی۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔"

پھر ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران پتہ چلا کہ وہ لکھنؤ میں ہی پیدا ہوا۔ چونکہ وہ خواجہ سرا تھا اس لئے نوابین ہی کے ہاں اس کی ملازمت رہی۔ پھر اسے چوری کے الزام میں جیل جانا پڑا۔ وہیں سے اس کے تعلقات ان لوگوں سے ہو گئے جو جرائم پیشہ تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح پرنس کے گروہ میں آ گیا اور پھر وہیں کا ہو رہا۔ اس نے اپنی صلاحیتوں کے بارے میں بتایا۔ یوں باتیں کرتے کافی وقت ہو گیا' نیند سے میری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں تو میں اٹھ گیا۔

اس وقت میں دھیرے دھیرے نیند کے ہلکوروں میں تھا۔ جب ہلکی آواز میں دروازہ بجایا گیا۔ میں نے اے سی کی مدہم آواز میں اسے اپنا وہم ہی خیال کیا لیکن جب تیسری بار ایسی ہی دستک ہوئی تو میں اٹھ گیا۔ میں نے محتاط انداز میں دروازہ کھولا تو سامنے شاردا کی ملازمہ کھڑی تھی اور اس کے پیچھے انار کلی--- اچانک میرے ذہن میں آیا کہ ضرور کوئی اہم بات ہو گی جو وہ یوں یہاں پر کھڑی ہے۔

"کیا بات ہے' خیریت تو ہے؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"وہ جی' آپ کو شاردا جی بلا رہی ہیں۔"

"شاردا جی--- پر کہاں؟"

"وہ جی' اسی گیسٹ ہاؤس کی دوسری طرف سوئمنگ پول کے کنارے---"

"پر اتنی رات گئے---؟"

"میں نہیں جانتی جی' مگر انہوں نے کہا ہے تو بلانے آ گئی۔ یہ تو ان سے مل کر ہی آپ کو معلوم ہو گا۔"

"اچھا تم چلو' میں آ رہا ہوں؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی' ٹھیک ہے---"

وہ یہ کہہ کر مڑی تو میں نے انار کلی کو اس کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے واپس مڑا اور دراز سے ریوالور نکال کر اڑس لیا۔ پھر محتاط قدموں سے چلتا ہوا گیسٹ ہاؤس سے باہر آ گیا۔ میں نے دور ہی سے دیکھا' وہ جا رہی تھی اور اس کے پیچھے انار کلی' دونوں ہی اندھیرے کا حصہ معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے چند لمحے اردگرد کا جائزہ لیا اور اسی طرف چل دیا۔ سوئمنگ پول کی طرف اندھیرا تھا' بس اردگرد ہونے والی روشنیوں سے تھوڑا بہت اجالا تھا۔ میں چلتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ مجھے وہاں شاردا کہیں دکھائی نہیں دی۔ مجھ سے قدرے پیچھے ملازمہ اور انار کلی کھڑے تھے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو پول میں سے پانی کے چھپاکے کے ساتھ آواز آئی۔

"عامر جی! میں یہاں ہوں' پریشان مت ہوں' میں آ رہی ہوں۔"

میں نے آواز کی سمت دیکھا تو شاردا با تھنگ کاسٹیوم میں تھی اور دھیرے دھیرے پول سے باہر آ رہی تھی۔ اس ملگجے اندھیرے میں شاردا کا چاندی جیسا بدن آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا لیکن اس وقت میں اس کے بدن کے خطوط دیکھنے کی بجائے یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے مجھے کیوں بلایا ہے؟

اگرچہ رات کی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی لیکن دور و نزدیک کے برقی قمقموں کی روشنی نے اس جگہ کی تاریکی کو شکست دی ہوئی تھی جہاں ہم موجود تھے۔ میں نے شاردا کی طرف دیکھا' دودھیا بدن بھیگا ہوا تھا اور اردگرد سے چھن کر آنے والی روشنی میں اس کا جسم چمک رہا تھا۔ پانی کی بوندیں گراتے اس کے بال کاندھے اور اوپری بدن پر یوں چمٹے ہوئے تھے جیسے چھوٹے چھوٹے' مختلف جسامت کے سانپ اس سے لپٹے ہوئے ہوں۔ وہ دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی اس کرسی کی طرف بڑھی جہاں اس کا تولیہ پڑا ہوا تھا' اس نے وہ اٹھایا اور اپنا جسم پونچھنے لگی۔ پھر وہیں دھرا ہوا مہین سا گاؤن پہن لیا۔ میں ان کرسیوں کی پشت پر کھڑا تھا' شاردا نے میری جانب نہایت میٹھی نگاہوں سے دیکھا اور بڑی نزاکت سے بولی۔

"بیٹھئے نا' عامر جی! میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر یہ وقت اور جگہ باتیں کرنے کے لئے مناسب نہیں ہے---" میں ہنوز کھڑا رہا اور قدرے

اکھڑ لہجے میں کہا۔

"آپ شاید یہ بھول رہے ہو کہ میں نے آپ کو اگر یہاں اور اس وقت بلایا ہے تو بات اہم ہی ہو گی اور وہ اسی وقت ہی کرنا ضروری ہے۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بال سمیٹے' ان پر تولیہ لپیٹا اور کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔ اسی حالت میں اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا مشروب اٹھایا اور بے نیازی سے چسکی لے لی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا' تبھی وہ پھر بولی۔ "میرا خیال ہے کہ آپ بیٹھ جائیں اور باتیں کریں۔۔۔"

میں نے ایک لمحہ کو سوچا اور اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے اشارہ کیا تو ملازمہ نے تھرماس میں سے وہی مشروب ایک گلاس میں نکال کر میری طرف بڑھایا۔ میں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔

"صرف لائم جوس ہے' فریش فریش سا' اس کے ساتھ سوڈے کا ہلکا سا ٹچ ہے۔"

"مجھے نہیں پینا۔۔۔" میں نے ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر شاردا سے کہا۔ "کہو' کیا کہنا ہے؟"

میرے یوں کہنے پر اس نے ملازمہ کی طرف دیکھا' اگلے ہی لمحے اس نے گلاس واپس میز پر رکھا اور وہاں سے چل دی۔ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی بلکہ سوئمنگ پول کے دوسرے کنارے پر دھری کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے غیر محسوس انداز میں نگاہیں گھما کر دیکھا کہ انار کلی کہاں ہو سکتا ہے مگر وہ مجھے دکھائی نہیں دیا۔

"عامر جی! مجھے یہ احساس نہیں تھا کہ آپ آتے ہی یوں مارا ماری شروع کر دیں گے۔ آپ اکانومسٹ کم اور غنڈے زیادہ لگ رہے ہیں۔۔۔" اس نے نخوت بھرے لہجے میں کہا اور گلاس سے دوسری چسکی لے لی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ آپ یہاں آ کر ہندسوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس جائیں گے جو یہاں کے کھاتوں' رجسٹروں وغیرہ میں درج ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہاں سے آپ کو کچھ بھی نہیں ملنے والا۔۔۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے' شاردا! میں نے وہاں پر بہت کچھ دیکھ لیا ہے لیکن تم بتاؤ' کیا ہندسوں کے گورکھ دھندوں میں نقصان کی حقیقت ختم ہو کر رہ جائے گی۔۔۔ وہی کروڑوں کا نقصان جو تم کر چکی ہو اور جس کی تمام تر ذمہ دار صرف تم ہو۔"

"ہاں' میں نقصان کی ذمہ دار ہوں مگر یہ میری اپنی دولت ہے اسے میں جس طرح چاہوں' خرچ کروں۔ اپنے پاس رکھوں' کسی کو دے دوں' جلا دوں۔۔۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم اکیلی نہیں' راہول اور سریتا۔۔۔

"۔۔۔ ہوں گے لیکن اس وقت سب میرے قبضے میں ہے اور آپ جانتے ہو کہ چاہے مملکت

بڑی ہو یا چھوٹی' کوئی بھی حکمران دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں بھی انہیں برداشت نہیں کرتی اور نہ ہی میں انہیں یہاں سے کچھ دینے والی ہوں۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے' ان کا حق ہے اور وہ---

-- نہیں لے پائیں گے--- کیسے نہیں لے پائیں گے؟ اس بات کو چھوڑیں۔" اس نے یہ کہہ کر گلاس سے بڑا سا گھونٹ لیا اور گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔ میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو صاف کیا اور میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں پتہ' آپ کا راہول سے کیا اور کیسا تعلق ہے؟ مجھے صرف یہی پتہ ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے اور مجھے یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آپ کا دوست کیسے بن گیا۔ ایک ہندو اور مسلمان کی دوستی کیا ہو گی؟--- خیر یہ بھی ہے۔ میرے گمان میں یہی تھا کہ آپ آؤ گے اور یہاں سے کچھ بھی نہ پا کر واپس چلے جاؤ گے۔ میں آپ کو یہاں ماحول ہی ایسا دیتی جس سے آپ کا گھبرا جانا لازمی تھا۔ ایئرپورٹ سے واپسی پر ہلکا سا اشارہ میرے خیال میں کافی ہونا چاہئے تھا لیکن میں غلط سوچ رہی تھی' میں صرف ایک اکانومسٹ کو دیکھ رہی تھی' مجھے آپ کے لئے کچھ اور انتظام کرنے چاہئیں تھے۔"

"مثلاً مجھے آتے ہی قتل کروا دینا وغیرہ وغیرہ---" میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"میں چاہوں تو تمہیں ابھی ختم کروا سکتی ہوں---" اس نے اچانک شدید غصے میں کہا' یہ بھی بھول گئی کہ وہ پہلے مجھے "آپ" کہہ کر مخاطب کر رہی تھی اور اب "تم" پر اتر آئی ہے۔ میں ہنوز مسکراتا رہا تو وہ بولی۔ "مگر میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم آتے ہی ایک نئی طرح کا ماحول بنا دو گے جس سے مجھے مجبور ہونا پڑے اور میں تمہیں بے بس کر کے رکھ دوں۔ مجھے تم سے صرف یہی کہنا ہے کہ تم جس طرح آئے ہو' اسی طرح واپس چلے جاؤ' اسی میں تمہاری زندگی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر میں واپس نہ جاؤں تو---؟"

"تو بہت کچھ ممکن ہو سکتا ہے--- تمہاری زندگی چھینی جا سکتی ہے یا پھر بھارت کی کسی جیل میں سلاخوں کے پیچھے سسکنے کے لئے ڈالے جا سکتے ہو۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو یا تمہارے لہجے میں کوئی اور بات کر رہا ہے؟" میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تم جو بھی سمجھ لو لیکن جو میں نے کہا ہے' میں وہی کر گزروں گی۔" اس کا لہجہ انتہائی سخت تھا۔

"دیکھو' شاردا---! میں نے جب یہاں آنے کے لئے فیصلہ کیا تھا تو میرے سامنے تمام طرح کے حالات تھے۔ تم جو دھمکیاں دے رہی ہو' وہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اور پھر یہ لڑنا جھگڑنا'

قتل و غارت مردوں کا کام ہوتا ہے' عورتوں کا نہیں۔ میں اس مرد کو ہیجڑا سمجھتا ہوں جو عورت کی پیٹھ پیچھے کھڑا ہو کر وار کرے۔۔۔ تم عورت ہو اور کتنی پیاری ہو۔ تمہارا یہ دودھیا بدن کتنا رس بھرا ہے۔ تم اس قابل ہو کہ تمہیں چاہا جائے اور ساری خواہشیں سمیٹ کر تمہارے قدموں میں نچھاور کر دی جائیں۔ تمہارے ان رسیلے ہونٹوں سے تو خوشبو میں لپٹے ہوئے لفظ نکلنے چاہئیں۔ ان مدھر آنکھوں میں سے تیرتی حیا سے تو زندگی کو بھی اک نیا جیون مل جانا چاہئے۔ عورت خوبصورت ہوتی ہے اور خوبصورتی ہی کا باعث بنتی ہے۔۔۔ نسوانیت تو جیون دان کرتی ہے اور تم زندگی چھین لینے کی بات کرتی ہو؟"

"کچھ بھی ہے' تم یہاں سے چلے جاؤ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ کل کا سورج کس طرح کا رد عمل لے کر ابھرے گا' میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"یہی تو کہہ رہا ہوں کہ تم کچھ بھی نہ کہو' بس اپنی خاموشی سے ماحول میں خوشبوئیں پھیلاتی رہو۔ تمہارا حسن تو زندگی میں جولانی بھر دینے والا ہے' اسے قتل و غارت میں ضائع مت کرو۔ زندگی سے محبتوں کا' خوشبوؤں کا' لذتوں کا رس کشید کرو۔۔۔ مجھے پتہ ہے کہ ہر عمل کا رد عمل ہوتا ہے۔ میں جو بیج بو رہا ہوں' اسے میں نے کاٹنا ہے۔ تم اپنی نصیحت سنبھال رکھو اور خاموش تماشائی بن جاؤ۔"

"میں تماشائی نہیں بن سکتی۔۔۔"

"تو پھر تم پارٹنر بن جاؤ۔۔۔"

میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ میں نے جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ بولی۔

"اب بھی وقت ہے۔ سب کچھ بھول کر ممبئی کی سیر کا پروگرام بناؤ' میں تمہیں سیر کروا دوں گی۔ اس دوران واپسی کا ٹکٹ اوکے کروا لو۔۔۔"

میں اس کی بات سن کر رک گیا اور پلٹ کر کہا۔

"میں نے واپس جانا ہے لیکن جس مقصد کے لئے آیا ہوں' اسے پورا کر کے۔۔۔"

میں نے کہا تو وہ ہونٹ چبا کر رہ گئی' کچھ بھی نہ بولی۔ میں چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا مگر وہ کوئی بات کہئے بغیر اٹھ گئی۔ میں گیسٹ ہاؤس کی جانب چل دیا۔ میں دروازے پر پہنچا تو انار کلی میرے انتظار میں تھا۔ وہ تجسس طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے اس سے بھی کوئی بات نہیں کی اور سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا۔ نیند سے میری آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں' میں بیڈ پر لیٹا اور نیند میں ڈوب گیا۔۔۔ دروازے پر دستک کی آواز سے میں نے بمشکل آنکھ کھولی۔ جب تک دوسری بار دستک ہوئی' میں دروازے پر پہنچ گیا۔ باہر سریتا اور انار کلی کھڑے تھے۔

"ہم نے ان سے کہا تھا کہ مت جگائیں' وہ۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور بولا۔ "نہیں' انار کلی! مجھے سریتا کے ساتھ جوگنگ پر جانا

ہے---" پھر سریتا کی طرف دیکھا کر کہا۔ "بس ایک منٹ' سریتا! میں ابھی آیا---"

میں نے کہا اور پلٹ گیا۔ میں نے گھڑی دیکھی' چھ بج رہے تھے' میں صرف تین گھنٹے سویا تھا۔ میں نے ٹریک سوٹ اور جوگر پہنے اور باہر آگیا۔ پورچ میں سریتا کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تو اس نے گاڑی بڑھا دی۔ جب تک ہم وہاں سے نکلے' میں نے پاؤں میں پہنے جوگرز کے تسمے باندھ لئے۔

"رات کیا بہت لیٹ سوئے تھے آپ---؟" سریتا نے گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' خاصا لیٹ سویا تھا---" میں نے کہا تو خود مجھے محسوس ہوا کہ میرے لہجے سے ابھی تک نیند کا خمار نہیں گیا۔

"نیند نہیں آئی یا کوئی بات تھی---؟" سریتا نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"بس یونہی پہلے انارکلی سے باتیں کرتا رہا' پھر شاردا سے گپ شپ کرنا پڑی---"

"کیا کہا' شاردا سے---؟" وہ تجسس سے بولی' اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"بس یونہی دھمکیاں دیتی رہی۔ وہ نہیں' اس کی زبان میں کمل جیت بول رہا تھا۔ تم پریشان مت ہونا۔" میں نے کہا' پھر بات بدلتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم جوگنگ کہاں کرتی ہو---؟"

"مطلب---؟" سریتا نے حیرت سے پوچھا۔

"مطلب' کسی پارک میں یا ساحل سمندر پر---؟"

"ساحل سمندر پر جوگنگ کا مزہ ہی کچھ اور ہے---"

اس نے خمار بھرے لہجے میں کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ کچھ دیر بعد ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک عارضی بنائے ہوئے پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کی اور ہم دونوں ساحل کے ساتھ ساتھ آہستہ روی میں دوڑنے لگے' کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک سریتا نے کہا۔

"یہ شاردا نے آخر کیا دھمکیاں دی ہیں---؟"

"تمہارا دماغ ابھی تک وہیں اٹکا ہوا ہے؟--- چھوڑو اس بات کو--- جنہیں کچھ کرنا ہوتا ہے نا' وہ دھمکیاں نہیں دیتے' وہ کر گزرتے ہیں---"

میں نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ میں سب کچھ بھول کر وہاں کے ماحول کا مزہ لینے لگا۔ سورج اپنی کرنیں پھیلانے کو بے تاب تھا لیکن مشرق کی جانب سفید بادل چھائے ہونے کی بنا پر ہم تک کرنیں نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔ سمندر کی طرف سے آنے والی نم آلود ٹھنڈی ہوا بے خود سی کر رہی تھی۔ بے شمار لوگ' جن میں ہر عمر کے مرد و خواتین تھے' ایک دوسرے سے بے نیاز تھے۔ کوئی کھیل رہا تھا' کوئی تیز اور کوئی دھیمی رفتار سے جوگنگ کر رہا تھا۔ کئی جوڑے چہل قدمی کر رہے تھے۔ لہروں کے شور میں تھوڑی بہت "ہائے ہاؤ" کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کچھ ساحل پر لیٹے ہوئے تھے اور کئی لوگ

کھانے پینے کی اشیا بیچنے والوں کے گرد جمع تھے۔ ہم دونوں جوگنگ کرتے ہوئے دور تک نکل گئے۔ ایک جگہ ایسی آئی جہاں پر رونق تقریباً ختم ہو گئی تھی' تب سریتا نے دور ہی سے ایک جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔

"ہم ان پام کے درختوں کے پاس سے واپس پلٹ جائیں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی لیکن کیا تم روزانہ ہی یہاں سے پلٹ جاتی ہو؟"

"ہاں' یہ میں نے اپنے طور پر حد مقرر کی ہوئی ہے---"

اس نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد ہم اس جگہ تک پہنچ کر واپس پلٹ آئے۔ ابھی تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے سے رویندر اور نکی آتے ہوئے دکھائی دیئے' یہ دونوں سریتا کے دوست تھے اور ان کے ساتھ میں سن اینڈ سینڈ میں کھانا کھا چکا تھا۔ وہ ہمیں دور سے دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگے' ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے نکی نے تیزی سے کہا۔

"سریتا! جانا نہیں' ہم ابھی آتے ہیں---" یہ کہہ کر وہ قریب سے گزرتے چلے گئے۔

"ان دونوں میں بڑے زوروں کا عشق چل رہا ہے---" سریتا نے ہنستے ہوئے بتایا۔ "کبھی ان کی لو اسٹوری سناؤں گی' بڑی مزیدار ہے۔ ابھی ان کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں' غم کا کوئی پہلو سامنے نہیں آیا--- آپ کا عشق کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

اس نے یونہی پوچھا تو میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو ساری باتیں سنی سنائی ہی ہیں' جب کبھی کوئی تجربہ ہو گا تو پتہ چلے گا کہ یہ کیا اور کیسا ہوتا ہے--- ذاتی تجربے کی بنا پر ہی انسان کوئی رائے دے سکتا ہے نا!" میں نے جان چھڑانا چاہی۔

"یعنی ابھی آپ کی زندگی میں ایسا کوئی نہیں آیا جو آپ کے جیون میں ہلچل مچا دے---؟"

سریتا نے پتہ نہیں کیوں ایسا ٹیڑھا سوال کر دیا تھا کہ ان لمحوں میں اس سے بچ کر نکلنا محال دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے پھر سے پوچھ لیا۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے---؟"

"سریتا! میں اپنے ماضی میں جھانک رہا ہوں کہ ایسا کوئی لمحہ ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے---"

"مجھے پتہ چل گیا' کوئی نہیں ہے ورنہ جس سے عشق ہو اس کا نام تو لبوں پر مچلتا رہتا ہے۔"

"ہاں--- تم خاصی سیانی ہو۔"

میں نے کہا اور اطمینان کا سانس لیا۔ میں اس لمحہ جانکاں سے نکل آیا تھا کیونکہ بتانا محال تھا جبکہ انکار کر کے میں اپنے جذبہ محبت کی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں میں خاموشی چھا گئی تو ثمن اپنے جادوئی حسن کے ساتھ میرے حواسوں پر چھا گئی۔ ساحل سمندر کا سارا ماحول' وہاں پر لوگوں کا شور سب خاموش ہو گیا۔ یوں لگا جیسے ہر جانب ویرانی چھا گئی ہو' کوئی بھی وہاں پر نہیں ہے' بس میں ہوں اور

ن کا احساس جو میرے ساتھ ساتھ چلتا چلا جا رہا ہے۔ انسانی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ اگر ان کا شمار کیا جائے تو گنی نہ جا سکیں اور پھر کسی نعمت کی ماہیت پر ہی غور کرنا شروع کر دیں تو اس میں بھی پورا جہاں ہمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ انسانی جسم میں پوری دنیا آباد ہے۔ ایک وہ جو دکھائی دیتی ہے اور ایک ایسی دنیا جو نظر نہیں آتی لیکن اپنے وجود کا بھرپور احساس رکھتی ہے۔ جسم ایک مادی شے ہے مگر روح کوئی وجود نہیں رکھتی لیکن اسی کے ساتھ زندگی ہے۔ انسانی دماغ کی رسائیاں نجانے کہاں کہاں تک ہو سکتی ہیں تاہم ان بے شمار نعمتوں میں لاشعور ایک ایسی طاقت اور نعمت ہے جس کا بدل کہیں سے بھی دستیاب نہیں۔ انسانی زندگی کے محیر العقول واقعات کی بنیاد میں یہی لاشعور کی قوت کارفرما ہوتی ہے۔ وہ کام جو بندہ شعوری طور پر نہیں کر سکتا' لاشعوری طور پر خود بخود یوں ہو جاتا ہے کہ خود انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ایسا کیونکر ہوا؟ اسی لاشعور کی کرشمہ سازی ہے کہ احساسات' جذبات اور خواہشات کی دنیا کو یوں پھیلا کر اطمینان بخش دیتا ہے کہ جیسے سب کی تسکین ہو گئی ہو۔ ن مجھ سے نجانے کتنے فاصلے پر تھی لیکن پوری دنیا میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور مجھے لگا کہ سی شہر میں موجود جوہو بیچ پر وہ میرے ہمراہ ہے۔ اس قدر اطمینان اور اتنی تسکین میں نے پہلے کبھی نہیں کی تھی' میں سرشاری کی انتہاؤں پر تھا۔

"عامر جی---- عامر جی! کہاں جا رہے ہیں----؟"

اچانک سریتا کے چیخنے کی آواز پر میں رک گیا تو وہ سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ پھر سے وہی لوگ' شور اور ہو ہو بیچ---- پریشان سی سریتا جو مجھ سے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ میں اپنے حواسوں میں آگیا اور پھر پلٹ کر سریتا کے پاس آ پہنچا۔

"میں آپ کو روکتی رہی اور آپ آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔" وہ پریشانی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"میں بے خیالی میں آگے چلا گیا----" میں نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے ہے' میں نے غلطی کی جو انار کلی کی بات نہ مانی---- آئیں ادھر بینچ پر بیٹھتے ہیں----"

اس نے ایک جانب بینچ کی طرف اشارہ کیا تو ہم ادھر بڑھ گئے۔ اتنے میں رویندر اور نکی بھی ہمارے پاس آن رکے۔ ہم باتیں کرنے لگے۔ سریتا نے ایک ناریل پانی والے کو اشارے سے بلایا' کچھ دیر بعد وہ ہمارے لئے ناریل لے آیا جس میں اسٹرا ڈالا ہوا تھا۔ ہم چاروں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے' پھر واپسی کے لئے چل دیئے۔

✿✿

اس دن میں وقت پر دفتر پہنچ گیا۔ میں آفس میں جا کر بیٹھا تو خاصا سکون تھا۔ میں نے سامنے پڑے اخباروں میں سے ایک اخبار اٹھا لیا۔ ابھی میں چند سرخیاں ہی پڑھ پایا تھا کہ ایک ملازم نما شخص

آن کھڑا ہوا جس نے اتم داس جیسی وردی پہن رکھی تھی۔ میں نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس نے جھٹ ماتھے پر ہاتھ لے جا کر کہا۔

"سلام' صاحب!۔۔۔ میرا نام ذاکر ہے' میں اب اتم داس کی جگہ کام کروں گا۔"

میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ خاصا مضبوط آدمی تھا' ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود چاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ جاؤ' چائے لے آؤ۔۔۔"

میں نے کہا اور پھر سے اخبار دیکھنے لگا۔ وہ چلا گیا تو آفس میں پھر سے سناٹا چھا گیا۔ میں نے سر سری نظر سے پورا اخبار دیکھ ڈالا۔ شردا کاشی کی کہیں ایک چھوٹی سی خبر بھی نہیں تھی۔ میں نے دوسرا اخبار اٹھا لیا' اس میں بھی کچھ نہیں تھا۔ یوں جیسے میری دلچسپی کی ساری خبریں عنقا ہو گئی ہوں' بس اکانومی کی خبریں تھیں جو معمول کے مطابق ہوتی ہیں۔ اتنے میں ذاکر چائے لے آیا۔ اس نے چائے بنائی اور کپ میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ اتم داس کی جگہ ذاکر کو کام پر راجپوت نے ہی لگایا ہے تو کیا وہ سمجھ گیا ہے کہ اس کی دال نہیں گلنے والی یا پھر یہ ذاکر انہی کا بندہ ہو جو کسی وقت بھی کچھ کر سکتا ہے۔ موقعہ لگتے ہی مجھے شوٹ کر سکتا ہے' میرے کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی زہر ملا سکتا ہے۔ ایسا نہ بھی ہو تو مجھ پر نگران مسلط کر دیا گیا ہو۔ کچھ بھی ممکن ہو سکتا تھا۔۔۔ رات شاردا کا لب و لہجہ بہت حد تک بدلا ہوا تھا' اس میں دھمکیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ جہاں یہ آپشن موجود تھا کہ وہ محض دھمکی دے سکتی ہے' کچھ کر نہیں سکتی تو وہاں یہ بھی آپشن اپنی جگہ حقیقت کی سی حیثیت رکھتا تھا کہ وہ کچھ بھی کر سکتی ہے یا وہ نہ بھی کرے تو کروایا جا سکتا تھا۔ بات جب لالچ' مفاد اور اپنی انا کی آ جائے تو انسان بہت کم اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب اندر کی دنیا پر منفی جذبات مسلط ہو جائیں اور وہی اپنے تمام تر رنگوں کو منفی اعمال کی صورت میں ظاہر کر دیں تو پھر خیر کی توقع بہت کم ہوتی ہے۔ میرے لئے ایسی صورت حال کوئی نئی نہیں تھی۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا' تب سے میں نے خیر اور شر کے درمیان جنگ ہی دیکھی تھی اور سبھی انسانوں کی طرح میں بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ شاردا اور سریتا' دو بہنیں ہونے کے باوجود جن کی رگوں میں ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا تھا' ان کے درمیان ہی کس قدر فرق تھا۔ شاردا نے اپنے دھرم کی آڑ لے کر میری تضحیک کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں اس کی شخصیت پر سے پردے نہ اٹھاؤں جبکہ سریتا میرے ساتھ اس لئے تعاون کر رہی تھی کہ نفرت کی گھٹن ختم ہو سکے اور وہ اپنے خاندان سمیت خوشگوار ماحول میں سانس لے سکے۔ اصل میں تمام تر انسانی اعمال کا دارومدار خیال پر ہوتا ہے۔ یہی خیال' ارادے میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر لگن اسے مجسم صورت دے دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ خیال کہاں سے آتا ہے؟۔۔۔ میں ایک ایسے ماحول میں تھا جہاں مثبت اور منفی رویئے' اعمال' خیالات اور خواہشوں کا

معیار ہر کسی کے پاس الگ الگ تھا۔ زیادہ تر لوگ ہندو دھرم ہی سے تعلق رکھنے والے تھے' میں نے سب میں منفی جذبات کو زیادہ پایا تھا اور ہر کوئی یہی خیال کرتا تھا کہ وہ ٹھیک ہے۔ کسی کے پاس کوئی ایسا معیار یا کسوٹی نہیں تھی جس پر وہ اپنے آپ کو پرکھ سکے۔ ایک مذہب ہی ہوتا ہے جس سے انسان راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندومت صدیوں سے موجود ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صدیوں سے موجود ہونے والے اس مت کی آج تک تعریف ہی متعین نہیں ہو سکی۔ مثلاً مہاتما گاندھی اپنے مذہب کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اگر مجھ سے کہا جائے کہ ہندو مذہب کی تعریف کرو تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ عدم تشدد کے ذریعے سچائی کی تلاش کا نام ہے۔ ایک شخص چاہے خدا کو بھی نہ مانے لیکن وہ خود کو ہندو کہلا سکتا ہے۔ ہندوازم نہایت شدت سے سچائی کی تلاش کا نام ہے۔ ہندوازم سچائی کا مذہب ہے' سچائی ہی خدا ہے۔ خدا کے انکار سے ہم واقف ہیں لیکن سچائی سے انکار کہیں نہیں سنا گیا"۔۔۔ گویا مہاتما گاندھی کے نزدیک سچائی ہی اصل شے ہے۔ کس کے نزدیک سچائی کس شے کا نام ہے' یہ نہایت مبہم اور الجھن پیدا کرنے والا سوال ہے۔ اگر محقق ہندومت کے بنیادی اصولوں تک پہنچ بھی جائیں تو وہ تین باتیں ہیں۔ پہلی ویدوں پر ایمان رکھنا' انہیں ابدی وازلی اور فائنل اتھارٹی تسلیم کرنا۔ دوسری خدا پر ایمان رکھنا اور تیسری آواگون پر یقین کرنا۔۔۔ ویدوں پر اگر ایمان لایا بھی جائے تو کیا ویدوں میں تضاد کو بھی تسلیم کر لیا جائے اور وید آئے کہاں سے' کیا یہ انسانی کلام ہے یا ربانی؟ دوسری بات کہ اگر خدا پر ایمان رکھنا ضروری ہے تو کس خدا پر؟ ہندو کے ہاں تو بے شمار خدا ہیں۔ اگر ہر شخص اپنی پسند کا خدا رکھ لے تو؟۔۔۔ تیسری بات آواگون کی ہے اس کا کہیں ذکر ویدوں میں نہیں آیا۔ اصل میں ہندومت ایک ماسک ہے جس کے پیچھے برہمن ازم کا بُت چھپا ہوا ہے۔ برہمنوں نے اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے نت نئی اختراعات کیں' فضول قسم کی رسومات کو اپنانے کا درس دیا۔ کسی بھی علاقے' قوم یا مذہب میں سے اپنے مطلب کی جو چیز دستیاب ہو سکی' اسے مستعار لے کر شامل کر لیا۔ برہمن نے اپنی حکومت' اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے انسانی تذلیل کا وہ نظام وضع کیا جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ پنڈت جواہر لعل نہرو بھی اس کا اعتراف اپنی سوانح عمری میں یوں کرتے ہیں کہ "ہندومت کے دائرے میں بے حد مختلف اور بعض اوقات متضاد خیالات اور رسوم داخل ہیں۔ اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندومت پر صحیح معنوں میں مذہب کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اس کی گرفت کتنی سخت ہے اور اس میں بقا کی کتنی زبردست قوت موجود ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کھلم کھلا خدا کا منکر ہو (جیسے قدیم ہندو فلسفی چارواک تھے) لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں' وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں' ہندومت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں برہمن پیدا ہوا تھا اور برہمن ہی سمجھا جاتا ہوں چاہے مذہبی اور سماجی رسموں کے متعلق میرے خیالات اور میرے اعمال

کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔"

"گڈ مارننگ' سر۔۔۔!"

میں اس آواز پر چونکا تو میرے سامنے سنیل بھاٹیہ کھڑا تھا۔ لمبا قد' گول شیشے کی سفید عینک' پتلی پتلی مونچھیں اور دبلا سا۔ پرانی سی سیاہ پتلون پر پرانی چیک دار شرٹ جس سے اس کی کسمپرسی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے جواباً "مارننگ" کہا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا' وہ بیٹھ گیا اور میز پر فائل رکھ دی۔

"سر! یہ ہیں وہ معلومات جو آپ نے چاہی تھیں۔۔۔"

میں نے وہ فائل کھولی۔ پھر جیسے جیسے پڑھتا گیا' مجھے سنیل کی ذہانت اور کام میں مہارت کا اعتراف کرنا پڑا۔ میں کچھ دیر تک اس حوالے سے اس کے ساتھ بحث کرتا رہا۔ آخر میں نے مطمئن ہو کر پوچھا۔

"اس میں جو تمہاری تنخواہ درج ہے' وہ بہت کم ہے۔ میں تمہارے کام سے مطمئن ہوں اور تنخواہ دوگنی کرتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چند لمحوں تک اسے یقین ہی نہیں آیا۔ پھر جب یقین آیا تو اس نے ممنونیت کا اس طرح اظہار کیا کہ میں خود شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ تب میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"سنیل! میری اپنی ذاتی رائے یہی ہے کہ اگر آپ مزدور کو اس کے کام کی پوری اجرت دیں گے تو وہ مزید بہتر کارکردگی دکھانے کی کوشش کرے گا' میں نے تم پر احسان نہیں کیا بلکہ پورا معاوضہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اب جو بھی مزدور اچھی کارکردگی دکھائے گا' میں اسے اس کی صلاحیتوں کے مطابق معاوضہ دینے کی کوشش کروں گا۔۔۔ انسان میں بغاوت اس وقت ہی در آتی ہے جب اس کا استحصال کیا جائے۔"

"جی' سر! میں پوری لگن سے کام کروں گا اور بلاشبہ اس کے اثرات میرے دوسرے کولیگز پر بھی پڑے گا اور ایک بات اور' سر!"

"بولو۔۔۔؟"

"اگرچہ ابھی تک سارے مزدور شانت ہیں' ان میں کسی قسم کی بے چینی نہیں لیکن راجپوت کے جو چند خاص آدمی ہیں' وہ کاریگروں اور مزدوروں کو بھڑکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔؟" میں نے اطمینان سے پوچھا۔

"آج صبح ہی ان خاص لوگوں کی منڈلی جمع تھی۔ پہلے تو ان کے معاملات میں اتنی تیزی نہیں تھی مگر آج کچھ خاص ہی لگتا تھا۔۔۔" اس نے قدرے مؤدب لہجے میں کہا۔

"سنیل! پوری دنیا کیا کرتی ہے' تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ تم بس اپنے کام سے

کام رکھو اور پر سکون رہو۔ یہ میرے معاملات ہیں اور میں انہیں اچھی طرح حل کرنا جانتا ہوں---
اب تم جاؤ اور مکمل جیت انڈسٹریز کے ساتھ جو بھی معاملات ہیں' اس کی پوری تفصیل لاؤ' اگر یہ آج
ہی مکمل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اب تم جاسکتے ہو---"

میں نے پر سکون لہجے میں کہا تو وہ عینک درست کرتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد
معمول کی دفتری کاروائی شروع ہو گئی' یہاں تک کہ دوپہر سے پہلے ذاکر نے مجھے اطلاع دی۔

"صاحب! کوئی اشوک دھوریہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں---"

"بلاؤ--- اور ہاں' ساتھ میں اچھی سی چائے بھی لے آنا۔"

میں نے کہا اور سکون سے کرسی کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ تھوڑی دیر بعد اشوک میرے
سامنے تھا۔ اس نے مجھے ہلکی سی حیرت سے جھٹکا دے دیا۔ وہ کسی طرف سے بھی غنڈہ یا موالی دکھائی
نہیں دے رہا تھا۔ سلیقے سے سنوارے ہوئے بال' بہترین پتلون پر سفید شرٹ اور میرون ٹائی۔ وہ گلے
کی چین اور ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں غائب تھیں۔ وہ کسی فرم کا آفیسر ٹائپ شخص لگ رہا تھا۔
اس نے مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خوشگوار لہجے میں بولا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں' صاحب! اپن کا یہ اسٹائل بھی ہے۔"

"--- اور یہی سٹائل بہت اچھا ہے--- آؤ' بیٹھو---"

میں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر کچھ دیر باتیں کرتے رہنے
کے بعد بولا۔

"ادھر اپن کے علاقے کا چھوکرا لوگ کام کرتا ہے' وہ بتا رہا تھا کہ یہاں کوئی گڑبڑ چل رہی ہے؟"

"گڑبڑ کہاں نہیں ہوتی' اشوک!" یہ کہہ کر میں نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔ "ایک بات تو بتاؤ'
رات جب تم مجھے ملے تھے' اس وقت تم بہت صاف زبان میں بات کر رہے تھے اور اب تم موالیوں
والا لہجہ اپنائے ہوئے ہو۔ یہ لہجہ اور حلیہ ایک دوسرے کے ساتھ بچ نہیں رہا؟"

میرے یوں کہنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا' پھر صاف انگریزی میں بولا۔

"رات پہلی ملاقات تھی اسلئے بہت سوچ سمجھ کر بات کر رہا تھا اور اب بے تکلفی میں ایسا ہو
گیا--- آپ چاہیں تو میں انگریزی میں بھی بات کر سکتا ہوں اور صاف اردو میں بھی' میں گریجویٹ
ہوں۔"

"اشوک! تم خاصے دلچسپ آدمی ہو---"

"اور آپ میرے لئے حیرت کدہ---"

اس نے مودب لہجے میں کہا تو میں ہنس دیا' وہ نجانے مجھے کیا سمجھ رہا تھا--- یونہی کچھ دیر باتوں
کے بعد لنچ کا وقت ہو گیا۔ میرا کام تقریباً مکمل تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ گھر جاؤں اور انارکلی کے ہاتھ کا پکا

ہوا کھانا کھاؤں سو میں اٹھنے کے لئے پر تول رہا تھا کہ سریتا کا فون آ گیا' اس کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"کیا کر رہے ہیں آپ---؟"

"قسم لے لو' میں کوئی بھی غلط کام نہیں کر رہا تھا---" میں نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن ابھی ایک غلط کام کرو گے---" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

"وہ کیا---؟" میں نے پوچھا۔

"وہ شیتل ورما' وہی فضائی میزبان کا فون تھا۔ آپ سے رابطہ چاہ رہی ہے اس لئے آپ کا فون نمبر مانگ رہی تھی۔" اس کے لہجے میں قدرے خفگی تھی۔

"پھر کیا کیا تم نے--- دے دیا یا نہیں؟" میں نے تجسّس سے پوچھا۔

"دے دیا ہے اور وہ ابھی آپ سے بات کرے گی۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

"کیا تمہاری اجازت ہے' میں اس سے بات کر لوں؟" میں نے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

"اجی' ایک بار نہیں سو بار اجازت ہے۔ بس کہنا صرف اتنا تھا کہ ذرا سنبھل کے--- یہ جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوتی ہیں نا' بڑی شے ہوتی ہیں۔"

اس نے ناصحانہ انداز میں کہا تو میرا قہقہہ ابل پڑا۔

"بڑا مشاہدہ ہے تمہارا؟" میں نے کہا۔

"خیر' فون رکھتی ہوں---"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ چند ہی لمحے گزرے ہوں گے' فون پھر بج اٹھا۔ میں نے اسے آن کیا تو دوسری جانب شیتل ورما ہی تھی۔ رسمی باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

"سنائیں' ممبئی کیسا لگا آپ کو---؟"

"جوہو کے محدود سے علاقے کے علاوہ میں کہیں بھی نہیں گیا سو ممبئی کے بارے میں کیا رائے دے سکتا ہوں؟"

"کوئی بھی ایسا نہیں ملا جو ممبئی دکھا سکے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یوں تو بہت سے ہیں لیکن محبت سے' نزاکتوں کے ساتھ کوئی سیر کروائے' ایسا ابھی نہیں ملا---"

"میرے پاس یہ سارا ہفتہ خالی ہے' اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی گائیڈ بن سکتی ہوں۔"

"چلیں' میں سوچتا ہوں' اپنی مصروفیت میں سے ایک دو دن نکالتا ہوں---"

"لیکن بہت جلد--- میں انتظار کروں گی۔"

"وعدہ رہا کہ بہت جلد---"

"عامر جی! وہ تو ہو گا لیکن اگر آپ آج رات میرے ساتھ ڈنر لیں تو---؟"

"اس کے لئے بھی مجھے اپنا شیڈول دیکھنا ہو گا--- خیر' میں تمہیں دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

میں نے کہا تو وہ کئی دوسری باتیں کرنے لگی' پھر فون کا انتظار کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا---

میں جو شیتل ورما کو بھول چکا تھا' اچانک ہی پھر سے وہ آن وارد ہوئی تھی۔ وہ کیا چاہتی ہے؟ میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ میرے سامنے تو صرف ایک بات تھی جو طیارے میں جوزفین نے کہی تھی کہ میں شیتل کی نگاہوں میں اتر گیا ہوں۔ پر میں ہی کیوں؟ وہ تو دنیا دیکھتی ہے۔ کئی لوگ اس کے اردگرد ہوں گے۔ اگر بات صرف پسندیدگی تک محدود ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں عورتوں کی نگاہوں میں اتر جانے کی صلاحیت ہی نہیں' وجاہت بھی رکھتا تھا۔ شیتل کا میری ذات میں کشش محسوس کرنا کوئی انہونی بھی نہیں تھی' تعجب اس وقت ہونا تھا جب وہ اس بھیس میں کچھ اور نکلتی۔

"کیا سوچنے لگے آپ---؟" اشوک نے پوچھا۔

"کچھ نہیں آؤ' چلتے ہیں---"

میں نے سیل فون جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور اپنے آفس سے باہر آیا۔ سفید اور سرمئی بادلوں نے سورج کو چھپا رکھا تھا اور ماحول خاصا خوشگوار تھا۔ اس وقت میں گاڑی کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ مالتی تیز قدموں سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کا پریشان چہرہ کوئی خوشگوار تاثر نہیں دے رہا تھا۔ میں رک گیا۔ وہ میرے قریب آن رکی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک لیٹر سائز کاغذ میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے وہ کاغذ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا ہے---؟"

"آپ خود ہی پڑھ لیں---"

اس نے کہا تو میں نے کاغذ پر لکھی تحریر کو پڑھا۔ وہ مالتی دیوی کا استعفیٰ تھا۔

"یہ کیوں بھئی---؟" میں نے پوچھا۔

"میں اب کام نہیں کرنا چاہتی' میری اتنی سی درخواست ہے کہ آپ آج ہی میرے بقایاجات دلوا دیں تاکہ میں آج کے بعد پھر یہاں نہ آؤں۔"

"یہ جو تم نے اپنے استعفیٰ میں کچھ مجبوریاں لکھی ہیں' کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ کیا ہیں؟" میں نے وہ کاغذ لپیٹتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا نجی معاملہ ہے--- یقین جانیں' اگر آپ میرے بقایاجات آج نہیں دلوائیں گے تو مجھے یہ نقصان بھی برداشت کرنا ہو گا۔ آپ پلیز---"

اس نے لجاجت سے کہا تو میں نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

"تمہیں تمہارے بقایاجات مل جائیں گے۔ اب تم گھر جاؤ---"

میں نے وہ کاغذ تہہ کر کے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ اشوک ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا

اور میں پچھلی سیٹ پر پھیل گیا' تب ڈرائیور نے گاڑی بڑھا دی۔ مل گیٹ سے مین سڑک کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ رہا ہو گا جو منٹوں میں طے ہو گیا' مین روڈ سے کوئی چار پانچ میٹر پہلے ہی دائیں بائیں سے کافی سارے آدمی نکل آئے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا' اسی لمحے میں اشوک تیزی سے بولا۔

"عامر جی! ہوشیار ہو جائیں---"

"میں دیکھ رہا ہوں' اشوک! تم اپنے حواس قابو میں رکھنا' یہ اعتماد رکھو کہ ان سے دوگنا لوگ بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے--- اترو۔"

میں نے تیزی سے اعتماد بھرے لہجے میں کہا تو اشوک میں جیسے بجلی بھر گئی' گاڑی رک چکی تھی۔ اشوک تیزی سے نیچے اترا' اس کے ساتھ میں بھی اتر آیا۔ مجھے دیکھتے ہی ایک کالے بھجنگ سے شخص نے اونچی آواز میں کہا۔

"یہی ہے سالا' پکڑ لو---"

اس کا اتنا کہنا تھا کہ کئی لوگ ہماری طرف بڑھے۔ ان میں سے چند لوگوں کے ہاتھ میں ڈنڈا' سریا' ہاکی' چین' لوہے کا مکہ جیسے ہتھیار تھے جبکہ میں اور اشوک خالی ہاتھ تھے۔ چشم زدن میں ایک شخص ڈنڈا لہراتا ہوا میری جانب بڑھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے مارتا' میں نے آگے بڑھ کر کک اس کے منہ پر مار دی۔ وہ پیچھے گر پڑا۔ دائیں طرف سے سریئے والے نے وار کیا' میں نے وہ سریا پکڑ لیا۔ اس نے اچھی بھلی قوت سے مارا تھا' اگر یہی میرے سر پر پڑتا تو یقیناً میرا سر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا۔ میں نے ایک خاص تکنیک سے جھٹکا دے کر وہ سریا چھین لیا۔ میں اب خالی ہاتھ نہیں تھا۔ بہت عرصہ پہلے مجھے فن بنوٹ کے چند گر سکھائے گئے تھے' اس وقت وہی میرے کام آئے۔ وہ سریا جس کے بھی پڑتا' وہ دوبارہ اٹھنے لائق نہیں رہتا۔ اس ہجوم میں میری تکنیک یہی تھی کہ کوئی بھی میرے نزدیک نہ آنے پائے اور میں اس میں کامیاب رہا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ تک یہی چلتا رہا۔ اچانک میرے سامنے وہی کالا بھجنگ شخص آ گیا۔ میں نے بھرپور وار سے اس کا سر پھوڑ دیا' وہ چکراتا ہوا زمین پر گر گیا۔ صورت حال بہت حد تک بدل گئی تھی' دو تین ہی مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ تب میں نے دیکھا' اشوک خون آلود چہرے کے ساتھ چکرا رہا ہے۔ اسی لمحے میں نے اپنا بچاؤ ترک کر کے حملے کا سوچ لیا۔ میں لمحے کے ہزارویں حصے میں اشوک تک پہنچا۔ تب تک وہ اکڑوں بیٹھ چکا تھا اور جب تک وہ گرا' میرے سامنے فقط دو رہ گئے تھے۔ اگلے چند لمحوں میں وہ بھی ڈھیر ہو گئے۔ میں نے سریا پھینک کر ہاتھ جھاڑے اور اشوک کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ میں نے ڈرائیور کی مدد سے اسے گاڑی میں ڈالا اور واپس مل کی طرف جانے کو کہا۔ اس وقت میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ حملہ آوروں کو یوں چھوڑ کے جاؤں' میں انہیں اچھی طرح سبق سکھا دینا چاہتا تھا اور پھر ان سے یہ پوچھنا

بھی تو باقی تھا کہ انہیں کس نے بھیجا ہے؟ لیکن اس کے لئے وقت نہیں تھا۔ اشوک کی حالت کسی بھی وقت بگڑ سکتی تھی کیونکہ اس کا خون بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ میں نے ان حملہ آدروں کو نظرانداز کیا اور اشوک کو لے کر مل آ گیا۔ اشوک کو یوں خون میں لت پت دیکھ کر وہاں کھلبلی سی مچ گئی۔ کئی لوگ ہماری طرف بڑھے۔ میں نے وہیں کسی سے اونچی آواز میں کہا تھا کہ فوراً" ڈاکٹر کو بلاؤ' اگر یہاں کہیں فرسٹ ایڈ بکس ہے تو لاؤ۔ جب تک میں نے اسے ایک کمرے میں لے جا کر کاؤچ پر لٹا نہیں دیا' وہاں کسی نہ کسی کو ہدایت دیتا رہا۔ جلد ہی فرسٹ ایڈ بکس میرے ہاتھ آ گیا اور میں اپنے طور پر خون روکنے کی تدبیر کرتا رہا۔ چند منٹوں بعد خون رک گیا تو میں نے اس کے جسم پر مزید زخم ٹٹولے' ایک جگہ سے مجھے ہڈی ٹوٹنے کا شک ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر آ گیا' اس کے ساتھ ہی ایک پولیس انسپکٹر بھی آن وارد ہوا۔ ڈاکٹر کے آتے ہی میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ چند منٹ معائنہ کرتے رہنے کے بعد بولا۔

"میں پٹی کرنے کے بعد انجکشن دے دیتا ہوں لیکن انہیں ہسپتال ضرور لے جانا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے' جیسا آپ چاہیں۔۔۔"

میں نے کہا تو ڈاکٹر اپنا کام کرنے لگا۔ تب انسپکٹر نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام اے سی پی اپدیش سنگھ ہے۔ آپ اس واقعہ کی تفصیلات بتانا پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں' آفیسر۔۔۔!" میں نے کہا اور پھر چند لمحے سانس لے کر بتایا۔ "یہ میرا باڈی گارڈ ہے' اسے میں نے آج ہی رکھا ہے۔ ہم لوگ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں سے نکلے تو راستے میں کافی سارے لوگوں نے ہمیں گھیر لیا اور یہ واقعہ پیش آ گیا۔" میں نے اس کی شخصیت کا اندازہ کرتے ہوئے بتایا۔

"اب یہاں دو سوال اٹھتے ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ کو باڈی گارڈ رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور دوسرا' کیا آپ ان لوگوں میں سے کسی کو پہچانتے ہیں؟" اس کے لہجے میں تیکھا پن تھا۔

"باڈی گارڈ میں نے اس لئے رکھا کہ مجھے دھمکی آمیز فون کالز مل رہی تھیں اور آپ کے دوسرے سوال کا جواب ہے کہ میں نہیں جانتا' یہ کون لوگ ہیں۔" میں نے سکون سے کہا۔

"کون آپ کو دھمکیاں دے رہا ہے۔۔۔؟" لہجہ ہنوز تیکھا تھا۔

"میں نہیں جانتا لیکن اتنا اندازہ ضرور ہے کہ یہ وہی ہو سکتا ہے جسے میرا یہاں آنا پسند نہیں۔"

"سوال ہنوز وہیں رہے گا کہ کون۔۔۔؟" اس بار وہ قدرے نرم پڑ گیا۔

"آپ تفتیش کریں اور ان لوگوں سے دریافت کریں تاکہ مجھے بھی پتہ چلے۔" میں نے تحمل سے کہا۔

"آپ کو ابتدائی رپورٹ کے لئے پولیس اسٹیشن آنا پڑے گا۔" اس کا لہجہ بہت حد تک بدل گیا۔

"ٹھیک ہے، میں اشوک کو ہسپتال میں چھوڑ کر پولیس اسٹیشن آ جاؤں گا۔"

میں نے کہا اور اشوک کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر پٹی کرنے کے بعد اسے انجکشن دے رہا تھا۔۔۔ اشوک کو ہوش ابھی تک نہیں آیا تھا۔

✿✿

وہ نجی ہسپتال کا ایک کمرہ تھا جہاں اشوک کو ہوش آیا، آنکھیں کھلتے ہی اس نے ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھا تو اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ تبھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ میں اس کے قریب ہوا تو وہ بولا۔

"عامر جی! میں زندہ ہوں۔۔۔؟" اس کا انداز بے یقینی والا تھا۔

"زندہ ہو تو مجھ سے بات کر رہے ہو۔۔۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ چند لمحے میرے چہرے کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"یقین جانیں، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے لوگوں سے یوں بھڑ جاؤں گا۔ یہ آپ کے ساتھ ہی کا حوصلہ تھا کہ۔۔۔" یہ کہتے کہتے اچانک اس نے تیزی سے پوچھا۔ "آپ کے کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟"

"ارے نہیں، جو اگر آئیں بھی ہوں گی تو یہ خراشیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا تھا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا، بھاگ گئے سب۔۔۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "ایک بات ہمیشہ یاد رکھو۔ سب کچھ ختم ہوتا ہے تو ہو جائے، وہ سارا کچھ دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر بندہ حوصلہ ہار جائے تو پھر کوئی شے نہیں بچتی۔۔۔"

پھر میں نے پولیس کو بیان دینے کے بارے میں اسے تفصیل سے سمجھایا۔ وہ سمجھ گیا اور سوچنے کے لئے اس نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی گہری چوٹ سر کا زخم ہی تھا، باقی معمولی چوٹیں تھیں، ہڈی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔ ابھی میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ پولیس کے کچھ لوگ آ گئے۔ میں نے اشوک کو ان کے حوالے کیا اور ماسٹر کارڈ کے ذریعے ایک لمبی رقم کاؤنٹر پر جمع کروا کے وہاں سے چل دیا۔۔۔ راہول لاج تک آتے ہوئے میں یہی سوچتا رہا کہ انسانی زندگی بھی کیا ہے؟ محض چراغ کی لو، جلتا ہے تو جلتا چلا جائے اور بجھنے پہ آئے تو ایک پھونک ہی کافی ہوتی ہے۔ اس ناپائیدار زندگی کو پائیدار بنانے، پرسکون رکھنے اور دوسروں پر تسلط جمائے رکھنے کے لئے کن جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیا محبت اتنی ہی نایاب ہو گئی ہے کہ انسان اپنے تحفظ کی [illegible] کہیں وہ اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہے تو کہیں بڑھ کر حملہ کر دیتا ہے۔۔۔ آخر انسان یہ سب کچھ کس لئے کرتا چلا جا رہا ہے؟

✿✿

سہ پہر ڈھل چکی تھی' میں نے کھانا کھا لیا تھا۔ انار کلی برتن سمیٹ کر لے جا چکا تھا اور کچن میں مصروف تھا' تبھی شیتل کا فون آ گیا۔

"میں انتظار کرتے کرتے تھک چکی ہوں۔ آپ نے فون نہیں کیا۔۔۔؟" اس کے لہجے میں دبا دبا غصہ اور مایوسی تھی۔

"او' شیتل! بہت معذرت۔۔۔ دراصل میں بہت مصروف رہا ہوں۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ تمہیں فون کروں۔"

"اتنی زیادہ مصروفیت کیا ہے آپ کی۔۔۔؟"

"اب تفصیل خاصی لمبی ہے اور اس کی تمہیں سمجھ بھی نہیں آئے' کبھی مل بیٹھیں گے تو سناؤں گا۔"

"کبھی۔۔۔ مطلب اب آپ مجھ سے نہیں ملیں گے؟" اس نے تیزی سے کہا۔

"بہت جلد ہم ملیں گے اور یہ ملاقات بہت یادگار ثابت ہو گی۔"

"لیکن میں اتنا انتظار برداشت نہیں کر پا رہی ہوں' بس آج آپ مجھ سے ملیں۔۔۔"

"او کے۔۔۔ تم تیار رہو' ہم آج شام کہیں بھی ملتے ہیں۔"

"رئیلی۔۔۔؟" اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔" میں نے ہنکارا بھرا۔

"لیکن کہاں۔۔۔ آپ کو تو ممبئی کے بارے میں اتنا پتہ بھی نہیں ہے؟"

"ابھی شام ڈھلنے میں بڑا وقت پڑا ہے۔ میں تمہیں بتا دوں گا' تم تیار رہنا۔ او' کے۔"

میں نے حتمی بات کی اور الوداعی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔۔۔ اگرچہ اس وقت مجھے آرام کرنا چاہئے تھا' چوٹیں بھی اپنا احساس دلا رہی تھیں لیکن نجانے کیوں میں مالتی کی طرف جانا چاہ رہا تھا۔ اس کا استعفیٰ دے کر جانے کا آخر کیا مطلب تھا اور وہ بھی اس قدر عجلت میں؟ اس کے بارے میں سریتا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غریب سی لڑکی ہے اور اسے جاب کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اسے کہیں اور ابھی جاب مل بھی گئی تو یوں اچانک نہیں جایا جاتا۔ اس کے بات کرنے کے انداز میں خوف تھا۔ نجانے کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اسے ٹٹولوں' اس سے پوچھوں کہ یہ سب کیا ہے۔ اسے کیوں اتنی عجلت تھی اور پھر میں اس سے وعدہ بھی کر چکا تھا کہ اسے اس کے بقایاجات آج ہی دوں گا۔ تبھی میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے ابھی ملوں گا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے؟ اس کی بابت سریتا ہی بتا سکتی تھی۔ میں نے اس کے نمبر ڈائل کئے' کافی دیر تک بیل بجنے کے بعد اس نے فون ریسیو کیا' اس کا لہجہ خمار آلود تھا۔

"کہاں ہو---؟" میں نے یوں ہی بات بڑھائی۔

"اپنے بیڈ روم میں' اپنے بیڈ پر---

"اس کا مطلب ہے' تم سو رہی تھیں---"

"ہاں' ایسا ہی تھا لیکن میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔"

"وہ کیوں---؟"

"آپ لوگوں کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہوا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں؟"

"او' سریتا! یہ معمولی بات تھی--- خیر' تم جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ۔ ہمیں مالتی کے گھر جانا ہے۔"

"مالتی کے گھر---؟" اس نے انتہائی حیرت سے کہا۔

"ہاں--- اب اگر تم تفصیل پوچھو گی تو میں تمہیں بتا نہیں پاؤں گا۔ تم آجاؤ تو چلیں' رستے میں ساری تفصیل بتادوں گا۔"

"ٹھیک ہے' میں آ رہی ہوں۔"

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں اٹھا اور اپنے بیڈ روم میں چلا گیا تاکہ فریش ہو جاؤں۔

✿✿

اس وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جب ہم راہول لاج سے نکلے۔ سریتا ڈرائیونگ کر رہی تھی اور میں اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے' بارش لحہ بہ لحہ تیز ہوتی چلی جا رہی تھی۔ رہائشی علاقے سے نکلنے کے بعد اس نے مجھ سے مالتی کی طرف جانے کی وجہ پوچھی تو میں نے دھیرے دھیرے ساری بات کہہ دی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی' اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جلد ہی اس نے بڑی سڑک چھوڑ دی اور ایک ذیلی سڑک پر گاڑی ڈال دی۔ کافی دیر تک چلتے رہنے کے بعد وہ کھلے ہوئے گیٹ کے اندر چلی گئی۔ ایک کھلے سے میدان کے تین اطراف میں کابک نما کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے ریلنگ تھی اور اس پر رنگ برنگے دھلے ہوئے کپڑے سوکھنے کے لئے ڈالے گئے تھے۔ کہیں کوئی ایک آدھ گملا' کہیں پھولوں والی بیل اور کہیں ٹاٹ لٹکے ہوئے تھے۔ ایک ہی نظر میں اس ہاسٹل نما بلڈنگ کی عسرت زدہ زندگی عیاں ہو رہی تھی۔ بارش اب بھی پڑ رہی تھی اس لئے وہ میدان صاف تھا' بہت سارے لوگ اسی برآمدہ نما راستہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ممبئی کی زبان میں ایسی عمارت کو "چال" کہتے ہیں۔ سریتا نے گاڑی بالکل سامنے کی لائن میں وہاں روکی جہاں سے سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اگرچہ وہاں پر لوگ اس وقت ہی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے جب گاڑی گیٹ میں [illegible] ہوئی تھی لیکن ہمارے گاڑی سے نکلنے کے بعد ان کی نگاہوں نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا کہ ہم [illegible] جانے والے ہیں۔ گاڑی سے نکلنے

لے بعد ہم اگلے ہی لمحے برآمدے میں تھے۔ پھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہم دوسری منزل پر آپہنچے' وہاں سے دائیں طرف مڑے اور ایک کھولی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بوسیدہ سا دروازہ جس کا رنگ اڑا تھا' سریتا نے بجایا تو اگلے ہی لمحے ہمارے سامنے مالتی کھڑی تھی۔ متوحش سی' ڈری ڈری انتہائی بوسیدہ سے شلوار قمیص میں ملبوس وہ ہمیں دیکھتے ہی حیرت زدہ رہ گئی۔

"آپ---؟" اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"ہاں' مالتی!--- ہم--- تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟"

سریتا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی' اندر سے کسی بوڑھے شخص کی کھنکارتی ہوئی آواز آئی۔

"باہر کون ہے' مالتی بیٹا؟"

"باپو جی! سریتا اور عامر بابو ہیں---"

اس نے کہا تو اندر چند لمحے خاموشی رہی' پھر آواز آئی۔

"تو انہیں اندر لے آؤ نا---!"

اس آواز پر اس نے ہمیں اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا اور ہم اندر چلے گئے۔ سامنے ہی ایک بوڑھا سا شخص پرانی کرسی پر بیٹھا ہوا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک کونے میں گنیش دیوتا کی تصویر لگی ہوئی تھی اور ذرا سا شیڈ بڑھا کر اس پر دیا رکھا ہوا تھا جو اس وقت روشن تھا۔ نیچے تک دیوار تیل کی وجہ سے چپڑی ہوئی تھی۔ اسی کمرے میں ایک چارپائی دھری ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بوڑھا بڑی مشکل سے کھڑا ہوا۔ اس نے سفید پاجامہ اور گہرے رنگ کا سوتی کرتا پہنا ہوا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ہمیں نمستے کہا جس پر جواباً" سریتا نے بھی ایسا ہی کہا۔ اس نے ہمیں چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے' تب اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"میں لکشمن راؤ ہوں' مالتی کا باپ--- کہئے' ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟" یہ کہتے ہوئے وہ اسی کرسی پر بیٹھ گیا اور مالتی فرش پر آ بیٹھی۔

"میں آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ آپ سے باتیں بھی کرنا چاہوں گا اگر آپ یا خصوصاً" مالتی پسند کرے تو' ورنہ میں تو اس کے بقایاجات دینے آیا تھا۔"

"ہاں--- اس نے میرے ہی کہنے پر استعفیٰ دیا ہے۔" لکشمن راؤ نے آزردگی سے کہا۔

"مگر کیوں--- اور پھر وہ بھی اچانک؟"

سریتا نے تیزی سے پوچھا تو لکشمن راؤ نے سر جھکا لیا۔ کتنی دیر تک یونہی بیٹھا رہا اور پھر دھیرے سے سر اٹھا کر بولا۔

"سریتا بیٹا! تم نے اسے نوکری دلوائی' تمہارا ہم پر احسان ہے۔ اب جبکہ یہ نوکری چھوڑ آئی ہے

اور تم اسے پوچھنے آگئی ہو تو یہ بھی تمہارا احسان ہے لیکن بیٹا! یہ مت پوچھو کہ نوکری کیوں چھوڑی۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم میں کچھ بھی سہنے کی' برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ بھگوان کے لئے کچھ بھی مت پوچھو۔"

اس نے کہا تو میں نے اپنی جیب سے کافی سارے بڑے نوٹ نکالے اور مالتی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ لیں' مالتی جی! آپ کے بقایاجات---"

"یہ رقم اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی آپ دے رہے ہیں---" اس نے تنک کر کہا۔

"میں تم لوگوں پر کوئی دولت کا رعب جھاڑنے نہیں آیا' بس اک اندازہ ہے اور اندازے سے دے رہا ہوں--- اگر تم کچھ بھی نہ بتانا چاہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرنے والا مگر مجھے پتہ ہے کہ نئی نوکری تلاش کرتے ہوئے کچھ وقت لگے گا۔ انہیں رکھ لو' تمہارے کام آئیں گے۔"

میں نے وہ نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو مالتی نے جھجکتے ہوئے نوٹ پکڑ لئے' تبھی میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب اجازت دیجئے---"

"عامر بابو! یوں' اچانک--- چائے تو پیتے جائیں۔" مالتی نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو' مالتی---!"

میں نے کہا تو لکشمن راؤ بولا۔

"آپ کے لہجے سے لگتا ہے کہ آپ ناراض جارہے ہیں۔ بھگوان کے لئے ہماری طرف سے دل صاف رکھئے' ہم بڑے مجبور لوگ ہیں---"

"راؤ صاحب! مجھے اندازہ ہے۔ میرا دل صاف ہے اور میں آپ سے ناراض بھی نہیں---" میں نے کہا اور واپسی کے لئے چل دیا۔

"ٹھہریں' عامر بابو! جب آپ کا دل صاف ہے تو چائے تو پیتے جائیے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے برتن اتنے اچھے اور قیمتی نہیں ہوں گے۔"

اس کے یوں کہنے پر میں رک گیا۔ میں نے گھوم کر لکشمن راؤ کی آنکھوں میں دیکھا جہاں خوف کی پرچھائیں اور مجبوریوں کی چھاپ تھی۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟--- میں پلٹ آیا' سریتا بھی دوبارہ بیٹھ گئی تو مالتی وہاں سے اٹھ گئی۔ شاید وہ کہیں دوسرے کمرے میں چائے بنانے گئی تھی۔ ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی تو سریتا اٹھ کر مالتی کے پیچھے چلی گئی' تبھی میں نے بات کا آغاز کیا۔

"راؤ صاحب! آپ کرتے کیا رہے ہیں' مطلب کوئی جاب---؟"

"میں--- میں پروفیسر تھا۔" یہ چند لفظ کہتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا جیسے اسے اپنا یہ تعارف کرانا بہت مشکل لگ رہا ہو۔

"پروفیسر--- مطلب' آپ کہیں پڑھاتے رہے ہیں؟؟"

"ہاں--- میں جے جے لکشمی کالج میں ہندی ادب کا پروفیسر تھا۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر ڈبڈبائی آنکھوں سے بولا۔ "یقیناً آپ میری اس بات اور موجودہ زندگی میں بہت بڑا تضاد محسوس کریں گے۔ مجھے ایک اچھے گھر میں عزت کے ساتھ رہنا چاہیئے تھا' مالتی کو یوں دربدر پھرنے کے بجائے اپنے سسرال میں ہونا چاہیئے تھا مگر شاید بھگوان نے ہماری قسمت میں ایسا نہیں لکھا تھا۔ شاید پچھلے جنم میں مجھ سے کوئی ایسا گناہ ہو گیا تھا جس کی سزا مجھے اس جنم میں مل رہی ہے۔"

"آپ بھگوان کو مانتے ہیں تو پھر اس گناہ کے لئے پرارتھنا کیجئے' شاید---"

"میں بھگوان کو مانتا ہوں لیکن اس سے مانگتا کچھ نہیں بلکہ صرف اس سے شکوہ کرتا ہوں کیونکہ وہ ہم غریبوں کا نہیں' امیروں کا بھگوان ہے۔ اس لئے میں اس سے کچھ نہیں مانگتا کیونکہ وہ ہمیں دے نہیں سکتا---"

اس نے کہا تو مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ لکشمن راؤ کسی ایسے ظلم کا شکار ہو چکا ہے جس نے اس کی پوری زندگی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ بلاشبہ وہ بے بس شخص اپنے اندر آگ رکھے ہوئے ہے جو لحہ بہ لحہ اسے جلا رہی ہے اور اسے اذیت دیتی رہتی ہے--- لکشمن راؤ کے ساتھ کچھ انہونی نہیں ہوا تھا۔ وہ معاشرہ جہاں صرف طاقت کی پوجا کی جاتی ہو' وہاں کمزور لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ صرف سلگتے ہیں یا پھر اپنے بھگوان سے گلے شکوے ہی کر سکتے ہیں حالانکہ وہ نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ اس میں خالق کا کیا قصور' یہ تو انسانی اعمال ہیں۔ کمزور لوگ خود ہی ایسے نظام کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں اور پھر خود ہی اس کا شکوہ کرتے ہیں۔ وہ طاقت ہی کیا جو اپنے مدمقابل کو نہ دبائے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی طاقت کو منفی استعمال کرتا ہے یا مثبت؟

"ایسا کیا ہوا جو آپ کو اپنے بھگوان سے شکوہ کرنا پڑا---؟" میں نے آہستہ آواز سے پوچھا۔

"میں خود کو بڑا اچاریہ سمجھتا تھا' میں سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے مضمون پر بڑی دسترس حاصل ہے۔ [illegible] دوسرے استاد' پرنسپل میرا بڑا احترام کرتے تھے' بہت عزت تھی میری--- ایک دن ایک [illegible] کو میں نے اس کی بدتمیزی پر کلاس سے نکال دیا۔ وہ مزید بدتمیزی پر اتر آیا اور لمحوں میں اس [illegible] گریبان سے پکڑ کر کلاس روم سے باہر پھینک دیا۔ اس کے سامنے کوئی بھی نہ بولا' یہاں تک [illegible] بھی نہیں۔ میں نے احتجاج کیا کہ اس لڑکے کو کالج سے نکال دیا جائے لیکن اسے نہیں نکالا [illegible]۔ تب میں نے کالج سے نکلنا چاہا تو مجھے بھی وہیں رکھا گیا تاکہ روزانہ میری بے عزتی کی جائے اور [illegible] استاد اس سے عبرت پکڑیں اور ان غنڈوں کے سامنے کچھ نہ بولیں' وہ کالج میں من مانی کر

سکیں۔"

"وہ لڑکے ایسے بھی کیا تھے۔ پولیس، کالج انتظامیہ اتنی بے بس تھی؟"

"وہ ایک وزیر کا بیٹا تھا، شیو سینا سے اس کا تعلق تھا اور طالب علموں میں شیو سینا کو مضبوط کرنے کا ٹارگٹ اسے دیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے میں ہی سب سے پہلے اس کے ہتھے چڑھا تھا۔ پھر ان کے سامنے ہر کوئی بے بس ہوتا چلا گیا۔ میں سب کچھ چھوڑ کر یہاں آ بسا۔۔۔"

"لکشمن جی! اتنی غنڈہ گردی کو روکنا کسی کے بس میں بھی نہیں تھا، ان کے مقابل کوئی بھی نہ آ سکا؟"

"یہ غنڈہ گردی تو ممبئی کا مزاج ہے۔ یہ مزاج صدیوں سے بنا ہے اور دیکھنا، یہی شہر ان غنڈوں اور موالیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گا کیونکہ اب اس شہر پر غنڈوں، موالیوں کے مافیا ہی حکومت کرتے ہیں، انڈر ورلڈ مافیا تو کھلا راز ہے۔"

اس نے کہا تو میں خاموش رہا۔ وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا، شاید وہ میرے سامنے کئی سالوں بعد پھٹا تھا۔ میں اسے روکنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ جو کچھ وہ اگل رہا تھا اس کے پس منظر میں میرا اپنا مطلب جھانک رہا تھا۔ میں خاموش رہا تو وہ بولا۔

"عامر بابو! تم اس شہر میں نئے ہو۔ شاید تمہیں اس کے مزاج کا نہیں پتہ، میں تمہیں بتاتا ہوں۔۔۔" یہ کہہ کر وہ سانس لینے کو رکا اور پھر کہتا چلا گیا۔ "ممبئی حقیقت میں سات جزیروں پر مشتمل شہر ہے۔ کولابہ، مزاگیون، بوڑھی عورت کا جزیرہ، ودالہ، ماہم، پاریل اور مارٹونگا۔ یہ سبھی جزیرے اس وقت ایک سلطنت کے زیر نگیں آئے جب اشوکا نے یہاں حملہ کر کے انہیں فتح کیا۔ اشوکا ایک عظیم حکمران تھا اور اس کی موت کے بعد 1343ء تک یہ جزیروں والا شہر مختلف ہندو حکمرانوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اس کے بعد گجرات کے مسلمانوں نے اگلے دو سو سال تک اس شہر پر حکومت کی جو اس وقت ایک صوبے کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ اس دور کی نشانی مسجد کی صورت میں اب بھی ماہم کے علاقے میں موجود ہے۔ 1534ء کے لگ بھگ پرتگیزیوں نے یہاں قدم جمانے شروع کر دیئے اور انہوں نے طاقت اور سازشوں کے ذریعے سے مسلمانوں سے بہت سارے علاقے چھین لیے، خصوصاً" مغربی ساحلوں کے علاقے جو تجارتی لحاظ سے بہت اہم ہو سکتے تھے۔ وہ وہاں پر آباد ہوئے۔ رومن کیتھولک کی آبادیوں میں کئی چرچ بنائے، باندرا میں اب بھی سینٹ اینڈریو چرچ موجود ہے۔ انہوں نے انہی علاقوں میں قلعے جیسی عمارتیں بنائیں۔ پھر دھیرے دھیرے جب انہوں نے پورا علاقہ فتح کر لیا تو اس جزیروں والے شہر کو ایک نام دیا "بوم بیا" (Bom Baia) جس کا پرتگیزی زبان میں مطلب تھا "بہت اچھا ساحل"۔۔۔ تقریباً ایک سو بیس سال بعد 1662ء میں انگریز بادشاہ چارلس دوئم نے پرتگیزی شہزادی کیتھرین آف برگنزا سے شادی کی تو یہ جزیروں والا شہر ان کی

عملداری میں آگیا۔ یہ شہر انہیں تحفے میں دیا گیا تھا۔ 1668ء میں یہ جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو سالانہ 10 پونڈ کے عوض کرائے پر دے دیا گیا' یعنی اس سے ان جزیروں کی انگریزوں کی نگاہ میں یہی وقعت تھی۔ محض دس سونے کے پاؤنڈ سالانہ۔۔۔۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا صدر مقام "سورت" میں تھا' وہیں سے انہوں نے ساحلوں پر بندرگاہوں کے لئے تلاش شروع کر دی تو یہی شہر سب سے بہترین قرار پایا۔ سو انہوں نے 1687ء میں اپنا ہیڈ کوارٹر اس شہر میں منتقل کر لیا۔ پھر یہی جگہ بنیادی تجارتی مرکز قرار پائی۔ انگریزوں نے اس شہر کا نام بوم بیا سے تبدیل کر کے بمبئی رکھ دیا جبکہ بندرگاہوں کے اردو قلیوں نے اسے ممبا (Mumba) کہا۔ یہ نام انہوں نے ممبادیوی کی مناسبت سے پکارنا شروع کر دیا تھا جس کا مندر بابو ناتھ کے علاقے میں ہے۔ یہ علاقہ چوپڑپٹی ساحل پر ہے۔ 1940ء کے لگ بھگ دوراب جی نانا بھائی جو پارسی تھا' اس شہر میں وارد ہوا۔ اگرچہ پارسیوں کا آبائی وطن تو ایران ہی تھا لیکن یہ پارسی بہت پہلے سے ہندوستان میں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے تاکہ زرتشت مذہب کو بچا سکیں۔ بلادعرب میں اسلام نیا دین سامنے آ چکا تھا اور اس کے اثرات پوری دنیا میں پھیل چکے تھے۔ ایران فتح ہونے کے بعد ان پارسیوں کو اپنے مذہب کے ختم ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تھا۔ یہ پارسی ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ دوراب جی نانا بھائی نے آکر انہیں مجتمع کیا۔ یوں رستم جی' دوراب بھیکا پاٹیل نے برطانوی اور ساحلی قلیوں کی مدد سے طاقت کے ذریعے ان جزیروں پر قبضہ کیا۔ پارسی ایک نئی طاقت کے طور پر ابھرے اور ممبئی میں اپنے مضبوط قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہیں سے بھائی گیری کی ابتداء ہوئی۔ اس مافیا کے بانی یہی پارسی ہیں۔ اصل میں ان کے نام کے ساتھ "بھائی" لگتا ہے۔ رستم دوراب بھائی نے ایک نئی طرز سے مزاحمت کر کے اپنی طاقت کا احساس دلایا تھا۔ وہ غریب اور مزدور طبقے میں سے جنگجو نوجوانوں کو چن کر انہیں زبردست طریقے سے استعمال کرتا۔ جو سب سے بڑا غنڈہ ہوتا' وہ "بھائی" کہلاتا۔ یوں اب بھی یہ اصطلاح ان غنڈوں کے لئے مخصوص ہے۔۔۔ وقت کے ساتھ ایک گروپ سے نئے گروپ بنتے گئے۔ ان کے درمیان علاقے تقسیم ہونے لگے۔ ہر علاقے کا ایک نیا بھائی وجود میں آنے لگا۔ اصل میں بھائی گیری کو ممبئی کے دولت مندوں نے اپنے مفاد کی خاطر پروان چڑھایا۔ وہ اپنے مطلب اور مفاد کے لئے انہیں رقم اور اسلحہ مہیا کرتے تاکہ ان علاقوں میں' تجارتی حلقوں میں اور رعب داب کے لئے اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکیں۔ اس میں وہ کامیاب ہوتے چلے گئے۔ اس دھارے میں سیاست دان بھی آ گئے اور ان سے کام لینے لگے۔ یوں بھائی گیری نے اتنی وسعت اور گہرائی حاصل کر لی کہ یہ مافیا کی صورت اختیار کر گیا۔ ان کا خام مال اب بھی غریب' لاوارث' یتیم بچے ہیں جو اپنے ذہن میں انتقام لے کر پرورش پاتے ہیں۔
اب یہ انڈر ورلڈ مافیا کے طور پر سامنے ہے۔ عورتوں کے بیوپار سے لے کر منشیات کے کاروبار تک' اغوا قتل سے لے کر ڈکیتیوں تک' چوری سے سمگلنگ تک' تمام تر جرائم اب اس انڈر ورلڈ کا

شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ اس حد تک مضبوط ہو گئے ہیں کہ ہر شعبہ زندگی مین اب بادشاہ گر کہلاتے ہیں' معمولی جیب کترے سے لے کر حکومتی ایوانوں تک ان کی گرفت ہے۔"

یہ کہہ کر لکشمن راؤ خاموش ہو گیا۔ وہ دھیرے دھیرے ہانپ رہا تھا جیسے اتنا کچھ کہنے کے لئے اسے بڑی طاقت صرف کرنی پڑی ہو۔ تب میں نے پوچھا۔

"کیا اب بھی پارسی---"

"نہیں' وہ تو قصہ پارینہ ہو گئے۔ وہ اگر ہیں تو تجارتی حلقوں میں--- اب تو ہندو چھا گئے ہیں اور ان کے مقابل مسلمان ہیں۔ اصل میں پارسیوں نے جب تجارتی حلقوں میں حکومت قائم کر لی تو وہ سیاست سے آؤٹ ہو گئے۔ وہ پس منظر میں رہ کر ان سیاست دانوں کی مدد کرتے ہیں۔ آزادی کے بعد جب 1960ء میں مختلف علاقے ملا کر اس کو مہاراشٹر کا نام دیا گیا تب سے یہاں کانگرس ہی جیتتی رہی' یہ اس لئے کہ مسلمان ان کا ساتھ دیتے تھے۔ 1994ء کے بعد سے جب بی جے پی اور شیوسینا اکٹھی ہو گئیں تو یہاں سے کانگرس صاف ہو گئی۔ شیوسینا خالصتاً" ہندوؤں کی جماعت ہے اور ہندو مفاد کے لئے کام کیا ہے۔ اس جماعت کی جڑیں انڈرورلڈ مافیا میں ہیں۔"

"آپ اس قدر گہری نگاہ رکھتے ہیں' تبھی ڈرتے ہیں۔ میں اب سمجھ گیا کہ مالتی نے استعفیٰ کیوں دیا---"

"ہاں--- آپ کی مل بہت جلد ایک اکھاڑا بننے والی ہے بلکہ بن چکی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ شاردا جی کن لوگوں سے مدد لے رہی ہے۔ آپ کو احساس نہیں کہ آپ بہت جلد گھر جانے والے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ آپ پاکستانی ہیں اور مسلمان ہیں' آپ کی مخالفت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

"اس لئے آپ نے مالتی کو بچالیا---؟"

"ہاں--- شاردا جی نے واضح طور پر مالتی کو دھمکی دی تھی کہ وہ آپ کی حمایت کرنا بند کر دے۔ اس نے مجھے بتایا ہے تو میں نے وہ جاب چھوڑ دینے کے لئے کہہ دیا--- عامر بابو! ہم بہت غریب ہیں۔ میں اپنی زندگی کی سانسیں صرف اس وقت تک گھسیٹ رہا ہوں جب تک مالتی کی شادی نہیں ہو جاتی ورنہ اس اکیلی لڑکی کو بھیڑیئے چیرپھاڑ دیں گے۔"

"کوئی لڑکا دیکھا---؟" میں یکدم ہی ایک دوسرے موضوع پر اتر آیا۔

"ہاں' یہیں اس بلڈنگ میں رہتا ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا---" میں نے کہا اور پھر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آپ ڈریئے مت۔ مالتی اب اگر کہیں جاب کرے گی تو راہول ٹیکسٹائل ہی میں--- اسے کہیں مت بھیجنا اور اب آپ اپنے بھگوان سے شکوہ چھوڑ دیں۔"

میں نے اسے حوصلہ دیا تو لکشمن راؤ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اس بوڑھے کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا تو نجانے کیوں مجھے میجر اکرم یاد آنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میرے سامنے آ بیٹھے ہیں اور اک نئی طرح سے اپنی روداد سنا رہا ہے۔

"چائے لیجئے---"

مالتی کی آواز پر میں چونک گیا۔ چائے کی پیالیاں ایک ٹرے میں میرے سامنے تھیں۔ میں نے ایک پیالی اٹھالی۔ چائے پینے کے دوران یونہی وہاں کے ماحول بارے باتیں چلتی رہیں۔ میں لکشمن راؤ سے بے تکلف ہونا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ مجھے دوبارہ آنے کی دعوت دے' وہ شخص میرے لئے بہت اہم ہو سکتا تھا--- چائے ختم کر کے میں نے کہا۔

"آپ سے ملاقات کر کے مجھے بڑی خوشی ہوئی' سکون سا ملا ہے۔"

"تو جب وقت ملے' آجایا کیجئے---"

"ہاں' وہ تو میں آجایا کروں گا لیکن اگر میں آپ کو بلاؤں تو آپ کو بھی آنا پڑے گا---" میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اٹھ گیا۔

"کیوں نہیں' عامر بابو---!"

یہ کہہ کر اس نے میرے سامنے نمستے کے انداز میں ہاتھ جوڑ دیئے۔ میں نے ماتھے تک ہاتھ لے جاکر اسے سلام کیا اور واپس مڑ گیا۔ سریتا میرے ساتھ چل دی تو مالتی بھی ہمیں نیچے گاڑی تک وداع کرنے ہمارے ساتھ چل پڑی۔ بارش تھم چکی تھی لیکن ماحول گیلا گیلا تھا۔ سریتا نے گاڑی ریورس کی تو مالتی اوپر جانے کے لئے مڑ گئی۔

✿✿

اس وقت سورج ڈوبنے کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آسمان پر سرمئی' سفید اور نارنجی رنگ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وقت کے ساتھ احساس تھا کہ شام ہو چکی ہوگی۔ میں نے بڑی سڑک پر آتے ہی سیل فون پر اشوک سے رابطہ کیا۔

"ہاں' اشوک! کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں--- اے سی پی بیان لے گیا ہے' لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دھمکی بھی آئی ہے۔"

"دھمکی--- وہ کس نے دی ہے؟"

"ایک شخص ہے ارون گولی' ٹیکسٹائل ملز میں مزدور تھا اس کا باپ۔ وہ بھی مزدور بھرتی ہوا تھا لیکن پھر اس نے بھائی گیری شروع کر دی اور اب اس کا پورا گینگ ہے جس میں وہ ڈیڈی کے نام سے مشہور ہے۔ جن لوگوں سے ہمارا آمنا سامنا ہوا تھا' اسی کے لوگ تھے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے

بندوں کے خلاف کوئی بیان بازی نہ کریں۔"

"تو کیا پھر اس کے عوض وہ ہمارے راستے میں نہیں آئے گا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ وہ یہی کہہ رہا ہے کہ میں آپ تک یہ پیغام پہنچادوں کہ آپ یہاں سے چھوڑ کر چلے جائیں۔"

"اب اس کا کوئی پیغام تم تک آئے تو یہی کہنا کہ وہ مجھ سے بات کرے' میں خود ہی اسے سمجھا دوں گا۔"

"عامر بابو! میں اتنا بتادوں کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے' اس کے پیچھے بہت سارے لوگ ہیں۔"

"ایسی باتیں بزدل کیا کرتے ہیں' اشوک! اگر تم ان سے ڈرتے ہو تو یہیں پڑے رہنا' میرے پاس مت آنا کیونکہ مجھے تو یہیں رہنا ہے۔"

"نہیں' یہ بات نہیں۔۔۔"

"کچھ بھی ہے۔۔۔ جب دشمن نفسیاتی طور پر تمہارے دماغ پر چھا جائے تو وہ آدھی جنگ جیت لیتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ دشمن کی طاقت کا اندازہ کر لینا چاہئے مگر اسے اپنے اعصاب پر سوار نہیں کرنا چاہئے۔۔۔ خیر' تم اپنا خیال رکھنا۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا تو سریتا پریشانی کے عالم میں بولی۔

"عامر جی! کیا ہوا' معاملہ کچھ زیادہ گڑبڑ تو نہیں ہے؟"

"اگر ہو بھی' سریتا جی! تو کیا ہم اس سے بھاگ جائیں گے؟۔۔۔ نہیں' ایسا ہوگا نہیں۔ تم اطمینان رکھو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی۔ پھر فوراً ہی بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

"سریتا! میں ابھی تھوڑی دیر بعد شیتل ورما سے ملنے والا ہوں لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اس سے کہاں ملوں؟"

"بہتر تو یہی ہوگا کہ آپ اسے اپنے گیسٹ ہاؤس ہی میں ملیں لیکن اگر آپ اس سے باہر ہی ملنا چاہتے ہیں تو آپ کی ملاقات پر منحصر ہے کہ وہ کیسی ہوگی؟" وہ کچھ دیر سوچ کر بولی۔

"مطلب۔۔۔؟" میں نے کچھ کچھ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ اگر محض باتیں ہی کرنا ہیں تو کہیں کھلے میں بیٹھ جائیں اور اگر۔۔۔" یہ کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے خاموش ہو گئی' پھر تیزی سے بولی۔ "جوہو ساحل پر کئی ایسے ہوٹل ہیں' ساحل پر بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ کہیں تو ادھر گارڈن بھی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی تو ماحول قدرے ہلکا پھلکا ہو گیا۔ تب میں نے شیتل ورما کا نمبر تلاش کیا اور اسے کال کی۔ شاید وہ میرے انتظار میں ہی تھی' فوراً ہی کال رسیو کر لی۔ ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد میں نے کہا۔

"جوہو ساحل تک آتے ہوئے تمہیں کتنا وقت لگے گا---؟"

"یہی کوئی بیس پچیس منٹ' میں اپنی گاڑی میں آؤں گی۔"

"ایسا کرو' سن اینڈ سینڈ ہوٹل کے مین گیٹ تک آؤ---"

"او کے' میں آ رہی ہوں---"

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے سریتا کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"مجھے سن اینڈ سینڈ کے سامنے اتار دینا۔" میں نے اس سے کہا۔

"کیا مطلب---- میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاؤں اور آپ---"

"میں آ جاؤں گا' شہر میں تھوڑی ٹیکسیاں ہیں' پھر شیتل کی اپنی گاڑی ہے---"

میں نے اسے سمجھایا تو خاموش ہو گئی' تھوڑی دیر تک وہ یونہی خاموش رہی پھر اونچی آواز میں کیسٹ پلیئر آن کر دیا' یہاں تک کہ ہوٹل آ گیا۔ اس نے مجھے اتارا اور دھیمی سی مسکراہٹ سے "بائے" کہہ کر چل دی۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ تب میں نے پرنس کے نمبر ملائے' چند لمحوں بعد اس نے فون رسیو کر لیا۔

"جی' عامر صاحب---!"

"تمہاری سلطنت میں ایسی کوئی محفوظ جگہ ہے جہاں ہم کسی گل بدن ماہ جبیں کے ساتھ تھوڑا وقت رنگین کر سکیں؟"

"ارے واہ' میرے راجہ! بھارتی حسن نے تم پر بھی جادو کر ہی دیا پر ایسا بھی کیا' یہ کون سا پاکستان ہے کہ تمہیں کوئی خفیہ جگہ تلاش کرنا پڑے گی۔ کسی بھی ہوٹل کے کمرے میں موج کرو۔"

"تم سمجھے نہیں--- میں اس کنیا سے پہلی بار مل رہا ہوں' ہو سکتا ہے کہ وہ زہریلی ثابت ہو' مجھے گھیر رہی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایسی بات ہے تو---" یہ کہہ کر اس نے مجھ سے میری لوکیشن پوچھی۔ میں نے بتائی' پھر بولا۔

"یہیں جنرل ماترے روڈ پر ایک بنگلہ ہے' ہر طرح سے محفوظ ہے۔ میں لڑکوں کو بھیجتا ہوں' وہ تمہیں وہیں لے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں انتظار کر رہا ہوں اور ہاں' یہ اردن گولی کون ہے؟"

میں نے پوچھا تو اس نے مجھے وہی کچھ قدرے تفصیل سے بتایا جو اشوک مجھے پہلے بتا چکا تھا۔

"چلو' اسے بھی دیکھتے ہیں---" یہ کہہ کر میں نے تھوڑی دیر اور باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔

میں اس وقت ہوٹل کی لابی میں تھا جب یکے بعد دیگرے شیتل اور پھر پرنس کا فون آیا شیتل باہر پہنچ چکی تھی اور پرنس کے آدمی بھی آ چکے تھے۔ اس نے مجھے گاڑی نمبر بتایا تو میں ویسے ہی فون سنتا ہوا باہر آ گیا۔ میں نے دور ہی سے شیتل کی ماروتی دیکھ کر نمبر اسے بتا دیئے اور فون بند کر دیا۔ وہ

مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پرنس کے لڑکوں کی طرف دیکھا' وہ ہم سے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے تھے۔ میں جب شیتل کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تو وہ میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

"مجھے اب بھی یہی لگ رہا ہے کہ جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں---

"ہاں--- خوابوں جیسے لمحے بہت یاد آتے ہیں' یہی زندگی میں حسن بھرتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"کہاں جانا ہے یا میں آپ کو لے چلوں؟" اس نے پوچھا۔

"تم گاڑی بڑھاؤ' کہیں نہ کہیں تو چلیں گے---"

میں نے کہا تو اس نے گاڑی بڑھا دی' تبھی پرنس کے لڑکوں نے بھی گاڑی بڑھا دی اور ہم سے آگے ہو گئے۔ میں نے شیتل سے اس گاڑی کے پیچھے چلنے کو کہا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے سفر کے بعد ہم اس عالی شان بنگلے کے سامنے پہنچ چکے تھے جس کے آگے ان کی گاڑی رک چکی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد گیٹ کھل گیا' پھر دونوں گاڑیاں پورچ میں جا رکیں۔ اس دوران میں نے شیتل کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی' وہاں سپاٹ چہرہ تھا۔ ہر طرح کے جذبات سے بے نیاز--- اس نے گاڑی بند کی اور ہم دونوں گاڑی سے اتر آئے۔ سفید پتھروں سے بنا وہ بنگلہ اگرچہ اجاڑ نظر آ رہا تھا لیکن اپنی بناوٹ اور طرز تعمیر میں خاصا عالی شان تھا۔ لڑکے فوراً ہی ادھر ادھر چلے گئے اور ہم برآمدے میں آ گئے۔ تبھی ایک بوڑھی خاتون ہمارے استقبال کے لئے باہر آئی۔ سفید بالوں والی اس خاتون نے وکٹورین عہد کا لباس پہنا ہوا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے انگریزی ہی میں بات کی۔

"خوش آمدید' بچو! بہت عرصے بعد میرے گھر میں رونق رہے گی--- آؤ' اندر آ جاؤ۔"

ہم دونوں اندر بڑھ گئے۔ اس بنگلے کی اندرونی سجاوٹ بھی پرانے طرز کی تھی جیسے وقت اس بنگلے کے باہر ہی باہر گزر گیا ہو اور اس بنگلے کے اندر وقت ٹھہر گیا ہو۔ ہمارے بیٹھتے ہی وہ بوڑھی خاتون بھی ہمارے ساتھ دھرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میرا نام سیلینا جارج ہے' میرے ساتھ یہاں چند ملازم رہتے ہیں' وہی لوگ تمہاری دیکھ بھال کریں گے۔"

"بہت شکریہ---"

میں نے کہا تو وہ ہنس دی۔ اتنے میں ایک ادھیڑ عمر سی ملازمہ آ گئی۔

"آپ لوگ جاؤ' اوپری منزل پر بہت اچھی خواب گاہ ہے۔"

اس نے کہا تو ادھیڑ عمر ملازمہ نے قدرے جھک کر ہمیں ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم اٹھ گئے اور پھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپری منزل کے ایک کمرے کے باہر آ گئے۔

"آپ کھانا کس وقت کھائیں گے---؟" ادھیڑ عمر ملازمہ نے پوچھا۔

”جب تیار ہو جائے---“ میں نے کہا۔

”دو گھنٹے بعد---“

اس نے مختصراً کہا اور واپس مڑ گئی تو میں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور ہم اندر چلے گئے۔ دھیمی دھیمی روشنی میں وہی وکٹورین عہد کی شاہانہ خواب گاہ‘ آف وائٹ دیواروں کے رنگ جیسے مہین پردے چھت تک لٹکتے پورے بیڈ کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ سیاہ لکڑی کا فرنیچر اور آف وائٹ کپڑے کا امتزاج بہت حد تک خواب ناک لگ رہا تھا۔

”واؤ--- بہت خوبصورت‘ حیرت انگیز---“

شیتل نے بے اختیار کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھا‘ وہ کھوئی کھوئی سی دکھائی دے رہی تھی۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا تو میرے سامنے وہ بھی بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے ہی کہا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہماری پہلی ملاقات اس شاندار ماحول میں ہو گی---“

”ہاں--- مگر جذبے شاندار ہونے چاہئیں‘ ماحول چاہے جیسا بھی ہو---“ میں نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں‘ یہ جذبے ہی تو ہیں جو انسان کو پاگل پن کی حد تک لے جاتے ہیں---“ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور سامنے لگی وارڈ روب کھولنے لگی۔ اس میں کئی طرح کے لباس ٹنگے ہوئے تھے۔ شیتل انہیں دیکھتی رہی اور مایوس ہو کر واپس پلٹ آئی‘ شاید اسے اپنے مطلب کا کوئی لباس نہیں ملا تھا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ ”آپ نہا لیں---“

میں اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ اچھی طرح فریش ہونے کے بعد میں باہر آیا تو شیتل باتھ روم جانے کے لئے تیار تھی۔ میں بیڈ پر آکر لیٹ گیا۔ کافی دیر کے بعد وہ باہر آئی‘ اس کے بالوں میں تولیہ لپٹا ہوا تھا اور محض مختصر سے لباس میں ہی تھی۔ وہ اس وقت اپنے بال خشک کر رہی تھی جب پرنس کا فون آ گیا۔

”ماحول ٹھیک ہے‘ عامر جی؟“

”بالکل--- تم سناؤ؟“

”باہر بھی ٹھیک ہے۔ لڑکوں نے بتایا‘ کوئی بھی آجو باجو نہیں تھا۔ بہرحال تم موج کرو‘ لڑکے ادھر ہی رہیں گے۔“

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے سیل فون ایک طرف رکھا تو شیتل میرے پاس بیڈ پر آ گئی۔ وہ کتنی ہی دیر تک میری طرف دیکھتی رہی اور میں اس کے چہرے کی طرف--- اس کا چہرہ خمار آلود ہو جانا چاہئے تھا لیکن وہاں پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا‘ تبھی وہ بولی۔

”عامر جی! آپ ضرورت سے زیادہ ہی محتاط ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے لیکن اتنا بھی نہیں کہ

دوسرا محسوس کرے---"

"برا مت ماننا' شیتل! کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا؟"

"آپ نے غلط نہیں کیا' حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہئے--- میں کون ہوں' کیا ہوں اور کیسی ہوں' یہ آپ کو نہیں پتہ۔ میرے بارے میں محتاط ہونا ہی تھا آپ کو۔ آپ جیسے جذبے اگر میں بھی رکھتی تو میں بھی ہزار بار محتاط ہوتی---"

"میں تمہاری بات نہیں سمجھا---؟"

"ویری سمپل' عامر جی! میں نے آپ کی ذات میں کشش محسوس کی ہے' اتنی کہ میں بتا نہیں سکتی۔ جیسے کوئی معصوم بچہ اپنے کسی پسندیدہ کھلونے کے لئے مچل اٹھے۔ پہلی ملاقات سے لے کر اب تک میں نے آپ کو بہت زیادہ نظرانداز کرنے کی کوشش کی' بہت بہلایا اپنے آپ کو مگر میرا دل آپ کے لئے ہمکتا رہا--- مجھے اپنی پسند پہ ناز ہے کہ میری نگاہ انتخاب میں کوئی معمولی شخص نہیں رہا' یہ یقین مجھے یہاں آکر ہوا ہے۔"

"کیسے---؟" میں نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی کہ آپ کیا ہیں اور کس قدر گہری شخصیت رکھتے ہیں لیکن احساس ہو گیا ہے کہ آپ ہیں۔ اس ممبئی نگر میں اکیلی لڑکی کا باہر نکلنا بہت مشکل ہے' کسی لڑکی میں جان ہوگی تو ہی وہ اپنا آپ بچا پائے گی ورنہ قدم قدم پر چیرنے پھاڑنے والے موجود ہیں۔ میں خود کو بہت مضبوط لڑکی سمجھتی ہوں لیکن اک مدت بعد کوئی چہرہ میری کمزوری بنا اور میں بلاجھجک یہاں آگئی کیونکہ میں آپ پر فدا ہوں۔ میرے دل میں آپ کے لئے محبت ہے اور اسی محبت کے زیراثر میں بلاخوف و خطر یہاں آگئی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کے دل میں میرے لئے محبت نہیں ہے اور میں آپ کو مجبور بھی نہیں کروں گی کہ مجھ سے محبت کریں لیکن اپنے ہونے کا احساس دے دیں---"

"شیتل! تم ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ گئی ہو۔ تمہیں احساس ہے کہ تم نے کیا کچھ کہہ دیا ہے؟"

"میں شاید نہ کہتی اگر آپ مجھے عام سی جگہ پر' عام سے انداز میں ملتے--- بہرحال میں اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میری آنکھیں ہر طرف سے بند ہیں' صرف آپ کے لئے کھلی ہیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے' تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو۔ میرے محتاط ہونے کا مطلب تم میرے بارے میں جرائم پیشہ---"

"بھگوان کے لئے ایسا نہیں---" وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔ "پلیز' آپ میرے بارے میں بدگمان مت ہو جائیے گا۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"میں اب تک نہیں سمجھ پایا' تم کہنا کیا چاہ رہی ہو---؟"

"تو سنیں--- میں کالج لائف میں منشیات ادھر ادھر کرنے لگی تھی۔ اس کے عوض مجھے دو چیزیں میسر تھیں' رقم اور تحفظ--- کئی لڑکوں نے عشق تو جھاڑا لیکن میری پشت پر جو لوگ تھے' ان کی وجہ سے میں محفوظ رہی۔ میں کوئی اکیلی لڑکی نہیں تھی' میرے جیسی کئی تھیں۔ میری خواہش تھی کہ میں ایئر ہوسٹس بنوں' تو بن گئی۔ یہ ان لوگوں کے لئے معمولی بات تھی۔ میں اب بھی ان کے لئے کام کرتی ہوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی طاقت کا اندازہ ہو گیا۔ وہ صرف ممبئی تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے کاروبار مختلف ملکوں تک پھیلے ہوئے ہیں اور میں صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہوں۔ میری زندگی میں دو چار لڑکے ہی ایسے آئے ہیں جنہیں میں نے پسند کیا اور انہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دیا' ایسا کرنا میری مجبوری تھی۔ میں نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کو پا لینے کی تمنا نے میرے اندر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ میں آپ کو بھول ہی نہ پائی۔ پہلی بار مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور یہ بھی یقین تھا کہ آپ ایسا قطعاً" محسوس نہیں کریں گے۔ میرا گمان یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کوئی عام سے شخص نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ عام سے ہوتے تو میں آپ کے ساتھ اچھا وقت گزار کر گم ہو جاتی--- میں نے اپنا آپ کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور قطعاً" یہ جاننے کا مطالبہ نہیں کروں گی کہ آپ کیا ہیں؟ بس مجھے اپنے ساتھ کا احساس دے دیں۔"

"کیسا احساس---؟"

"یہی کہ مجھے آپ سے محبت ہے جو بلاشبہ لاشعوری ہوتی ہے۔ آپ مجھ سے دوستی کر لیں جو شعوری ہوتی ہے---"

"شعوری باتیں تو بہت سوچ سمجھ کر ہی کی جاتی ہیں اور اس کے لئے وقت چاہیئے ہوتا ہے---"

"ہاں' یہی--- یہی کچھ تو میں آپ سے کہنا چاہ رہی تھی۔ یقیناً آپ شیتل ورما کے بارے میں معلوم کرواتے کہ آخر یہ کون لڑکی ہے' کس مقصد کے تحت یوں بڑھ رہی ہے اور آپ کو معلوم ہوتا کہ میں انڈر ورلڈ مافیا سے تعلق رکھتی ہوں تو یا تو آپ مجھے قتل کروا دیتے یا پھر میرے لئے گم ہو جاتے جبکہ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی' کسی بھی قیمت پر--- اسے آپ میرا پاگل پن کہہ لیں' جذباتی پن کہہ دیں یا احمق پن---"

"تم بھی تو میرے بارے میں متجسس ہو سکتی ہو---؟"

"ہاں--- لیکن مجھے ضرورت ہی نہیں ہے' مجھے صرف آپ چاہئیں۔ اس طرح محتاط ہو کر ملنے سے تو اور اچھا ہے کہ میرے لوگوں کو پتہ نہیں چلے گا۔ میں اس وقت کسی بھی ایسی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ آپ کو یقین دلا سکوں مگر ہاں' وقت بتائے گا کہ میں کیا ہوں---"

اس نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو میں نے اس کے گال پر اپنی ہتھیلی رکھتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے حیران کر رہی ہو۔"

اس نے اپنی ہتھیلی میرے ہاتھ پر رکھ دی اور آنکھیں بند کر کے کہا۔

"لیکن میں اب سکون محسوس کر رہی ہوں۔۔۔ کتنا دلربا کھیل ہے یہ کہ میں آپ کو اپنی محبت کا احساس دلاؤں اور پھر یقین دلانے میں اپنی پوری توانائی لگا دوں۔ کتنا مزہ آئے گا کہ جسے میں چاہ رہی ہوں' وہ مجھ پر شک کرتا ہے۔ کوئی تعلق تو ہو گا۔۔۔" خواب ناک لہجے میں سب کہتے ہوئے وہ پورے بدن سے جھنجھنا رہی تھی۔ اس کے سانولے بدن کا روم روم اپنے ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ جذبوں کی جھیل میں لہروں کی مانند پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی اور ہذیانی انداز میں دھیرے دھیرے کہتی چلی جا رہی تھی۔ "آپ شاید عورت کو نہیں سمجھتے۔ وہ جب اپنا آپ وارنے پر آئے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔ آپ کون ہو' کیا ہو' میں نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ پوری دنیا میں میرا دل صرف آپ پر آیا ہے۔ مجھے نہیں پتہ' آگے کیا ہو گا لیکن بس آپ میرے ہیں' میری ساری سوچیں' میری پرارتھنا' ساری طاقت صرف آپ کے لئے ہو گی۔ آپ میرے ہیں۔۔۔ آپ میرے ہیں۔۔۔ آپ میرے ہیں۔"

آخری لفظ کہتے ہوئے اس کی آواز معدوم ہوتی چلی گئی جیسے وہ خوابوں کے انجان جزیرے میں پہنچ گئی ہو۔ میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا' وہ پگھلتی چلی گئی۔ میری حالت بھی کچھ اس سے مختلف نہیں تھی۔ جذبات کی جھیل میں لہریں بے قابو ہوتی چلی گئیں جنہیں سنبھلنے اور پھر شانت ہو جانے میں اچھا خاصا وقت لگ گیا۔ ابھی لہروں کے بکھر جانے کے اثرات ماحول میں موجود تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی' بے خودسی شیتل نے خمار آلود نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور پھر خود پر چادر اوڑھ لی۔ میں نے پوچھا۔

"کون۔۔۔؟"

"اگر آپ کی اجازت ہو تو کھانا لگا دیا جائے۔۔۔؟" دروازے کے پار ملازمہ تھی۔

"ہاں۔۔۔ مگر دس منٹ بعد۔۔۔" میں نے کہا اور اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔

✿✿

وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب میری آنکھ کھلی۔ میں نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی' اس وقت صبح کے تین بج رہے تھے۔ میں نے کروٹ لی تو شیتل بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ میں خالی الذہن سا کتنی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میں نیند سے بیدار کیوں ہوا تھا؟ مجھے پیاس لگی تھی' میں اٹھا اور قریب پڑی میز پر سے جگ اٹھا کر منہ کو لگا لیا۔ جگ واپس رکھ کر میں نے بیڈ کی طرف دیکھا' وہ اسی کروٹ پڑی ہوئی تھی۔ میں نے شرٹ پہنی اور باہر بالکونی میں آ گیا۔ بلاشبہ بارش جی بھر کے ہوئی تھی' اردگرد پانی اور ہوا میں شدید نمی سے اندازہ ہو سکتا تھا۔ مجھے بھیگی

بھیگی ہوا اچھی لگنے لگی تھی۔ میں کتنی دیر تک وہیں کھڑا رہا اور میرے خیالات کی رو شیتل کی طرف مڑ گئی--- وہ میرے لئے قدرے حیرت رکھتی تھی۔ اس نے پہلی ملاقات میں ہی اپنا سب کچھ میرے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جو یا تو واقعی مخلص ہوں یا پھر انتہائی چالاک۔ میں ان لمحوں میں اس کے لئے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مخلص ثابت ہوگی یا چالاک' اس کا فیصلہ تو وقت نے ہی کرنا تھا۔ جس طرح اس نے اپنے اندر ابلتے ہوئے لاوے' اٹھتے ہوئے طوفان اور جذبوں کی شدتوں سے آشنائی دی تھی۔ اس سے قدرے اندازہ ہو پا رہا تھا کہ وہ میری لئے میٹھے احساس رکھتی ہے۔ حالات کی شدتیں ہی کچھ اس طرح کی ہو گئی ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا' دوسرا اپنے من میں کیا چھپائے پھرتا ہے۔ کوڑیالے' زہر بھرے ناگ یا خوبصورت جذبوں کی خوشبوئیں' مفادات کے جال یا خلوص بھری آزادیاں' لالچ و حسد کے شیشے یا شگفتہ رفاقتوں کی رعنائیاں' کون کیا چھپائے پھرتا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں کہا جا سکتا اور شاید زندگی اسی کا ہی نام ہے--- میں نجانے کتنی دیر تک اس بالکونی میں کھڑا رہا۔ مشرق کی جانب نارنجی رنگ آسمان پر پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ میں شاید خیالوں کی دنیا میں کہیں اور نکل جاتا کہ مجھے اپنی گردن پر نرم و گرم انگلیوں کا احساس ہوا۔ وہ پوریں میری گردن سے میرے گالوں تک آئیں اور پھر پورا بدن میرے ساتھ لگ گیا' تبھی ہولے سے شیتل کی آواز آئی۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ---؟"

میں دھیرے سے مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"بس یونہی' نیند نہیں آ رہی تھی تو ادھر کھلی ہوا میں آ گیا۔"

اس نے فضا میں خوشگواریت محسوس کرتے ہوئے خمار آلود لہجہ میں کہا۔ "ہاں--- بہت اچھا لگ رہا ہے یہاں---"

"چلو آؤ' شیتل! اب چلیں یہاں سے---

میں نے کہا تو جیسے اس پر اوس پڑ گئی۔

"یہ وقت اتنی جلدی گزر جائے گا---؟" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"وقت کا کام ہی گزر جانا ہے' میری جان! اور اس کا پیغام ہی یہی ہے کہ میرے ساتھ چلو---"

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بیڈ روم میں لے آیا۔ مجھے تیار ہونے میں چند منٹ لگے جبکہ شیتل نے تھوڑا وقت لیا۔ اس وقت ہم سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہے تھے کہ میری نظر ڈرائینگ روم میں بیٹھی ادھیڑ عمر ملازمہ پر پڑی جس کے پاس پرنس کے دو لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ ہمارے انتظار میں ہی تھے' وہ ہمیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ میں ان کے قریب گیا اور ملازمہ سے کہا۔

"ہم جا رہے ہیں۔ میڈم سیلینا سے کہئے گا' ہم ان کا بہت زیادہ شکریہ ادا کرتے ہیں--- میں پھر کبھی آؤں گا۔"

اتنا سنتے ہی وہ ملازمہ ذرا سا جھکی اور وہ لڑکے باہر کی طرف چل دیئے۔ ہماری گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی گیٹ پار کر گئیں۔ میں نے عادت کے مطابق اردگرد کسی مشکوک "شے" کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ کافی دور تک جانے کے بعد میں نے شیتل کو رک جانے کا کہا۔

"بس مجھے اتار دو' میں یہاں سے پیدل چلا جاؤں گا۔۔۔"

"یہاں کہیں قریب ہی رہتے ہیں آپ۔۔۔؟" اس نے بریک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کسی دن لے چلوں گا وہاں پر۔۔۔"

یہ کہہ کر میں نے دروازہ کھولنا چاہا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا' پوری شدتوں سے میری ہتھیلی کی پشت چوم لی اور بھیگی ہوئی پلکوں سے بولی۔

"نہیں پوچھوں گی کہ اب کہاں اور کب ملنا ہے؟"

میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور نیچے اتر آیا۔ تب اس نے ماروتی آگے بڑھالی۔ میں نے لڑکوں کو جانے کا اشارہ کیا اور خود جوہو بیچ کے اس پوائنٹ کی طرف بڑھنے لگا جہاں سریتا جوگنگ کے لئے آئی تھی۔

سریتا مجھے یوں ساحل پر دیکھ کر ذرا سا چونکی' قدرے حیران ہوئی اور پھر مسکرا دی۔ میرے قریب آکر شرارت سے بولی۔

"آپ تو یوں تروتازہ ہیں کہ جیسے رات بھر سوئے رہے ہیں۔۔۔

"میں سویا ہی رہا ہوں' اس لئے ہی تروتازہ ہوں۔۔۔"

میں نے اسی کے لہجے میں کہا تو اس نے میرے پیروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لیکن شوز کے ساتھ تو آپ جوگنگ نہیں کر سکتے۔۔۔"

"اگر اجازت ہو تو یہ شوز اتار کر ننگے پیر تھوڑی دیر کے لئے ساحل پر چہل قدمی کر لوں؟"

"اجازت ہے۔۔۔"

اس نے شاہانہ انداز میں کہا اور ہنستے ہوئے چل دی۔ جب تک وہ واپس آئی' میں ایک سنگی بینچ پر بیٹھا ناریل پانی پی چکا تھا۔

✿✿

اس صبح مجھ سے پہلے شاردا اپنے آفس پہنچ چکی تھی۔ اس کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔ میں اپنے آفس جانے کی بجائے اس کی طرف چلا گیا۔ اس کے سامنے سنیل بھاٹیہ کھڑا تھا اور وہ اس پر گرم ہو رہی تھی' مجھے دیکھ کر بھی وہ نہ رکی اور کہتی چلی گئی۔

"یہ یاد رکھو کہ میں ہی تمہاری باس ہوں۔ کوئی بھی تم سے کوئی چیز مانگے' کیسا بھی ریکارڈ ہو' اسے پہلے میری نگاہ سے گزرنا ہے۔ میں نے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کسی کو دینا ہے یا نہیں۔۔۔"

"یس' میڈم---!" وہ آہستہ سے بولا۔ اس دوران میں اس کے سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

"--- اور ہاں' تم نے اسی تنخواہ میں کام کرنا ہے' کر سکتے ہو تو کرو ورنہ یہاں سے جاؤ' مجھے بہت سارے اکاؤنٹینٹ مل سکتے ہیں۔"

"یس' میڈم! جیسا آپ چاہیں---" اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو---"

اس نے کہا تو سنیل بھاٹیہ فوراً مڑا اور دفتر سے باہر چلا گیا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس بے چارے پر اتنا عتاب کیوں--- تم نے جو کچھ کہنا ہے' سیدھے مجھ سے کہو؟"

"دیکھو' عامر! بہت ہو چکا' میں نے تمہیں جو کچھ کہنا تھا' وہ کہہ چکی---"

"شاردا! تم نے شاید میرے بارے میں راہول سے تفصیلاً نہیں پوچھا' اگر پوچھ لیتیں تو وہ تمہیں بتاتا کہ میں ضد کا کتنا پکا ہوں۔ اگر تمہارا رویہ میرے ساتھ ایسا رہا تو میری رائے تمہارے بارے میں منفی ہی رہے گی' کبھی مثبت نہیں ہوگی۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تمہاری رائے میرے بارے میں کیا ہے؟"

"دیکھو' جب تک میں یہاں پر ہوں' راہول بھارت نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ویسے بھی یہاں نہیں آنے والا' وہ اپنا مستقبل وہیں لندن میں بنا چکا ہے۔ اسے تم لوگوں کا درد تھا تو اس نے مجھے یہاں بھیجا---"

اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم کہہ رہے ہیں کہ تم جاؤ' ہمیں تمہاری ضرورت نہیں---"

"میں اگر چلا گیا تو وہ یہاں آجائے گا اور یہ ضروری بھی نہیں کہ میں جاؤں' یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ راہول لاج ہی میں رہے۔ راہول لاج میں رہنے پر پابندی ہے' بھارت آنے میں تو نہیں۔ یہ میرا وعدہ رہا کہ تم نے جو باتیں بھی مجھ سے کہی ہیں' وہ میں اسے نہیں بتاؤں گا۔" میں نے اسی لہجے میں کہا تو وہ یکدم نرم پڑ گئی۔ میں نے لوہا گرم دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کمل جیت انڈسٹریز کے ساتھ معاملات کی فائل کیوں منگوائی' تمہیں بھی پتہ ہے اور مجھے بھی--- یہ راز' راز بھی رہ سکتا ہے۔ بہت ممکن ہو سکتا ہے اگر تم میرے ساتھ دوستی کر لو۔ آج میں خود تمہاری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہوں' یہ اچھی طرح سوچ لینا---"

"میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتی ہوں جبکہ---"

"پیسہ بہت بڑی طاقت ہوتی ہے' میڈم! راہول نے مجھے پیسہ دیا' میں یہاں آگیا۔ اس کا مسئلہ صرف اتنا ہے کہ کروڑوں کا نقصان کیسے ہوا؟ اس کی وجہ کچھ بھی بتائی جا سکتی ہے۔ کاروبار فائدے میں چلا آئے تو وہ یہاں کیوں آئے گا اور رہی سریتا تو اسے جتنی جلدی ہو سکے' بیاہ دو یا پھر اسے اتنا دیتی

رہو کہ وہ کاروبار سے دور رہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سارے راستے ہیں۔ اس مارا ماری میں نقصان تمہارا ہی ہونے والا ہے۔ اگر کمل جیت تمہارے ساتھ اتنا ہی مخلص ہوتا تو خود سامنے آتا' تمہارے ہی پیسے سے کرائے کے لوگوں کو آگے نہ کرتا۔۔۔"

میں نے نرم لہجے میں جذباتی انداز سے کہا تو اس نے پہلی بار بھرپور نگاہوں سے میری جانب دیکھا کیونکہ میں نے پہلی بار اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ یہاں نہیں آئے گا۔۔۔؟"

"میں نے کہا نا' کہ وہ اپنا کاروبار وہیں پر جما چکا ہے۔ سمرن کا پیسہ ہی اتنا ہے۔۔۔ ہاں' وہ اس وقت یہاں آئے گا جب تمہارا کاروبار مستقل نقصان میں جائے گا۔ جب بھی تمہارا باپ پرلوک سدھارے گا' تب تو وہ آئے گا' اس کی چتا کو آگ دکھانے کے لئے اور اگر یہ انہی دنوں میں ہو گیا تو پھر کیا کرو گی؟۔۔۔ یہاں اس کا صرف سریتا کے ساتھ رابطہ ہے' وہ اسے کچھ بھی کہہ سکتی ہے اور تمہیں پتہ ہے کہ میں جو چاہوں' اس سے کہلوا سکتا ہے۔۔۔" میں نے حالات کا اک نیا رخ اسے دکھایا تو وہ بے چین سی ہو گئی' اس سے کچھ بھی نہ کہا گیا تو میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "کبھی بھی دوسروں کے سہارے لڑائی نہیں لڑتے۔ کمل جیت باہر بیٹھ کر تمہارے گھر کو میدان جنگ بنائے ہوئے ہے' اس لئے سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔۔۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا بلکہ وہاں سے سیدھا سنیل بھاٹیہ کے پاس آ گیا۔ اس نے انتہائی مغموم نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔

"یہ سب کیسے ہوا۔۔۔؟"

"میں نہیں جانتا' سر! یہیں سے کسی نے کوئی بات پہنچائی ہو گی۔"

"خیر' تم فائل تیار کرو لیکن اس کی ایک کاپی الگ سے بناؤ۔ کاپی مجھے دے دینا اور فائل سیدھی میڈم کے پاس لے جانا۔" میں نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا اور واپس اپنے آفس آ گیا۔

ہندوؤں کی ایک رہنما کتاب ارتھ شاستر ہے جو زمانہ قدیم میں لکھی گئی مگر اس سے رہنمائی اب بھی لی جاتی ہے۔ اس کتاب میں حکومت کرنے کے راز بیان کئے گئے ہیں۔ پوری کتاب کا مطالعہ کر لینے کے بعد ایک باضمیر اور انصاف پسند شخص کی طبیعت اوب کر رہ جاتی ہے کہ اس کتاب میں جسم پر حکومت کرنے کے راز بیان کئے گئے' دل جیتنے کی کہیں کوئی بات نہیں۔ پوری کتاب منفی ذہنیت کی عکاس ہے۔ سازش' منافقت اور ظلم کی بنیاد پر حکمرانی کا انداز سکھایا گیا ہے۔ اسی کتاب کا ایک گر یہ بھی ہے کہ جب تم کسی دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکو تو اس کے ساتھ دوستی کر لو اور پھر دوستی کی آڑ میں اسے ختم کر کے رکھ دو۔ میں نے یہی اصول شاردا کے سامنے رکھ دیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق اس اصول کو ضرور اپنائے گی۔ میری اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی' وہ ہی مجھ

اپنا دشمن گردان رہی تھی۔ اصل میں وہ نہ تو دشمن تھی اور نہ ہی دوست' وہ تو میرے اور کمل جیت کے درمیان رولنگ سٹون تھی۔ وہ اب تک اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا چلا آ رہا تھا' مجھے اب وہی ہتھیار اس کی طرف آزمانا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائے' میں خود اسے اپنے ہاتھوں میں کیوں نہ لے لوں؟ میں ایک مخصوص قسم کی سوچ اس کے سامنے رکھ آیا تھا اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ میری بات مان لیتی ہے اور میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا لیتی ہے تو میرا راستہ آسان ہو جانے کی پوری توقع تھی ورنہ راہیں تو پہلے ہی دشوار گزار تھیں اور مجھے ان کے پار اترنا تھا۔ میں ان کے معاملات میں اتنا زیادہ گہرائی تک نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ میرا اپنا مقصد تھا اور میں جتنی جلدی ممکن ہوتا' شردچندر اگاشی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ان چند دنوں تک مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ اب یہ ممکن نہیں تھا کہ میں بھارت آگیا تھا اور اس تک پہنچنا ناممکن ہوتا۔ مجھے خود پر پورا اعتماد اور اللہ پر بھروسہ تھا۔

وہ دوپہر سے ذرا پہلے کا وقت ہوگا۔ میں اپنے کام میں مصروف تھا کہ آفس کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور ایک ٹپوری قسم کا شخص اندر آگیا۔ اس نے جین کی پتلون اور پیلے رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی' وہ آتے ہی بڑی بے تکلفی سے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور لگاتار میری طرف دیکھنے لگا۔ میں جب کچھ نہ بولا تو اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا' اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر لائیٹر سے سلگایا اور دھواں میری طرف پھینک کر بولا۔

"ڈیڈی نے بھیجا ہے۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ کون ڈیڈی؟ کیونکہ میں سمجھ گیا تھا کہ اسے ارون گولی نامی غنڈے نے بھجوایا ہے اور بلاشبہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ہی بات کرنے والا تھا لہٰذا میں کوئی بات کئے بنا اٹھا' اسے گریبان سے پکڑا اور دروازے میں دے مارا۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں رسید کی' وہ ڈکراتا ہوا باہر جا پڑا۔ تبھی چند لوگ اس کی مدد کو پہنچے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ کرتے' میں نے اس لڑکے کو فرش پر سے اٹھایا اور برآمدے سے آگے کھلے میں پھینک دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ میری جانب بڑھتے' میں نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا' وہ سب سہم کر کھڑے ہو گئے۔

"ادھر' کھلے میں۔ سبھی۔۔۔" میں نے اشارے سے کہا اور جس جیپ میں وہ آئے تھے اس کے ٹائروں کے نشانے لے کر فائر کرتا رہا۔ چاروں ٹائر برسٹ کرنے کے بعد میں نے کہا۔ "یہ فائر تمہاری کھوپڑیوں میں بھی ہو سکتے ہیں' اس لئے سیدھے آرام سے کھڑے رہو اور اپنے ہاتھ اوپر کر لو۔" یہ کہہ کر میں مڑا اور اسی پہلے نوجوان کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے کافی چوٹیں آ چکی تھیں۔ اس لئے کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔ "اب بولو۔۔۔ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

"ڈ۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔ نے۔۔۔"

"کیا کہتا ہے وہ۔۔۔؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ لڑھک گیا۔ تبھی میں نے دیکھا' دفتر کے عملے کے ساتھ ملز ایریا سے بھی کئی لوگ آ گئے۔ تبھی شاردا بر آمدے میں دکھائی دی' میں نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا اور پھر اس نوجوان کو اٹھا کر کہا۔

"بولو' تمہارے ڈیڈی کا نمبر کیا ہے؟ میں خود اس سے بات کر لیتا ہوں۔۔۔"

میں نے اپنا سیل فون نکال لیا تو شاردا تیزی سے میری جانب بڑھی۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔

"کون لوگ ہیں یہ۔۔۔؟"

"کسی ڈیڈی کے آدمی ہیں۔۔۔"

"تم کیا کرنے لگے ہو۔۔۔؟" اس نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں ان کے ڈیڈی سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ پوچھوں تو وہ کیا کہنا چاہتا ہے' یہ تو بات نہیں کر رہے۔"

"انہیں جانے دو' میں خود بات کر لیتی ہوں۔۔۔"

اس نے دھیرے سے کہا تو میں نے فون جیب میں ڈال لیا اور انہیں جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ چشم زدن میں اپنی جیپ تک پہنچے۔ برسٹ ٹائروں کے ساتھ ہی وہ وہاں سے بھاگ گئے' میں دھیرے قدموں سے اپنے آفس چلا گیا۔

✿✿

اس وقت میں آفس سے اٹھنے کے لئے پر تول رہا تھا کہ سنیل بھاٹیہ فائل لے کر آ گیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی' اس نے فائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اصل فائل ہے' میڈم نے آپ کے پاس بھجوائی ہے۔۔۔"

"ٹھیک ہے' بھاٹیہ! تم پریشان مت ہونا۔۔۔"

"نہیں' سر! میں پریشان نہیں ہوں۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے سلام کیا اور واپس مڑ گیا۔ میں نے سرسری نگاہ سے وہ فائل دیکھی اور پھر اپنے ساتھ ہی اٹھا کر باہر آ گیا۔ انہی لمحوں میں مجھے اپنا راستہ آسان ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور سے ہسپتال جانے کے لئے کہا۔۔۔ میں اشوک کے پاس پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر اٹھ بیٹھا' اس کے دوست بھی میرے اردگرد آن کھڑے ہوئے۔

"کیسا ہے رے' تو۔۔۔؟"

میں نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"عامر جی! آپ بھی ہم ٹپوریوں کی زبان بولنے لگے۔"

"ارے دوست بھی تو تمہارا ہوں۔۔۔"

میں نے اس کے بازو پر مکہ مارتے ہوئے کہا تو اس نے پیار سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔۔۔ ہم کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ یوں کافی دیر تک گپ شپ کرتے رہنے کے بعد میں اٹھ گیا۔

✿✿

میں گیسٹ ہاؤس پہنچا تو کھانے کی خوشبو نے دروازے ہی سے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں سیدھا کچن میں گیا تو انار کلی مصروف تھا' میرے آنے کا احساس کر کے بولا۔

"اجی' آپ تاجادم ہو جائیں تو ہم کھانا لگائیں۔ قسم سے' دل سے بنایا ہے آج تو۔۔۔"

"انار کلی! تو مجھے ایسے کھانے کھلا کر موٹا کر دے گا۔۔۔"

یہ کہہ کر میں واپس مڑ کر سیدھا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔۔۔ میں فریش ہو کر باہر آیا تو سریتا آ گئی تھی۔ اچھے خاصے خوشگوار ماحول میں کھانا ختم کر کے وہ چلی گئی اور میں آرام کی غرض سے اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ مجھے لیٹے ہوئے ذرا سی دیر ہوئی تھی' ابھی نیند نے مجھے اپنی بانہوں میں نہیں بھرا تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ میں نے ملگجے اندھیرے میں فون اٹھایا اور جونہی میری نگاہ نمبروں پر پڑی تو میں حواس باختہ ہو گیا۔ وہ کال پاکستان سے تھی۔ میرا دل دھڑک اٹھا اور میری سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ میں نے جی کڑا کیا اور کال رسیور کر کے "ہیلو" کہا تو دوسری جانب ثمن تھی' اس کی مدھر آواز میری روح تک کو سرشار کر گئی۔

"کیسے ہیں آپ۔۔۔؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"بہت شکریہ۔۔۔ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ کتنی ہی دیر تک میں ان فقروں کے حصار سے نہیں نکل پایا' دھیرے دھیرے میں اپنے حواسوں میں آیا۔۔۔ ثمن! میری محبت' میرا عشق۔۔۔ اس نے شکریہ اس لئے ادا کیا تھا کہ میں نے لندن سے چلتے وقت صفدر علی خاں کو ایک خط پوسٹ کیا تھا جس میں عطا شاہ کے قتل کی خبر تھی' بلاشبہ وہ خط ثمن تک پہنچ گیا تھا جس کی رسید اس نے مجھے ان فقروں کی صورت میں دی تھی۔ اس نے پہلے بھی ایسے ہی کیا تھا' محض میرا شکریہ ادا کیا تھا۔ شاید اسے ان فقروں کی شدت کا اندازہ تھا' اسے معلوم تھا کہ یہ چند لفظ میرے اندر کس قدر جولانیاں بھر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ہونے کا احساس بھی دلاتی تھی' اس کے کچھ بھی نہ کہنے کا مطلب سب کچھ تھا۔ وہ جتا گئی تھی کہ میں دنیا کے کسی خطے میں بھی ہوں' وہ مجھ تک رسائی کر سکتی ہے۔ وہ مجھ سے غافل

نہیں، اسے میرا انتظار ہے کہ میں کب پلٹ کر وہاں واپس جاتا ہوں جہاں میرے گھر والوں کے ساتھ اس کا بوڑھا معذور باپ میری راہ تک رہا تھا اور میں۔۔۔ میں جو کہ دشمن میں اپنی پوری دنیا دیکھ رہا تھا، اس سے خود جدائی اختیار کی تھی۔ عشق کی راہیں کہاں آسان ہوا کرتی ہیں۔ اس میں ایک زندگی نہیں، کئی زندگیاں دوسروں کے لئے گزارنا پڑتی ہیں۔ راہ عشق میں چلنے والوں کو جس لذت سے آشنائی ملتی ہے، وصل کے لئے ہجر کی جن جانکاہ راہوں پر چلنا پڑتا ہے، وہی حاصل زندگی قرار پاتے ہیں۔ وہ عشق ہی کیا جس میں محبوب کی طرف نگاہ کر کے بیٹھا جائے۔۔۔ میں نے جس منزل کا تعین کیا تھا اس میں محبوب میرے انتظار میں تھا، میری ریاضتیں رنگ لا رہی تھیں اور میں نے وصل کے اس لمحہ بے تاب کے لئے عشق سمندر میں اتر کر اسے اوڑھ لیا تھا، اس اوڑھے ہوئے عشق سمندر میں کیا کیا گوہر نایاب میرے ہاتھ لگے تھے، کسی کو کیا معلوم؟۔۔۔ ایک قطرہ جب سمندر کا روپ دھارے تو یہ کمال صرف اور صرف عشق کا مرہون منت ہے۔ یہاں منطق اور دلیلیں مٹی کے ڈھیر سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔۔۔ وہ ایک جلتا ہوا آنسو جو میری ہتھیلی پر گرا تھا، اس قدر پھیلا کہ سمندر بن گیا اور اس سمندر کو میں نے جی جان سے اوڑھ لیا۔ مجھے وہ راہیں یاد آنے لگیں، وہ فضائیں وہ ماحول یاد آنے لگا جس نے یہ عطیہ نایاب مجھے عطا کیا تھا۔ مجھے اپنے گھر کا وہ صحن یاد آنے لگا جہاں میرا بچپن بکھرا پڑا تھا، اپنے گھر کی وہ چھت یاد آنے لگی جہاں کسی کے لئے تڑپ کی آگہی نصیب ہوئی تھی، وہ لہلہاتے کھیتوں کے درمیان کنواں یاد آنے لگا جو میری تنہائیوں کا مرکز تھا، وہ اکھاڑا یاد آنے لگا جس کی مٹی سے میرا بدن آشنا تھا۔۔۔ ایک ایک کر کے وہ سارے چہرے میرے نگاہوں میں پھرتے چلے گئے جو میرے اپنے تھے۔

میرے سامنے کا منظر انتہائی غیر متوقع تھا۔۔۔ وہ معذور بوڑھا، جسے گاؤں والے میجر اکرم کے نام سے جانتے تھے، اپنی حویلی کے دالان میں وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرپل ٹو گن تھی اور اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گھر کے لمبے دالان میں تنہا تھا۔ اس کے سفید براق دھوتی کرتے پر سیاہ گن انتہائی بھدی لگ رہی تھی۔ اس نے ایک عمر فوج میں گزاری تھی، گن پر گرفت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہتھیار چلانے میں غیر معمولی مہارت رکھتا ہے۔ وہ شعلے اگلتی نگاہوں سے پوری محویت کے ساتھ مجھ پر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھا، بالکل ایسے کہ جب نشانہ لگانا ہو تو ہدف کی معمولی سی حرکت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ اس کے غضب ناک چہرے اور محویت کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ایسے مقابل کے انتظار میں ہے جسے وہ موقع دیئے بغیر ڈھیر کر دے گا۔۔۔ بلاشبہ وہ میرے انتظار میں تھا۔ کچھ دیر قبل اس کا ملازم مجھے بلانے کے لئے گیا تھا اور میں اسی کے ساتھ میجر کی حویلی میں داخل ہوا تھا اور وہیں سے میری نگاہ میجر پر پڑی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان اتنا فاصلہ نہیں تھا، بس ایک مختصر ڈیوڑھی اور پھر صحن تھا۔ بے شک میرے لئے یہ تبدیلی

حیران کن تھی۔ میں نے اسے جب بھی دیکھا تھا' وہ مجھے کسی ایسے دانشور کی طرح نظر آیا تھا کہ جس کی زندگی فقط کتاب کے گرد گھومتی ہو۔ میں نے اس کے ہاتھ میں ہمیشہ کتاب دیکھی تھی۔ اس کے چہرے کی نرماہٹ سے لگتا تھا کہ جیسے وہ کسی رفاہی ادارے کو چلانے والد شفیق منتظم ہو۔ میری اس سے پہلے کبھی دوبدو ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بس اسے دیکھا تھا' ہمکلام نہیں ہوا تھا۔ میرے سامنے ایک مختلف میجر اکرم تھا۔ کچھ ایسا ضرور تھا کہ جس سے وہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ میں نے پھر سے اس کا جائزہ لیا اور اس ملاقات کی نوعیت کا اندازہ لگایا تو معاملہ قدرے میری سمجھ میں آنے لگا۔ میں ایک الگ قسم کی سوچ لے کر اس سے ملنے کے لئے آیا تھا مگر وہاں کا منظر کچھ اور ہی بیان کر رہا تھا۔ میں نے پورے ماحول کا جائزہ لے لیا تو لگا کہ ایسی صورت حال میں تصادم ہو جانا حیران کن واقعہ نہیں ہوگا۔ شدت غضب میں انسان کچھ بھی کر سکتا ہے' نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے افعال سرزد ہو جاتے ہیں کہ جن کی توقع تک نہیں ہوتی۔ غصہ اسی لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس کیفیت میں انسان کے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ ایسے عالم میں' جذباتی غلبے کے باعث عقل بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ ایک بار تو میرے من میں آیا کہ انہی قدموں پر واپس پلٹ جاؤں لیکن میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یوں میدان چھوڑ کر بھاگنا مردانگی نہیں۔ وہ اگر مجھے قصوروار سمجھتے ہوئے میرے لئے کوئی سزا تجویز کر چکا ہے تو کم از کم مجھے کوئی ایسا موقع ضرور پیدا کرنا چاہئے جس سے میں اپنے بارے میں وضاحت کر سکوں۔ ویسے بھی میرا اس معذور شخص سے تصادم بنتا ہی نہیں تھا۔ اگر ایسا کوئی واقعہ ہو جاتا تو میں خود اپنی نظروں میں گر جاتا۔ میرے من میں کوئی کھوٹ نہیں تھا' میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا' مجھے اپنی بے گناہی کا زعم تھا۔ یہ سب کچھ لمحوں میں میرے دماغ میں آیا اور انہی ساعتوں میں اپنے طور پر فیصلہ بھی کر لیا۔ میں بڑے اعتماد کے ساتھ چلتا ہوا صحن عبور کر کے اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ تبھی اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے انتہائی سرد لہجے میں پوچھا۔

"کیا عامر زبیر تمہارا ہی نام ہے۔۔۔؟"

اس کے لہجے سے عیاں تھا کہ وہ کمال ضبط سے کام لے رہا ہے۔ میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"جی' یہی میرا نام ہے۔۔۔ فرمایئے؟"

میرے یوں کہنے پر وہ چند لمحے میری جانب دیکھتا رہا پھر قدرے سخت لہجے میں بولا۔

"کیا وہ تم ہی ہو جسے میری بیٹی ثمن اور اس کے پراجیکٹ سے بہت زیادہ ہمدردی ہے؟"

یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ مشتعل ہونے لگا تھا۔ میں بلاشبہ ایسے ہی کسی سوال سے سامنا ہو جانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا اس لئے بلا تردد کہا۔

"جی' میں نے ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا ہے۔"

میرے یوں کہنے پر اس نے ایک لمحہ کو سوچا اور پھر مشتعل لہجے میں بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ میری بیٹی' تمہارے ایسے جذبات کو قبول کر سکتی ہے یا اس پر کوئی اچھی رائے رکھتی ہوگی؟"

"نہیں---"

میں نے صاف گوئی سے کہا تو وہ شدت غضب سے چیخ اٹھا۔

"جب یقین نہیں ہے اور وہ بھی تمہارے لئے کوئی اچھا جذبہ تو کیا' اچھی رائے بھی نہیں رکھتی تو پھر تم کیوں اسے لگاتار ڈسٹرب کئے چلے جا رہے ہو۔ اس کا جینا تم نے کیوں حرام کر رکھا ہے۔ اپنے بدبودار جذبوں سے اس کے اردگرد کیوں سڑاند پھیلا رہے ہو' ایسا کیوں کر رہے ہو تم---؟"

اس کی آواز لحہ بہ لحہ تیز ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ آخری لفظ کہتے ہوئے اس کی آواز بیٹھ گئی' میں چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر نہایت بے باکی سے کہا۔

"وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور میں اسے اپنا لینا چاہتا ہوں---"

میرے یوں کہنے پر وہ ایک ساعت کے لئے ششدر رہ گیا' پھر انتہائی حقارت سے بولا۔

"یہ جانے بنا کہ وہ تمہیں پسند تو کیا' اس قابل بھی سمجھتی ہے یا نہیں اور تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی بھی اچھی لگنے والی شے پر اپنا قبضہ جماتے پھرو۔ کیا جواز ہے تمہارے پاس--- بولو' جواب دو---؟" یہ کہتے ہوئے اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ہمارے درمیان ہولناک خامشی آن ٹھہری۔ وہ میری طرف سے کسی جواب کا منتظر تھا جبکہ میرے نزدیک اس وقت کچھ کہنا فضول تھا۔ وہ میری باتوں سے مزید بھڑک سکتا تھا۔ میرے خاموش رہنے پر اس نے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم جیسے نوجوانوں کو جو اپنے گھٹیا اور ہوس زدہ جذبات کے ساتھ اس دھرتی پر بوجھ ہیں۔ کیا یہی تربیت دی ہے تمہارے والدین نے کہ دوسروں کی بہو بیٹیوں پر نظر رکھو۔ پیار' عشق اور محبت جیسے لفظوں کی آڑ میں اپنا گھٹیا پن دکھاتے پھرو--- ہو سکتا ہے تم نے کوئی تعلیم بھی حاصل کی ہو مگر کیا فائدہ ایسی تعلیم کا جو ذلت بھری زندگی سے آشنا کرے اور لعنت ہے تمہاری اس ہوس زدہ سوچ پر جو تمہیں نیچ حرکتوں پر مجبور کر رہی ہے---"

اس نے انتہائی حقارت کے ساتھ لفظوں کے خنجر میرے دماغ میں اتار دیئے۔ میں بلبلا اٹھا' اسی لئے میں نے تڑپ کر کہا۔

"ایسا کچھ نہیں' میجر---!" میرے لہجے میں احتجاج تھا جس سے فطری طور پر میری آواز بلند ہو گئی۔

"اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر تم میری بیٹی کی راہ میں کیوں آتے ہو؟ وہ اپنے گھر میں' یہاں تک کہ اپنے صحن میں بھی نکلنے سے گھبراتی ہے۔ تمہاری ہوس زدہ نگاہوں کی زد میں آکر اس کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں کرب اتر آیا تھا' میں نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"سر! میں پھر کہوں گا کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بس ثمن کو اپنانا چاہتا ہوں اور۔۔۔"

وہ میری بات ٹوکتے ہوئے بھڑک اٹھا۔ "کیا اب ہمارے معاشرے میں یہی ذلت بھرا طریقہ رواج پا گیا ہے۔ تم نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کرنے کی ہمت کیسے کر لی۔ یہ حق تمہیں کس نے دیا۔۔۔ کیا تمہاری ہوس زدہ گھٹیا سوچ نے' تمہارے والدین کی غلط تربیت نے یا تمہارے اپنے نیچ پن نے۔۔۔؟"

اس کے یوں کہنے پر میں شرمسار ہو گیا۔ بلاشبہ وہ درست کہہ رہا تھا' میں اس کی باتوں کا جواب دے ہی نہیں سکتا تھا۔ میں اگر اپنے موقف پر ڈٹا رہتا تو یہ ہٹ دھرمی ہوتی۔ میں خاموش رہا تو وہ بولا۔

"تم نے یہی سمجھ لیا کہ ثمن ایک اپاہج بوڑھے کی کمزور بیٹی ہے اور تم من مانی کر سکتے ہو۔۔۔ تمہارے بہت بڑی بھول ہے۔ میں ہی اگر اس تعلق سے انکار کر دیتا ہوں یا پھر میری بیٹی' تمہاری اس حرکت پر تمہارے منہ پر طمانچہ مار دے تو پھر تم کیا کرو گے؟۔۔۔ انتقام لو گے' مجھے مار دو گے' میری بیٹی کو اغواء کر لو گے۔۔۔ یہی کرو گے نا' تم۔۔۔؟" یہ کہہ کر وہ چند لمحوں تک خاموشی سے میری طرف سے کسی جواب کے انتظار میں رہا۔ اس دوران اس کی نگاہیں میرے چہرے پر ٹکی رہیں' تبھی اس نے اپنی بیٹی کو آواز دے ڈالی۔ "ثمن! بیٹا' یہاں آؤ ذرا۔۔۔"

آواز کے تعاقب میں ہی وہ حسن دلنواز' وہیں دالان میں آن موجود ہوئی۔ ایک لمحہ کو یوں لگا جیسے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھولوں کی برسات ہو گئی ہو' بارود کی بو' تازہ موتیوں کی مہک میں بدل گئی یا تپتے ہوئے ریگ زار میں جھلسا دینے والی ہوا' خوشگوار جھونکوں کا روپ دھار گئی ہو۔ ثمن کو بلا کر جانے میرا کون سا امتحان لیا جانے والا تھا۔ میں نے ثمن کے چہرے کی طرف دیکھا' خوشگوار چہرے پر چھایا ہوا حزن نہ صرف اس کی انفرادیت تھا بلکہ قیامت خیز بھی تھا اور یہی چہرہ مجھے ساری دنیا میں اپنا سا لگا تھا۔ تبھی میجر اکرم کی سخت پتھروں جیسی آواز سے میں اپنے حواسوں میں آ گیا۔

"نوجوان! یہ میری بیٹی ثمن تمہارے سامنے ہے اور میں بوڑھا اپاہج وہیل چیئر پر بیٹھا ہوں۔ تم میں اگر ہمت ہے تو اسے لے جا کر دکھاؤ' میں سمجھوں گا کہ تمہیں کسی غیرت مند ماں نے جنا ہے۔۔۔ اگر تم اسے لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو میرا اس پر کوئی حق نہیں رہے گا۔ ہمت ہے تو آگے بڑھو۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی گن پر گرفت مضبوط کر لی۔ غیرت کا تقاضا یہی تھا کہ میں اسی وقت ثمن کا ہاتھ پکڑتا اور چل دیتا' چاہے میجر کی چلائی ہوئی گولیاں میرے جسم اور روح کا ناتا توڑ دیتیں۔ میں ثمن سے محبت کرنے کا دعویٰ پوری سچائی سے کر رہا تھا اور اتنی لعن طعن سن لینے کے بعد بھی اس کا ہاتھ نہ پکڑنا بزدلی شمار ہوتا مگر یہ عمل پھر بھی ٹھیک نہیں تھا' اسے چاہے جس

ترازو میں بھی تول لیا جاتا--- میں نے اس کی باتوں کو بہ مشکل نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔
"سر! میں ایسا کچھ نہیں چاہتا--- بدقسمتی سے میرے بارے میں آپ کا تاثر ٹھیک نہیں ہے۔ میں ثابت کروں گا کہ میں غلط نہیں ہوں' میں جائز راستے ہی سے ثمن تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"
"تو پھر جان لو' میری یہی خواہش ہے کہ وہی شخص ایسی تمنا کر سکتا ہے جو مرد ہو--- جاؤ' پہلے یہ معلوم کرو کہ مرد ہوتا کون ہے اور مردانگی کسے کہتے ہیں۔ پھر سوچنا میری ثمن تک رسائی کیسے ممکن ہے--- جاؤ' میں نے تمہیں اپنی بیٹی کی حیا کے صدقے معاف کیا۔ انہی قدموں پر پلٹ جاؤ اور دوبارہ کبھی ثمن کے راستے میں آنے کی ہمت کی تو اس بھول میں مت رہنا کہ میں اپاہج اور بوڑھا ہوں۔ مجھے نہ صرف اپنے گھر کی حفاظت کرنا آتا ہے بلکہ تمہیں تمہارے گھر میں آکر بھی موت کی نیند سلانے کی طاقت رکھتا ہوں---"
اس نے کہا اور نہایت حقارت کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ سے پلٹ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ لمحہ' وہ منظر میرے دماغ میں پیوست ہو کر رہ گیا۔ میں یوں ساکت ہو کر رہ گیا جیسے زمین نے میرے پاؤں پکڑ لئے ہوں۔ خون کی تیز گردش میرے حواس مختل کرنے لگی۔ میرے دل اور دماغ میں جنگ چھڑ گئی' ایک بار تو میرے دماغ میں آئی کہ میں ثمن کو لے جا کر دکھادوں' پھر چاہے اسے یہیں چھوڑ دوں اور کم از کم انہیں یہ احساس دلادوں کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ تبھی دل نے سمجھایا کہ ان کے تمہارے بارے میں جو خیالات ہیں' تم ان پر اپنے عمل سے تصدیق کی مہر ثبت کرنا چاہتے ہو۔ ایک اپاہج بوڑھے اور کمزور لڑکی پر ہاتھ اٹھانا مردانگی نہیں بلکہ ظلم ہے اور ظالم لوگ ہی بزدل ہوا کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ثمن جسے میں اپنے احساس کی نرماہٹوں اور جذبات کی لطافتوں سے جیت لینا چاہتا تھا' یوں کھردرے عمل سے متعارف کراؤں--- میں انتہائی بے بسی محسوس کرنے لگا اور ایسے عالم میں ثمن کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ وہ اجنبی نگاہوں سے میری جانب دیکھتی رہی' پھر آگے بڑھ کر اپنے باپ کے ہاتھ سے گن لے لی۔ اس نے مجھے نظروں میں تولا اور گن میری جانب اچھال دی۔ میں نے انتہائی سرعت سے اسے تھام لیا تو وہ انتہائی سرد لہجے میں بولی۔
"عامر! اگر خود میں اعتماد محسوس نہیں کرتے ہو تو اس گن سے سہارا لے لو' بڑھو آگے یا پھر یہاں سے پلٹ جاؤ۔ اسی میں تمہاری زندگی ہے---"
حقارت کے زہر میں بجھا ہوا نفرت کا خنجر میرے دل میں پیوست ہو گیا جس کے درد میں کرب کی کیفیت انتہاؤں کو پہنچ گئی۔ میں نے گن زمین پر رکھ دی پھر میں وہاں سے کیسے پلٹا' بس وہاں سے لوٹ آنے کا احساس ہی تھا ورنہ مجھے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرا ذہن آندھیوں کی زد میں تھا۔ نجانے کب اور کیسے میں نے ان کی حویلی کا بڑا دروازہ پار کیا تھا اور باہر گلی میں آیا تھا۔ بچپن سے مانوس گلیاں بالکل کسی اجنبی کی طرح میری حالت زار کو تک رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے گلیوں کی اڑتی

ہوئی خاک مجھ پر ہنس رہی ہے اور دیواریں میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔ اتنی تضحیک' اتنی ملامت؟ ایک معذور بوڑھے نے مجھ جیسے چھ فٹے نوجوان کو لفظوں سے رگید کر رکھ دیا تھا اور ثمن! جس کے محض چند فقروں نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا تھا--- میں جو اپنے علاقے کے شہ زوروں میں شمار ہوتا تھا' اتنی ہمت نہ کر سکا کہ ایک کومل سی لڑکی کا ہاتھ تھام کر چل پڑتا' اس بوڑھے کو منہ توڑ جواب دے سکتا۔ میرے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ میں غلط نہیں تھا' بس ثمن کو چاہا تھا اور پورے دل سے چاہا تھا۔ میں نے اس کے متعلق برا خیال تو ایک طرف' غلط گمان بھی نہیں کیا تھا۔ میں تو ابھی اس کی رعنائیوں میں کھویا ہوا تھا اور میرا دل پکار پکار کر مجھے یقین دلا رہا تھا کہ ثمن میری ہے۔ بھلا اس کے بارے میں کوئی برا کیسے سوچ سکتا ہے جسے دل نے پسند ہی نہیں کیا' اپنا بھی کہہ دیا ہو۔ میں تو اس مناسبت سے وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ جب میں اپنے والدین سے کہوں کہ وہ اس بہار آگہیں وجود سے میری زندگی میں خوشیاں بھر دے اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ میرا مان رکھ لیں۔ مجھے کتنا غلط سمجھ لیا گیا تھا۔ میں نے جو ثمن کو پاکیزہ جذبوں کے ساتھ شدت سے چاہا تھا' کیا یہ عمل ایسے ہی کسی جرم کے زمرے میں آتا ہے کہ جس کی سزا صرف اور صرف موت ہے؟ میں نے تو ابھی راہ محبت میں چند منزلیں ہی طے کی تھیں کہ ایک لمحہ میں میری راہ کھوٹی ہو گئی تھی' یوں جیسے تنکا تنکا جمع کر کے بنائی جانے والی جھونپڑی آن واحد میں جل کر خاکستر ہو جائے۔ کیا میری مسافت رائیگاں چلی جائے گی--- کوئی سوچ بھی قرار نہیں لے رہی تھی۔ اک جوار بھاٹا میرے دماغ میں' جذبات و احساسات کے سمندر میں اتھل پتھل کر رہا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ میں اپنے منتشر وجود کے ساتھ گھر نہیں جا سکتا تھا لہٰذا ڈیرے کی طرف چل دیا اور وہاں پہنچ کر پیپل کے گھنے پیڑ تلے پڑی ہوئی کھری بان کی چارپائی پر میں نے بڑی مشکل سے اپنا وجود پھینکا۔ میں خود کو سمیٹ لینا چاہتا تھا مگر ڈیرے کی تنہائی نے میری سوچوں کو مزید شہہ دے دی۔ میں بے اختیار سوچتا چلا گیا کہ کاش' اس بوڑھے نے میری تو سنی ہوتی۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہوتی۔ اس نے جو آن واحد میں مجھے زمین کا بوجھ تصور کر لیا تھا' میں اسے بتاتا کہ میں ایسا نہیں ہوں لیکن--- اس باپ کا کیا قصور؟ جو اس کی بیٹی نے کہا ہوگا' اس نے تو اسی پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ گویا ثمن ہی نے مجھے اپنے باپ کی زبان سے مجھے میری "اوقات" بتانے کی کوشش کی تھی۔ وہی مجھے تھرڈ ریٹ غنڈہ' دل پھینک عاشق اور بے راہ رو نوجوان سمجھتی ہے اور کیا اس نے میری مردانگی کو چیلنج کیا؟ اس کے نزدیک میں مردانگی کے ابجد سے بھی واقف نہیں تھا--- کیا وہ لوگ اندھیرے میں رہتے ہیں یا ان کے کان سننے کی قوت سے معذور ہیں۔ پورا گاؤں ہی نہیں ارد گرد کا سارا علاقہ میرے نام سے واقف تھا۔ کبڈی اور فٹ بال کھیلنے میں کوئی بھی میرا ہمسر نہیں تھا۔ یہ نام چند دنوں کی کمائی نہیں' برسوں کی محنت کے بعد ملا تھا۔ میرے باپ نے مجھے بڑے ناز سے پالا تھا اور خلیفہ جی عبداللہ نے تو اپنے سارے تجربات کا نچوڑ مجھ پر وار کے رکھ دیا تھا۔ وہ مجھے اپنی اولاد

سے بڑھ کر جاتے تھے۔ ایک دن میں نے یونہی مذاق میں ان سے کہا تھا۔

"خلیفہ جی! آپ مجھے اتنی مشقت کیوں کرواتے ہیں' پھر آپ اتنے ہلکان ہو جاتے ہیں کہ مجھے آپ کو سنبھالنا پڑتا ہے---؟"

"کیا کروں' بیٹا! مجھے تم میں اپنی جوانی کا عکس نظر آتا ہے۔ جو کام مجھ سے ادھورے رہ گئے تھے' اب تمہیں پورے کرنا ہیں۔"

"ایسے کون سے کام ہیں' خلیفہ جی؟"

میں سراپا سوال بن گیا تو وہ میری طرف دیکھ کر بڑبڑائے۔

"یہ تو وقت آنے پر بتاؤں گا۔" یہ کہہ کر ذرا بلند آواز میں بولے۔ "بہت سارے داؤ اس وقت سمجھ میں آئے ہیں جب میرے اعضاء جواب دے گئے۔ میں بس انہی کو اپنے سامنے زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر--- پھر پتہ نہیں' تم میں کیا بات ہے کہ تم مجھے اپنے سارے شاگردوں سے اچھے لگتے ہو---" خلیفہ جی نے اپنے فن پر گفتگو کرتے ہوئے مجھ سے کچھ چھپالیا تھا لیکن بہت کچھ کہہ بھی گئے تھے۔

"بس تو' خلیفہ جی! مجھے سارے راز بتا دیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ مجھ پر بھی بڑھاپے میں جا کر راز کھلیں---"

"بس تو لنگوٹ کا پکا رہ' میرے پتر! پھر تن کے راز کیا' من کے اسرار بھی کھلیں گے اور اسی رازداری کو شیوہ مردانگی کہتے ہیں---"

اچانک خلیفہ جی عبداللہ کی کہی ہوئی بات میرے ذہن میں گونج اٹھی' میں تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میجر نے مجھے مردانگی سمجھ لینے کے بارے میں کہا تھا۔ میں نے دشمن کے بارے میں ایسا بیہودہ خیال کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ لنگوٹ کی حرمت کو خراب کرنا تو ایک طرف' میں نے تو اسے چھونے کی خواہش بھی نہیں کی تھی' کوئی گھٹیا لفظ تک نہیں کہا تھا۔ پھر اس نے مجھے ایسا طعنہ کیوں دیا۔ کیا وہ مجھے گرا ہوا انسان خیال کرتی ہے؟--- یہ ایک سوال ہی نہیں بلکہ گہرا چرکا تھا جو میرے دل کو زخمی کر گیا۔ جس کا درد میں نے پورے وجود میں محسوس کیا۔

✿✿

میں نے ہوش سنبھالا تو مجھے گاؤں کے واحد پرائمری سکول میں ماسٹر قطب الدین صاحب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ انہوں نے میری تعلیم کی پہلی اینٹ درست رکھ دی۔ ماسٹر صاحب کا قلبی لگاؤ' میرے والدین کی شدید خواہش اور میرے شوق نے حرف و لفظ کی دنیا سے آشنائی میری روح تک میں راسخ کر دی۔ پانچویں جماعت تک میں انہی کی نگرانی میں پروان چڑھا' پھر ساتھ والے گاؤں کے سکول میں جانا پڑا۔ انہی دنوں میرے باپ نے خلیفہ جی عبداللہ کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دے دیا۔ پھر میں تھا اور ان کی

توجہ خاص' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں جماعت پاس کر لینے پر میں نہ صرف بہترین پڑھنے والوں میں شمار ہوتا تھا بلکہ بہت اچھا کھلاڑی بھی تھا۔ جسم کمانے والوں کی نگرانی بھی تو بہت سخت ہوتی ہے' میں بھی اسی مرحلے سے گزر رہا تھا۔ جب نزدیکی قصبے کے کالج میں داخلہ ملا تو میری نگرانی مزید سخت ہو گئی۔ میں جو شوق سے رات گئے تک پڑھنے کی کوشش کرتا' تب میرے ابو میرے ہاتھ سے کتاب لے کر رکھ دیتے اور انتہائی شفقت سے کہتے۔

"چل اب بس کر' بیٹا! اور جا کے سو جا۔ کہتے ہیں کہ زیادہ پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے اور تجھے ورزش کے لئے صبح جلدی بھی تو اٹھنا ہے ورنہ خلیفہ جی ناراض ہوں گے۔۔۔"

سرشاری میں بھیگا ہوا اک معمول تھا کہ ورزش کرتا' نماز پڑھتا' بھاگم بھاگ تیار ہو کر ناشتہ کرتا اور بڑی مشکل سے وقت پر کالج پہنچ جاتا۔ واپسی پر میری اماں کے کان میری بائیک کی آواز پر لگے رہتے۔ میں جب تک گھر نہیں آ جاتا تھا' وہ منتظر رہتیں۔ شام ڈھلے تک خلیفہ جی اور رات گئے تک میری ماں جی اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتیں۔ نہ میرا ماحول گندا تھا' نہ میری صحبت گندی تھی۔ میں ان بے ریا اور پاکیزہ محبتوں کے حصار میں جس طرح مشقت کر رہا تھا' مجھے اس مشقت میں خود مزہ آیا کرتا تھا۔ خون کی گرمی جب دن میں لاوے کی طرح ابلتی' تب میں سرشاری کی انتہاؤں کو چھوا کرتا۔ اپنے خون کا مزہ وہی لے سکتا ہے جسے اپنی خون کی حفاظت کرنا آتا ہو ورنہ یہی خون گندی نالیوں میں بہہ کر باعث ندامت بن جاتا ہے۔۔۔ میں نے بی ایس سی کا امتحان دے دیا تو فراغت کے دن آ گئے۔ مجھے مزید پڑھنا تھا اور یہ میرے باپ کا شوق بھی تھا۔ بس نتیجے کا انتظار تھا' اس کے بعد مجھے پڑھنے کے لئے لاہور چلے جانا تھا۔ میرے یہ دن گھر' اکھاڑے اور ڈیرے کی تکون میں گزر رہے تھے۔ بس انہی دنوں میں نے پہلی بار ثمن کو دیکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ پہلی نظر کی محبت ہی اس کے خالص ہونے کا معیار ہے' ایسا ہوتا ہوگا لیکن اس سے بھی ماورا کوئی ایسی بے نام کشش ہوتی ہے جو انسان کو پورے حواسوں کے ساتھ دوسرے کا گرویدہ کر دیتی ہے۔

اس دن بھی میں ڈیرے پر تنہا تھا' ٹیوب ویل چل رہا تھا اور ہمارا مزارع دور کہیں کھیتوں میں پانی لگا رہا تھا۔ مجھ سے ذرا پرے مویشی بندھے ہوئے تھے۔ اوائل اگست کی ہوا' گھنے درختوں سے چھن کر آ رہی تھی۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کوئی کتاب پڑھنے میں مگن تھا' انہی پرسکون ساعتوں میں اچانک کھنکتے قہقہوں نے میری یکسوئی ختم کر کے رکھ دی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا' کھیتوں کی طرف سے آنے والی پگڈنڈی پر چند لڑکیاں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان کا رخ ٹیوب ویل سے کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے پانی کے پختہ کھال کی طرف تھا۔ شاید انہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا یا پھر جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا تھا۔ وہ آہستہ خرامی سے چلتی ہوئی اس چھوٹے سے تالاب پر آ کے رک گئیں جہاں کنویں کا شفاف پانی گر رہا تھا۔ پھر کوئی منہ دھونے لگی تو کسی نے پاؤں گیلے کئے' شاید گرمی کے اثر سے

بچنے کے لئے انہوں نے ایسا کیا تھا۔ وہ ساری لڑکیاں گاؤں کی تھیں لیکن ایک شبنمی چہرہ اجنبی تھا۔ میں نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھول کی فطرت ہے کہ وہ ماحول کو خوشبو سے نواز دیتا ہے' اسی طرح وہ چہرہ بھی میری نگاہوں کے لئے طمانیت کا باعث بن گیا۔ جس طرح اس کی رنگت میدے میں ملے ہوئے ہلکے سیندور کی طرح تھی' بالکل ایسے ہی اس کے خوشگوار حسین چہرے پر ہلکا سا حزن' اسے انفرادیت بخش رہا تھا۔ اس میں ایک انوکھی نوعیت کا وقار تھا جس نے اسے ان سب میں سے الگ کر کے رکھ دیا تھا' یوں جیسے کوئی اکیلی کونج کبوتریوں کے غول میں آن ٹھہرے۔ وہ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر چلی گئیں اور وہی وقت مجھے اپنی زندگی کا حاصل لگا--- وہ کون ہو سکتی ہے؟--- اسی خیال نے میرے ہاتھوں سے کتاب چھین لی۔ اس کا سراپا' چہرے کا ایک ایک نقش' ہوا کی لہر سے ہلکورتے لیتا ہوا آنچل' چہرے پر جھکی ہوئی باغی لٹ اور خوشگوار چہرے پر چھایا ہوا ہلکا سا حزن' وہ منظر مجسم ہو کر میرے شعور پر تصویر کی مانند چسپاں ہو گیا۔ میں نے اسے بڑی دیر تک سوچا اور اسے سوچنا ہی میرے لئے کیف آگہیں سرور کا باعث بن گیا۔ تبھی میدان میں جانے کا وقت ہو گیا' میں ڈیرے سے اٹھا اور وہاں جا حاضر ہوا۔ میں ریاضت کے بعد جب غسل کر چکا تو احساس ہوا کہ آج تو انہونی ہوئی تھی۔ اگلے دن سے میں ایسی ہی کسی انہونی کا منتظر رہا مگر سارے منظر پھیکے رہے اور کسی بھی نظارے پر شوخ رنگ نہ چڑھا۔ بس وہی منظر میری نگاہوں کے سامنے رہا' وہ چہرہ خیالوں میں در آتا تو سوچیں تک مہک اٹھتیں۔

چند دن بعد میں ڈیرے پر جانے کے لئے گھر سے نکلا تو مجھے رضیہ دکھائی دی۔ وہ سامنے سے آ رہی تھی۔ اس دن وہ بھی انہی کبوتریوں کے غول میں تھی۔ نجانے کیوں میرا دل اس خیال سے ہمک اٹھا کہ اس سے شبنمی چہرے کے بارے میں پوچھوں۔ انہی گلیوں میں ہمارا بچپن گزرا تھا' تکلف والی کوئی بات نہیں تھی۔ میں اسے دیکھ کر رک گیا تو وہ قدرے حیران ہوتی ہوئی' میرے پاس ٹھہر گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر مسکان در آئی' تبھی وہ خوشگواریت میں لپٹی ہوئی حیرت سے بولی۔

"کیا بات ہے' عامر باؤ! بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہے ہو آج' خیر تو ہے؟"

"دیکھ رہا ہوں کہ تم وہی رضیہ ہو جو بات بات پر رو دیا کرتی تھی۔ اب کیسے آندھی اور طوفان کی طرح ہو گئی ہو۔"

میں نے ملائمیت سے کہا تو وہ ہنس دی۔

"شکر ہے' تم نے بھی کسی لڑکی پر غور کیا ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ تمہیں کوئی لڑکی نظر ہی نہیں آتی۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو رکی اور پھر شوخ لہجے میں بولی۔ "لگتا ہے' کوئی زلزلہ آ گیا ہے ورنہ تم یوں مجھے راہ میں نہ روکتے--- خیر' بات کیا ہے؟"

اس نے سیدھے سبھاؤ مطلب کی بات کی تو میں قدرے جھینپ گیا۔ اس پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی تو میں نے ہمت کر کے اس شبنمی چہرے کی بابت پوچھا۔

"تم لوگوں کے ساتھ وہ لڑکی کون تھی---؟"

میرے یوں کہنے پر رضیہ حیرت زدہ رہ گئی اور پھر اسی رو میں بولی۔

"واہ' عامر باؤ! وہ ثمن تھی' تمہارے پچھواڑے والی حویلی میں تو رہتی ہے۔ پورا ایک مہینہ ہو گیا ہے اسے گاؤں میں آئے ہوئے اور تمہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کون ہے؟"

"میں نے تو پہلی دفعہ دیکھا ہے اسے---" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کھیل اور کتابوں سے فرصت ملے تو ہی ادھر ادھر دیکھو' نا!--- کبھی اپنی چھت پر چڑھو تو وہ اپنے صحن سمیت دکھائی دے گی۔" یہ کہتے ہوئے اچانک معنی خیز نظروں سے میری جانب دیکھا اور عجیب سے لہجے میں بولی۔ "مگر' عامر باؤ! خیر تو ہے نا---؟"

"تمہارا کیا خیال ہے--- خیر ہو سکتی ہے یا نہیں---؟" میں نے شوخی سے کہا۔

"سارا گاؤں تمہیں جانتا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے' ایسا کچھ نہیں ہونے والا پر' عامر باؤ! اس دل کا کیا ہے' نجانے کب' کہاں اور کس پر آ جائے۔ بڑا مجبور کر دیتا ہے یہ دل---" رضیہ نے اچانک ہی اداس لہجے میں کہا تو مجھے لگا جیسے وہ بھی دل کے روگ سے واقفیت رکھتی ہے۔ اس نے میری جانب بڑے غور سے دیکھا اور دھوپ چھاؤں جیسے لہجے میں بولی۔ "بہت اچھی لڑکی ہے وہ' بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں' لاکھوں میں کوئی ایک--- میری دعائیں ہیں' عامر باؤ! تمہارے لئے---"

وہ انتہائی جذب سے بولی اور آگے بڑھ گئی مگر اپنی آنکھوں کے آنسو مجھ سے نہ چھپا سکی' میں اسی کے بارے میں سوچتا ہوا ڈیرے کی جانب چل دیا۔

چند برسوں سے ہم سن رہے تھے کہ کسی میجر کو ہمارے گاؤں کے پاس زمین الاٹ ہوئی ہے اور اس کے مزارع زمین آباد کر رہے ہیں۔ پھر اس کی زمینیں شاداب فصلیں دینے لگیں۔ ہم نے اس میجر کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی حویلی بھی تیار ہو گئی لیکن وہ کبھی نہیں آیا' بس اس سے متعلق باتیں سنتے رہتے تھے۔ تقریباً ایک ماہ پہلے میں نے سرسری سے انداز میں سنا تھا کہ میجر اکرم گاؤں میں آکر آباد ہو گیا ہے۔ پچھواڑے کی حویلی میں آباد ہونا اور ثمن کے بارے میں معلومات نہ ہونا کوئی اتنی حیران کن بات نہیں تھی۔ جن دنوں وہ یہاں شفٹ ہوئے تھے' انہی دنوں میرے امتحان چل رہے تھے اور میں زیادہ تر نزدیکی قصبے ہی میں رہتا تھا۔ گاؤں کے معاملات میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ رضیہ نے جب بتایا کہ ثمن ہمارے ہمسائے میں رہتی ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں تو مجھے لگا جیسے چراغ تلے اندھیرا' اسے ہی کہتے ہیں۔

گزرتے دنوں کے ساتھ مجھے ثمن کے بارے میں کافی معلومات مل گئیں۔ اس کے معمولات سے آگاہ ہونے کے بعد وہ اکثر دکھائی دے جاتی' تب خوشگواریت کا احساس میرے رگ و پے میں سرائیت کر جاتا۔ آشنائی نے دل کی ہموار زمین پر انسیت کا بیج بویا تو محبت کی کونپل پھوٹ پڑی۔ جس کا مجھے

احساس ہونے لگا۔ رضیہ سے آمنا سامنا ہو جاتا تو وہ کوئی نہ کوئی خوشبو جیسا فقرہ فضا میں چھوڑ جاتی جس سے ماحول کافی دیر تک معطر رہتا۔۔۔ ایک دن ثمن مجھے دکھائی دی۔ وہ ایک کھیت کی پگڈنڈی پر سے آ رہی تھی اور اس کے ساتھ انہی کے مزارعوں کے چند بچے بھی تھے۔ میں کھنچتا ہوا اس راہ پر ہو لیا' نجانے یہ کیا کشش تھی کہ دل مچل اٹھا تھا۔ دل اور ذہن کو بے قابو کر دینے والا یہ طلسم نجانے کیسا تھا' مجھے اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ بلاشبہ یہ نافہمی ہی اپنے اندر راز چھپائے ہوئے تھی۔ اگر یہ سب فہم میں آ جاتا تو ساری کشش ختم ہو جاتی اور سارا طلسم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ میں اس کی راہ پر آیا تو فاصلے سمٹتے گئے' یہاں تک کہ وہ میرے سامنے آن رکی۔ وہ حزن ملا خوشگوار چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ بس ایک لمحہ کو نگاہیں ملیں۔ میں ابھی سرشاری کے لمحہ جاں گداز میں ڈوبا بھی نہیں تھا کہ اس نے نظریں جھکالیں' ہونٹوں سے کچھ بھی نہ کہا اور پگڈنڈی سے ہٹ کر میرے دائیں طرف سے گزر گئی' یوں جیسے میرا یہ انداز اسے قطعاً" پسند نہ آیا ہو۔ میں اس کی اجنبی ادا پر مسکرا دیا۔ مجھے لگا' عورت بھی پھلوں کی مانند ہوتی ہے جیسے یہ ثمن اخروٹ کی طرح ہو جسے ٹوٹنے میں ذرا سی مشکل پڑتی ہے مگر اندر سے فطری طور پر نرم ہوتی ہے۔

انہی دنوں میرے والدین نے فیصلہ کیا کہ میرے بڑے بھائی اور بہن کی شادی کر دی جائے' تیاریاں مکمل تھیں سو گھر میں شادی کے باعث میلے کا سماں بندھ گیا۔ پورا گاؤں ہماری خوشی میں شریک تھا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب بارات جانا تھی اور اگلے دن بارات آنا تھی۔ سارے معاملات بخیر و خوبی سرانجام پا گئے۔ میں ان سارے دنوں میں ثمن کا انتظار کرتا رہا کہ وہ بھی آئے گی لیکن وہ مجھے دکھائی نہیں دی۔ پورے گاؤں میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جسے ہم نے دعوت نہ دی ہو۔ بلاشبہ میجر اکرم کو بھی دعوت دی گئی تھی مگر دونوں باپ بیٹی میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ ان کے نہ آنے سے مجھے بے چینی ہو گئی اور اسی بے چینی میں کئی دن گزر گئے۔ پھر ایک دن رضیہ کسی کام سے ہمارے ہاں آئی۔ میں اپنے گھر کے دالان میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھ آئی' اوھر ادھر کی باتوں کے دوران اس نے کہا۔

"سنا ہے' ثمن گاؤں میں لڑکیوں کا سکول کھولنا چاہتی ہے؟"

اس کے یوں کہنے پر میں انجان بن گیا اور نفی میں سر ہلا دیا تو وہ جلدی سے بولی۔

"اس کے علاوہ پتہ نہیں اور کیا کچھ وہ لڑکیوں کے لئے کرنا چاہتی ہے' کہہ رہی تھی کہ شہر سے استانیاں آئیں گی۔"

"کیا یہ اس نے خود کہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ دن ہوئے اس نے گاؤں کی دو پڑھی لکھی لڑکیوں کو ملازم رکھا ہے۔ پتہ نہیں' ان سے کیا کچھ لکھواتی رہتی ہے۔ ثمن اور نمبرداری میں روزانہ ملاقات ہوتی ہے اور پھر کسی نہ کسی کے گھر میں

جا کر یہ باتیں کرتی رہتی ہیں۔۔۔"

اس نے اپنے معصومانہ انداز سے کہا تو میں ہنس دیا۔ مجھے یہ ساری باتیں پہلے ہی سے معلوم تھیں۔ وہ گاؤں میں سماجی بہبود کے لئے کئی منصوبے رکھتی تھی لیکن کہیں نہ کہیں اسے رکاوٹ درپیش تھی۔ اب یہی لڑکیوں کے سکول کے لئے اسے ایسی جگہ نہیں مل رہی تھی جو گاؤں میں ہی ہو۔ ان کی اپنی زمینیں تو گاؤں سے کافی دور تھیں۔ وہ ایسی جگہ چاہتی تھی جسے وہ خرید سکے۔ اس کے منصوبوں کی کسی قدر تفصیلات مجھے معلوم تھیں مگر جب بھی کوئی ایسی بات کرتا تو میرا دل چاہتا کہ وہ میرے پاس بیٹھے' اپنی باتیں کرے۔ میں اس کی خواہشات کو بہتر انداز میں سمجھ سکتا تھا اور بڑے اچھے طریقے سے اس کی مدد کر سکتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ خواہش کرے اور میں پوری کروں۔ گاؤں میں ہمارا ایک گھر ایسا تھا جہاں بہترین سکول بن سکتا تھا میں چاہتا تھا کہ وہ فقط ایک بار مجھے کہے اور میں وہ جگہ اسے دے دوں۔۔۔ ثمن مجھے کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی۔ اس سے میرا آمنا سامنا بھی ہو جاتا مگر اس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جبکہ میرے من میں اس کے لئے اک نئی طرح کی امنگ پیدا ہو جاتی۔ ہر بار اسے دیکھنے سے میرا اضطراب بڑھ جاتا۔ اس اضطراب کی بلاشبہ یہی وجہ تھی کہ وہ کوئی بھی اور کسی طرح کا بھی ردعمل ظاہر نہیں کیا کرتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جذبات کی برف جمی رہتی تھی جو پگھلنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ محبوب جتنا بے اعتناء ہو' محبت کے رنگ اتنے ہی گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ محبت کے یہی گہرے رنگ' طلب میں اضافے کا باعث بن جاتے ہیں جبکہ طلب' جسم و جان میں اضطراب و انتشار کی کیفیات بھر دیتی ہے۔ یہی وہ موقع ہوتا ہے کہ جب خواہشیں شعور و لاشعور' جذبات و احساسات اور تمامتر نفع و نقصان پر قابض ہو جاتی ہیں۔ تب پھر بندہ اپنے آپ میں نہیں رہتا' بے قابو من پر طلب حاوی ہو جاتی ہے۔

میرے امتحان کا نتیجہ آ گیا' میں بہت اچھے نمبر لے کر پاس ہو گیا تھا۔ مجھے خوشی ہونی چاہئے تھی لیکن میں افسردہ ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد مجھے مزید تعلیم کے لئے لاہور چلے جانا تھا۔ گاؤں چھوڑنے کے احساس سے زیادہ یہ خیال بے چین کر رہا تھا کہ میں ثمن سے کوئی بات کئے بناء ہی چلا جاؤں گا۔ اس خیال نے کئی سوچوں کو جنم دیا' یہی کہ وہ مجھے کیوں نظرانداز کرتی ہے۔ کیا میرے خلوص میں کوئی قوت نہیں ہے' کیا میں اس قابل ہی نہیں کہ کسی کی نگاہ التفات کا محور بن سکوں؟ احساس محبت کا اظہار تو ایک طرف' وہ مجھے نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔ اضطراب و انتشار نے مجھے خود سے بیگانہ کر دیا۔ میں اپنے طور پر سوچتا چلا گیا۔ خود ہی سوال کرتا' خود ہی جواب دیتا' اپنے طور پر جواز تلاش کرتا اور پھر خود ہی دلیلیں دیتا۔

اس دن جب وہ مجھے نظر آئی تو اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں' بلاشبہ یہ وہی لڑکیاں تھیں جو اس نے ملازم رکھی ہوئی تھیں۔ میں ڈیرے کی طرف جا رہا تھا اور وہ نمبردارنی کے گھر کی طرف سے آ

رہی تھیں، آمنا سامنا ہو جانا یقینی تھا۔ میں نے انہی ساعتوں میں فیصلہ کر لیا کہ میں اس کی تلاش ختم کر دوں، اس کے سماجی بہبود کے جذبے کو سراہتے ہوئے اس کی معاونت کر دوں۔ میں بڑے اعتماد کے ساتھ اس کی راہ میں رک گیا، وہ بھی ٹھٹک کر ٹھہر گئی اور کسی بھی جذبے سے بے نیاز چہرے پر برف بار نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ اس کی نظروں میں الجھن تک نہیں تھی، تبھی میں نے کہا۔

"مس ثمن! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ گاؤں کے لوگوں کے لئے درددل رکھتی ہیں، خصوصاً لڑکیوں کے لئے بہت اچھے منصوبے ہیں آپ کے پاس۔ یہ بہت اچھا کام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی مدد کروں لیکن میں نہیں جانتا کہ میں یہ تعاون کس طرح کر پاؤں گا۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو بتائیں، میں۔۔۔"

لفظ ابھی میرے منہ میں ہی تھے، میں نے دیکھا اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کے گزر گیا جس کا تاثر یقیناً منفی تھا۔ وہ ایک لفظ تک نہیں بولی اور نہ ہی اپنے کسی احساس کا اظہار کیا، بس اسی بے نیازی سے کوئی بات کئے بنا میرے دائیں طرف سے ہو کر اپنی راہ ہو لی۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا، اس کے پیچھے دوسری لڑکیاں بھی بڑھ گئیں۔ میں توہین کے احساس سے سلگ اٹھا۔ پتہ نہیں، کتنی دیر تک میں وہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھڑا رہا۔ پھر نجانے کب اور کیسے ڈیرے پر پہنچا۔ سہ پہر ڈھلنے تک میں شدید قسم کی مختلف منفی اور مثبت سوچوں کے حصار میں رہا۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ طلب نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔۔۔ دو دن مزید گزر گئے، ثمن کی سوچوں سے میں نکل ہی نہیں پایا تھا۔ وہ میرے خیالوں کا محور بنی رہی۔ ان دنوں میں کھیل کے میدان میں بھی نہیں جا سکا حالانکہ پہلے دنیا جہان کی سوچیں میدان سے باہر رکھ کر ریاضت کیا کرتا تھا۔ ثمن کی ذات اور اس سے متعلق جذبات ہی میرے اردگرد حصار بنے رہے۔ میں نے اسے ہر طرح سے سوچا، وہ میرے لئے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی اور پھر میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس فیصلے میں میری ضد بھی شامل تھی اور یہ فیصلہ ایک عہد کی طرح تھا جو میں نے اپنے آپ سے کیا تھا اور جسے میں نے ہر حال میں نبھانا تھا۔ میں فیصلہ کر چکا تو ایک بڑے بوجھ سے نجات پا گیا۔ اسی شام پہلی مرتبہ اسے دیکھنے کے لئے چھت پر چلا گیا۔ کھلی فضا میں موسم بھی بہت دلفریب لگا۔ میں کافی دیر تک چھت پر ٹہلتا رہا اور پھر وہ مجھے نظر آ گئی۔ وہ دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے گملوں کے پاس تھی۔ اس کے ہاتھ میں کٹر تھا اور وہ پودوں کی چھانٹی میں مگن تھی۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کا کاٹن سوٹ پہنا ہوا تھا۔ بہت دیر تک وہ مصروف رہی اور میں اسے دیکھتا۔ اپنے کام سے فراغت کے بعد اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو ٹھٹک گئی، تبھی اس نے اپنا آنچل درست کیا اور صحن سے اندر کی طرف چلی گئی۔ تب سارا منظر ہی پھیکا پڑ گیا۔ میں غروب آفتاب تک وہیں رہا مگر وہ پھر مجھے نظر نہیں آئی۔

اگلے چند دن تک یہی آنکھ مچولی چلتی رہی۔ مجھے جب بھی موقع ملتا، میں چھت پر چلا جاتا۔ پہلے

پہل تو وہ مجھے نظر آ جاتی' پھر اس نے صحن میں نکلنا ہی چھوڑ دیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا تھا کہ یہ عمل غلط ہے لیکن معاملہ میرے دل کا تھا اور دلوں کے معاملات میں حماقتیں سرزد ہو جانا عین قرین قیاس ہوتا ہے۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا اور عقل میرا ساتھ چھوڑ رہی تھی کہ میجر اکرم کا ملازم آیا اور مجھے اپنے ساتھ اس کے سامنے لے گیا۔ وہاں وہ کچھ ہو گیا جس نے مجھے شرمندگی کی دلدل میں دھکیل دیا۔ میں اپنے آپ سے بے نیاز کھرے بان کی چارپائی پر پڑا اپنی بکھری سوچوں سمیت خود کو سمیٹ رہا تھا۔ پھر کسی پہلو قرار نہیں آیا تو میں کھیل کے میدان کی طرف چل پڑا۔

✿✿

اس شام جب میں کبڈی کھیل کر میدان سے باہر آیا تو خلیفہ جی عبداللہ کی نظریں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ میں بچپن ہی سے ان کی نگاہوں کے حصار میں رہا تھا۔ میں اگر ان کے اشارہ ابرو کو سمجھتا تھا تو وہ بھی میرے من کے راز تک رسائی کر جانے کی استطاعت رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت غور سے دیکھا تو میں لرز گیا اور ان سے آنکھیں نہ ملا سکا۔ میں نے وہاں سے ہٹ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ میں نہانے کے لئے نل کی طرف بڑھنے لگا تو خلیفہ جی نے کڑک کر کہا۔

"اوئے' عامر!! عشاء کے بعد آنا میرے پاس۔۔۔۔"

جواباً" میں نے "اچھا جی" کہا تو وہ جس لاپرواہی سے دوسرے لڑکوں کی طرف متوجہ ہوئے' اس سے میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ قلبی لگاؤ تو ہوتا ہی ہے مگر روحانی تعلق بھی بن جاتا ہے۔ وہ لوگ بڑے اہم ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں التفات ہو تو خون میں گرمی آ جاتی ہے اور اسی نگاہ میں اجنبیت ہو تو بندہ مجبور محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسے احساسات میں عشاء تک کا وقت بڑی مشکل سے گزارا۔ کھانے کے بعد میں خلیفہ جی کے گھر چلا گیا جہاں وہ اپنے کچے کمرے میں تنہا ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد ان کے پاس محفل لگ جائے گی' تنہائی میں بلانے کا مطلب کوئی اہم بات کرنا تھی۔ میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر دوسری چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے اٹھ بیٹھے' تکئے کے ساتھ ٹیک لگائی اور خاموش رہے۔ کافی دیر بعد بولے تو ان کے لہجے سے دکھ چھلک رہا تھا' انداز نرم اور شفقت سے بھرپور تھا۔

"عامر' پتر! بتاؤ' کس بات نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔ آج تمہارا کوئی ہاتھ بھی سیدھا نہیں پڑ رہا تھا؟"

میں ان کے سامنے جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی کسی مصلحت کے تحت بات کو چھپانے کی کوشش کی' ساری حقیقت ان سے کہہ دی۔ ایک ایک لفظ جو میجر نے خنجر کی طرح میرے دماغ میں پیوست کر دیا تھا' بیان کر دیا۔ وہ نہایت تحمل سے میری روداد سنتے رہے۔ میں کہہ چکا تو وہ ٹھہرے

ہوئے لہجے میں بولے۔

"مجھے یہ باتیں بھی تمہیں بتانا تھیں لیکن اتنی جلدی یہ وقت آ جائے گا' اس کا احساس نہیں تھا۔ میری غلطی کہ میں تمہیں بچہ ہی سمجھتا رہا' خیر--- میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم دشمن کو بھلا دو' اس کا خیال چھوڑ دو یا پھر اسے پانے کے لئے کچھ اور کرو۔ یہ ساری باتیں قبل از وقت ہیں۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم محبت کو کیا سمجھتے ہو اور پھر کیا تم اس قابل ہو کہ کسی سے محبت کر سکو؟"

"خلیفہ جی! محبت تو ایک فطری جذبہ ہے اور---"

میں نے جوش سے کہنا چاہا لیکن ان کے چہرے پر پھیلتی طنزیہ مسکراہٹ سے میں کہتے کہتے رک گیا۔ تب وہ بولے۔

"جذبہ--- اور وہ بھی فطری جذبہ---؟" ان کے لہجے میں طنزیہ حیرت تھی۔ پھر انتہائی سنجیدگی سے بولے۔ "جنس بھی تو ایک فطری جذبہ ہے اور جذبے تو گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں جیسے چاند اگر پورا ہے تو بھرپور چاندنی اور اگر نہیں ہے تو اماوس' یوں کبھی محبت ہے اور کبھی نہیں؟" انہوں نے یہ کہتے ہوئے میری جانب دیکھا۔ میں خاموش رہا تو وہ کہتے چلے گئے۔ "نہیں' میرے پتر! محبت جذبہ نہیں' رویہ ہے۔ میں مانتا ہوں کہ محبت کی نہیں جاتی' ہو جاتی ہے مگر کیا خوشگوار چہروں ہی سے ہوتی ہے جو وقت کے ساتھ ماند پڑ جاتے ہیں اور پھر کیا محبت' وقت کی محتاج ہوئی یا خوشگوار چہروں کی--- اس راہ پر چلتے ہوئے ہم پہلا قدم ہی غلط رکھ دیتے ہیں۔ پھر بتاؤ' بھلا منزل کیسے مل سکتی ہے؟ میں تم سے یہی کہوں گا کہ پہلے خود کو اس قابل بناؤ کہ تم محبت کر سکو۔ اس کے لئے تمہیں محبت کو سمجھنا ہوگا۔ محبت کی تفسیریں ہوتی رہی ہیں۔ اب بھی ہوتی ہوں گی اور رہتی دنیا تک ہوتی رہیں گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک عام آدمی کی محبت اور ایک "مرد" کی محبت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میجر نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ پہلے یہ سمجھو کہ مرد ہوتا کون ہے' بلاشبہ اسی سے تمہیں محبت کی سمجھ آئے گی۔"

"کیا محبت میں بھی درجہ بندی ہے؟ خواص کی محبت اور طرح کی اور---"

"یہ درجہ بندی تو ہم نے تم نے بنائی ہے' محبت جیسی خالص شے میں اپنی اغراض کی ملاوٹ کر دی--- زمین کی اصل خاصیت یہی ہے نا' کہ وہ نمو کا باعث بنتی ہے' اس میں جیسا بیج ڈالو گے اسی کے مطابق کونپل پھوٹے گی۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ نیم بوئیں تو گلاب اگ آئے۔ یہ فطرت نہیں ہے۔ فطرت پرسکون ہے اور سکون ہی بخشتی ہے۔ محبت زمین کی مانند ہے۔ اس میں جس سوچ کے ساتھ بویا جائے گا' کونپل اسی کا اظہار ہوگی اور سنو! محبت انتہائی طاقتور شے ہے۔ جب تک یہ تمہارے اندر رہے گی' ہر چیز تمہاری طرف لپکے گی' بالکل مقناطیس کی طرح ہو جاؤ گے تم--- اتنی طاقتور شے کو ایک مرد ہی محفوظ رکھ سکتا ہے' دوسرے کسی کے بس کا روگ نہیں۔"

"تو' خلیفہ جی! بتائیں نا' مرد کون ہوتا ہے---؟"

میں نے کہا تو انہوں نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر انتہائی ملائم لہجے میں بولے۔

"مرد! میدان عمل کا شہسوار ہوتا ہے۔ عورتوں کی چاہ میں گوشہ تنہائی تلاش کرنے والا مرد نہیں ہوتا۔ وہ کبھی حسین چہروں میں نہیں الجھتا بلکہ وہ اس دائمی خوبصورتی کا قائل ہوتا ہے جو محبت اس کے اندر پیدا کر دیتی ہے۔ مرد وہی ہوتا ہے جو اپنے اندر کی خوبصورتی سے باہر کی دنیا کو مزین کر دے۔ اس کے پاس مقصد ہوتا ہے کوئی اتنا ہی مرد ہوگا جتنا وہ مقصد کے ساتھ سچا اور مخلص ہوگا۔۔۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے گم صم رہے' پھر اچانک بولے۔ "اپنی طرف نگاہ کرو۔ ایک چہرے نے تمہیں الجھایا اور تم میدان میں بری طرح پٹتے رہے' یہ محبت کا نتیجہ ہو نہیں سکتا۔ محبت کمزور نہیں بناتی بلکہ اس مقام تک پہنچاتی ہے جہاں دوسرے بھی اس سے عطا کی امید باندھ لیتے ہیں۔ تم ایسے بنو کہ وہ خوشگوار چہرہ خود اپنا آپ تمہارے سامنے قبولیت کے لئے پیش کر دے۔۔۔ یاد رکھو' محبت انسان کے اندر خوبصورتی پیدا کرتی ہے جس کا اظہار خوبصورت رویئے ہوتے ہیں۔ جس کا رویہ جتنا خوبصورت ہوگا' وہ اتنا ہی اپنی محبت میں خالص ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے' پھر بولے۔ "اب جاؤ اور سوچو' تم کس مقام پر کھڑے ہو۔ اپنی محبت کا تجزیہ کرو۔ کتنی خالص محبت ہے تمہارے پاس۔۔۔ مجھے آ کر بتانے کی ضرورت نہیں' مجھے خود معلوم ہو جائے گا۔ اب جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ لیٹ گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ مزید بات نہیں کریں گے اور پھر جتنی باتیں انہوں نے کی تھیں' وہی اتنی اہم تھیں کہ میں خود کو اک نئی دنیا میں محسوس کرنے لگا۔ میں ان کے پاس سے اٹھ کر آ گیا۔ میں ان کے کچے کمرے سے باہر نکلا تو میرے اندر اعتماد کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میں اس رات سو نہیں سکا اور میرا وہ رت جگا رائیگاں نہیں گیا بلکہ میں وہ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا' جس نے مجھے پرسکون کر دیا۔

اگلے دن کا سورج قدرے اونچا ہو گیا تھا جب میں ناشتے کے بعد تیار ہو چکا تھا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ ڈیرے پر جانے سے قبل میجر اکرم سے ملنے اس کی حویلی جاؤں گا۔ میرے من میں ذرا سی کھٹک بھی نہیں تھی۔ جب میں اس کے سامنے جا موجود ہوا' وہ اسی طرح دھیل چیئر پر دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کتاب تھی۔ مجھے اپنے ملازم کے ساتھ دیکھ کر وہ ذرا سا بھی نہیں چونکے' مجھے سر سے پاؤں تک یوں دیکھا جیسے میرے آنے کی انہیں توقع ہو۔ اس دن ان کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی ملائمت تھی جس سے ان کے مہربان ہونے کا اندازا ہوتا تھا۔ میں نے سلام کیا تو جواب دیتے ہوئے میری طرف پوری طرح متوجہ ہو کر دیکھا۔

"بولو' کیسے آنا ہوا؟" لہجے میں انتہائی ٹھہراؤ تھا جیسے سمندر میں مدوجزر آنے کے بعد سکون ہو جائے۔

"سر! میرے رویئے سے آپ کو دکھ پہنچا' میں اس کی معذرت کرنے کے لئے آیا ہوں۔ آئندہ

کبھی میری طرف سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔۔۔"

میں نے احترام سے کہا تو انہوں نے اپنی عینک اتار کر قریب پڑی میز پر رکھ دی اور سکون سے بولے۔

"اگر تم نے اپنی غلطی مانتے ہوئے میرے دکھ کا احساس کیا ہے تو میں تمہاری معذرت قبول کرلیتا ہوں۔ ایسا بہت کم لوگ کرتے ہیں' میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔"

"یہ آپ کا بڑاپن ہے کہ آپ نے میری معذرت قبول کرلی لیکن سر! میں ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔" میں نے اپنا لہجہ دھیمار رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا۔۔۔؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہی کہ مجھے غلط مت سمجھا جائے۔ آپ نے اس دن جو بھی کہا' آپ کو کہنا چاہئے تھا لیکن ایک ذرا سی لغزش سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ میری سوچ ہوس زدہ ہے' میرے والدین کی تربیت غلط ہے اور مجھ میں کوئی نیچ پن ہے۔۔۔ ہاں' آپ اسے میری بے وقوفی کہہ لیں یا لاپرواہی یا پھر احمقانہ فعل۔۔۔" میں نے کہا تو وہ میری طرف دیکھتے رہے پھر قدرے مسکراتے ہوئے بولے۔

"نوجوان! ایک بات یاد رکھنا۔ فقط تمہاری باتیں' تمہارا اچھاپن ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں بلکہ تمہارا عمل ہی تمہارے بارے میں فیصلہ دے گا کہ تم کیا ہو۔ یعنی اہمیت عمل کی ہے' باتوں کی نہیں۔۔۔"

"سر! میں فوری طور پر تو اپنے بارے میں یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ میں کیا ہوں' اس کے لئے تو وقت درکار ہے اور ویسے بھی میں اب پڑھنے کے لئے لاہور جانے والا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' جاؤ پڑھو۔ بہت کچھ سیکھو لیکن جو بھی سیکھو' اسے مثبت عمل میں کام لاؤ۔ مجھے تمہاری کامیابی پر خوشی ہوگی۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔۔۔"

انہوں نے دھیرے سے کہا تو میں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ انہوں نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھاما اور پھر آہستگی سے چھوڑ دیا۔ میں وہاں سے نکلا اور ڈیرے کی سمت چل دیا۔ میجر سے میری یہ ملاقات اگرچہ میرے سکون کا باعث بنی تھی لیکن ایک انجانا اضطراب میرے اندر جذب ہو گیا تھا۔

✿✿

اس صبح میں لاہور جانے کے لئے تیار تھا۔ سامان کار میں رکھا جا چکا تھا' ایسے وقت میں ثمن کی ملازمہ لڑکی ایک سفید رنگ کا لفافہ دے گئی۔ وہ لفافہ پاتے ہی میرا دل دھڑکنا چاہئے تھا' میرے اندر کچھ تو ہلچل ہوتی مگر من کے سمندر میں اک ذرا سی لہر بھی نہ اٹھی۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ ثمن ہی کا کوئی پیغام ہوگا۔ میں اس لفافے کو کھولنا چاہتا تھا لیکن وقت نہیں تھا۔ میں سب سے رخصت ہوا اور

دھڑکتے دل کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے کار بڑھائی تو گاؤں کے سارے منظر بچھڑتے چلے گئے۔ کار پکی سڑک پر رواں تھی اور میں اپنوں کی محبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ معاً" مجھے سفید لفافے کا خیال آیا۔ میں نے اسے کھولا' وہ دو بڑے صفحات پر مشتمل ایک خط تھا جو ثمن نے میرے لئے لکھا۔

محترم عامر صاحب! ڈھیروں دعائیں آپ کے لئے۔

شاید میں آپ کو خط نہ لکھتی لیکن آپ کے لئے یہ چند لفظ لکھنا از حد ضروری تھے۔ میرا یہ خط کوئی محبت نامہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کا بیان میرا مقصد ہے--- آپ یقین رکھیں' میں نے آپ کو کبھی غلط نہیں سمجھا مگر میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ مجھے ڈسٹرب کریں۔ جس طرح کا رویہ آپ نے اپنایا تھا' میری نگاہ میں اس کی ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں ہے۔ میں لڑکی ہوں' میرے بھی ارمان ہو سکتے ہیں۔ گوشت پوست کا وجود رکھتے ہوئے میرے اندر بھی جذبات ہونے کا اتنا ہی امکان ہے جتنا کسی بھی انسان کے لئے ممکن ہے مگر میرے نزدیک زندگی کے وہ معنی نہیں رہے جو ایک عام انسان کے لئے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ یہی حقیقت میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔

ہم تین بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑے ضیاء اللہ' پھر میری بہن عطیہ اور اس کے بعد میں--- "تھے" میں نے اس لئے لکھا کہ ضیاء اللہ اور عطیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے' وہ شہید ہو چکے ہیں اور ان کے ساتھ میری والدہ بھی--- دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے بابا میجر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور انہی دنوں ضیاءاللہ کو کیپٹن کا عہدہ ملا۔ ان کی پوسٹنگ اندرون سندھ میں ہوئی۔ وہ باوجود خواہش کے ہمیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے اور پھر ہم کراچی کے بہترین کالجوں میں پڑھ رہی تھیں۔ ضیاءاللہ کو جب بھی چھٹی ملتی' وہ ہمیں ملنے کے لئے آ جاتا۔ وہ چند دن ہمارے لئے بھرپور خوشیوں کے ہوتے۔ امی ان کے لئے لڑکی تلاش کر رہی تھیں اور بابا اپنی کتابوں میں گم رہتے۔ ہمارے دن بڑے اچھے اور سکون سے گزر رہے تھے مگر ایک بار جب ضیاءاللہ آئے تو بہت پریشان تھے۔ وہ زیادہ تر بابا ہی سے باتیں کرتے رہے' ان کی باتیں ہم نے بھی سنیں۔ وہ دراصل ایک بھارتی خفیہ تنظیم کی سندھ میں بڑھتی ہوئی اثراندازی کی باتیں تھیں۔ اپنے وطن سے محبت اور فن سپہ گری کی لاج' دونوں انہیں ورثے میں ملیں تھیں اور پھر یہ ان کے کیریئر کا سوال بھی تھا۔ پریشان وہ اس لئے تھے کہ وہ اندرون سندھ سیاسی اجارہ داری اور ان کے ہتھکنڈوں سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ جن لوگوں کے زیر سایہ یہ نیٹ ورک چل رہا تھا' ان کی جڑیں اس دھرتی میں بہت گہری تھیں۔ ضیاءاللہ باصلاحیت تھے' وہ باحوصلہ تھے۔ میرے بابا کا تجربہ اور میری والدہ کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے تو مزید ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی۔ یہ زیادہ احتیاط کا کام تھا۔ وہ بابا سے مشورہ کرتے رہے۔ بابا نے انہیں بہت کچھ بتایا' وہ مطمئن سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بابا کے پاس عجیب طرح کے لوگ آنے لگے۔ ان میں سیاسی شخصیات بھی تھیں اور وڈیرے بھی' مدعا ان کا

یہی تھا کہ بابا اپنے بیٹے کو سمجھائیں کہ وہ بس ڈیوٹی کریں اور بہت ساری مراعات پائیں۔ بابا بہت اچھے طریقے سے انہیں ٹالتے رہے۔ ہمیں احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ذہنی طور پر کس قدر ڈسٹرب ہیں اور معاملہ کس قدر گھمبیر ہے۔ بابا ہی ضیاءاللہ کو یہ سبق دیتے رہے تھے کہ اپنے فرض کو ایمان کا درجہ دینا' اس میں چاہے جتنا نقصان ہو جائے۔ میرے بھائی جب بھی آتے' بابا انہیں حوصلہ دیتے' مزید مشوروں سے نوازتے اور اپنا فرض پوری ایمان داری سے نبھانے کی تلقین کرتے۔ انہی دنوں ایک بھاری تن و توش کا مالک شخص بابا کے پاس آیا' تب پہلی بار بابا نے اسے حقارت سے دھتکار دیا حالانکہ وہ بڑے تحمل سے اس معاملے سے نپٹ رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ضیاءاللہ آئے' اسی شام ہمارے گھر پر دشمن چڑھ دوڑے۔ میں اس وقت چھت پر تھی۔ فائرنگ اس قدر شدید تھی کہ پورا علاقہ سہم کر رہ گیا تھا۔ میں جب تک نیچے آئی' وہ لوگ جا چکے تھے۔ میں بدحواس سی سب کو دیکھنے لگی۔ فقط بابا میں جان تھی' باقی سب شہید ہو چکے تھے۔ مجھے ہوش نہیں کہ کس طرح بابا کو ہسپتال پہنچایا گیا۔ گھر میں لاشیں اور بابا ہسپتال میں جاں بلب۔ وہ وقت اور حالات میرے لئے کسی طور بھی قیامت سے کم نہیں تھے۔ جن ہاتھوں سے میں یہ لفظ لکھ رہی ہوں' انہی ہاتھوں پر میں نے اپنوں کا لہو محسوس کیا ہے' میرے ہاتھ تو رنگین ہو چکے۔ بابا گھر سے اٹھنے والی میتوں کو کاندھا تک نہ دے سکے۔ انہوں نے بابا کو زندہ بھی اسی لئے چھوڑا تھا کہ وہ انہیں عبرت کا نشان بنا دینا چاہتے تھے۔ بابا کی دونوں ٹانگیں کاٹنا پڑیں اور وہ ہمیشہ کے لئے معذور ہو گئے۔ یہ اسی وڈیرے کا انتقام تھا جسے بابا نے وطن دشمنی کی بناء پر دھتکار دیا تھا۔ میرے بابا کی زندگی میں اپنوں کا دکھ بھر گیا۔ ہم دونوں باپ بیٹی نے کراچی شہر چھوڑ دیا اور یہاں اس گاؤں میں آن بسے۔

میں آپ سے سوال کرتی ہوں کہ کیا ہم یہاں بھی محفوظ نہیں ہیں؟ ہم مہذب انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا سلیقہ کب سیکھیں گے؟ کیا اپنے وطن میں بھی ہمیں اپنی عزت و ناموس کے لئے لڑنا ہوگا' کیا ہمارا مقصد حیات عشق و محبت جیسی مصروفیات میں گزرے گا؟ آپ خود بتائیں کہ میں جن حالات سے گزر رہی ہوں' کیا ایسے حالات میں مجھے کچے جذبوں کا اسیر ہونا چاہئے؟ ایک لمحہ کو میں مان بھی لوں کہ آپ پورے خلوص سے مجھے اپنالیں گے۔ پھر کیا ہوگا وہی عام لوگوں کی طرح شادی کی' بچے پیدا کئے' انہیں پالا اور مر گئے۔ بس کیا یہی زندگی کی کہانی ہے اور یہی ہے زندگی کا مقصد؟--- کوئی کیا سوچتا ہے' مجھے اس سے غرض نہیں۔ میرے سامنے ایک واضح مقصد ہے اور میں اسے ہر حال میں' ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ یہ عشق و محبت کی باتیں انہیں زیب نہیں دیتیں جن کے پاس کوئی بڑا مقصد ہو۔

میرے پاس آپ کے لئے کوئی مشورہ نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہئے۔ ہاں' یہ ضرور بتانا ہے کہ میرے اس خط لکھنے کی وجہ کیا ہے۔ میں اپنی داستان سنا کر آپ کی ہمدردیاں حاصل نہیں کرنا چاہتی اور

آپ بھی ایسا مت سمجھئے گا۔ جس طرح آپ نے بابا سے کہا کہ آپ کو غلط نہ سمجھا جائے' اسی طرح میں بھی اپنے رویئے کے بارے میں آپ پر واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ میرے رویئے کی وجہ کیا تھی۔ مجھے آپ سے اس تصدیق کی ضرورت قطعاً" نہیں ہے کہ میں غلط ہوں یا صحیح؟--- پہلے مجھے یہ احساس تھا کہ آپ میرے مقصد کی راہ میں رکاوٹ ہیں اس لئے آپ میرے دشمن ہیں۔ اب مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ اگر آپ خلوص نیت سے میرے پراجیکٹ مین تعاون کرنا چاہتے ہیں تو یقین جانیں' اس سے بڑی مدد اور کوئی نہیں کہ آپ مجھے ڈسٹرب نہیں کر رہے۔ آپ کا مجھے ڈسٹرب نہ کرنا ہی میری مدد ہو گی---!

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میرے اس خط اور اس سے متعلق باتیں کسی کو معلوم نہ ہوں۔ میرے بابا کی طرح' میری بھی نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

فقط ثمن"

میں نے وہ خط کئی بار پڑھا' ہر بار ایک نئی کیفیت سے متعارف ہوا۔ مجھے لگا' یہ خط ہی میرا زاد راہ ہے۔ پھر مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ سفر کس طرح سمٹتا چلا گیا۔

✿✿

کاش' ثمن مجھے وہ خط نہ لکھتی جس کا ایک ایک لفظ خواب کی مانند نہیں بلکہ ٹھوس حقیقت کی طرح میرے شعور میں بس چکا تھا۔ وہ خط مجھے ایک نئی دنیا میں لے آیا تھا۔ یوں جیسے کوئی پرسکون بہتی ندی سے اچانک شوریدہ سر سمندر میں آن گرے۔ اس کے لکھے ہوئے لفظوں سے جہاں من اک نئی سرشاری سے آشنا ہوا تھا' وہاں لہو میں بھیگے ہوئے جذبات نے میرے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ رشتے' ناتے اور تعلق کی سپردگی کا احساس زندگی کی کیسی کیسی حقیقتوں سے آشنائی دے جاتا ہے' یہ ان لفظوں سے مجھے معلوم ہوا۔ میں نے جو بزعم خود اپنے اندر محبت کی پھوٹنے والی کونپل کو اک بھول سمجھ کر نظرانداز کر دیا تھا' وہی نادانی میرے لئے ایک مقصد بن کر کڑے امتحان کی صورت میری سانسوں میں ہمکنے لگی۔ میں ایک دوراہے پر آن کھڑا ہوا تھا۔ ایک راہ تو یہی تھی کہ میں سب کچھ بھول کر اپنا من پسند جیون گزارتا چلا جاؤں۔ ایسے میں ثمن کی اک ذرا سی یاد سے بھی کوئی سروکار نہ ہو۔ اسے بھی انہی لوگوں میں شمار کروں جو زندگی میں آتے ہیں اور پھر ماضی کی دھند میں غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کا احساس تو ہوتا ہے لیکن وہ کسی بھی فیصلے پر اثرانداز نہیں ہو سکتے۔ دوسری میری محبت کی راہ تھی' جس کی منزل ثمن تک جاتی تھی--- ان دنوں مجھے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے میں اپنا آپ گم کرتا چلا جا رہا ہوں۔ میری اندر ایک نیا انسان جنم لے رہا ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں تھا۔ میں یہ تجزیہ ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ ثمن سے محبت میں نے کی تھی یا اس انسان نے جو میرے وجود میں انگڑائیاں لے رہا تھا کیونکہ اس انسان کی تمام تر سوچوں اور فیصلوں کا محور ثمن تھی۔ میں بے قرار ہو

جاتا کہ آخر میرے اندر کی اس گھمبیر تبدیلی کا جواز کیا ہے؟ یہ اس ذرا سی بھول کی سزا ہے یا پھر محبت کرنے کی جزا؟--- اگر تو میرے اندر اس نئے انسان کا جنم محبت ہی کے باعث ہے تو کیا محبت اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ بندے کا اپنا آپ گم ہو جائے اور کوئی دوسرا اس کے وجود میں سانس لینے لگے۔ یہ فنا و بقا کا سلسلہ کیا ہے' کیا میں اسے قبول کر لوں؟--- قبولیت کا فیصلہ میری زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیتا۔ اک نئی دنیا میرے سامنے آن ٹھہرتی اور اسی میں سانس لینا مقدر ہو جاتا۔ میں ان راہوں کا مسافر ہو جاتا جہاں ثمن ایک منزل کی طرح تھی۔ میرے اور اس کے درمیان پل صراط تھا۔ میرے اندر کا انسان اس پل صراط کو پار کرنے کی ہمت اور قوت رکھتا تھا مگر کیسے؟ یہی سوال میرے انتہائی اضطراب کا باعث بن گیا تھا--- میرے اندر تیزی سے تبدیلی ہو رہی تھی۔ فنا و بقا کا سلسلہ دراز ہو رہا تھا۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ من کی گہرائیوں میں اتر جانے کا سفر ہے یا زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے کے لئے امتحان درپیش ہے۔ میرے اندر کا انسان اپنے عشق کی آگ میں جلنے کو تیار تھا مگر نارسائیاں آڑے آ رہی تھیں۔ دشمن کے وجود کا احساس ہونے کے باوجود اسے چھو لینے کی حسرت میرے وجود کو پگھلا رہی تھی۔ یہ تو بس ایسے ہی تھا کہ جیسے ہوا کو قابو میں کر لیا جائے۔ ثمن میرے سامنے تھی لیکن درمیان میں اک خلا تھا جو مجھے اس تک پہنچنے نہیں دے رہا تھا۔ بے بسی کا عفریت میرے حوصلوں کو نگل رہ تھا۔ میں خود اپنی نگاہوں میں تماشا بن کر رہ گیا تھا۔ کبھی تو حوصلے' ہمت اور یقین سے میرے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑپھڑانے لگتیں اور کبھی بے بسی' لاچاری اور مجبوری کے باعث سانس لینا بھی دشوار تر ہو جاتا۔ نجانے یہ کیسی تبدیلی تھی مگر میں اس سے خوف زدہ نہیں تھا بلکہ ایک عجیب من موہنی سرشاری میرے رگ و پے میں سرائیت کر گئی تھی--- اگرچہ پرندے کی فطرت فضاؤں میں اڑنا ہے مگر وہ یہ اڑان تبھی بھر سکتا ہے جب اس کے پر پورے ہوں۔ نئی دنیاؤں کی کھوج اور اپنے شکار کی تلاش کا جتنا بھی حوصلہ' ہمت اور یقین ہو' آدھے ادھورے پروں کے ساتھ اڑنا نری حماقت ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں تھا کہ ثمن کے پیاروں کو شہید کر دینے والے کون ہیں اور ان تک رسائی کیسے ممکن ہو سکتی ہے لیکن مجھے خود پر اتنا بھروسہ ضرور تھا کہ اگر میں نے ٹھان لی تو وہ چاہے کہیں بھی ہوں' میں ان تک پہنچ جاؤں گا۔ یہ بالکل ایسے تھا کہ جیسے میرے چاروں طرف گھپ اندھیرا ہو اور اس میں کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا مگر ان اندھیروں میں اک ثمن کی محبت کا چراغ روشن تھا جس کی لو میرے یقین کو پختہ کرتی چلی جا رہی تھی۔ میرا من چاہتا تھا کہ انجانی دنیاؤں کے سفر پر نکل جاؤں لیکن راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس دن بھی صبح کا اجالا ابھی پھیلا نہیں تھا' میرے اندر کی بے چینی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی تھی جب میں ہاسٹل کے مین گیٹ سے باہر آ گیا۔ اوائل اکتوبر کی خنک ہوا میرے چہرے سے ٹکرائی تو قدرے سکون کا احساس ہوا۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا نہر کنارے آ گیا۔ میرا معمول یہی بن گیا تھا کہ

میں بہتے پانی کے ساتھ جوگنگ کرتا ہوا دور نکل جاتا' واپس پلٹنے تک سورج اپنی کرنیں پھیلا چکا ہوتا۔ میری طرح اور بہت سارے لوگ بھی سیر کے لئے نکلا کرتے۔ چند ایک تو چہرہ شناسی کی حد تک واقف ہو گئے تھے۔ اس دن بھی میں دوڑتا چلا جا رہا تھا کہ میں نے سامنے سے آتے اس ادھیڑ عمر شخص کو دیکھا' جس پر روزانہ نظر پڑتی تھی۔ وہ بھرے بھرے جسم اور کھچڑی بالوں والا تھا' چہرے پر چھوٹی چھوٹی داڑھی اس کے تیکھے نقوش پر اچھی لگتی تھی۔ وہ ہمیشہ صاف ستھرا ٹریک سوٹ اور مہنگے جوگرز پہنتا۔ اس کے ہاتھ میں بلیک اسٹک ہوتی۔ اس کا انداز اپنے آپ میں مگن رہنے والا ہوتا تھا۔ وہ روزانہ میری طرف گہری نظروں سے دیکھتا اور پھر تیز قدموں کے ساتھ میرے قریب سے گزر جاتا۔ وہ جب بھی غور سے میری جانب دیکھتا تو مجھے یوں لگتا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر اس نے کبھی مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا' بس مجھے غور سے دیکھنے کے بعد میرے قریب سے گزر جاتا۔ اس دن ابھی وہ مجھ سے کافی فاصلے پر تھا کہ مجھے دیکھتے ہی رک گیا اور ہاتھ پھیلا کر مجھے رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ میرے اندر طوفان اٹھا' یہ غیر معمولی بات تھی۔ جب تک میں اس کے قریب پہنچا' تب تک میں خود پر قابو پا چکا تھا۔ میرے رکتے ہی اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے صفدر علی خاں کہتے ہیں---"

اس کے یوں کہنے پر میں نے اس سے ہاتھ ملایا تو اس کی گرفت خاصی سخت لگی۔ میں نے سلام کرنے میں پہل کی تو وہ جواب دے کر بولا۔

"بیٹا! میں تمہیں روزانہ دیکھتا ہوں اور دل کرتا ہے کہ تم سے بات کروں--- کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو' یہاں لاہور کے تو نہیں لگتے؟" اس کے لہجے میں حد درجہ ملائمت تھی۔ میں نے اپنا تعارف کرایا اور پھر اپنے متعلق دلچسپی کی وجہ بھی پوچھ لی۔ تب وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ "بس یونہی' بیٹا! اللہ نظرِبد سے بچائے۔ ماشاءاللہ خوب بدن کمایا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ تم سے اک بات کہوں۔"

"تو کہہ دیں---" میں نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"کہنے کو یہ معمولی بات ہے مگر اہم ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم نے بدن کمایا ہے' اب اس کی حفاظت بھی کرنا۔ یہ زیادہ ضروری ہے۔"

"مگر کیسے---؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"مثبت سوچ کے ساتھ---" انہوں نے کہا اور پھر جلدی سے ہنستے ہوئے بولے۔ "ہو سکتا ہے' میری یہ بات تمہیں اتنی جلدی سمجھ میں نہ آئے۔ میں ادھر کینال ویو میں رہتا ہوں۔ تمہیں جب بھی وقت ملے' آ جانا' میں تمہارا انتظار کروں گا--- روزانہ صبح ملاقات تو ہوتی رہے گی۔"

"کیوں نہیں جی' میں ضرور حاضر ہوں گا---" میں نے انکساری سے کہا تو وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر

میرے قریب سے آگے بڑھ گئے اور میں ان کی بارعب شخصیت کے حصار میں کتنی دیر تک رہا۔
میں شاید صفدر علی خاں کو بھول جاتا یا میں ان سے ملاقات کو اہمیت نہ دیتا لیکن وہ مجھے روزانہ صبح ملتے، اشارے سے علیک سلیک ہو جاتی۔ جب بھی ان سے آمنا سامنا ہوتا، ان سے ملنے کو دل چاہتا۔ پھر چند دن کے بعد یہ احساس بھی ہونے لگا کہ میں اگر ان کے پاس نہیں جا رہا تو ان کی خواہش رد کر رہا ہوں۔ پھر آخر ایک چھٹی کے دن میں ان کے گھر چلا گیا۔ وہ اپنے لان میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، مجھے دیکھتے ہی کھل اٹھے۔ اس دن ہمارے درمیان بہت ساری باتیں ہوئیں۔ وہ میرے اور میری پڑھائی سے متعلق پوچھتے رہے اور اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ وہ ریٹائر زندگی گزار رہے تھے۔ وہ دنیا کے مختلف ملکوں کے سفارت خانوں میں رہے تھے۔ وہ ایک بھرے پرے خاندان کے سربراہ تھے اور انتہائی خوشگوار زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں نہ صرف گفتگو کرنے کا سلیقہ تھا بلکہ ایک جہان معلومات ان کے پاس تھا۔ میں ان کی باتوں میں کھو کر رہ گیا۔ ان کی باتوں میں بڑی اپنائیت تھی۔ اس وقت میں یہی سمجھا کہ یہ ادھیڑ عمر شخص محض وقت گزاری کے لئے لوگوں سے ملاقات کا متمنی ہے لیکن رفتہ رفتہ جب ان سے میری ملاقاتیں بڑھنے لگیں اور وہ بھی میرے معاملات میں دلچسپی لینے لگے تو مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے لئے کس قدر اہم ہو سکتے ہیں۔ ان سے تعلق کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میرا اضطراب بڑی حد تک کم ہو گیا۔ میری صبحیں بڑی خوشگوار ہو گئیں اور میں بھرپور نیند کے بعد بیدار ہوتا۔ میں خاصا بدل گیا تھا، بلاشبہ اس کی وجہ صفدر علی خاں تھے۔ وہ انتہائی دوستانہ انداز میں میری ذہنی تربیت کرتے چلے جا رہے تھے، اس کا احساس مجھے بہت دیر بعد ہوا۔

✿✿

ان دنوں میرے پہلے سال کے امتحان ہو چکے تھے، امتحانوں کی مصروفیات کے باعث میں صفدر علی خان سے مل نہیں سکا تھا۔ گاؤں جانے کے بعد چند ہفتوں بعد واپسی ممکن ہوتی۔ اس لئے جانے سے پہلے میں ان سے بھرپور ملاقات چاہتا تھا۔ میں نے سامان سمیٹا اور تیار ہو کر ان کے پاس جا پہنچا۔ ارادہ یہی تھا کہ وہ سہ پہر انہی کے ہاں گزاروں گا اور پھر شام ڈھلے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ اپنے ساتھ مختصر سامان اٹھائے دیکھ کر وہ نہایت بے تکلفانہ انداز میں بولے۔

”ارے تمہارے ارادے تو ٹھیک ہیں، کہیں ہاسٹل سے تو نہیں نکال دیئے گئے ہو؟“

”ایسا کچھ نہیں، سر! میں گاؤں جا رہا ہوں اور ہو سکتا ہے، چند ہفتے لگ جائیں۔ میں نے سوچا آپ سے ملتا چلوں۔“

”بڑا اچھا کیا۔۔۔ آؤ، بیٹھتے ہیں۔۔۔“

انہوں نے کہا اور لان میں بچھی کرسیوں کی جانب چل دیئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی ان کا ملازم جوس لے آیا۔ اس دوران وہ میرے امتحانوں کے بارے پوچھتے رہے۔ تبھی اچانک انہوں نے کہا۔

"عامر! اتنے دن گاؤں میں کیسے رہ لو گے۔ یہاں شہر کی رنگینیاں ہیں' آزادی ہے' وہاں دل لگ جائے گا تمہارا۔۔۔؟"

"۔۔۔ بالکل لگے گا۔ وہاں میرے والدین ہیں' میرا گھر ہے اور پھر خلیفہ جی بیمار ہیں۔ جتنا ہو سکا' میں ان کی خدمت کروں گا۔ میری اپنی پڑھائی ہے' کتابیں میں ساتھ لے جا رہا ہوں۔ وقت گزرتے پتہ بھی نہیں چلے گا۔۔۔" میں نے کہا تو وہ مسکرا دیئے۔ پھر انتہائی بے تکلفانہ انداز میں پوچھا۔

"اس ساری تفصیل میں کسی رنگین آنچل یا کسی ریشمی بندھن کا ذکر نہیں ہے۔ مجھ سے چھپا رہے ہو یا۔۔۔؟" عام سے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے فقرہ ادھورہ چھوڑ دیا۔ میں انہیں کیا کہتا بس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میں ایسے کسی تعلق کا دعویٰ کر سکتا ہوں؟ میں جب بھی گاؤں گیا تھا' میں نے کبھی ثمن سے ملنے یا اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی' یہاں تک کہ میجر اکرم سے بھی ملنے نہیں گیا۔ گاؤں کی وہ گلیاں جہاں ثمن نظر آیا کرتی تھی' میں نے وہ رستہ ہی چھوڑ دیا تھا۔ ڈیرے اور اپنے کمرے کے درمیان ہی رہتا۔ کبھی چھت کی طرف نگاہ بھی نہیں کی تھی جہاں سے ثمن کو دیکھ لئے جانے کا امکان تھا۔ گھر سے نکلتا تھا تو صرف خلیفہ جی عبداللہ کے لئے ورنہ اپنے کمرے ہی میں رہتا۔۔۔ میں جب کچھ بھی نہ کہہ سکا تو انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"سوری' ڈیئر! میں نے شاید غلط بات کہہ دی ہے۔۔۔"

"نہیں' خان صاحب! ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ دراصل میں ایسا کچھ کہہ ہی نہیں سکتا کہ میں کسی ریشمی بندھن میں بندھا ہوا ہوں یا نہیں؟" میں نے پوری دیانتداری سے کہا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ تم ایسے کسی تعلق کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس سے انکاری ہو۔ اس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ تم کسی الجھن میں ہو۔۔۔ تم جانتے ہو کہ الجھنیں بندے کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیتی ہیں جو انسانی صلاحیتوں کو برباد کر دینے کا باعث بنتی ہیں۔

"ہاں' ایسا تو ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ اگر آپ مجھے نہ ملتے تو شاید میں اب تک ذہنی مریض بن چکا ہوتا۔ آپ کی وجہ سے میں بہت ساری لاحاصل اور فضول سوچوں سے بچ گیا ہوں۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے ثمن اور اس کی وجہ سے ہونے والے واقعات اور پھر یونیورسٹی ہاسٹل میں اپنی اضطرابی کیفیات کے بارے میں پوری سچائی سے بتا دیا۔ وہ اطمینان سے سنتے رہے۔ میں کہہ چکا تو وہ بولے۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ تمہیں ثمن سے محبت ہے یا نہیں۔۔۔ بھئی یہ کیسی محبت ہے؟" انہوں نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"خاں صاحب! آپ میری بات نہیں سمجھے تو یہ الگ بات ہے مگر آپ میرا مذاق نہیں اڑا سکتے۔ میں ثمن سے محبت کرتا ہوں لیکن۔۔۔"

"لیکن--- یہ جو لیکن ہے نا' یہ جواز ہے اور وہ بھی فضول قسم کا۔ خلیفہ جی بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ ابھی تم اس قابل نہیں ہوئے کہ محبت کر سکوں۔ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تمہیں محبت ہے اور پھر ذہنی انتشار کا شکار بھی ہو' ایسا تو نہیں ہوتا۔ محبت تو انسان کو ذہنی یکسوئی عطا کرتی ہے جس کے باعث انسان میں تسخیری قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ محبت ایک کیفیت کا نام ہے اور وہ اپنی صفات میں پانی کی طرح ہے تو محبت کا جوہر خوبصورتی ہے۔ جس من میں بھی یہ ہوگی' وہاں خوبصورتی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔"

انہوں نے دھیرے دھیرے اپنی بات ختم کی تو میں جلدی سے بولا۔

"کیسے---؟"

"خود اپنے آپ سے پوچھو گے تو تمہیں جواب مل جائے گا۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"نہیں۔ ایسے نہیں' خان صاحب! مجھے محبت نے نہیں' محبت کے تقاضوں نے منتشر کیا ہے۔ میں ثمن سے محبت کرتا ہوں' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن میری محبت کا تقاضا یہ کہتا ہے کہ میں اس کے دشمن تلاش کروں اور انہیں ختم کردوں۔ اس کا جو مقصد ہے' اس کے لئے جان توڑ کوشش کروں---"

میں نے پورے جوش سے کہا تو سرد لہجے میں بولے۔

"صرف ثمن کو پانے کے لئے---؟" انہوں نے کہا تو میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ "یعنی جب تم یہ سب کچھ کرو گے تو ثمن خوش ہو جائے گی اور وہ تمہارے قدموں میں آگرے گی۔ یہی نا!--- نہیں' پیارے! یہ محبت نہیں ہو سکتی' اس کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً ضد' خودغرضی' ہوس وغیرہ وغیرہ--- مجھے یہ افسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں مثبت سوچ کے بارے میں بتا ہی نہیں پایا ہوں۔ تم ابھی تک ایک محدود دائرے میں بند ہو۔ تمہارے سامنے فقط ایک لڑکی کا نام ہے۔ تمہاری بات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ ثمن کے وہ دشمن کون تھے' انہوں نے کیا کیا ہے' وہ کس کے لئے کس قدر بھیانک تھے؟ بذات خود تمہاری ان سے کوئی دشمنی نہیں لیکن چونکہ وہ ثمن کے دشمن ہیں' سو تم اس لئے انہیں برا خیال کر رہے ہو---" انہوں نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو میں خاموش رہا۔ چند لمحے وہ خود پر قابو پاتے رہے پھر بولے۔ "تم اس انداز سے کیوں نہیں سوچتے کہ ان لوگوں کا یہ عمل غلط تھا اور اس کی انہیں سزا ملنی چاہئے۔ کتنی ثمن ہیں جن کے ساتھ ایسا ظلم ہو رہا ہے۔ ایسا کیوں کیا انہوں نے' کیا ثمن سے ان کی ذاتی دشمنی تھی؟--- نہیں' میرے بیٹے! ایسا نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا مقصد حل کیا ہے' چاہے اس کے لئے انہیں کسی کی جان بھی لینا پڑی۔ غدار بھی قوم کا حصہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ سزا کا حقدار ہوتا ہے۔ وہ لوگ اور ان کا یہ

عمل غلط ہے' اس کا احساس انہیں کون دلائے گا۔ میری قوم کے یہ نوجوان!" یہ کہہ کر وہ کتنے لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتے رہے اور میں سر جھکائے سنتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پھر گویا ہوئے۔ "عامر! میں سمجھتا ہوں کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا لیکن یہ بات سن کر اگر تم میں ذرا سا بھی احساس شرمندگی ابھرا ہے تو بلاشبہ تمہاری رگوں میں غیرت مند خون ہے۔ غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ تم سوچو' یہ ظلم تمہاری دشمن پر نہیں' قوم کی بیٹی پر ہوا ہے اور ظالم کا ہاتھ توڑنا ہی شیوۂ مردانگی ہے۔ یہ بدن جو تم نے کمایا ہے' کس کام کا؟ اگر یہ فقط ایک لڑکی کو پانے کی آرزو میں گھلتا ہے تو یہ نری حیوانیت ہے۔ اپنی محبت کو آفاقی بناؤ' میرے بچے! حیوانیت کے لئے نہیں' انسانیت کے لئے لڑو---"

"میں اپنی محبت کو آفاقی بنانا چاہتا ہوں مگر کیسے؟--- آپ تو ان لوگوں کی طرح بات کر رہے ہیں جو یہ تو کہتے ہیں کہ من کا عرفان حاصل کرو مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ یہ عرفان حاصل کیسے کیا جاتا ہے۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتا جو محض علمیت جتانے کے لئے کی جائیں اور کہنے والے کو اس کا ادراک نہ ہو۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو' بنا ادراک بات کہنا نری جاہلیت ہے۔ مگر' میرے بچے! دیکھا یہ جاتا ہے کہ سامنے والا اتنا ظرف رکھتا بھی ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر تمہارا وژن محبت کے بارے میں محض اتنا ہے کہ فقط دشمن کو حاصل کر لیا جائے۔ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ یہ ہم بڑوں کی غلطی ہے کہ تمہیں ماحول ہی ایسا دیا ہے' ایک لڑکی کا حصول ہی تمہاری نگاہ میں محبت ہے اور یہی حاصل زندگی۔ تم کیسے یہ بات سمجھ پاؤ گے کہ ایسا کر کے تم اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دو گے۔ تم اپنی سوچ اگر محض دشمن پر رکھو گے اور اس کے حصول کی جدوجہد کرو گے تو بھی اپنی صلاحیتیں آزماؤ گے اور اگر اپنی قوم کے لئے اپنی جدوجہد کرو گے تو بھی تمہاری صلاحیتیں ہی کام آئیں گی۔ بس سوچ کا فرق ہے' یہی ظرف ہے---" انہوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کسی کا ظرف جاننے کے لئے کیا پیمانہ ہے آپ کے پاس---؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ وہ اپنی لگن کے ساتھ کتنا مخلص ہے--- یقین ایسی قوت ہے جو اپنے راستے خود بناتی ہے' سہارے تلاش نہیں کرتی اور یقین کہیں سے نہیں آئے گا۔ تمہارے اندر ہی پڑا ہوا ہے' اسے آزماؤ گے تو تمہیں خود اپنی ذات پر اعتماد بڑھتا چلا جائے گا--- تم بستر پر پڑے بے چین ہوتے رہو گے تو تمہیں دشمن کبھی نہیں ملیں گے اور نہ کوئی دوسرا انہیں لا کر تمہارے سامنے کھڑا کرے گا۔ اگر ان تک پہنچنے کا یقین تمہارے پاس تھا تو پھر تم نے اب تک کیا کوشش کی؟--- محبت کا اظہار لفظوں کا محتاج نہیں ہوا کرتا' عمل خود بخود ظاہر کر دیتا ہے۔ اصل زندگی محبت کو پالینا نہیں بلکہ جدوجہد میں ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے پھر اچانک ہی بولے۔ "کبھی گولی چلائی ہے کسی انسان پر---؟"

"ایسی نوبت نہیں آئی۔" میں نے کہا۔

"تو پھر جان لو کہ دشمن کے وہ دشمن' بات ہی گولی کی زبان میں کرتے ہیں۔"

"کیا آپ جانتے ہیں انہیں۔۔۔؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"۔۔۔ نہ جانتے ہوئے بھی انہیں پہچانتا ہوں' میرے بچے! دشمن کو پہچان لینا ہی آدھی جنگ جیت لینا ہوتا ہے۔ اس کے وار کرنے کا طریقہ کیا ہے یا تم اس پر کیسے وار کر سکو گے' اس وقت کا تصور کرو جب دشمن تمہارے سامنے ہوگا اور تم اس پر وار کرنے میں بے بسی محسوس کرو گے' یہ تمہاری بھیانک شکست ہوگی۔ دشمن تک پہنچنے میں جتنا وقت لگ جائے' لگا دو لیکن جب اس پر ہاتھ ڈالو تو اس قدر مضبوطی سے کہ باوجود کوشش کے وہ تمہارے ہاتھ سے نہ نکل سکے۔ دشمن جتنا کمینہ ہوگا' تمہیں اتنی زیادہ محنت کرنا پڑے گی۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ ہمارے درمیان یہ خاموشی کئی لمحوں تک رہی۔ میں سوچتا رہا کہ صفدر علی خاں کتنے جذباتی انداز میں کیا کچھ کہہ گئے ہیں۔

"یہ ایک لمبا راستہ ہے لیکن میں تیار ہوں' کیا آپ میری رہنمائی کریں گے؟"

میں نے براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے خوشگوار حیرت سے میری طرف دیکھا اور سکون سے بید کی کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ مگر یہ راہ کٹھن ہے' ان راہوں پر چلنے کے لئے چٹان جیسا حوصلہ چاہئے۔"

"آپ راہوں کی نشاندہی تو کریں' پھر میرا حوصلہ دیکھئے۔۔۔"

میں نے بڑے سکون سے کہا تو مسکرا دیئے۔ پھر بولے۔

"دیکھو انسان اپنی گم ہو جانے والی چیزوں کو دوبارہ پا لیتا ہے مگر اک بار حوصلہ ہار جائے تو اسے دوبارہ نہیں پا سکتا۔ اس لئے ان راہوں پر چلنے کے لئے اپنا آپ ہارنا پڑتا ہے مگر تمہارے من کی سچائی' سارے راستے' ساری راہنمائیاں تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دے گی۔ اس کا تمہیں یقین ہونا چاہئے۔۔۔ تم گاؤں جاؤ' پلٹ کر آؤ گے تو مزید باتیں ہوں گی۔ سمجھو' تمہاری جدوجہد کا آغاز ہو چکا۔"

ان کا لہجہ اس قدر حتمی تھا کہ اسی لمحے مجھے ادراک ہو گیا کہ میری بے قراری رائیگاں نہیں گئی۔ محبتوں کی قوتیں لازوال ہوتی ہیں' آخر یہ رنگ لا کر رہیں۔ صفدر علی خاں جو میرے لئے مشعل بردار بن گئے تھے' کیا یہ میری محبت میں خلوص کا مظہر نہیں ہے؟۔۔۔ شام ڈھلے انہوں نے مجھے بس اسٹینڈ پر ڈراپ کر دیا اور میں گاؤں کی جانب عازم سفر ہوا۔

✿✿

میں صبح کے وقت گاؤں پہنچ گیا۔ وہاں مجھے سب سے پہلی خبر یہی ملی کہ خلیفہ جی ہسپتال میں ہیں' طبیعت انتہائی ناساز ہونے کی وجہ سے انہیں رات ہی نزدیکی ہسپتال لے گئے تھے۔ میں نے بمشکل ناشتہ

ابا اور بائیک لے کر ہسپتال جا پہنچا' نہ جانے کیوں میرا دل ان کے لئے کھنچا چلا جا رہا تھا۔ میرے ابو کے علاوہ گاؤں کے چند اور لوگ بھی وہیں موجود تھے۔ ہسپتال کے اس کمرے میں اتنے لوگ ہونے کے باوجود خاموشی تھی۔ میرا دل دھڑک کر رہ گیا۔ کسی کے ساتھ چھوٹ جانے کا احساس تو پورے بدن کو ہلا کر رکھ دیتا ہے' میرا تو ان سے روحانی تعلق تھا۔ وہ بہت نحیف ہو چکے تھے۔ انہوں نے دو دنوں سے کچھ بھی کھایا پیا نہیں تھا۔ ان پر غنودگی طاری تھی۔ اگلے پل کیا ہو جائے' یہ وہاں پر موجود سبھی لوگوں کے چہروں پر لکھا ہوا تھا۔ میرا دل بھر آیا۔ میں نے بمشکل اپنے آنسو روکے اور ان کے سرہانے کے پاس دھرے سٹول پر بیٹھ گیا۔ میں نے بڑے پیار اور احترام سے ان کا ہاتھ پکڑا۔ کچھ دیر ایسے ہی گزر گئی' تب وہاں پر موجود ہر بندے نے یہ جان لیا کہ خلیفہ جی نے میری آمد کا احساس کر لیا ہے۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر میری جانب دیکھا' کچھ کہنے کے لئے لب ہلانا چاہے مگر وہ ایسا نہ کر سکے اور سکون سے آنکھیں موند لیں۔ پھر دوبارہ وہ آنکھیں نہیں کھلیں۔ اسی عالم میں کافی وقت بیت گیا۔ میرے ہاتھ پر ان کی گرفت مضبوط تھی جو ڈھیلی ہوتی گئی' یہاں تک کہ ان کا ہاتھ ڈھلک گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری آمد پر وہ عالم برزخ سے لمحوں کے لئے واپس آئے ہوں' کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر اذن ملا نہیں ہوا اور پھر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی' وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ فوراً" ڈاکٹر کو بلوایا گیا' اس نے دیکھا اور تصدیق کر دی کہ خلیفہ جی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ میں نے آخری بار ان کا باریش چہرہ دیکھا اور پھر میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے آنسو روکنا اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ بندہ جاں بلب ہو جائے۔

✿✿

خلیفہ جی کو اس جہان سے گئے تیسرا دن تھا۔ یہ دن میں نے انہی کے گھر میں گزارے تھے۔ ان کی اولاد' ہم شاگرد ہی تھے۔ ان کی بیوی اور بیٹا تقسیم ہند کے بعد پاکستان آتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ علاقے کے لوگ تعزیت کے لئے ہمارے پاس آتے رہے' تیسرے دن اپنے گھر چلا گیا۔

شام کا وقت تھا۔ میں خوب نہا کر تازہ دم ہوا۔ صحن میں میرے والدین بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے پاس چلا آیا' میرے بیٹھتے ہی چائے آ گئی۔ ملازمہ نے چائے کا کپ دیتے ہوئے خلیفہ جی کی بات چھیڑ دی۔ ہم چائے پیتے ہوئے انہی کی باتیں کر رہے تھے کہ نمبردارنی پروین اور ثمن نمودار ہوئیں' اس کے ساتھ ہی نمبردار اور ثمن کی ملازم لڑکیاں بھی سامنے آ گئے۔ میری نگاہیں ثمن پر ٹک گئیں۔ اس نے ہلکے پرپل رنگ کا سوتی سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر کالے رنگ کی کڑھائی کی گئی تھی۔ حسب معمول اس کا چہرہ جذبات سے بے نیاز تھا۔ ہم سب صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے جلو میں وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اسے اپنے گھر میں دیکھ کر مجھے حیران ہونا چاہئے تھا۔ میرے دل کی دھڑکن اور لہو کی گردش تیز ہو جاتی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اگرچہ حیرانگی ایک نعمت ہے مگر

دکھائی دینے والی اشیاء میں کچھ اور بھی دیکھنے کو دل مچل جاتا ہے کیونکہ سامنے موجود ظاہری حقیقت میں کئی ساری باطنی حقیقتیں بھی ہوتی ہیں جو پرت در پرت ایک جہان حیرت رکھتی ہیں۔ ثمن کا ظاہری رنگ و روپ تو میرے سامنے تھا ہی لیکن اس جذبات سے بے نیاز لڑکی کے اندر کیا ہے' وہی میرے لئے تجسس کا باعث تھا' جیسے پتہ نہیں ہوتا کہ پرسکون سمندر کی تہہ میں کتنے طوفان پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مجھے لگا کہ میں ثمن کی ذات کو کھوجنے کی راہ پر چل نکلا ہوں جبکہ اس جدوجہد کا زادراہ فقط عشق ہوتا ہے۔

"عامر! ہم سب تم سے بات کرنے کے لئے آئے ہیں---"

نمبردارنی پروین نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو اس کے لہجے میں انتہا درجے کی سنجیدگی تھی جس سے مجھے احساس ہوا کہ وہ ضرور کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہے۔

"جی فرمائیں---؟" میں نے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا تو اس نے اپنے سر پر اوڑھی ہوئی چادر کو خواہ مخواہ ٹھیک کیا اور قدرے اعتماد سے بولی۔

"کیا تمہیں خلیفہ جی عبداللہ کی وصیت بارے معلوم ہے جو انہوں نے زبانی ہم سے کہی تھی؟"

"جی نہیں' لیکن اگر ایسی کوئی وصیت ہے تو بتایئے؟" میں نے سعادت مندی سے کہا۔

"ہم کچھ عرصہ قبل ان کے پاس گئے تھے---" نمبردارنی پروین نے دھیمے انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنا مکان' سکول بنانے کے لئے دے دیں۔ اس کے عوض ہم انہیں ایک پختہ گھر اور رقم بھی دے رہے تھے۔ تب انہوں نے کہا تھا کہ وہ تم سے مشورہ کر کے بتائیں گے۔ پچھلے دنوں جب ان کی طبیعت زیادہ ہی خراب ہونے لگی تو چند گواہوں کے سامنے انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہم وہ مکان لے لیں اگر عامر چاہے تو--- اس کے لئے انہوں نے کچھ قانونی کارروائی بھی کی تھی جس کے بارے میں نمبردار صاحب اور تمہارے اباجی کو سب حقیقت معلوم ہے۔" وہ ساری تفصیل بتا کر ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہاری مرضی معلوم ہو سکے۔"

"کیسی مرضی---؟" میں نے ان کا اصل مدعا جاننے کے لئے پوچھا۔

"یہی کہ تم وہ مکان فروخت کرو گے؟ اگر فروخت کرو گے تو کس قیمت پر' ہم ہر اس قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں جتنی تم کہو---"

نمبردارنی نے قدرے اونچے سروں میں کہا تو میں نے انتہائی سکون سے پوچھا۔

"آپ لوگ کیا چاہتے ہیں---؟"

"یہی کہ تم اس کی مناسب قیمت لے لو تاکہ بچیوں کا اسکول بن جائے۔" پہلی بار نمبردار لب کشا ہوا۔

"میں اسے بیچوں گا نہیں---" میں نے اطمینان سے کہا تو ان کے چہرے اتر گئے۔ اس لمحہ کے دوران میں نے ثمن کے چہرے پر حیرت اترتے ہوئے دیکھی' شاید اسے یہ توقع نہ رہی ہو کہ میں ایسا کروں گا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جب کسی نے بھی کچھ نہ کہا تو میں بولا۔ "میں اس گھر کو اسکول کے لئے بلاقیمت وقف کردوں گا مگر اس کے لئے میری ایک شرط ہوگی۔"

"وہ کیا؟" نمبردارنی نے تیزی سے پوچھا۔

"اس سکول کی عمارت اور سازوسامان پر جو اخراجات آئیں گے' وہ میں دوں گا۔ چاہیں تو اس کا آج ہی سنگ بنیاد رکھ دیں---"

میں نے طمانیت سے کہا اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔ میری مخاطب نمبردارنی پروین تھی اس لئے میں نے ثمن کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا سو میں نہیں جان پایا کہ اس کے تاثرات کیا رہے ہوں گے۔ یہ سب کہتے ہوئے میرے ذہن میں یہ نہیں تھا کہ ثمن ایک لڑکی ہوتے ہوئے اتنا بڑا کام کر سکتی ہے تو میں مرد ہو کر اس سے پیچھے کیوں رہوں؟ نہ کوئی سوچ مقابلہ بازی کی تھی اور نہ ہی اسے جتانے کے لئے کر رہا تھا کہ آخر اسے میری ضرورت آن ہی پڑی یا اسے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لئے میری مدد لازمی چاہئے ہوگی۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا' اگر کچھ تھا تو صرف یہی کہ میں ثابت کر سکوں کہ میرے اندر بھی شرافت کا عنصر ہے۔ تبھی نمبردارنی نے ثمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' ہم مشورہ کر کے بتاتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے---"

"میں ہوں ابھی تین چار دن یہاں پر---"

میں قدرے لاپرواہی سے بولا تو اچانک ثمن نے نمبردارنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر عامر صاحب ایسی صورت چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ہمارا مقصد سکول بنانا ہے اور ہمیں اپنا مقصد حاصل کرنا چاہئے۔"

"تو پھر جیسے تمہاری مرضی۔" نمبردارنی پروین نے گویا ثمن کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

"آپ لوگ اپنا کام شروع کریں' آپ کو رقم ملتی رہے گی---"

میرے ابو نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو گویا میری بات کی تصدیق کر دی۔ مجھے ان لمحات میں احساس ہوا کہ میرے ابو مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اتنے اخراجات میرے باپ کے لئے مشکلات ضرور پیدا کریں گے لیکن ایسا کرنا ناممکن نہیں تھا۔ انہوں نے فقط میری بات رکھنے کے لئے ہاں کی تھی--- باتوں کا رخ بدل گیا تھا' وہ کچھ دیر بیٹھے اور چلے گئے امی انہیں پھاٹک تک الوداع کہنے کے لئے چلی گئیں' تب میں نے ابو سے کہا۔

"ابو! یہ رقم میں دوں گا' آپ پریشان---"

"اوئے' پاگل! تو ابھی پڑھ رہا ہے۔ جب پڑھ لکھ جائے گا نا' تو یہ رقم لوٹا دینا یہ سمجھ کہ میں تجھے

ادھار دے رہا ہوں۔"

وہ یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ میں اپنے آپ کو بے حد حوصلہ مند سمجھنے لگا۔ مجھے لگا کہ میں جو چاہوں سو کر سکتا ہوں۔ یہی وہ لمحات تھے جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ بس دولت کمانی ہے۔ انسان کی بے شمار خواہشات میں سے کچھ ایسی خواہشیں بھی ہوتی ہیں جن کی بنیاد نیک نیتی پر ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس وسائل نہیں ہوتے۔ ایسا بے وسیلہ شخص کسی کے لئے کیا کر سکتا ہے؟ ایسے میں یہ گمان کرنا کہ وہ بے حس ہے' اس میں صلاحیتیں نہیں یا اس کی نیت پر شک کیا جائے' غلط ہوگا۔ اگرچہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی لیکن فی زمانہ وسائل کے حصول میں آسانی دولت سے ممکن ہو جاتی ہے اور میں اپنی محبت کو کسی طور بھی بے وسیلہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ شام مجھے بڑی خوبصورت لگی۔ میں گاؤں کی حویلیوں' کچے پکے مکانوں' دھول اڑاتی گلیوں' ننگ دھڑنگ بچوں' چوک کے کنویں اور پیپل کے درخت' سب کو چھوڑتا ہوا کھیتوں میں آ گیا۔ سوری کی میٹھی اور انگ انگ میں نشہ بھر دینے والی ہوا کو میں نے اپنے سینے میں اتارا' بادلوں کی گرماہٹ کو میں نے اپنی انگلیوں کی پوروں پر محسوس کیا۔ درختوں کی تازہ کونپلیں میرے ساتھ کبھی مسکرانے اور کبھی قہقہے لگانے لگیں۔ ہریالی نے مجھے سرور بخشا اور پھیلے ہوئے نیلے آسمان نے مجھے اس وسیع و عریض دنیا میں پھیل جانے کا حوصلہ عنایت کیا۔ بارگاہ حسن میں محبت کا نذرانہ جو قبول ہو گیا تھا' میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ میری تنہائیوں کا امین درختوں کا وہ جھنڈ بھی میرے ساتھ مسکرا رہا تھا جہاں میں نے افسردگی' بے سکونی اور منتشر ذہن کی کئی شامیں گزاریں تھیں۔ اس وقت بھی میں ٹیوب ویل پر تنہا تھا۔ میں اس سمے سرشاری کی انتہاؤں پر تھا کہ اچانک دائیں طرف سے مجھے ثمن آتی دکھائی دی' اس کے ساتھ وہی دو لڑکیاں تھیں۔ وہ دور ہی کھڑی رہ گئیں تھیں اور وہ تنہا میری طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ میں نے اسے اپنا وہم جانا لیکن اس وقت مجھے یقین کرنا پڑا جب وہ پورے وجود کے ساتھ میرے سامنے کھڑی تھی۔ شاید وہ دن انہونیوں کا دن تھا۔ ثمن میرے سامنے تھی اور میں اس کے حقیقی وجود کو وہم سمجھ رہا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے چپ چاپ میرے سامنے کھڑی رہی۔ مجھے لگا' میرے سامنے کے سارے منظر جامد ہو چکے ہیں اور سارے منظروں پر وہی چھا گئی ہے' تبھی سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

"عامر صاحب! بہت شکریہ۔۔۔"

اتنے لفظ کہتے ہوئے اسے پتہ نہیں کس پل صراط سے گزرنا پڑا تھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں پڑے گلابی ڈورے گہرے ہو گئے' پلکوں پر ستارے چمکے اور آنسو اس کی آنکھ سے بے وفائی کر گیا۔ میں نے اس قیمتی موتی کو پیوند زمین نہیں ہونے دیا' آگے بڑھ کر اپنی ہتھیلی پر لے لیا۔۔۔

گریہ اشک کو کوتاہ نظر کیا سمجھے
اشک گر اشک نہ ہوتا تو ستارہ ہوتا

وہ اشک میری ہتھیلی پر سلگنے لگا۔ اس کی تاثیر نے میرے جذبات کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ میں نے اس اشک کو اشک نہیں رہنے دیا' اپنے مقدر کا ستارہ بنا لیا۔ جس نے مجھے اس عشق سمندر تک رسائی دی جسے میں نے اوڑھ لیا۔ اگر کسی کی نگاہ پوری زندگی بدل سکتی ہے تو اشک محبوب بھی عشق سمندر تک رسائیاں دے سکتا ہے--- ثمن نہ جانے کب کی جا چکی تھی اور وہ عطیہ دلنواز مجھے دان کر گئی' وہ ایک جہاں میری ہتھیلی پر چھوڑ گئی تھی۔

اگلے دو دن میں ضروری کاغذی کارروائی پوری ہو گئی اور سکول پراجیکٹ پر کام شروع ہو گیا۔ سنگ بنیاد رکھتے ہوئے پورا گاؤں وہاں موجود تھا۔ پہلی اینٹ میرے ہاتھ میں تھما دی گئی کہ میں یہ رسم نبھاؤں لیکن میں نے وہ اینٹ میجر اکرم کو دے دی تاکہ وہ یہ رسم نبھا دیں۔ اس رات مجھے ابو نے بتایا کہ انہیں خلیفہ جی عبداللہ کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ میری اور میجر اکرم کے درمیان کیا باتیں ہوئیں تھیں۔ ابو خوش تھے کہ میں نے وضع داری نبھا کر ان کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے' پھر اگلی صبح میں لاہور پلٹ گیا۔

✿✿

صفدر علی خاں کو نجانے کیسے معلوم ہو گیا کہ میں واپس ہاسٹل آ گیا ہوں۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے کہ وہ آ گئے۔ ان کا رویہ یوں تھا کہ جیسے وہ میرے انتظار میں تھے۔ ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے کیفے ٹیریا جا پہنچے۔ سکون سے بیٹھنے کے بعد میں نے گاؤں میں ہونے والی روداد بیان کر دی' وہ بہت خوش ہوئے اور مسرت بھرے لہجے میں بولے۔

"عامر! دولت کا حصول انتہائی معمولی کام ہے۔ میں کئی ایسے ذرائع جانتا ہوں جہاں سے دولت بارش کی طرح برستی ہے مگر اس ذریعہ کو استعمال کرنے کا گر آتا ہو--- یاد رکھو' کسی بھی کام کے لئے خود کو تیار کرنا پڑتا ہے۔ قوت کا صحیح استعمال ہی درحقیقت کامیابی ہوتی ہے جیسے مچھلی پکڑنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے' نہ کہ زور آزمائی۔ اسی طرح اگر سیلاب آ جائے تو پھر وقت نہیں دیکھا جاتا' اس سیلاب کو روکنے کے لئے طاقت لگانا پڑتی ہے۔ مطلب' مختلف کاموں کے لئے صرف ایک ہی قوت پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئے' پھر بولے۔ "تم پریشان نہیں ہونا' ثمن کے پراجیکٹ کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی' تمہیں بس اپنا کام کرنا ہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا---؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ان مختلف قوتوں کا حصول' جس کے لئے تم اپنے مقاصد حاصل کر سکو۔ اب یہ فیصلہ تم

نے کرنا ہے کہ تم کیا چاہتے ہو۔۔۔؟"

"خان صاحب! یہ تو طے ہے کہ مجھے ثمن سے محبت ہے' میں چاہوں بھی تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ میرے اندر' میرے من میں بس چکی ہے۔ میں نے سوچا ہے اور بہت سوچا ہے۔ میری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں وہ کچھ کروں جو عورت ہونے کے ناتے وہ نہیں کر سکتی۔ اس کی محرومیوں کا مداوا کروں' اس کی راہ میں آنے والی رکاوٹیں ہٹاؤں۔ اس کی مشکلات کو آسانیوں میں بدل دوں۔ میں یہ سب کچھ اسے حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا ہے اور میرے اس سوچنے کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کے لئے کسی وجود کا ہونا ضروری نہیں ہے' محبت کرتے چلے جانا ہی محبت کی اصل روح ہے۔ میں اگر ثمن سے محبت بھی کروں اور اس کے لئے کچھ بھی نہ کرپاؤں تو میں سلگ کر رہ جاؤں گا اور میری راکھ میرے اندر ہی دفن ہو جائے گی۔ راہ وفا کے اس سفر پر مجھے جانا ہے' منزل ملتی ہے یا نہیں' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔۔۔" میں نے کہا تو صفدر علی یکدم ہی چہک اٹھے اور لذت آمیز لہجے میں بولے۔

"اسے ہی تو عشق کہتے ہیں' میری جاں۔۔۔!" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو رکے اور میری طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "تمام تر جذبات کا جوہر' یہی جذبہ عشق ہی تو ہے۔ جس میں نگاہ فقط اپنے محبوب پر ہوتی ہے اور باقی سب کچھ دھیان سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے لئے کچھ بھی نہ کرتے ہوئے بہت کچھ کر لیا جاتا ہے اور وہ بہت کچھ ذرہ برابر اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔ خیر' اصل شے قبولیت ہے' کون سا عمل قبول ہوتا ہے۔ اس بارے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں اگر عشق ہو گیا ہے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ انسان جب تخلیق کیا گیا تھا' اس وقت جذبے اس کے ضمیر میں رکھ دیئے گئے تھے ورنہ فرشتوں کی یہ جبلت نہیں ہے کہ وہ جذباتی ہوں۔ جذبات کا عطیہ صرف انسانوں کو ودیعت کیا گیا ہے۔ جذبہ محبت ہی بنیاد ہے تمام تر جذبات کا اور اسی کا عکس دوسری مخلوقات میں دکھائی دیتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہارا جذبہ عشق سلامت رہے۔ یہی تم میں وہ جولانیاں بھر دے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"یہاں آپ اپنی بات کی نفی کر رہے ہیں۔ صرف جذبات سے تو مقاصد نہیں ملتے' عمل بھی۔۔۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ جذبے ہی بنیاد ہوتے ہیں اور عمل اس کا اظہار۔ سچے جذبوں کا اظہار نہ چاہتے ہوئے بھی ہو جاتا ہے اور محبت میں گندھے ہوئے عمل لافانی تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ یہی تاریخ کا سبق ہے۔" یہ کہہ کر وہ مسکرائے اور بولے۔ "ابھی تم عشق سمندر کے ساحل پر ہو' موجوں کی روانی محسوس کر رہے ہو۔ جب عشق سمندر میں اترو گے تو پھر تمہیں

معلوم ہو گا کہ کیا کیا گوہر نایاب تمہارے ہاتھ لگے ہیں۔ عشق سود کا نام نہیں' ہنگامہ خیزی کا نام ہے۔ ہجر سے وصال تک کے سفر میں تو جنوں خیزی ہی جنوں خیزی ہے۔۔۔۔"

وہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ میں بھی چپ رہا۔ پھر میں سوچتا چلا گیا کہ میری راہیں کون سی ہیں۔ میرا مقصد واضح ہو گیا۔ میں نے عزم کر لیا کہ سہاروں پر انحصار نہیں کروں گا' فقط اپنی قوتوں پر ہی بھروسہ' میری کامیابی ہو گی۔ مجھے میرا مقصد چاہئے' اس کے لئے جتنا وقت لگ جائے۔ جتنی قوت چاہئے' وہ حاصل کروں گا۔۔۔ اسی خاموشی سے ہم وہاں سے اٹھ گئے۔

عشق سمندر' جس کا نہ کوئی کنارا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی گہرائیوں تک رسائی رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس میں کائنات کے نجانے کن کن گوشوں سے بہتے ہوئے دریا آتے ہیں اور اپنا آپ اس میں فنا کر کے لذت محسوس کرتے ہیں۔ ستاروں سے نور کا' رات سے پراسراریت کا' ہواؤں سے رازداری کا' پھولوں سے خوشبو کا' درختوں سے احساس زندگی کا' پہاڑوں سے عزم و حوصلے کا' آسمان سے وسعتوں کا پرندوں سے قناعت کا۔۔۔ نجانے کون کون سے دریا' عشق سمندر کی وسعتیں' گہرائیاں اور رسائیوں کا ادراک کوئی نہ کر سکا اور نہ کوئی کر پائے گا۔ اس میں اترنے والے بے حد و حساب ہیں۔ دیر بس اترنے کی ہوتی ہے اور پھر سطح سمندر سے ذرا نیچے ہی ایسے گہر نایاب اور درخشاں موتی ہاتھ لگتے ہیں کہ عشق سمندر میں اترنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اپنی کم مائیگی کا احساس ہی اسے مار ڈالتا ہے۔ اس کی سانسیں اکھڑنے لگتیں ہیں۔ وہ اسی خزانے کو بہت خیال کرتے ہوئے ساحلوں کی طرف بھاگتے ہیں کہ خشکی والوں کو بتائیں کہ وہ کیا کچھ پا چکے ہیں۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب وہ گنگ ہو جاتے ہیں۔ تنگی داماں کا احساس کرتے ہوئے دوبارہ پلٹنے کی سعی کرتے ہیں مگر جنوں خیزیاں انہیں کہیں کا نہیں رہنے دیتیں اور وہ جو عشق سمندر میں مزید گہرائیوں کی طرف محو سفر رہتے ہیں۔ وہ تبھی ایسا کر سکتے ہیں جب وہ مقام فنا پر فائز ہو جائیں۔ تب پھر مٹی سونا' چاندی نہیں' جواہر میں ڈھلتی ہے۔ بدن کا روم روم قیمتی موتیوں سے زیادہ آبدار ہو جاتا ہے۔ یہ مقام رضا کی ابتدا ہے' یہی عشق کا جوہر ہے اور عشق' کائنات کا خلاصہ ہے۔

✿✿

سورج بادلوں کی اوٹ میں غروب ہو رہا تھا۔ افق پر پھیلی ہوئی سرخی کا عکس کراچی کی تاحد نگاہ تک دکھائی دینے والی آبادی پر پڑ رہا تھا۔ میں جناح ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر کھڑا تھا۔ مجھے اس گاڑی کا انتظار تھا جو مجھے لینے کے لئے آ رہی تھی۔ کہیں کہیں بجلی کے قمقمے جل اٹھے تھے جو زمیں پر بچھے ستاروں کی طرح لگ رہے تھے۔ تیز چلتی ہوئی ہوا نامانوس محسوس ہو رہی تھی کہ شاید ایسی بھیگی ہوئی تیز ہوا کی مجھے عادت نہیں تھی یا پھر اس وقت میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ اور

جذباتی ہو رہا تھا۔

میں لاہور میں اپنی پڑھائی ختم کر چکا تھا۔ صفدر علی خاں کی وساطت سے پڑھائی کے دوران ہی میرا رابطہ ان لوگوں سے ہو گیا تھا جن کا اپنا نیٹ ورک تھا۔ وہ ایک کمپنی تھی اور بظاہر وہ کئی طرح کے کاروبار کرتے تھے لیکن اصل میں ان کے کئی اہداف ہوتے تھے جن کی تکمیل عالمی سطح پر ہوا کرتی تھی۔ میں جو بھی کام کرتا تھا' اس بارے مجھے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میں کس مقصد کے پورا ہو جانے کے لئے اپنے حصے کا کام کر رہا ہوں۔ جدید اسلحہ سے لے کر جدید ترین معلومات تک ان کی رسائیاں تھیں۔ میں جو فقط کارتوس والی رائفل چلانا جانتا تھا' اب ہر قسم کا اسلحہ استعمال کر سکتا تھا۔ میری رسائیاں بڑھ گئیں تھیں۔ یوں جیسے کوئی چھوٹی سی ندی سے دریا میں آن پڑے۔ اس دوران میں بہت کم گاؤں گیا تھا۔ ثمن کا پراجیکٹ مکمل ہو گیا تھا اور وہ بچیوں کے لئے دن رات محنت میں لگی ہوئی تھی۔ یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر لینے کے بعد میں گاؤں نہیں گیا۔ دولت کا حصول میرے لئے مسئلہ نہیں رہا تھا۔ میں نے وہ ساری رقم ابو کو لوٹا دی تھی جو ثمن کے پراجیکٹ پر خرچ ہوئی تھی۔ میں نے اس کمپنی میں رہتے ہوئے غیر معمولی محنت کی تھی۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے دن رات کے فرق کو مٹا دیا تھا۔ میں نے اپنے مقامی باس سے چند دن پہلے کہا تھا کہ میں لاہور چھوڑ کے کراچی جانا چاہتا ہوں۔ ایک طویل گفتگو کے بعد اس نے میرے لئے اس شہر میں جانے کے لئے بندوبست کرنے کی حامی بھر لی۔ میں نے اپنے باس کو اس وجہ کی ہوا نہیں لگنے دی کہ میں وہاں کیوں جانا چاہتا ہوں جبکہ میں بہت پہلے سوچ چکا تھا کہ مجھے کراچی جانا ہے اور وہیں سے ثمن کے دشمنوں کی تلاش کا آغاز کرنا ہے کیونکہ یہ واقعہ وہیں ہوا تھا۔ میں چاہتا تو بڑی آسانی کے ساتھ میجر اکرم سے معلوم کر لیتا کہ اس کے دشمن کون لوگ تھے مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا' میں انہیں کوئی خواب دکھا کر انتظار کی سولی پر نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ میں بڑی آسانی سے صفدر علی خان کے ذمے لگا دیتا کہ وہ اپنے تعلقات آزمائیں اور مجھے پتہ کروا دیں لیکن میری ہمت اور عزم نے گوارا نہیں کیا کہ میں سہارے تلاش کروں۔ میں نہ صرف خود اپنے جذبوں کو آزمانا چاہتا تھا بلکہ اپنی صلاحیتوں کو بھی پرکھنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اس راہ کا تنہا مسافر ہوں اور مجھے اس راہ پر اکیلے سفر کرنا ہے۔

اس دوپہر میں برٹش کونسل سے نکلا تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں باغ جناح میں تھوڑی دیر کے لئے ستاؤں۔ میں نے بائیک اس جانب موڑی ہی تھی کہ میرے سیل فون پر باس کا پیغام آ گیا کہ میں اسے فوراً ملوں۔ میں نے اپنی خواہش ادھوری چھوڑی اور باس کے پاس جا پہنچا۔ اس نے انتہائی خوشگوار تاثرات کے ساتھ مجھے بیٹھنے کو کہا۔ میں اس کے سامنے بیٹھ گیا تو اس نے ٹکٹ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"لیں، عامر صاحب! آپ کراچی جائیں۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ وہاں آپ کو زوہیب پک کریں گے۔"

میں نے ٹکٹ اٹھا کر دیکھا، وہ سہ پہر کے بعد کی فلائیٹ تھی۔ میں نے ٹکٹ جیب میں ڈالا اور اپنے باس سے ہاتھ ملا کر چل دیا۔ میں نے اپنا مختصر سامان سمیٹا اور ایئرپورٹ جا پہنچا۔ اب جناح ایئرپورٹ کے باہر مجھے زوہیب کا انتظار تھا۔ وہ کچھ عرصہ لاہور میں رہا تھا۔ وہ کمپنی کے خاص لوگوں میں تھا، بظاہر لاپرواہ اور لاابالی دکھائی دینے والا لیکن کمال کی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ بوٹے سے قد کا صحت مند نوجوان تھا۔ سر پر گھنے بال، بھاری گول چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں اور اسی مناسبت سے دیگر موٹے نقش۔ موٹی گردن میں بھاری سونے کی چین پہنتا تھا۔ کھانے پینے اور لڑکیوں کو دیکھنے کی حد تک شوقین تھا۔ اس کی چند دن کی رفاقت، میرے ساتھ دوستی میں بدل گئی تھی۔ پھر وہ لاہور چھوڑ گیا تو کوئی خبر نہ رہی--- میں نے گھڑی دیکھی۔ مجھے وہاں کھڑے دس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے۔ تبھی میرے پاس بلیک کرولا آ رکی اور اگلے ہی لمحے زوہیب گاڑی سے باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ ہلکی سی شرمندگی تھی، دونوں بازو پھیلاتے ہوئے دور ہی سے بولا۔

"سوری، ویری سوری--- میں ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔"

پھر گلے ملنے کے بعد وہ تفصیل بتانے لگا اور ساتھ ہی میرا مختصر سامان ڈگی میں رکھ دیا۔ ہم وہاں سے چلے تو ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ چل نکلا--- میرا اضطراب انتہاؤں کو چھونے لگا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ سفر کے بعد ہم وہاں آ گئے جہاں کئی منزلہ عمارتیں تھیں۔ اس دوران ہم نے ادھر ادھر ساری باتیں کر لی تھیں۔ زوہیب نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ میرے بارے میں اسے اندازہ نہیں تھا، مجھے وہاں پر کیا کرنا ہو گا۔ انہی باتوں کے دوران وہ رہائشی علاقہ آ گیا، خاصا صاف ستھرا اور پرسکون علاقہ تھا۔ زوہیب نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روک دی اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس عمارت میں ایک لگژری فلیٹ ہے جس میں تم رہو گے بلکہ یوں سمجھو کہ تمہیں گھر کی طرح ماحول ملے گا۔"

"کیا اس میں پہلے سے کچھ لوگ رہائش پذیر ہیں---؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"صرف ایک بوڑھی خاتون اور اس کی جوان سال بیٹی فائقہ--- اب تمہیں یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ کام کرتی ہے۔ تم اس کے دور پار کے کزن ہو اور یہاں اپنی ملازمت کے سلسلے میں آئے ہو۔"

اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مجھے تفصیل بتائی تو میں نے محض سر ہلا کر اسے اپنی رضامندی کا عندیہ دے دیا--- لفٹ ہمیں تیسری منزل پر لے گئی۔ ہم سامان اٹھائے لفٹ سے نکلے اور گیلری میں

آ گئے' وہ دائیں ہاتھ پر چوتھا فلیٹ تھا۔ زوہیب نے دستک دی تو اس کے جواب میں دروازہ فوراً" کھل گیا۔ میرے سامنے ایک پتلی سی' سرخ اور خوش لباس لڑکی کھڑی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں اک خوشگوار حیرت پھیل گئی۔ اس نے لمحوں میں خود کو سنبھالا اور زندگی سے بھرپور آواز میں ہمیں خوش آمدید کہا' پھر ایک طرف ہٹ کر اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔

"آپ کو تھوڑی دیر نہیں ہو گئی۔۔۔؟" فائقہ نے مسکراتے ہونٹوں سے پوچھا۔

"ہاں' بس دیر ہو گئی۔۔۔" زوہیب نے میرا سوٹ کیس ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنا بیگ وہیں رکھا اور قریب دھرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے وہاں کے ماحول کا جائزہ لیا۔ پہلی نظر میں ہی وہاں کے مکینوں کا تاثر یہی تھا کہ وہ نفاست پسند ہیں۔ وہاں بہت زیادہ قیمتی چیزیں نہیں تھیں لیکن پورے ماحول میں خوشگواریت' خوبصورتی اور نفاست کا احساس تھا۔ مجھے وہاں سانس لینا اچھا لگا تھا۔ ماحول انسان کے جذبات' احساسات اور رویئے پر بہت زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ قیمتی سے قیمتی ماحول میں اگر انسان منتشر ہو جائے تو وہ بے وقعت ہوتا ہے۔ جبکہ سادہ سا ماحول' جس میں گھٹن کا شائبہ نہ ہو' بندے کو پرسکون رکھنے میں بے حد معاون ثابت ہوتا ہے۔ قیام گاہ چاہے عارضی ہو یا مستقل' اس میں سکون ہو تو زندگی میں خوشگواریت کا احساس در آتا ہے۔ اصل میں گھر کو جتنا مرضی سجالیا جائے' جس قدر مرضی سہولیات سے مزین کر لیا جائے لیکن اگر اس کے مکیں ہم خیال نہ ہوں تو وہ گھر' گھر نہیں رہتا بلکہ سرائے سے بھی کم تر درجے کی قیام گاہ ہوتا ہے۔ وہاں کے ماحول میں اگر مجھے خوشگواریت کا احساس ہوا تھا تو اس میں فائقہ کا بھرپور تاثر گھلا ہوا تھا۔ اس کے چہرے نے بتا دیا تھا کہ اسے میرا آنا اچھا لگا ہے' بلاشبہ میرے متعلق زوہیب نے اسے پہلے بتا دیا ہو گا۔

"زوہیب! باتیں تو ہوتی رہیں گی' آپ یہ بتائیں کہ ابھی آپ چائے لیں گے یا؟" فائقہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"صرف سادہ پانی' پھر تھوڑی دیر بعد فریش ہو کر کھانا کھائیں گے۔"

میں نے کسی تاثر کے بغیر کہا تو وہ فوراً" اٹھ گئی۔ ذرا سی دیر میں وہ چمکتے ہوئے شیشے کے گلاسوں میں پانی لے آئی۔ کچھ دیر باتیں کرتے رہنے کے بعد انہوں نے مجھے کمرہ دکھایا۔ وہ دونوں میرے ساتھ سامان رکھنے میں مدد کرتے رہے۔ میں نہا کر تازہ دم ہو گیا اور تولئے سے سر کے بال خشک کرتا ہوا کمرے میں موجود واحد کھڑکی تک گیا' وہاں سے بڑی سڑک کا نظارہ واضح تھا۔ میں چند لمحوں تک اس نظارے میں کھویا رہا اور پھر کپڑے بدل کر سٹنگ روم میں ان کے پاس چلا گیا۔ وہاں ادھیڑ عمر خاتون بھی موجود تھی۔ تعارف کے بعد ان کا نام معلوم ہوا' وہ مسز زہرہ تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی بنیادی طور پر سندھ کے ایک شہر نواب شاہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسز زہرہ کے شوہر زین بشیر ایک کاروباری آدمی تھے۔ ان کی وفات ایک حادثہ میں ہو گئی تو چند سالوں میں ان کی معاشی حالت ابتر ہو گئی۔ فائقہ نے

اپنے گھر کو سنبھالا دینے کی بہت کوشش کی لیکن نواب شاہ میں وہ ایسا نہیں کر پائی۔ کراچی منتقل ہو جانے پر فائقہ کو نہ صرف اچھی ملازمت مل گئی بلکہ دھیرے دھیرے ان کی معاشی حالت بھی اچھی ہو گئی۔ اس کی عمر چوبیس سال ہو گئی تھی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ انیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ اس کی بڑی وجہ اس کے چہرے پر کمال درجہ کی معصومیت اور بھولپن تھا۔ پتلی سی، گورا رنگ، شانوں تک کٹے ہوئے بال، زندگی سے بھرپور آنکھیں، پتلے پتلے گلابی ہونٹ، گدراہٹ کا احساس دیتا ہوا اس کا بدن، مجموعی طور پر اس کا تاثر نہایت جاندار تھا۔۔۔ کھانے کے بعد تک ہم چاروں میں بہت سی باتیں ہو گئیں تھیں جن سے اجنبیت کا تاثر ختم ہو کر رہ گیا تھا اور اک اپنائیت کا احساس در آیا تھا۔ رات گئے جب زوہیب چلا گیا تو میں اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔

صبح جب میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو وہ دونوں ماں بیٹی میرے انتظار میں تھیں۔

"صبح بخیر۔۔۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔ میرے بیٹھتے ہی وہ توس پر مکھن لگانے لگی۔ میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا، فیروزی رنگ کے کاٹن شلوار سوٹ میں اس کا گلابی چہرہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی پتلی پتلی اور مخروطی انگلیاں تیزی سے مصروف تھیں، تبھی وہ بولی۔

"عامر صاحب! میں آپ کو آپ کے دفتر چھوڑ دوں گی، اگر واپسی پر بھی میری ضرورت محسوس ہو تو میرا سیل نمبر لے لیں تاکہ آپ کو پریشانی نہ ہو۔"

اس نے ایک کاغذ کی پرچی میری طرف بڑھائی۔ جسے پڑھ کر میں نے جیب میں رکھ لیا۔

"جی، ٹھیک ہے۔۔۔"

میں نے مختصراً کہا اور جگ میں سے جوس لے لیا تو مسز زہرہ نے پوچھا۔

"دوپہر میں آپ کیا کھانا پسند کرو گے، میں وہی بنوا لوں گی۔۔۔"

"آنٹی! ایک بات کہوں، آپ ناراض مت ہو جایئے گا۔" میں نے چند لمحے خاموشی کے بعد کہا۔

"بولو، بیٹا۔۔۔؟" وہ پوری طرح متوجہ ہوتے ہوئے بولیں۔

"آنٹی! میرے بارے میں پریشان مت ہوں۔ میں کب، کس وقت کہاں ہوں گا، اس کا مجھے بھی پتہ نہیں ہوتا۔ آپ کا معمول جیسے ہے، اسے ویسے ہی رکھئے گا البتہ اس حد تک آپ کو ڈسٹرب کروں گا کہ کبھی رات گئے آؤں تو آپ کو دروازہ کھولنے کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔" میں نے نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"اتنی سی بات کی زحمت نہیں ہو گی، بیٹا! آپ جب اور جس وقت مرضی آؤ۔۔۔" انہوں نے مشفقانہ انداز میں کہا اور خاموش ہو گئیں۔

فائقہ پارکنگ سے گاڑی نکال لائی، میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا تو وہ دفتر کے لئے چل دی۔ میرا دفتر

طارق روڈ کی مغربی جانب ایک رہائشی علاقے میں تھا۔ میں انہی راستوں کو سمجھتا آیا تھا اور جہاں ضرورت پڑتی' میں فائقہ سے پوچھ لیتا۔ پھر وہ مجھے ڈراپ کر کے چلی گئی۔۔۔۔ زوہیب میرے انتظار میں تھا' تھوڑی دیر بعد میں اپنے باس کے سامنے تھا۔ اس کے ساتھ کافی دیر تک گپ شپ رہی۔ فی الحال وہاں پر میرے لئے کوئی کام نہیں تھا۔ ایک گاڑی کی چابی مجھے دے دی گئی تاکہ میں خوب گھوموں پھروں' پھر جب کوئی کام ہوگا تو مجھے دے دیا جائے گا۔ یوں میں چند دنوں کے لئے آزاد تھا۔ میں باس کے پاس سے نکل کر زوہیب کے پاس آیا۔ اس نے مجھے میرا کیبن دکھا دیا جہاں فون' کمپیوٹر اور تمام دفتری لوازمات تھے۔ دوپہر تک میں وہاں موجود چند کولیگز کے ساتھ رہا۔ دوپہر کے بعد میں زوہیب کو لے کر نکل گیا' ایک ریستوران میں پر تکلف کھانا کھایا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" زوہیب نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"تم مجھے یہاں کی سب سے اچھی لائبریری دکھا دو' میں اپنے یہ چند دن وہیں گزارنا پسند کروں گا۔" میں نے کہا تو وہ چونک اٹھا' پھر قدرے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں نے تمہیں فائقہ کے پاس اس لئے چھوڑا ہے کہ ذرا رنگین قسم کی کمپنی میں رہو گے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم میں اب بھی وہی بوڑھی روح موجود ہے۔"

"کیا تم لوگوں نے اسے اسی مقصد کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔۔۔؟"

میں نے چبھتے ہوئے پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا اور بولا۔

"ارے نہیں' یار! وہ ہماری بہت اچھی اور محترم کولیگ ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم اس کے ساتھ کوئی ایسے ویسے تعلقات رکھو بلکہ تم دونوں کے درمیان اگر اچھے اور خوبصورت دن آجائیں تو کیا مضائقہ ہے؟"

"میں اس کے ساتھ رہوں گا تو خود بخود اچھا ہو جائے گا۔" میں نے بحث کو فوراً ہی سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے بس لائبریری لے چلو' میں وہاں بھی کچھ وقت گزارنا پسند کروں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔۔۔"

زوہیب مجھے اس لائبریری میں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ کافی بڑی' قدیم اور اچھی لائبریری تھی۔ میں اخبار والے سیکشن میں چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک مشہور اور کثیرالاشاعت اخبار کی پرانی فائلیں نکال لیں۔

میں جب لاہور میں تھا تو دشمن کے دشمن کو تلاش کرنے کے لئے میرے ذہن میں ایک منصوبہ بن چکا تھا اور میں کراچی آیا ہی اس لئے تھا کہ اس منصوبے پر کام کر سکوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصل بات ارادے کی ہوتی ہے۔ خیال سے ارادے تک ایک مرحلہ جو طے ہوتا ہے' وہ اس سونے کی مانند ہوتا ہے جو زمین سے نکالا گیا ہو اور ابھی تک دیگر نامیاتی اجزاء کے ساتھ شامل ہونے پر ناخالص ہو۔

ارادہ جس قدر مثبت اور شفاف ہوگا' اسی قدر اس کے نتائج مثبت اور شفاف ہوں گے کیونکہ عمل کا دارمدار' ارادے پر ہوتا ہے۔ ہم میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ارادے پر غور و فکر ہی نہیں کرتے۔ اس بات کا تعین ہی نہیں کرتے کہ یہ خالص ہے یا ناخالص؟ انسان کے اندر تمام طرح کے جذبے ہیں اور ارادہ بھی تو انسان کے اندر ہی جنم لیتا ہے۔ جب ہم اپنی توقع کے خلاف نتائج دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں تو اس کا تمام تر الزام حالات پر دھر دیتے ہیں۔ بلاشبہ حالات بھی عمل کی راہ میں اثر انداز ہوتے ہیں لیکن مضبوط ارادہ اس دریا کی مانند ہوتا ہے جو اپنی راہ خود بناتا ہے۔ اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ راہ میں جو بھی آئے' بہا کر لے جاتا ہے۔ یہ دریا کی فطرت ہے اور ارادہ بھی خالص ہو تو یہی فطرت رکھتا ہے--- میں نے وہ اخباری فائل اپنے اندازے سے نکالی تھی۔ ورق گردانی کرتے ہوئے میری نگاہ اس واقعہ کی خبر تلاش کرنا چاہتی تھی۔ جس میں ثمن کا بھائی' بہن اور ماں جاں بحق ہو گئے تھے۔ لائبریری بند ہونے کا وقت ہو گیا مگر میرے سامنے ایسی کوئی خبر نہیں آئی' میں اگلے دن دوبارہ آنے کا سوچ کر وہاں سے نکل آیا۔ اس وقت دن غروب ہو رہا تھا۔ مغرب کی طرف بادل چھائے ہوئے تھے۔ بادلوں کے درمیان ایک ہلکی سی لکیر میں سے سورج کی نارنجی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ سڑک پر خاصی ٹریفک تھی اور میں واپس جا رہا تھا' تبھی فائقہ کا فون آ گیا۔

"کہاں ہیں آپ---؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"میں راستے کے متعلق تو نہیں جانتا لیکن اندازہ ہے کہ سیدھا گھر آ رہا ہوں۔" میں نے بتایا اور جہاں میں تھا' وہاں کی چند نشانیاں بتائیں۔

"بالکل ٹھیک' آپ گھر کے نزدیک ہیں۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"چلیں' پھر میں گھر آ کے ہی باتیں کرتا ہوں۔ یہاں خاصی ٹریفک ہے---" یہ کہہ کر میں نے سیل فون بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں گھر پہنچ گیا۔ اس رات کھانے کے بعد میں اور فائقہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ان باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بھی خاصی "شے" ہے کیونکہ ان باتوں میں اس کا گہرا مشاہدہ بول رہا تھا۔

اگلے دن میں دفتر میں تھوڑا وقت گزار کر لائبریری چلا گیا اور پھر سے ان فائلوں میں کھو گیا۔ وہ بہت صبر آزما لمحات تھے' ورق ورق دیکھتے ہوئے اچانک وہ خبر میرے سامنے آ گئی۔ وہ پہلے صفحے پر نچلے ہاف میں چار کالمی خبر تھی۔ اس خبر میں وہ واقعی ڈکیتی کی ایک واردات تھی جس میں افرادِ خانہ مزاحمت کرنے پر ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ خبر کے ساتھ تصویریں بھی تھیں۔ میں نے وہ خبر تفصیل سے کئی بار پڑھی۔ پھر اسی دن کے مزید اخبار نکالے۔ ان میں بھی لگ بھگ وہی خبر تھی۔ صرف ایک اخبار کے رپورٹر نے اس تھانے کے تفتیشی آفیسر کا نام لکھا تھا جسے اس واقعہ کی تفتیش کرنا تھی۔ میں نے اگلے دن کے اخبار دیکھے مگر حیرت انگیز طور پر اس خبر کا فالو اپ کسی میں بھی نہیں تھا' یوں جیسے یہ واقعہ ہوا

ہی نہ ہو۔ میں نے اپنے مطلب کی معلومات ذہن نشین کیں اور فائلیں وہیں چھوڑ کر لائبریری سے نکل آیا۔ میرے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ اس تفتیشی آفیسر سے ملوں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ آگے کی ساری کہانی مجھ پر کھل جائے گی۔

اس تفتیشی آفیسر کا نام میرزمان تھا اور وہ گولیمار کے علاقے میں رہتا تھا۔ چند ماہ قبل وہ ملازمت سے سبکدوش ہوا تھا۔ اس نے اپنے علاقے میں ہی پراپرٹی کا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ یہ معلومات مجھے زوہیب نے دیں تھیں۔ دوپہر کے وقت جب میں واپس دفتر گیا تھا تبھی وہیں اس کے ذمے یہ کام لگایا تھا۔ اس نے کون سے ذرائع استعمال کئے' مجھے نہیں معلوم لیکن شام ڈھلنے سے قبل اس نے مجھے یہ سب فون کر کے بتا دیا' اس وقت میں اپنے کمرے میں سے باہر سڑک کا نظارہ کر رہا تھا اور قدرے اداس تھا۔

"کیا اس شخص سے ملنا بھی ہے۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"صرف ملنا ہی نہیں' اس سے کچھ معلومات بھی لینی ہیں۔" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے' میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پٹڑی سے اتر گیا۔ "ابے یار! تو بھی گھونچو ہے۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" میں نے چونکتے ہوئے نرم انداز میں پوچھا۔

"یار! تم جوان جہان ہو اور تمہارے پاس ایک خوبصورت ناری موجود ہے' کیوں اس کا دل ترپاتے ہو۔ کچھ اس کے ساتھ بھی گھومو پھرو' کیوں اپنی زندگی کو بلیک اینڈ وائٹ بنائے ہوئے ہو۔ ذرا رنگین ہو جاؤ' میری جان! بڑے فائدے ہیں اس میں۔۔۔" وہ خوشگوار انداز میں ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اچھا تم کہتے ہو تو کوشش کر لیتا ہوں۔۔۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔

"چلو ایسے ہی سہی' مجھ پر ہی احسان کر دو۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے الوداعی کلمات کہے اور فون بند کر دیا۔۔۔ اس وقت میں واقعتاً بوریت محسوس کر رہا تھا لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں؟ میری تمام تر توجہ اسی خبر کے اردگرد تھی۔ اب اس میں تھوڑی سی پیش رفت ہوئی تھی تو وہ بے سکونی کی کیفیت بڑی حد تک ختم ہو گئی تھی جس نے مجھے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا لیکن میں ابھی تک اسی حصار میں تھا۔ میں نے ساری سوچوں کو ایک طرف پھینکا اور تیار ہونے لگا۔ میں تیار ہو کر کمرے سے باہر آیا تو فائقہ ایک صوفے پر آلتی پالتی مارے کوئی ناول پڑھ رہی تھی۔ میری آہٹ سن کر اس نے میری طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں روشنی سی اتر آئی تھی' تبھی اس نے مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ پوچھا۔

"کہیں جا رہے ہیں آپ---؟"

"نہیں تو۔" پھر چند لمحے رک کر کہا۔ "اگر آپ ساتھ دیں تو کہیں گھوم پھر آتے ہیں۔"

"اس میں اتنے تکلفات کی کیا ضرورت ہے--- چلیں' چلتے ہیں۔" اس نے ناول بند کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔ "بس دو منٹ میں آئی---"

مجھے احساس تھا کہ یہ دو منٹ خاصے طویل ثابت ہوں گے۔ اس لئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خوشبو سے مہکی ہوئی آن وارد ہوئی۔ اس نے ہلکے سرمئی رنگ کے شلوار قمیص پر سیاہ دوپٹہ اوڑھا تھا' آدھی آستینوں والی قمیص میں اس کے بازو دہک رہے تھے۔ اس نے ہونٹوں پر ہلکی گلابی لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل لگایا تھا' مجموعی طور پر وہ انتہائی پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

"چلیں---؟"

اس نے مجھے یوں اپنی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پا کر کہا تو میں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ قدم بڑھا دیئے۔ لفٹ کے ذریعے ہم دونوں جب نیچے جا رہے تھے تو اس کے بدن پر لگی مہک نے مجھے خمار آلود سا کر دیا تھا۔ وہ میرے انتہائی قریب تھی اور میری کیفیت میں اک عجیب قسم کا تناؤ آ گیا تھا۔ یہ دورانیہ بس چند لمحوں کا تھا۔ پارکنگ سے گاڑی نکال کر جب ہم بڑی سڑک پر آئے تو دوسرا گیئر لگاتے ہوئے میں نے یونہی بات بڑھا دی۔

"کیا پڑھ رہی تھیں ناول میں---؟"

اس نے پہلو بدل کر میری طرف غور سے دیکھا اور بولی۔

"یہی' زندگی کے بارے میں خوبصورت باتیں' زندگی کے ہمہ جہت پہلو' رویئے---"

"چلیں' بات کا آغاز یہیں سے کرتے ہیں کہ آپ کے خیال میں زندگی کیا ہے؟" میں اس وقت باتیں کرنا چاہتا تھا اور بلاشبہ فائقہ بھی اسی موڈ میں تھی۔

"محض ایک خواب' جس کے اتنے رنگ ہیں کہ انہیں سمجھتے سمجھتے ہی وقت بیت جاتا ہے اور اچانک یہ خواب ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔"

"کبھی اس خواب میں حقیقت کی رمق محسوس ہوئی---؟"

"بارہا---" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو رکی اور پھر کہتی چلی گئی۔ "اصل میں زندگی کا یہ خواب' حقیقت کی بنیادوں پر ہی ہوتا ہے۔ سوچیں تو ماضی ہماری یاد میں رہ جاتا ہے' چاہیں بھی تو پلٹ کر رسائی نہیں کر سکتے جبکہ مستقبل اندھیرے میں ہوتا ہے' اس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ ہمارے لئے کیا لے کر آ رہا ہے۔ اب اک حال ہے جسے ہم محسوس کرتے ہیں اور وہ لمحہ لمحہ ماضی بن جاتا ہے اور مستقبل کے لئے پہلے ہی کئی خواب جوڑ کر رکھے جاتے ہیں' بس حال کی سختیاں ہی ہمیں احساس دلاتی ہیں کہ ہم بھی اس خواب کے حصہ دار ہیں۔"

"آپ کی باتوں سے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے آپ اپنی زندگی سے خوش نہیں ہیں؟"

"نہیں' ایسا نہیں ہے' میں نے تو زندگی کے بارے میں اپنی رائے دی ہے کہ وہ کیسی ہے۔ اب یہ تو ہرانسان کی اپنی قسمت ہے نا' کہ اسے کس طرح کا خواب ملتا ہے' رنگین یا سنگین---؟" یہ کہہ کر اس نے میری جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "مجھے تو بس ملاجلا خواب ملا ہے اور میں اس میں کھوئی ہوئی ہوں۔ مجھے اس وقت کوئی ملال نہیں ہوگا جب یہ خواب بکھر جائے گا' میں اس کے لئے تیار ہوں---"

"اس کا مطلب ہے' آپ مرنے کے لئے تیاری کئے بیٹھی ہو---؟"

"ہر شخص کو تیار رہنا چاہئے---" حسب عادت وہ رکی اور پھر بولی۔ "دیکھیں' ہمیں زندگی ملی ہے' اس کے لئے ہم نے کوئی کوشش نہیں کی اور ہم اس دنیا میں آ گئے۔ اسی طرح ہمارا موت پر بھی کوئی اختیار نہیں ہے' ہم اس سے بھاگیں بھی تو وہ آ جائے گی سو اس سے ڈرنا کیا۔ جب زندگی اور موت ہمارے اختیار میں نہیں تو پھر اسے کھلے دل سے قبول کر لینا چاہئے۔"

"تو آپ انسان کو بے اختیار سمجھتی ہیں---؟" میں نے بات بڑھائی۔

"جہاں تک اختیارات کی بات ہے نا' عامر جی! تو انسان کے پاس بے بہا اختیارات ہیں۔ بھوک قدرت کی طرف سے ودیعت ہے' پیٹ کی طلب ہمارے اختیار میں نہیں لیکن ہمیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اس کی بے بہا نعمتوں سے کس نعمت کو چنتے ہیں۔ یوں قدرت کی ودیعت کردہ بے شمار صلاحیتیں ہمارے اندر موجود ہیں۔ مثلاً جذبات ہی کو لے لیں' کس قدر اور کتنے جذبے ہیں ہمارے اندر۔ اب یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم کس جذبے کو کیسے پروان چڑھا لیتے ہیں۔ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم منفی جذبات کے منہ زور گھوڑے کو لگام ڈال سکتے ہیں یا نہیں۔"

"فائقہ! یہ محبت بھی تو ایک جذبہ ہی ہے' نا---؟"

"محبت جذبہ نہیں' لاشعوری احساس ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کی جانب متوجہ کرتا ہے۔"

"چلیں مان لیتے ہیں' یہ جذبہ تو بڑا منہ زور ہوتا ہے۔ یہ لاشعوری احساس تو انسان کو مغلوب کر کے رکھ دیتا ہے' تب اس پر اختیار والا معاملہ کیسے ہوگا؟"

"سیدھی سی بات ہے کہ محبت کرنے کی صلاحیت ہمارے اندر پوری طرح' خالص انداز میں موجود ہے۔ جب ہم بیرونی ردعمل کے ساتھ اس کو پروان چڑھاتے ہیں تو دوسرے جذبات کا رنگ بھی اس میں شامل ہوتا ہے اور ہم نے اپنے لاشعور کو اتنا طاقتور نہیں بنایا ہوتا کہ اس سیل رواں کا مقابلہ کر سکے اس لئے مغلوب ہو جاتے ہیں اور محبت عشق میں ڈھل کر خود کو بھسم کر لینے کے لئے تیار رہتی ہے۔ ہمیں محبت کے لئے ناتواں نہیں ہونا چاہئے۔"

"کیسے---؟"

"اپنے اندر مثبت جذبوں کو جب پروان چڑھائیں گے تو لاشعور خود بخود طاقتور ہو جائے گا' تب وجدان تو دو ہاتھ پر پڑا ہے۔ جب محبت جیسا مقدس سیل رواں ہماری ذات کے اندر بہے گا تو منفی جذبوں سے آلودہ نہیں ہوگا' مثبت جذبوں سے شفاف بخش ہوتا چلا جائے گا۔ یہ انسان کو اتنا مضبوط بنا دیتا ہے کہ کائنات کی رمزیں کشش محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف لپکتی ہیں۔ یہی تال میل انسان کو اوج ثریا تک پہنچا دیتا ہے۔"

وہ اک جذب کے عالم میں کہتی چلی جا رہی تھی اور میں اس کمزور سی لڑکی میں موجود توانا انسان کو محسوس کر رہا تھا' بلاشبہ اس نے بھی محبت کی ہوگی ورنہ اسے کیسے اپنی ذات میں جھانکنے کا موقع ملتا؟

"فائقہ! تم سب کے ساتھ ایسی باتیں کرتی ہو' کیا لوگ سمجھ جاتے ہیں تمہاری باتیں---؟"

"میں نے کبھی کسی کے ساتھ ایسی باتیں نہیں کیں' صرف آپ کے ساتھ ایسی باتیں کر رہی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ کیوں---؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کشش پر یقین رکھتے ہو---؟" اس نے پوچھا۔

"میرے یقین نہ کرنے سے کیا ہوگا۔ یہ تو ایک فطری عمل ہے' سب جانتے ہیں۔"

"لیکن ایک وقت تھا کہ دنیا اس کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ جب معلوم ہوا تو اس پر غور و فکر کیا گیا اور آج یہ کہا جا رہا ہے کہ پوری کائنات کشش کے باعث چل رہی ہے حالانکہ کشش ان دیکھی چیز ہے--- خیر' آپ کو دیکھتے ہی میرے اندر اک لہر اٹھی' میرے وجدان نے مجھ پر انکشاف کیا کہ تمہارے سامنے کھڑا شخص بھی سراپا محبت ہے' اس کا من بھی محبت کی خوشبو سے مہکا ہوا ہے۔ اب تک میں نے چند لوگوں میں ہی یہ کشش محسوس کی ہے اور مجھے اپنے من پر پورا اعتماد ہے---"

ایسا اس نے آنکھیں بند کر کے جذب سے کہا تھا اور نجانے کیوں اس وقت مجھے خلیفہ جی عبداللہ کی بات یاد آنے لگی تھی کہ بیٹا! تو لنگوٹ کا پکا رہ تب تن کے راز کیا' من کے راز بھی کھلیں گے۔ سچ ہے کہ زمین میں اگر کچھ ہے تو اس میں کشش ہے۔ وہ نمو کی طاقت رکھتی ہے' توانائی کے خزانے اور نجانے کیا کچھ جبکہ خلا میں تو کچھ نہیں ہے--- میں نے محبت سے فائقہ کی طرف دیکھا' وہ ہنوز مسکراتے ہوئے میرے طرف دیکھ رہی تھی۔ میں بھی مسکرا دیا' مسکراہٹوں کے اس تبادلے نے ہمارے درمیان تکلف کی دیوار گرا دی۔ ہم باتوں ہی باتوں میں نجانے کہاں سے کدھر نکل آئے تھے۔ میں لاشعوری طور پر ہی ڈرائیونگ کرتا چلا جا رہا تھا ورنہ میری ساری توجہ اس کی باتوں پر مرکوز تھی۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اس سے مزید باتیں کروں مگر رش کی وجہ سے مجھے اپنی توجہ ڈرائیونگ کی طرف کرنا پڑی۔ تھوڑی دیر بعد فائقہ نے مجھے ایک ذیلی سڑک پر مڑنے کے لئے کہا' میں ادھر مڑ گیا تو ذرا سا

فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اوپن ایئر ریستوران آ گیا۔ اس نے رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں کا کھانا بہت مزیدار ہوتا ہے۔۔۔۔"

میں نے گاڑی روک کر ایک خالی جگہ پر پارک کر دی۔ وہاں خاصا رش تھا لیکن ہمیں بیٹھنے کو جگہ مل گئی۔ وہ قدرے تاریک اور پرسکون گوشہ تھا' ہم وہاں جا بیٹھے۔ پھر کھانے کے دوران بھی ہم باتیں کرتے رہے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ فائقہ وہ نہیں ہے جیسا اس کے بارے میں تاثر ہے۔۔۔۔ رات گئے جب ہم آوارگی کے بعد گھر پہنچے تو اس کے بارے میں میرا تاثر بالکل بدل گیا تھا۔

✿✿

مجھے کراچی آئے پانچواں دن تھا جب زوہیب نے میری ملاقات امیر زمان سے کروائی۔ وہ ادھیڑ عمر کا مضبوط آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں چیتے کی مانند تھیں' پتلے پتلے ہونٹوں پر بھاری مونچھیں' بالوں میں سفیدی زیادہ تھی۔ اس نے مجھے ایک نظر دیکھا اور پھر پرسکون سا ہو گیا۔ شاید اس کا اپنا کوئی معیار تھا جس پر اس نے مجھے جانچا تھا۔ وہ آفس اپنے بیٹے کے سپرد کر کے ہمیں اپنے گھر کی بیٹھک میں لے گیا۔ چائے آ جانے تک ہم یونہی ارد گرد کی باتیں کرتے رہے' جس میں سرفہرست کراچی کے حالات اور پولیس کا رویہ تھا' چائے کی پہلی چسکی کے ساتھ ہی میں نے کہا۔

"زمان صاحب! میں آپ سے ایک کیس کے بارے میں تھوڑی معلومات لینا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے اس ڈکیتی کیس کی بات کی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ چند لمحوں بعد ہی اسے یاد آ گیا' تب وہ قدرے شدت سے بولا۔

"میری پوری ملازمت میں ایک وہی کیس تھا جس کی فائل مجھے دے کر صرف تین دن بعد واپس لے لی گئی تھی۔ میں حیران تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ مجھے بڑا تجسس تھا کہ یہ کیس دوسرے کس آفیسر کو دیا جا رہا ہے لیکن وہ دبا دیا گیا اور ایسے دبایا گیا کہ پھر اس کی مہک تک نہیں نکلی۔۔۔۔ آپ کو اس سے کیا دلچسپی ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے کیس دبانے میں غیر معمولی تیزی دکھائی تھی اور کیا واقعی وہ ڈکیتی ہی کا کیس تھا؟"

"میرے خیال میں ایسا نہیں تھا۔ جتنی تفتیش میں نے کی تھی اس سے یہی ثابت ہوا تھا کہ وہ کوئی ذاتی دشمنی تھی ورنہ ڈکیتی کے کیس کی فائل یوں بند نہیں کی جاتی۔ میں نے بعد میں بھی اس پر کڑی نظر رکھی تھی۔ ایک دو لوگ میری نگاہ میں آئے بھی تھے' پھر میں اسے بھول گیا۔"

"کون لوگ تھے۔۔۔۔؟"

میں نے کمال تحمل سے پوچھا تو زوہیب نے چند بڑے نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیئے' امیر زمان نے ایک نگاہ ان نوٹوں پر ڈالی اور یاد کرنے والے انداز میں سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"ایک تو یہیں کراچی کا ایک غنڈہ تھا۔ اصل میں اسی شخص نے وہاں جا کر فائرنگ کی تھی اور اس کی پشت پر اندرون سندھ کا ایک وڈیرہ تھا' اسی نے کیس کو دبانے میں سرکاری مشینری اور اپنے تعلقات کو استعمال کیا تھا۔"

"ان کے نام بھی تو ہوں گے۔۔۔" زوہیب نے کہا۔

"ہاں' وہ غنڈہ تو ریاض گینڈا تھا۔۔۔"

"تھا' مطلب۔۔۔؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔

"اب بھی زندہ ہے' کبھی اس کا طوطی بولتا تھا لیکن آج کل سیاست میں آ گیا ہے اور امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس میں کئی طرح کے کالے دھندے کرتا ہے' ادھر ڈیفنس کے علاقے ہی میں رہتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے زوہیب کی جانب دیکھا اور بڑے محتاط انداز میں بولا۔ "۔۔۔ اور وہ وڈیرہ اللہ بخش شاہ تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ کتنا بڑا آدمی ہے اور اس کی پہنچ کتنی ہے' عام آدمی تو اسے دیکھ بھی نہیں سکتا۔"

"آپ کو پورا یقین ہے کہ یہی وہ لوگ تھے۔۔۔؟"

زوہیب نے پوچھا تو اس نے بڑے اعتماد سے سر ہلا دیا اور پھر محتاط انداز میں پوچھا۔

"میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ یہ معلومات کیوں لے رہے ہیں؟"

"یہ کیپٹن ظفر ہیں۔۔۔ اس کیس کی دوبارہ خفیہ تفتیش شروع ہو گئی ہے۔ آپ بھی محتاط رہیے' ہو سکتا ہے کہ آپ کو دوبارہ زحمت دی جائے۔"

زوہیب نے بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا' تبھی اس سابقہ انسپکٹر نے جلدی سے وہ رقم نکالی اور واپس دیتے ہوئے عاجزی سے بولا۔

"دیکھیں' یہ واپس رکھ لیں۔ میں آپ کی ہر طرح سے خدمت کروں گا' جیسا آپ چاہیں گے۔"

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور خوف کے سائے در آئے تھے۔ زوہیب نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور نہایت سنجیدگی سے وہ نوٹ لے کر واپس جیب میں رکھ لئے۔ کچھ دیر بعد ہم وہاں سے نکل آئے' گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ بولا۔

"جن لوگوں کے اس نے نام بتائے ہیں' وہ خاصے مضبوط لوگ ہیں۔" اس نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم کہو گے کہ ان سے متعلق تمہیں معلومات دی جائیں؟"

"ظاہر ہے ورنہ مجھے تلاش کرتے ہوئے چند دن لگ جائیں گے۔"

میں نے کہا تو وہ انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"ایک بات میری غور سے سن لو' عامر! میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے سے قبل یہ سوچ لینا کہ یہاں تمہاری کوئی مدد نہیں کر پائے گا کیونکہ یہ کام کمپنی کے نہیں

ہیں، تمہارے اپنے ذاتی ہیں۔"

"میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔۔۔"

میں نے دھیرے سے کہا تو اس نے گاڑی بڑھا دی۔ ہم میں خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے۔ پھر اس نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

"یہ جو ریاض گینڈا ہے نا، اسے تو بڑی آسانی سے ٹریپ کر سکتے ہیں لیکن یہ عطابخش والا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، وہ کوئی وزیر وغیرہ بھی رہ چکا ہے۔ پتہ نہیں، آج کل ہے یا نہیں؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم ٹینشن مت لینا۔ دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے۔۔۔"

میں نے اس کا بازو تھپتھپایا تو میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا، تبھی اس کی رنگین طبیعت عود کر آئی اور لڑکیوں سے متعلق باتیں کرنے لگا۔ اچانک اس نے پوچھا۔

"ارے وہ فائقہ، کیسی لگی تمہیں۔۔۔؟"

"بہت اچھی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم گھونچو ہو جو اس کے بارے میں غلط قسم کا تاثر دے رہا تھا۔ وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ بدمعاش لڑکی ہے۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے تاثر ہی ایسا دیا تھا۔" میں اپنی بات پر قائم رہا۔

"ارے میرے، یار! یہی وہ واحد لڑکی ہے جس کے ساتھ میں فلرٹ نہیں کر پایا۔ اسے یہ پوری طرح احساس ہے کہ میں اسے شدت سے چاہتا ہوں لیکن۔۔۔ لیکن، یار! وہ مجھے گھاس نہیں ڈالتی۔" اس نے حد درجہ جذباتی انداز میں کہا تو میں ہنس دیا۔

"یار! وہ اچھا کرتی ہے کہ تمہیں گھاس نہیں ڈالتی، آخر کو تم بنی نوع انسان سے تعلق رکھتے ہو۔ وہ گھاس تو گدھے گھوڑے کھاتے ہیں، تم کیوں خود کو گدھا بنانے پر تلے ہوئے ہو؟"

"واقعی ٹھیک ہے، یار! یہ محبت بھی تو انسان کو گدھا بنا کر رکھ دیتی ہے۔"

"اپنی اپنی سوچ ہے، پیارے۔۔۔!" میں نے کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

"ارے نہیں، یار! پتہ نہیں کتنی لڑکیاں میری لچھے دار باتوں میں آکر میری محبت کا دم بھرتی رہی ہیں۔ میں نے باقاعدہ دو تین بھرپور اور غضب ناک قسم کے عشق بھی لڑائے ہیں مگر اس لڑکی کے سامنے۔۔۔ بس، یار! بول ہی نہیں پاتا ہوں، زبان کو جیسے تالا لگ جاتا ہے۔"

"اصل میں تو اس کے معیار پر پورا ہی نہیں اترتا۔۔۔"

"چل، یار! میں نہیں اترتا، وہ تو میرے معیار پر پورا اترتی ہے۔ بات تو تب ہے کہ وہ مجھے اپنے معیار پر لے آئے۔۔۔ اب تو وہ تیرے ساتھ بے تکلف ہو گئی ہوگی، میری سفارش کر دے گا

ار---!"

"مگر مجھے نہیں لگتا کہ تو اس کے ساتھ مخلص ہے---"

میں نے کہا تو یکدم بجھ گیا۔ کتنی دیر تک خاموش رہا اور پھر جب اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اس نے رندھے ہوئے لہجے کے ساتھ کہا۔

"تم نہیں جان سکتے کہ میں اس سے کتنا پیار کرتا ہوں۔ پہلی بار' زندگی میں پہلی بار کسی کے لئے مخلص ہوا ہوں تو میرے خلوص پر شک کیا جا رہا ہے۔ یہی بات مجھے اندر تک چیر کے رکھ دیتی ہے۔"

میں چونک گیا' وہ اس قدر سنجیدہ اور جذباتی تھا--- میں اسے کافی دیر تک باتوں میں الجھا کر تسلیاں دیتا رہا' اس دوران میں نے فیصلہ کر لیا کہ فائقہ سے ضرور بات کروں گا۔

✿✿

جب میں نے پہلی بار ریاض گینڈے کو دیکھا تو اس وقت وہ ایک فائیو سٹار ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں چند دوسرے افراد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ناٹے قد کا گول مٹول سا' سرخ رنگ' گنجا سر' گردن یوں جیسے اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ ریشمی شلوار قمیص میں ملبوس' گلے میں بھاری سونے کی چین' کلائیوں میں طلائی گھڑی اور بریسلیٹ اور ہاتھوں کی انگلیوں میں قیمتی پتھر جڑی انگوٹھیاں--- وہ کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہا تھا۔ میں اس کے قریب ایک میز پر بیٹھ گیا۔ وہ کئی دن کی تلاش کے بعد مجھے دکھائی دیا تھا۔ میں کتنی دیر تک اسے بغور دیکھتا رہا اور وہ اپنے دوستوں میں مگن تھا۔ میں نے اردگرد ماحول میں گہری نظر سے اس کی سیکورٹی کا جائزہ لیا' وہاں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ تب انہی لمحوں میں اچانک میں نے فیصلہ کر لیا۔ میں نے اپنا سیل فون نکالا اور زوہیب کے نمبر پش کر دیئے۔

"ہاں' بولو' کیا بات ہے؟" اس نے فون رسیو کرتے ہوئے کہا۔

"میرے سامنے ریاض گینڈا بیٹھا ہوا ہے' اپنے چند دوستوں یا ملاقاتیوں کے ساتھ ڈنر میں مصروف ہے۔"

"تو پھر---؟" اس نے انتہائی تیزی سے کہا۔

"تو پھر تم بتاؤ' کہیں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں اسے کچھ دیر رکھا جا سکے؟"

"کیا تم اسے اغوا کرنا چاہتے ہو۔" اس نے قدرے حیرت سے کہا۔

"نہیں' اسے کچھ دیر کے لئے اپنا مہمان بنا لینا چاہتا ہوں' محض تھوڑی سی گفتگو کے لئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔

"تمہارے ساتھ کوئی ہے یا تم---؟"

"اکیلا ہوں اور میرے ساتھ میرا پسندیدہ کولٹ ریوالور۔"

"تم اکیلے یہ رسک مت لینا۔ تمہیں یہاں کے رستوں کا بھی نہیں پتہ' میں تمہیں وہ جگہ بتا بھی

دوں تو تم وہاں تک شاید ہی پہنچ جاؤ۔“

”میں اسے کسی سنسان۔۔۔“

”اس کے لئے تمہیں شہر کے باہر جانا پڑے گا‘ اس میں بہت وقت لگ سکتا ہے۔ تم بتاؤ‘ کہاں ہو۔ میں ابھی پہنچتا ہوں۔۔۔“

اس نے کہا تو میں نے اسے فائیو سٹار ہوٹل کا بتا دیا۔ اچھی طرح سمجھنے کے بعد وہ بولا۔

”خدا کے لئے میرے آنے تک کچھ مت کرنا۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اس وقت جبکہ میں نے فون اپنے کان سے ہٹایا تو میرے سامنے ویٹر کھڑا تھا۔ میں نے اسے جوس کا آرڈر دے دیا۔ وہ پلٹ گیا تو میری نگاہیں پھر ریاض گینڈے پر پڑیں‘ وہ ہنوز خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ میں اس وقت ہیجانی کیفیت کی انتہا پر تھا۔ ویٹر ان کے پاس سے بل لے جا چکا تھا اور وہ کسی وقت بھی وہاں سے جا سکتے تھے جبکہ زوہیب کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ میں نے پرسکون انداز میں پھر اسے فون کر دیا۔

”میری جان! میں بالکل قریب پہنچ چکا ہوں‘ بس ایک دو منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“

اس نے میری کال کے جواب میں کہا تو میں نے فون بند کر دیا۔ اس وقت لمحہ لمحہ گزرتا وقت مجھے بڑا بھاری لگ رہا تھا۔ بڑے کٹھن ہوتے ہیں یہ انتظار بھرے لمحے‘ تبھی زوہیب کا پرسکون چہرہ دکھائی دیا۔ وہ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھتا میرے قریب آ گیا اور بے تکلفی سے بیٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا صورت حال ہے۔۔۔؟“

”وہ ابھی تک یہیں ہے‘ دائیں طرف بیٹھا ہے۔“

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے غیر محسوس انداز میں دیکھا اور دھیرے سے بولا۔

”بالکل وہی ہے۔۔۔“

”میں نے پہچاننے میں کوئی غلطی تو نہیں کی۔۔۔؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ اب بتاؤ کہ کیسے۔۔۔؟“

”بس اسے اپنے ساتھ لے جانا ہے۔ یہ نہیں پتہ کیسے‘ کوئی پلان میرے ذہن میں نہیں ہے۔“ میں نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ پرسکون تھا۔

✿✿

وہ ہمارے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کی رفتار دھیمی تھی۔ وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا‘ باقی لوگ ابھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید وہ الگ تھلگ ہو کر بات کرنا چاہتے تھے یا ویسے ہی ہوٹل سے باہر جانا چاہتے تھے۔ ہم بھی اس کے پیچھے چل دیئے اور دھیرے دھیرے چلتے ہوٹل

سے باہر نکل آئے۔ ان کا رخ پارکنگ کی طرف تھا' ہم بھی ادھر بڑھ گئے۔ کچھ دیر بعد صورت حال یہ تھی کہ وہ گاڑی میں بیٹھے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے پیچھے میری گاڑی تھی' میرے ساتھ والی سیٹ پر زوہیب اور پیچھے اس کا ایک خاص آدمی تھا۔ زوہیب کی گاڑی کوئی اور بندہ لا رہا تھا۔ وہ گیٹ سے نکل رہا تھا کہ میں نے پیچھے سے گاڑی زور سے مار دی' ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی اور ریاض گینڈا والی گاڑی رک گئی۔ تبھی زوہیب نے تیزی سے کہا۔

"لو' اب سنبھالو اسے---"

میں پوری طرح تیار تھا۔ وہ انتہائی غصے میں گاڑی سے باہر آیا تھا' تب تک میں بھی نکل آیا۔ بظاہر میں گاڑی کا نقصان دیکھ رہا تھا لیکن میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے انتہائی غصے میں کہا۔

"ابے' اندھے ہو گیا یا گاڑی چلانا نہیں آتی---؟"

میں نے پوری قوت سے ایک گھونسہ اس کے منہ پر دے مارا' اس اچانک افتاد کے لئے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں تھا لہٰذا بدحواس ہو گیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس سے میں فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ میں نے اسے بغل میں لیا اور اپنی گاڑی کے گیٹ کی طرف دھکا دیا۔ وہ لڑھکتا ہوا آدھا اندر اور آدھا باہر رہ گیا۔ میں نے اسے کمر سے پکڑ کر اندر ٹھونسا۔ اس دوران زوہیب ڈرائیونگ سیٹ تک آ چکا تھا' اس نے اگلے ہی لمحے گاڑی بھگا دی۔ ریاض گینڈا سمجھ گیا تھا' اس کے ساتھ کیا صورت حال درپیش ہے۔ وہ مچل رہا تھا' واقعی اس میں گینڈے ایسی طاقت تھی۔ وہ ہم دونوں کے قابو میں تھا۔ میں نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا' تب وہ اچانک ساکت ہو گیا۔ میں نے پوری قوت سے دستہ اس کی کنپٹی پر دے مارا' اگلے ہی لمحے وہ بے حس ہو گیا۔

"ہمارے پیچھے گاڑی تو نہیں آ رہی---؟"

زوہیب نے انتہائی رفتاری سے گاڑی بھگاتے ہوئے پوچھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا لیکن ہیڈلائٹس کی تیز روشنی میں کچھ سمجھ نہیں آیا۔ وہ پتہ نہیں کن راہوں سے کدھر جا رہا تھا' اس کا مجھے قطعاً احساس نہیں تھا۔ ہمارے پاس یہی تھوڑا سا وقت تھا ورنہ اس کے بعد شہر بھر میں اس کی تلاش شروع ہو جاتی۔

✿✿

وہ ایک عالی شان بنگلہ تھا جس کے گیٹ پر جا کر زوہیب نے بریک ماری اور ساتھ ہی ہارن دیا۔ لمحوں میں گیٹ میں سے ایک شخص نے منہ نکالا' زوہیب نے اپنا چہرہ اسے دکھایا تو گیٹ کھل گیا۔ تقریباً دو منٹ بعد ہم اس بنگلے کے پورچ میں جا رکے۔ تبھی تین چار شخص اندر سے نکلے' ہم گاڑی سے باہر نکلے تو وہ ہمارے قریب آ گئے۔ ریاض اب تک بے ہوش تھا۔ ان میں سے دو آدمی آگے

آئے اور اسے نکال کر اندر کی طرف بڑھے۔

"یہ گاڑی تو نظر میں آ گئی ہوگی---"

میں نے اچانک خیال آتے ہی کہا تو زوہیب نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اس کی نمبر پلیٹ جعلی ہے لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب یہ گاڑی یہاں سے بالکل تبدیل ہو کر باہر جائے گی' کوئی بھی اسے پہچان نہیں پائے گا۔"

"---اور تمہاری گاڑی---"

"وہ پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہوگی۔ اس کے متعلق مت سوچو۔ آؤ' اسے سنبھالو---"

زوہیب نے قدم بڑھا دیئے تو میں بھی اس کے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔ اسے ایک کمرے میں لے گئے تھے جہاں صرف ایک قالین بچھا ہوا تھا اور دو چار پرانی کرسیاں دھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے جب ریاض کو وہاں لے جا کر پھینکا تو وہ ذرا سا کسمسایا۔ ایک شخص پانی لے آیا تھا۔ اس نے پورا جگ اس کے چہرے پر انڈیل دیا تو وہ ہوش میں آ گیا۔ اس نے خوف زدہ سے انداز میں چاروں طرف دیکھا اور ہکلاتے ہوئے بولا۔

"کون لوگ ہو تم' مجھے کیوں لائے ہو یہاں---؟"

اس کا مخاطب کوئی بھی نہیں تھا اس لئے اس کی نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھی۔ تبھی میں نے آگے بڑھا اور پوری قوت سے ٹھوکر اس کے سینے پر ماری۔ وہ زمین پر گر پڑا' میں اس کے پاس بیٹھ کر بولا۔

"کچھ پوچھنا ہے تم سے' سیدھے سبھاؤ بتا دو گے تو بہت کم اذیت پاؤ گے ورنہ---"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو---؟" اس نے انتہائی حیرت سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تبھی میں نے زوہیب کی طرف دیکھا' اس نے سب لوگوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ باہر چلے گئے۔

انہی کے ساتھ زوہیب بھی چلا گیا' میں اور وہ دونوں کمرے میں رہ گئے۔

"کچھ عرصہ پہلے میجر اکرم کے گھر تم نے فائرنگ کی تھی---؟"

میرے یوں کہنے پر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر چونکتے ہوئے بولا۔

"تم کون ہو اور یہ کیوں پوچھ رہے ہو---؟"

"تمہارا باپ ہوں اور تمہارے کرتوتوں کے بارے میں پوچھنے کا مجھے پورا حق ہے۔" میں نے غصہ سے کہا۔

"دیکھو' تم مجھے نہیں جانتے۔ مجھے چھوڑ دو تو میں سب بھول جاؤں گا ورنہ تمہارا جو حشر---"

لفظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ میں نے زناٹے کا تھپڑ اس کے گال پر مار دیا' تھپڑ اس قدر زور سے لگا تھا کہ میرا ہاتھ بھی جھنجھنا اٹھا تھا۔ تبھی وہ اٹھ گیا اور جواباً" میرے گھونسہ مار دیا۔ میرے لئے

حملہ متوقع تھا' میں سنبھل گیا اور تب پھر میں نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ اس نے میری پنڈلی پکڑلی تو مجھے اس کی طاقت کا اندازہ ہوا۔ کبڈی کا کھیل اس موقع پر بہت کام آتا ہے جب کوئی کسی کو جکڑ لے۔ میرے لئے یہ معمولی بات تھی کہ اپنی پنڈلی چھڑالوں مگر میں نے اسے زور آزمائی کرنے دی۔ تبھی میں نے پوری قوت سے پیر اس کے منہ پر مار دیا۔ وہ "آخ" کی آواز کے ساتھ زمین بوس ہو گیا۔ میں نے اس کا ایک بازو اپنے شکنجے میں لیا اور اسے کندھے سے کھینچ دیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ یہی وہ لمحات ہوتے ہیں کہ جب انسان کمزور پڑ جاتا ہے یا پھر پوری قوتوں کو جمع کر کے بھڑ جاتا ہے' ریاض اٹھ نہ سکا بلکہ ہولے ہولے سسکتا رہا۔ تب میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا سوال پھر سے دہرا دیا۔ وہ میری جانب دیکھتا رہا اور پھر انتہائی کرب آمیز آواز میں بولا۔

"مجھے کسی نے بھاری رقم دی تھی اور میں نے وہاں فائرنگ کی تھی۔"

"کون تھا وہ۔۔۔؟"

"عطا بخش شاہ۔۔۔ لیکن وہ سامنے نہیں آیا تھا' کسی بندے کے ساتھ ڈیل ہوئی تھی۔"

"وہ بندہ کون ہے۔۔۔؟"

"تم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ اندرون سندھ میں بہت بڑا تاجر تھا' ہندو تھا وہ۔۔۔"

"کون' کس شہر میں۔۔۔ بتاؤ؟"

میں نے پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا' وہ آرام سے سہ گیا۔

"اس وقت تو مجھے نہیں پتہ چلا کہ وہ کیا بلا تھی لیکن بعد میں اس نے مجھ سے کچھ اور کام بھی لئے تو مجھے معلوم ہوا۔ وہ بھارت کی خفیہ تنظیم کا ایک عہدے دار تھا جو یہاں پاکستان میں عرصے سے رہ رہا تھا۔ پھر اچانک وہ یہاں سے چلا گیا۔۔۔"

"کہاں چلا گیا۔۔۔؟"

"واپس بھارت۔۔۔"

اس نے میری طرف دیکھ کر یوں کہا جیسے وہ میری حالت پر ہنس رہا ہو۔ مجھے پھر سے غصہ آگیا اور میں اسی جذباتی کیفیت میں اس پر پل پڑا' یہاں تک کہ خون کے چھینٹے ادھر ادھر گرنے لگے۔ اس کا منہ کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا' میں نے پوری قوت سے چلا کر کہا۔

"سیدھی طرح بتاؤ ورنہ بوٹی بوٹی کرتا رہوں گا اور تمہیں مرنے بھی نہیں دوں گا۔۔۔"

شاید میرے لہجے میں کوئی ایسا وحشی پن تھا کہ اس کی آنکھوں میں خوف منجمد ہو گیا۔

"وہ۔۔۔ اب۔۔۔ بھارت میں بہت بڑا آدمی ہے' بہت بڑا سمگلر ہے۔ میں گیا ہوں وہاں' اس کا نام۔۔۔ شرد چندر اگاشی۔۔۔ ممبئی میں۔۔۔ بہت بڑا۔۔۔"

"عطا بخش شاہ کو کیسے جانتے ہو۔۔۔؟"

"وہ اکثر مجھ سے کام لیتا رہتا ہے' میں اسی کی سیاسی پارٹی میں ہوں۔"
اس نے کہا تو میں اٹھ گیا۔ میرے لئے عطا بخش شاہ کے لئے معلومات لینا اتنا مشکل نہیں تھا---
کمرے میں اچانک خاموشی چھا گئی تھی۔
"اب مجھے جانے دو۔" اس نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کراہتے ہوئے کہا۔
"جب تم نے میجر اکرم کے خاندان پر گولیاں چلائیں تھیں اور ان بے گناہ لوگوں کو مارا تھا' تب ان کی اذیت یاد ہے تمہیں؟--- اور پتہ نہیں کتنے لوگوں کو مارا ہو گا۔ اب میں بھی تمہیں جان سے ماروں گا۔ سوچو اور محسوس کرو' موت کیسے آتی ہے یا تم ہی مجھے بتادو' کیسی موت مرنا پسند کرو گے؟"
"دیکھو' مجھے مت مارو' جو چاہے' مجھ سے لے لو۔ کروڑوں روپے' سونا' ہیرے' جو چاہو' ایک فون کال پر جہاں کہو' پہنچا دیئے جائیں گے لیکن مجھے مت مارو---"
"اس طرح کسی اور نے بھی زندگی کی بھیک مانگی ہوگی تم سے اور تمہیں رحم نہیں آیا ہوگا' شاید تمہیں یہ یاد ہی نہیں ہوگا کہ مرنا بھی ہے۔"
یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے مجروح کاندھے پر ٹھوکر ماری۔ وہ ڈکراتا ہوا بے حس ہو گیا۔ تب میں نے اس کی گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں لے لیا اور اس وقت چھوڑا جب اس کی سانسیں ختم ہو گئیں۔ میں ہاتھ جھاڑتا اٹھ گیا اور باہر کی طرف لپکا۔ وہ سب کاریڈور میں کھڑے تھے' زوہیب نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو میں نے کہا۔
"خس کم جہاں پاک' اب اسے ٹھکانے لگانا ہے۔"
"یہ تم ان پر چھوڑ دو۔ آؤ یہاں سے نکلیں---"
اس نے کہا اور وہاں پر کھڑے لوگوں سے ہاتھ ملا کر ہم اس بنگلے سے نکلتے چلے آئے۔ میں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا' میرا لباس کافی جگہ سے مسکا ہوا تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ فوری نظروں میں آجاؤں۔ میں بغلی ہوسٹر کی وجہ سے کوٹ نہیں اتار سکتا تھا۔ ہم تھوڑی دور چلے تھے کہ ہمیں ایک رکشہ دکھائی دیا' زوہیب نے اسے اشارے سے روکا اور ہم اس میں بیٹھ گئے۔
وہ رات میں نے زوہیب کے ہاں گزاری تھی۔ وہ ایک بہت ہی اچھے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ میں وہاں جا کر نہایا اور پھر کھانا کھا کر سو گیا۔ صبح اٹھا تو جسم قدرے اینٹھن زدہ تھا۔ میں نے اٹھ کر ہلکی پھلکی ...ش کی بجائے اخبار ڈھونڈا۔ وہ دروازے کے قریب پڑا ہوا تھا' میں نے اسے اٹھایا اور تیزی سے ...ن گینڈے کی خبر تلاش کرنے لگا۔ اخبار کے آخری صفحے پر بائیں جانب اوپر کی طرف چار کالمی خبر ...ں۔ ریاض کی فائل فوٹو اور مردہ حالت میں تصویریں تھیں۔ اس کی لاش ایک شاہراہ کے نشیبی حصے میں پائی گئی تھی' خبر پڑھ کر میں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگا--- میں ایک دم سے پرسکون ہو گیا تھا۔ اس دن دفتر میں بیٹھ کر میں نے اخبار کی وہ خبر تراشی اور

سفید رنگ کے لفافے میں رکھ کر بند کر دی۔ دوپہر کے بعد میں نے وہ لفافہ صفدر علی خان کو پوسٹ کر دیا اور وہیں نزدیکی پی سی او سے میں نے صفدر علی خاں کے نمبر ملائے' رابطہ ہو جانے پر میں نے احوال کے بعد کہا۔

"خان صاحب! کل آپ کو ایک لفافہ ملے گا' اسے آپ ثمن تک پہنچا دیں۔"

"کیا---؟"

"ہاں--- آپ کھول کر دیکھ لیجئے گا' میں نے ابتدا کر دی ہے۔"

"دیکھو' عامر! ایک بات یاد رکھنا۔ جہاں بھی رہو' رابطے میں رہنا---"

"میں ایسا ہی کروں گا---"

یہ کہہ کر میں نے اپنا سیل نمبر دے دیا۔ پھر تھوڑی دیر باتیں کرتے رہنے کے بعد فون بند کر دیا--- اک عرصہ بعد میری ہیجانی کیفیت کو قرار آیا تھا۔

✿✿

وہ شام بڑی خوشگوار تھی' پہلی بار کراچی کی تیز ہواؤں میں مجھے سانس لینا اچھا لگا تھا۔ میں دفتر سے سیدھا فائقہ کے فلیٹ پر جانا چاہتا تھا مگر میرے پاس گاڑی نہیں تھی۔ اس دن زوہیب اور میں نے دفتر آتے ہی اپنے باس کو ایک جھوٹی کہانی سنا کر مطمئن کر دیا تھا۔ اسے بتا دیا کہ ہم نے ریاض گینڈے کو مار دیا ہے۔ جب باس نے وجہ پوچھی تو پہلے ہی سے طے شدہ جھوٹ کہہ دیا۔ باس پتہ نہیں' مطمئن ہوا تھا یا نہیں لیکن اس نے ہمیں کہا کچھ نہیں' خاموش رہا تھا--- میں نے ٹیکسی لی اور فائقہ کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت شام ڈھل رہی تھی۔ فائقہ حسب معمول کسی کتاب میں کھوئی ہوئی تھی۔ دروازہ اس کی امی نے کھولا تھا' مجھے دیکھتے ہی بولی۔

"کیا احوال ہیں جناب کے---؟"

"ویری نائس---" میں اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"چائے لیں گے آپ یا کوئی ٹھنڈا---؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں--- تم یوں کرو' فون کر کے زوہیب کو بلا لو۔ آج کہیں باہر جا کر کھانا کھاتے ہیں۔"

"کہاں---؟" اس نے خوشدلی سے پوچھا۔

"یہ فیصلہ بعد میں کر لیں گے جب تک وہ آئے گا' میں تھوڑا آرام کر کے فریش ہو جاؤں۔"

"وہ یہاں آنے میں زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگائے گا' میرا بلانا ہی کافی ہے۔"

اس نے تیزی سے کہا تو پھر خود ہی جھینپ گئی۔ میں مسکرا دیا تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کا مطلب واضح تھا کہ اس کے دل میں بھی زوہیب کے لئے "کچھ" تھا ورنہ وہ یوں شرما کے نہ جاتی۔ وہ کتنی ہی بولڈ سہی' آخر کو عورت تھی اور وہ بھی مشرقی عورت---!

✿✿

وہ کلفٹن میں ایک اوپن ایئر ریسٹورنٹ تھا جس کے سامنے جا کر زوہیب نے کار روک دی اور پھر سوالیہ نگاہوں سے فائقہ کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ کیا خیال ہے' یہیں ڈیرے ڈال دیئے جائیں؟--- فائقہ نے مسکراتی آنکھوں کے ساتھ کندھے اچکا دیئے کہ جیسے اس نے کہا ہو کہ' جس طرح تمہاری مرضی--- میں ان کی رمز سمجھ گیا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے مزاج آشنا تھے لیکن زبان سے اقرار نہیں کر رہے تھے۔ زوہیب نے گاڑی ایک طرف پارک کی تو ہم کار سے باہر نکل آئے۔ پھر چہل قدمی کے سے انداز میں چلتے ہوئے قدرے اندھیرے میں پڑی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ میں نے بیٹھتے ہی فائقہ سے پوچھا۔

''تمہیں یہ اوپن ایئر ریسٹورنٹ ہی کیوں پسند ہیں---؟''

''مجھے---؟'' وہ قدرے حیرت سے بولی۔ پھر میری بات کی تہہ تک پہنچتے ہی بولی۔ ''یہ تو آپ کے دوست زوہیب ہی یہاں لے کر آئے ہیں' انہیں ہی پوچھیں۔''

''نہیں' محترمہ! میں جو پوچھنا چاہ رہا ہوں' آپ اسی سوال کا جواب دیں---''

میں نے ہنستے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر سرخی آ گئی اور آنکھوں میں حیا اتر آئی۔ پھر قدرے جھینپتے ہوئے بولی۔

''چھت کے نیچے بیٹھ کر تو ہم روزانہ ہی کھانا کھاتے ہیں۔ اگر ماحول کی تبدیلی کے لئے باہر آ کر کھایا جائے تو میرا خیال ہے' یہ اوپن ایئر ریستوران زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔''

''--- اور آپ کی پسند کا زوہیب کو پورا احساس ہے۔'' میں نے اس کی بات پکڑی۔

''وہ دراصل میں نے انہیں اپنی پسند کے بارے میں بتایا ہوا ہے جیسے میں اب آپ کو بتا رہی ہوں---'' اس نے خود پر قابو پا لیا تھا اور پوری طرح بحث کے موڈ میں آ گئی تھی۔ تبھی زوہیب نے جلدی سے کہا۔

''اس سے پہلے کہ ویٹر آ جائے' اپنی اپنی پسند کے بارے میں سوچ لیا جائے۔''

''تمہارا مطلب ہے' ہم بات یہیں ختم کر دیں---؟'' میں نے کہا اور دلچسپی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا تو وہ ہنس دیا اور پھر مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولا۔

''دراصل ہوتا یوں ہے کہ---''

اتنا کہہ کر اٹک گیا' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مزید آگے کیا کہے؟ تب میں قہقہہ لگا کر ہنس دیا' میری ہنسی تھمی تو میں بولا۔

''دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب بندے کی چوری پکڑی جائے تو وہ فرار کی راہیں تلاش کرتا ہے اور جب کوئی ایسا راستہ میسر نہ آئے تو پھر وہ گھبرا کا احمقانہ باتوں پر اتر آتا ہے۔''

"دیکھئے' آپ انہیں سیدھے سبھاؤ احمق کیوں نہیں کہتے' اتنا گھماؤ پھراؤ کیوں؟" فائقہ تیزی سے بولی۔

"دراصل ہوتا یوں ہے کہ۔۔۔"

میں نے اتنا کہا اور ہنس دیا' میرے ساتھ فائقہ کا قہقہہ بھی شامل تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی بولتا' میرا سیل فون بج اٹھا۔ میں نے لاشعوری طور پر نمبر دیکھے تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بلاشبہ میرے چہرے کے خدوخال بھی بدل گئے ہوں گے کیونکہ وہ دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے تھے۔ میں نے ان کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ فون رسیو کر لیا' دوسری طرف ثمن تھی۔

"آپ عامر بات کر رہے ہیں۔۔۔؟" اس نے لرزتے لہجے اور متجسس انداز میں پوچھا تھا۔

"ہاں' ثمن! میں عامر ہی بات کر رہا ہوں۔" میں نے انتہائی منتشر لہجے میں دھیرے سے جواب دیا۔

"بہت شکریہ' ابھی خاں صاحب نے وہ خط مجھے دیا ہے۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔۔۔"

"کیا خاں صاحب تمہارے پاس بیٹھے ہوئے ہیں؟"

"نہیں' آپ کو بھی پتہ ہے کہ یہ سہولت ابھی ہمارے گاؤں میں نہیں ہے۔ میں نزدیکی قصبے سے بات کر رہی ہوں' وہ چلے گئے ہیں۔"

"۔۔۔ اور تم اتنی رات۔۔۔"

میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ لوگ ہیں' گھبرانے کی بات نہیں۔ آپ اپنا خیال رکھنا اور بس یہ ذہن میں رکھیں کہ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور مجھے لگا جیسے میری چلتی ہوئی سانس رک گئی ہو۔ پھر دھیرے دھیرے جب میں حواسوں میں آیا تو میں نے سوچا کہ صفدر علی خاں نے کس قدر جلدی اتنا لمبا سفر کر کے ثمن تک رسائی پائی ہو گی؟ وہ اگلے دن پر بھی ٹال سکتا تھا لیکن اس نے انتہائی ذمہ داری سے ایک بھی لمحہ ضائع نہیں کیا تھا اور پوری دیانت داری سے وہ لفافہ ثمن تک پہنچایا تھا۔۔۔ ثمن! میری محبت' میرا عشق۔ جس کا احساس میری رگ رگ میں جولانیاں بھر دیتا تھا اور زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی کیفیت کا اظہار کیا تھا۔ وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔۔۔ کیا میرا خط پا کر وہ خوشی کی اس انتہا تک پہنچ گئی تھی جہاں خوشی سے وہ بے قابو ہو گئی اور مجھ سے اظہار کرنے پر مجبور ہو گئی؟۔۔۔ مگر ابھی تو یہ ابتدا تھی' شروعات تھیں جب انت ہو گا تو وہ کس طرح میرے لئے سراپا انتظار ہو گی کہ ایک میں ہی تھا جو اس کے خوابوں میں رنگ بھر رہا تھا' اس کے ارادوں کی عملی تفسیر بن گیا تھا۔

"کون تھا بھئی' کیا چکر ہے۔ کیوں پریشان ہو گئے ہو۔۔۔؟"

زوہیب کی آواز نے مجھے چاہت کے سمندر سے باہر نکال لیا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا تو انتہائی متفکر نگاہوں سے اسے اپنی جانب متوجہ پایا۔ فائقہ بھی اپنے احساسات میں اس سے مختلف نہ تھی، تب میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"تم دونوں سے اک سوال ہے کہ جب کسی کا محبوب اس سے اپنی چاہت کا اظہار کردے، تب بندے کے احساس کس طرح کے ہو سکتے ہیں؟"

"وہی حاصل زندگی لمحات ہوتے ہیں۔" فائقہ نے تیزی سے کہا۔

"بلاشبہ بندہ خوشی کی انتہاؤں پر ہوتا ہے۔" زوہیب بولا۔

"تو خاتون اور حضرت! میری بھی اس وقت یہی کیفیت ہے۔ یہ سمندر کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی لہریں، ان کے ساتھ امنڈتی چلی آتی ہوئی تیز ہوا، آسمان پر ٹمٹماتے ستارے، یہ رات کا پراسرار ماحول، تم دوستوں کی مخلصانہ رفاقت گواہ رہے کہ میں اس وقت حاصل زندگی لمحات سے گزر رہا ہوں---"

"تم عامر!--- تم--- باتوں میں شاعری بھی کر لیتے ہو!" زوہیب نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"محبت کا یہی اعجاز ہوتا ہے، محبت انسان کو فطرت کے قریب لے آتی ہے، کیونکہ محبت عین فطرت ہے۔ اسے زہر آلود تو ہم انسان کرتے ہیں۔ محبت انسان کو توہین سے نہیں، رفعتوں سے نوازتی ہے، خود سے ہم کلامی سکھاتی ہے۔ جتنی خالص محبت ہوتی ہے، اتنا خالص ہی جذبوں کا ردعمل ہوتا ہے۔ یہ فطری بات ہے۔"

فائقہ اپنی بات کہتے ہوئے نجانے کہاں کھو گئی تھی اور میں اس کے چہرے پر محبت کی فطری رسائیوں تک کے چراغ روشن دیکھ رہا تھا۔ تبھی مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ان لمحوں کو امر کر دوں۔ میں نے انتہائی محتاط انداز میں فائقہ سے کہا۔

"فائقہ! کیا تم نے بھی کسی سے محبت کی ہے؟"

"ہاں، کی ہے اور بہت ٹوٹ کر کی ہے۔" وہ میری طرف دیکھ کر پورے اعتماد سے بولی۔

"کیا اسے بھی پتہ ہے کہ تم اس سے محبت کرتی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، اسے احساس ہے۔" وہ نگاہیں جھکاتے ہوئے بولی۔

"تو پھر تم اس سے اظہار کیوں نہیں کر دیتی ہو--- کیا اس کی جانب سے اظہار کی توقع رکھتی ہو؟"

"ایسا نہیں ہے۔ دراصل میں ایسے حاصل زندگی لمحات سے ڈرتی ہوں۔ مجھے خود پر تو اعتماد ہے مگر اپنی قسمت پر نہیں--- میں بڑی کٹھن راہوں سے چل کر یہاں تک پہنچی ہوں۔ میں پرسکون اب

بھی نہیں' خارزاروں میں ہوں' تپتے ہوئے صحرا میں ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی میرے لئے ان خارزاروں میں آئے' تپتے ہوئے ریگستان میں جلے۔" اس نے کہا تو زوہیب اچانک بولا۔

"مگر کوئی تمہارے سارے دکھ اپنی جھولی میں ڈال کر پرسکون ہو جانا چاہتا ہو تو۔۔۔؟"

"تو یہ میری خودغرضی ہوگی کہ خود سائے میں چلی جاؤں اور اسے جلتے ہوئے سورج تلے چھوڑ دوں۔"

"ایسا نہیں ہے۔۔۔ اظہار دو محبت کرنے والوں کو جوڑتا ہے' الگ الگ رہنے والے مگر اپنے دل میں محبت پالتے رہنے والے اس وقت تک دو ہی ہوتے ہیں' الگ الگ ہی ہوتے ہیں جب تک اظہار نہ ہو اور اظہار ہوتے ہی وہ ایک ہو جاتے ہیں۔ تم وقت ضائع مت کرو۔۔۔" میں نے کہا تو فائقہ نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کئے مگر اس لمحے ویٹر ہمارے درمیان آگیا۔ زوہیب نے اپنی پسند کی چند ڈشز بتائیں۔ وہ چلا گیا تو فائقہ نے پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ انا کیا ہوتی۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ میرے خیال میں انا بہت ساری قوتوں کا مرکب ہوتی ہے۔ انسان جب گمان کرتا ہے کہ وہ بہت کچھ ہے' بڑی شے ہے تو وہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ الگ بحث ہے کہ وہ کن چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ جہاں بہت کچھ پڑا ہو' وہاں محبت کی گنجائش یا اگر محبت وہاں ہوگی بھی تو اٹی ہوئی ہوگی' خالص نہیں ہوگی۔ انا وہ شے ہے جس سے انسان خود کو بھرا ہوا مکمل محسوس کرے۔"

"آپ کے خیال میں انا قربان کر دینی چاہئے؟"

"نہیں' بلکہ انا کو خالص رکھنا چاہئے۔ انا تحریک نہیں بلکہ کسی تحریک کا بہترین محرک ہے مگر انا کے لئے محبت کو اپنے اندر رکھنا' ایک بیریئر پر روک کے رکھنا غلط ہے بلکہ محبت میں انا ہونی چاہئے۔ اس طاقت کو محبت کے خالص پن کے حصول کے لئے بچا کر رکھنا چاہئے۔"

"میں سمجھی نہیں۔۔۔؟"

"جب تک ہم زمین میں خالی پن پیدا نہیں کریں گے تو پانی کیسے نمودار ہوگا' کوئی چشمہ اگر پھوٹتا ہے تو وہ خالی پن سے ہی ابلتا ہے۔ اپنے من میں محبت کے لئے جگہ خالی کریں گے تو محبت کی لطافتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ انا کی بے ساختہ قوتوں کو ایک جانب ہٹائیں گے تو محبت سے من مہکے گا۔" میں نے فائقہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی اور مجھے روہی کے ولی اللہ شاعر خواجہ غلام فرید سائیں کا ایک مصرعہ یاد آگیا۔ "دھویں دار فقیر تھیوں سے' فخر وڈایاں سٹیئیاں "۔۔۔ مطلب' اگر عشق کا مطلب محبوب کی یاد میں سلگتے ہی رہنا ہے تو پھر اسی وقت بندہ مقام رضا تک پہنچ پاتا ہے جب اس عشق کی آگ سلگتے ہوئے دھواں کی طرح اٹھے۔ میں اس وقت ہی مقام عشق پر پہنچ پایا ہوں جب میں نے سارے فخر اور بڑے پن کو پرے پھینک دیا ہے۔ یہ مصرعہ اور اس کا

مفہوم جب میں نے فائقہ کو سنایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ راہ سلوک میں ایک مقام' مقام حیرت بھی آتا ہے' دراصل یہی آغاز ہے اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مقام حیرت پر فائز ہو چکی تھی۔ اب اس سے زیادہ میں نے کچھ بھی نہیں کہنا تھا' اس کی سوچیں خود ہی راہ پر لگ گئی تھیں اور جس طرح ہم خوش باش وہاں آکر بیٹھے تھے' اس طرح کھانے میں قہقہے یا ہنسی نہیں تھی بلکہ ایک خوشگوار اور پراسرار خاموشی تھی جیسے سب اپنی اپنی جگہ سوچوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ میں نے اردگرد کے ماحول کو دیکھا' سب لوگ اپنے آپ میں مگن تھے اور اپنی اپنی مصروفیت میں کھوئے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں' کون کس خیال میں ہوگا۔ یاد محبوب میں کھوئے رہنا' نفع و نقصان کا میزانیہ کرتے رہنے سے بدرجہا بہتر ہے--- سمندر کی لہریں خاصی دور تھیں' وہاں تاریکی تھی بس ان کا شور سنائی دے رہا تھا۔ کہیں کہیں کوئی روشنی ٹمٹماتے ستارے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ تبھی قطار میں لگیں روشنیاں نمودار ہوئیں جیسے ڈھیروں دیئے کسی مکان پر سجا دیئے گئے ہوں۔ وہ کوئی بحری جہاز تھا اور سوئے منزل روانہ ہو رہا تھا۔ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنوں میں خوشگوار زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ خیال کس قدر مسرت سے بھیگا ہوا ہے کہ کوئی پرائے دیس میں ہو اور اس کی راہ تکنے والا کہیں دور بیٹھا منتظر ہو--- میری سوچیں بھٹکنے لگی تھیں اس لئے میں نے انہیں فوراً" لگام دے دی اور پھر سے دماغی طور پر وہیں حاضر ہو گیا' تب میں نے یونہی سکوت توڑنے کے لئے کہا۔

"یار! کھانا خاصا مزیدار ہے' میں اس قدر توقع نہیں کر رہا تھا۔"

شاید زوہیب پہلے ہی سے بات کرنے کے انتظار میں تھا۔ اس نے اپنی رائے دی تو یوں ہلکی پھلکی باتیں اچھی خاصی گفتگو میں بدل گئیں--- واپسی کے لئے جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو فائقہ نے قدرے جھجکتے ہوئے زوہیب سے کہا۔

"وہ مارا---"

میں نے نعرہ لگاتے ہوئے جوش سے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔

"یار' عامر! تم ایسا کرو کہ عشق' محبت وغیرہ کی کوئی یونیورسٹی یا کالج کھول لو' ایمان سے بہت کامیاب رہو گے۔ چلو اتنا بھاری بجٹ نہ بھی ہو تو اکیڈمی سے ہی ابتداء کر دو--- قسم سے' جو کام میں پچھلے دو برسوں سے نہیں کر پایا ہوں' تم نے جھٹ پٹ میں کروا دیا۔"

"اس پر ایک شعر یاد آ رہا ہے' سناؤں---؟" فائقہ نے جلدی سے کہا۔

"چلو' جی' اب اس پر بھی شعری دورہ پڑ گیا--- سناؤ جی---؟"

زوہیب چپ ہوا تو فائقہ بولی---

کھیلنے دو انہیں عشق کی بازی' کھیلیں گے تو سیکھیں گے
قیس کی یا فرہاد کی' خاطر کھولیں کیا اسکول' میاں!

"تو آخر عشق نے تمہیں بھی۔۔۔؟" میں نے کہا تو وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"سلگ تو ہم پہلے ہی سے رہے تھے' بس اک پھونک کی ضرورت تھی۔"

انہی باتوں میں ہم فلیٹ تک آ پہنچے۔ فائقہ کی ماں نے دروازہ کھلا اور دیر سے آنے کا پوچھ کر اپنے کمرے میں جا کر سو گئی' تب فائقہ نے کہا۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔۔۔"

"وہ تو ہم ویسے بھی پی کر جانے والے تھے۔۔۔" زوہیب صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

"اب ایسے کرو' جلد از جلد شادی کر لو۔ پھر یہیں شفٹ ہو جانا' خوب گزرے گی اور اس کباڑ خانے سے جان چھوٹے گی جہاں میں نے ایک رات گزاری ہے۔"

"ارے اس سے بھی اچھا گھر ہے میرے پاس' اب یہ فائقہ محترمہ پر منحصر ہے کہ وہ کب وہاں جانا چاہے گی۔" وہ بولا۔

ہم رات گئے تک باتیں کرتے رہے پھر میرے اصرار پر وہ وہیں رک گیا۔ میں تو جا کر سو گیا تھا' ان کا پتہ نہیں کہ وہ کب سوئے تھے' سوئے بھی تھے یا نہیں؟"

✿✿

یہ چند دن بعد کی بات ہے۔

میں آفس پہنچا تو باس کو اپنا منتظر پایا۔ میں جب ان کے کمرے میں گیا تو سگار کے دھوئیں میں سے وہ میری جانب دیکھ رہا تھا۔ اشارے سے مجھے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' میں بیٹھ گیا تو وہ بولا۔

"عامر! تمہیں پتہ ہے کہ تم یہاں اپنے ذاتی کام نہیں کر سکتے ہو؟" اس نے کہا۔

"جی' مجھے معلوم ہے۔" میں اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

"تو پھر بھی تم نے کیا۔۔۔ تم جانتے ہو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟"

"میں وہ بھی جانتا ہوں۔۔۔"

"پھر بھی تم نے۔۔۔؟"

"مجھ سے یہ غلطی ہوئی۔"

"خیر' تم نے مان لیا۔ تم اسے وارننگ ہی سمجھو کہ آئندہ۔۔۔"

"نہیں' سر! ایک اور شخص میرا ٹارگٹ ہے اور میں کراچی آیا ہی اس لئے ہوں۔"

"تو یہ سب کچھ تم ہمارے ساتھ رہ کر' ہمارے وسائل استعمال کر کے نہیں کر سکتے۔ تمہیں واپس لاہور جانا ہوگا۔"

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا' سر! جب تک اپنا کام ختم نہ کر لوں۔ آپ مجھے اپنے

وسائل استعمال نہ بھی کرنے دیں' تب بھی۔۔۔"

"یہ تمہارا فیصلہ ہے۔۔۔؟"

"جی۔۔۔"

"تو پھر بہت زیادہ مشکل ہو جائے گی' مسٹر عامر۔۔۔!"

"میں اگر اپنا ٹارگٹ پورا نہ کر سکا تو میرے لئے اور زیادہ مشکل ہو جائے گی سر! مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں اپنے لوگوں کے خلاف نہیں جا رہا اور نہ ہی میں ان کا راستہ کاٹ رہا ہوں۔ اب تک آپ نے مجھ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے کوئی کام نہیں دیا تو میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔۔۔"

"تم نے اعتماد کا موقع نہیں دیا مسٹر! بہرحال' ہم تمہیں یوں نہیں چھوڑ سکتے۔ ایک دو دن میں تمہارے بارے میں فیصلہ ہو جائے گا' تب تک تم کچھ بھی نہیں کرو گے۔"

"اوکے' سر! جیسے آپ کی مرضی۔۔۔"

میں نے کہا اور وہاں سے اٹھ آیا۔۔۔ میں ایک دم اچھے خاصے دباؤ میں آ گیا تھا۔ اسی شام میں نے زوہیب سے پورا معاملہ کہہ کر پوچھا کہ باس کو کیسے معلوم ہوا اور کیا اسے بھی کوئی ایسی وارننگ دی گئی ہے یا نہیں؟

"ہاں' انہوں نے پوچھا تھا اور میں نے کہہ دیا تھا کہ عامر میرا دوست ہے اور میں نے اس کی مدد کرنی ہے۔"

"حالانکہ ہم نے جھوٹ۔۔۔"

"پاؤں نہیں ہوتے جھوٹ کے۔ اس نے ہماری بات سنی تھی مگر یقین نہیں کیا' پھر بعد میں معلومات لی ہوں گی۔۔۔ خیر' اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اتنے بڑے نیٹ ورک کا حصہ کیسے ہوتا؟ اسے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔"

"دیکھو' زوہیب! تم میری وجہ سے کسی مصیبت میں مت پھنسنا' میرے متعلق جو بھی فیصلہ ہوتا ہے' میں اس کا سامنا کروں گا۔ ہم کوئی روبوٹ نہیں ہیں کہ جو پروگرام وہ ہم میں فیڈ کر دیں' ہمیں وہی کرنا ہے۔"

"تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن اگر ہر بندہ یونہی من مانی کرتا رہے تو پھر اس نیٹ ورک کی وہ سروس نہیں رہے گی۔"

"بہرحال میرا فیصلہ یہی ہے کہ میں اپنا ٹارگٹ پورا کروں گا' کمپنی میرے بارے جو فیصلہ کرتی ہے تو کرتی رہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کمپنی سے انحراف کا نتیجہ موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔" میں نے حتمی انداز میں کہہ دیا۔

"خیر' دیکھتے ہیں---" اس نے الجھن زدہ لہجے میں کہا اور پھر اچانک بولا۔ "وہ تمہارا عطا بخش شاہ لندن میں ہے' وہ زیادہ تر وہیں رہتا ہے' اب اس کا بیٹا حسن بخش شاہ سیاست میں آ رہا ہے۔ تمہارا ٹارگٹ تو عطا شاہ ہے نا' تو لندن چلے جاؤ' یہاں سے ویسے ہی دور' وہاں بھی تو ہمارا نیٹ ورک ہے نا---!"

"میرے خیال میں یہی بہتر ہو گا۔ میں کب تک اس کے یہاں آنے کا انتظار کرتا رہوں گا اور پھر مجھے صرف یہیں تک محدود ہو کر تو نہیں رہنا۔ ابھی میں نے شرو چندرا گاشی تک بھی پہنچنا ہے جو ممبئی میں کہیں رہتا ہے اور بھارت میں تو ہر پاکستانی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے--- خیر' زوہیب! دیکھتے ہیں مجھے کیا کرنا ہو گا۔"

"جو فیصلہ بھی ہو' بس اتنا خیال رکھنا کہ اپنے لوگوں سے تصادم کی صورت حال پیدا نہ ہو۔" زوہیب نے دھیرے سے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

✿✿

دو دن میرے لئے خاصے بھاری تھے--- نہ جانے کیوں باس نے مجھے پسند نہیں کیا تھا اور نہ باس مجھے اچھا لگا تھا۔ ایک انجانی کشمکش ہمارے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ مجھے پوری طرح احساس تھا کہ وہ میرے خلاف ہی جائے گا' اس کے بعد کیا صورت حال پیدا ہو گی' اس بارے میں قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میری اندر انتہا درجے کی ہیجانیت تھی۔ میں نے اس دوران بھی من مانی کی تھی اور حسن بخش شاہ سے متعلق معلومات کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ بنیادی باتیں مجھے زوہیب نے بتا دی تھیں تاہم مزید اضافہ یہی ہوا تھا کہ اس کا زیادہ تر وقت کراچی ہی میں گزرتا ہے۔ ایک ہفتے کے اندر وہ "نور جو گوٹھ" ضرور جاتا ہے' وہاں جانا اس کی مجبوری اور کراچی میں رہنا ضروری تھا۔ نور جو گوٹھ میں اس کی والدہ تھی جو بیمار رہتی تھی' اسکی بیوی اور ایک بچی تھی۔ وہ ایک دن ان کے ساتھ گزارتا تھا۔ کراچی میں اس نے کمپیوٹر اور اس سے متعلق سامان کا اچھا خاصا بزنس شروع کر رکھا تھا۔ اس کی تصویریں اخبار اور میگزین کے تراشوں کی صورت میں مجھ تک پہنچ گئیں تھیں۔ مجھے افسوس یہی تھا کہ عطا بخش شاہ میری رسائی سے دور تھا۔ اس دوران میرے دماغ میں یہ خیال بھی رینگنے لگا کہ میں لندن کیسے جا سکتا ہوں؟ تبھی اس دن لاہور سے میرے سابقہ باس کی کال آ گئی۔

"کیسے ہو عامر---!" اس کے لہجے میں خوشگواریت تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے بھی خوش دلی سے کہا۔

"میں تمہیں کراچی بھیجنا ہی نہیں چاہتا تھا' مجھے پتہ تھا کہ تم ان کے ساتھ نہیں چل سکتے لیکن خیر--- تم فی الحال وہاں سے کام چھوڑ کر واپس یہاں آ جاؤ' پھر معاملات دیکھتے ہیں۔"

"کیا میرے لئے لندن جانے کا بندوبست کر سکتے ہیں---؟"

"کیوں نہیں' لیکن کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو---؟"

"بے شک' اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔ اس وقت تک کے لئے مجھے فری کر دیا جائے۔"

"خیر' تم ایک دفعہ لاہور تو آؤ' یہاں دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں دو چار دن تک آتا ہوں---"

"تمہیں یہاں کراچی کا باس بلائے گا' کوئی شدت والی بات نہیں کرنی' بس وہاں سے آ جانا ہے' باقی اگر تم دو چار دن میں اپنا کام کر سکتے ہو تو کر کے آ جانا لیکن انہیں بتائے بغیر' باقی میں سنبھال لوں گا۔"

ان کے اس طرح کہنے سے میں نے یوں محسوس کیا کہ جیسے تیز دھوپ سے اچانک سایہ میسر آ گیا ہو۔ میرے اردگرد پھیلی ہوئی الجھنوں کا دھواں اچانک تیز ہوا کے چلنے سے ختم ہو گیا ہو۔ میں ابھی انہی کیفیات میں تھا کہ باس کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ مجھے وہاں ہونے والی گفتگو کا اندازہ تھا اس لئے میں نہایت ڈھیلے ڈھالے انداز میں کسی دباؤ کے بغیر چلا گیا۔

✿✿

کچھ دیر میں سورج ڈھل جانے والا تھا۔ افق پر بادل چھائے ہوئے تھے' نیلگوں آسمان پر سفید براق بادل میری آنکھوں کو بہت بھلے دکھائی دے رہے تھے۔ شاید انہی بادلوں کی وجہ سے آسمان کا رنگ زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ اس پس منظر میں جب پرندوں کی ڈاریں شمال سے جنوب کی طرف جا رہی تھیں تو اک عجیب سی اداسی کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ پرندے کتنے بے نیاز ہوتے ہیں' ان کا بھی تو کوئی وطن ہوتا ہوگا' وہ کیوں صبح نیلے آسمان کے سائے تلے پھیل جاتے ہیں اور پھر شام ڈھلے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ شاید آسمان کے نیلگوں پن سے یا پھر روشنی سے ان کا کوئی تعلق ہوگا' مجھے یاد آ رہا تھا کہ ایک بار سہ پہر کے وقت سورج کو گرہن لگا تھا' یہ گرہن اتنا شدید تھا کہ اندھیرا چھا گیا۔ تب پرندے بھی یہی سمجھے کہ شام ہو گئی اور وہ واپس لوٹنے لگے مگر ان میں اک بے چینی تھی کہ اس قدر جلد اور تیزی سے شام کیسے آ گئی؟ کوئی فطری بندھن ہے--- میں ایسے ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ میرے کاندھے پر نرم سا ہاتھ اور پھر دباؤ محسوس ہوا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو فائقہ تھی' اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں اداسی اتری ہوئی تھی۔

"اتنا تھوڑا سا وقت لے کر آئے تھے آپ ہمارے لئے---؟" اس نے اداس لہجے میں پوچھا۔ میں خاموش رہا تو وہ کہنے لگی۔ "یہ جو رفاقتوں کے زخم ہوتے ہیں نا' ان کا دکھ بہت زیادہ

ہوتا ہے۔ ان کی ٹیس جاتی ہی نہیں۔ ان تھوڑے دنوں کی رفاقت ایک الوہی رشتے میں بدل جائے گی' میں نے تو کبھی ایسے سوچا بھی نہیں تھا۔"

یہ کہتے ہوئے اس کے آنسو گالوں پر لڑھک گئے۔ تب انہی لمحوں میں مجھے یوں لگا جیسے ثمن میرے سامنے بیٹھی ہے اور اس کا وہ آنسو جو میری ہتھیلی پر آج بھی خنجر کی طرح پیوست تھا' اس کی ٹیس نے بے حال کر دیا۔ اس ایک ننھے سے قطرے نے میری زندگی کو بدل کے رکھ دیا تھا۔

"روتے نہیں' فائقہ! کہتے ہیں کہ رونے سے توانائی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ وہ توانائی ہوتی ہے جسے دشمنوں کے لئے سنبھال کر رکھنا چاہئے--- یاد ہے' تم نے مجھے کشش کے بارے میں بتایا تھا؟ تو میری' جاں! میں کہیں بھی رہوں' یہ ہوائیں ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ ہیں۔ تمہیں پتہ ہے' یہ کس قدر پیغامات کا بوجھ اٹھائے سفر کرتی ہیں اور یہ اتنی معتبر' ایماندار ہوتی ہیں کہ صرف اسی کو پیغام دیتی ہیں جس کے لئے اسے ہدایت کی جائے۔ کبھی ٹیلی ویژن کی نشریات بھی فون پر آئیں ہیں؟ انسان بھرپور صلاحیتیں رکھتا ہے' اس میں ایک طاقت پیغام دینے اور وصول کرنے کی بھی ہے۔ میں کوئی ماورائی بات نہیں کر رہا' ہمارے رب تک ہماری دعائیں کیسے پہنچتی ہیں؟" میں نے کہا تو وہ میری طرف دیکھنے لگی۔ میں لمحہ بھر کو ٹھہرا اور کہا۔ "جب کوئی ہمارے لئے دعا جیسی اہمیت اختیار کر جاتا ہے نا' تو پھر رابطے ذریعوں کے محتاج نہیں رہتے۔ تم سچے دل سے مجھے یاد کرنا' تم محسوس کرو گی کہ میں تمہارے پاس ہوں۔"

"عامر! ہم میں ایسا کیا ناتا ہے جو ہم ایک دوسرے میں یوں کشش محسوس کر رہے ہیں؟"

وہ الجھتے ہوئے بولی تو میں ہنس دیا اور دھیرے سے کہا۔

"محبت!--- تم بھی کسی سے محبت کرتی ہو اور میں بھی' آئینے کو آئینے کے سامنے رکھ دیں تو کیا ہو گا؟ ہم اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں--- دیکھو' تمہیں ایک چھوٹی سی مثال دوں۔ ایک آئینے کے سامنے ہم چراغ رکھتے ہیں' آئینہ روشن ہو جاتا ہے' اسی سے مغلوں نے شیش محل بنائے' پورے کمرے میں چھوٹے چھوٹے آئینے لگا دیئے اور پھر ایک چراغ یا قندیل روشن کر دیتے' وہ کمرہ بقعہ نور بن جاتا۔ اس دنیا میں اگر بہت سارے لوگ محبت میں آئینے کی طرح ہو جائیں تو یہ دنیا یہیں جنت بن جائے۔ ہمارے ہاں محبت کے دعوے ہیں یا محبت کے ریشمی کپڑے میں لپٹے ہوئے مفاد---"

"عامر! تم بھی اداس ہو نا' ہم سے جدا ہوتے ہوئے---؟"

"کیوں نہیں' محبتوں اور خلوص میں گزرا ہوا ایک بھی پل نہایت قیمتی ہوتا ہے۔"

میں نے کہا تو میرا سیل فون بج اٹھا۔ دوسری جانب زوہیب تھا۔

"کل رات کی تمہاری فلائیٹ ہے لاہور کے لئے اور میں نے تمہارے لئے ٹکٹ لے لیا ہے۔"

"لیکن۔۔۔" میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"آج رات بلکہ ابھی تھوڑی دیر بعد وہ نورجوگوٹھ کے لئے روانہ ہوگا' یہاں کراچی سے لے کر نورجوگوٹھ تک کہیں بھی۔۔۔"

"کب جانا ہے۔۔۔؟"

"ابھی تھوڑی دیر تک میں آتا ہوں' تم پوری طرح تیار رہنا۔۔۔"

"میں تیار ہوں۔۔۔"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا' انہی لمحوں میں میرے اندر سنسنی دوڑ گئی۔

✿✿

اس کے پاس نئے ماڈل کی پجیرو تھی جبکہ ہمارے پاس بھی نئے ماڈل کی لینڈکروزر تھی۔ زوہیب نے اسی شام اسے ایک پارکنگ لاٹ سے اٹھوایا تھا۔ نمبرپلیٹ بدلنے اور تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد وہ پہلی نگاہ میں پہچانی نہیں جا سکتی تھی۔۔۔ وہ اپنے بنگلے سے بڑی آہستگی کے ساتھ نکلا تھا' زوہیب ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ میں اس کے ساتھ تھا۔ پیچھے زوہیب کے دو ساتھی تھے الیاس اور انجم۔۔۔ ہم دونوں نے غور سے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ تین ہیں' حسن شاہ اور اس کے علاوہ دو اور آدمی۔ بھرپور یقین کرنے کے لئے ہم نے ایک بار انہیں کراس بھی کیا تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ حسن شاہ ڈرائیونگ کر رہا تھا' تب اچانک میرے ذہن میں آیا۔

"زوہیب! مجھے نہیں لگتا' اس کی گاڑی بلٹ پروف ہوگی۔ کیوں نہ یہیں۔۔۔"

میں نے کہا تو اس نے ایک لمحہ سوچا تبھی پیچھے سے آواز آئی۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ سپرہائی وے سے واپس ہونے میں زیادہ خطرہ ہے۔ ہم اسے ختم کرتے ہی گاڑی کہیں کھڑی کریں گے اور الگ الگ ہو جائیں گے۔ یہ علاقہ سنسان ہے۔ جب تک پتہ چلے گا' ہم نکل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

زوہیب نے کہا تو ہم تینوں نے گنیں نکال لیں' میگزین لوڈ کئے اور پوری طرح تیار ہو گئے۔ تب اس نے رفتار تیز کر دی۔ عین جب اس نے گاڑی برابر کی تو میں نے ایک لمحہ کو اسے دیکھا' اس نے بھی میری جانب دیکھا' میں نے شیشے اتارے ہوئے تھے۔ میں نے انتہائی سرعت سے گن نکالی اور برسٹ جھونک دیا۔ فطری بات تھی کہ وہ بریک لگاتا' اس لئے زوہیب نے بھی اچانک بریک لگائے تھے۔ گولیوں اور ٹائروں کی تیز چرچراہٹ ایک ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ ایک ہی

وقت میں تین گنوں کی فائرنگ نے پجیرو کو ہلا دیا تھا۔ وہ گاڑی ایک لمحہ کو لہرائی اور پھر فٹ پاتھ پر چڑھ کر الٹ گئی۔ پتہ نہیں پیچھے آنے والی ٹریفک کا کیا حال تھا اور نہ ہی ہم نے تصدیق کی کہ حسن شاہ مرگیا ہے یا نہیں؟ زوہیب نے انتہائی رفتار سے گاڑی بھگا دی۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے بڑے آرام سے ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور کے سامنے گاڑی روک دی۔ ہم نے اسلحہ وہیں چھوڑا' بظاہر اطمینان لیکن سرعت سے اترے اور ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں چل پڑے۔ تھوڑا آگے جانے کے بعد ہمیں ٹیکسی دکھائی دی۔ زوہیب نے پتہ نہیں کس علاقے کا نام لیا تھا۔ ٹیکسی چلی تو میں نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ وہاں جا کر ہم کچھ دیر پیدل چلے اور پھر دوبارہ ایک نئی ٹیکسی سے فائقہ کے ہاں پہنچ گئے۔ ابھی رات کا پہلا پہر ختم نہیں ہوا تھا۔ حسب معمول فائقہ کسی کتاب میں گم تھی کیونکہ دروازہ کھولنے کے بعد وہ جس صوفے پر جا کر بیٹھی تھی وہاں ایک نئی کتاب دھری ہوئی تھی۔ اس نے ہم سے کوئی بات نہیں کی تھی' وہ بیٹھ کر دوبارہ کتاب پڑھنے لگی تو زوہیب نے کہا۔

"خیریت' حضور! یہ منہ کس خوشی میں پھلایا ہوا ہے؟"

"کم از کم بندہ بتا کر جائے کہ کہاں جا رہا ہے' میں انتظار کر رہی ہوں اور تم لوگوں کا فون بھی بند ہے۔"

اس نے کہا تو ہمیں فون بند ہونے کا احساس ہوا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ اپنے فون نکالے اور انہیں آن کر دیا۔

"ہم ذرا ایک روحانی اجتماع میں چلے گئے تھے---" زوہیب نے انتہائی سفید جھوٹ بول دیا' پھر بے قراری سے کہا۔ "فائقہ جی! بہت زوروں کی بھوک لگی ہے' کچھ کھانے کو ملے گا؟"

"میں نے اب تک تم لوگوں کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا' اطلاعاً" عرض ہے۔"

"او میں صدقے جاؤں' واری جاؤں--- چلو جلدی سے کھانا لگاؤ' ہم اتنے میں فریش ہو لیتے ہیں۔" اس نے کہا تو فائقہ نے کتاب ایک طرف رکھی اور اٹھ گئی۔

✿✿

اگلی صبح کا اخبار چیخ رہا تھا۔ پہلے صفحے پر حسن شاہ کے قتل کی خبریں تھیں' ایک بڑی اور دوسری چھوٹی۔ کرائم رپوٹرز نے اس قتل کے قلابے نہ جانے کہاں سے کہاں ملا دیئے تھے۔ کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ایک غدار وطن کے بیٹے کو سزا دی گئی ہے جو اس کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ میں نے ان خبروں سے بھانپ لیا تھا کہ کن کن تنظیموں کے افراد کی پکڑ دھکڑ ہوگی' تفتیش کا رخ کس طرف ہوگا۔ میں ناشتے کا سامان لانے کے بہانے نیچے ایک سٹور تک آگیا۔ میں نے ناشتے کے سامان کے علاوہ مزید اخبار لئے اور واپس اوپر آگیا۔ جب تک

ناشتہ تیار ہوا' میں نے انہیں پوری طرح کھنگال لیا۔۔۔۔ اس وقت میں ناشتے سے فارغ ہو کر چائے پی رہا تھا کہ صفدر علی خاں کا فون آ گیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر کافی دور چلا گیا۔

"جی' خان صاحب۔۔۔۔!"

"تمہاری مطلب کا یہ بندہ تو نہیں تھا؟"

"نہ ہو' وہ تو لندن میں ہے مگر وہ اس کی کسک تو محسوس کرے گا' نا! جیسے ضیاء کی کسک میجر برداشت کر رہا ہے۔۔۔۔"

"خیر' تم فوراً لوٹ آؤ۔ اب وہاں تمہارے لئے بہت زیادہ خطرہ ہے۔"

"میں واپس آیا نا' خان صاحب! تو پھر کبھی اس تک رسائی نہیں کر پاؤں گا۔ میں چند دن۔۔۔۔"

"نہیں۔۔۔۔ فوراً' واپس پلٹو' میں جو کہہ رہا ہوں۔"

"میں لاہور آیا تو مجھے گاؤں بھی جانا پڑے گا اور پھر میں وہاں سے نکل نہیں پاؤں گا۔ میں یہیں رہوں گا یا پھر کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

"چلو ٹھیک ہے' کسی بھی ایسے ملک چلے جاؤ جہاں ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر بعد میں دیکھ لیں گے۔"

"خاں صاحب! کیوں نہ میں لندن چلا جاؤں' میرے پاس ویزا تو ہے۔۔۔۔"

"یہ کب لیا تھا۔۔۔۔؟"

"ہمارے سارے لوگ حفظ و تقدم کے طور پر ویزا پہلے ہی سے لگوا کر رکھتے ہیں۔ کسی وقت بھی ضرورت پڑ سکتی ہے جیسے اب مجھے ہے' لیکن یہ ہو گا کہ چونکہ میں تنظیمی طور پر نہیں جا رہا' اس لئے مجھے پیسہ چاہئے ہو گا۔ ویسے میرے لاہور والے باس کو معلوم ہے وہ بھی میری مدد کرے گا۔"

"وہ سب ہو جائے گا تم وہاں پہنچو۔ تمہیں جتنے پونڈ چاہئے ہوں گے' مل جائیں گے۔"

"او کے۔۔۔۔ میں جانے سے پہلے آپ کو کال کروں گا۔"

"میں انتظار کروں گا۔۔۔۔" انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

بلاشبہ میں نے کراچی میں چند دن رکنے کے لئے اتنی باتیں کیں تھیں۔ اتنا جو کچھ بھی کہا' سب لاشعوری تھا۔ اس وقت مجھے اس کی اہمیت کا اتنا اندازہ نہیں تھا جب لندن کا ویزا لے رہے تھے۔ میں واپس پلٹا تو زوہیب جانے کے لئے تیار تھا۔

"تو پھر' عامر صاحب! رات دس بجے کی فلائیٹ ہے۔ میں شام ڈھلے آ جاؤں گا' رستے ہی میں کہیں کھانا کھائیں گے اور۔۔۔۔"

"میں واپس لاہور نہیں جا رہا---" میں نے دھیرے سے کہا۔

"وہ کیوں---؟"

"مجھے لندن جانا ہے--- تم کچھ دیر ٹھہرو' میں تیار ہو کے آتا ہوں۔ پھر ٹکٹ کا---"

"تم گھر میں ہی رہو' میں پتہ کر لیتا ہوں۔ بس تم یہاں آرام کرو---"

اس نے کہا اور فائقہ کے ساتھ چلا گیا۔ میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا تاکہ اپنے مستقبل کے بارے میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لوں۔ انہی سوچوں کے سنگ چلتے ہوئے مجھے دوپہر ہو گئی' انہی لمحوں میں زوہیب کا فون آ گیا۔

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کل رات کی ایک فلائیٹ میں سیٹ مل گئی ہے۔ یہ تھوڑا گھوم کے جائے گی۔"

"ٹھیک ہے' لے لو---" میں نے کہا تو اس نے فون بند کر دیا۔ پھر اس کا میرے ساتھ رابطہ رہا اور شام کے وقت جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ٹکٹ تھا۔

✿✿

میں ایک بار پھر جناح ایئرپورٹ پر کھڑا تھا۔ اس وقت میری کیفیت منتظر کی نہیں تھی بلکہ میں وداع ہو رہا تھا۔ یہاں سے دور سات سمندر پار جہاں میرا کوئی بھی جاننے والا نہیں تھا۔ میں' فائقہ اور زوہیب مختصر سے سامان کے ساتھ ہال میں کھڑے تھے۔ فلائیٹ میں ابھی کچھ دیر تھی۔ میں نے ممکن حد تک سب سے رابطے کر کے انہیں لندن جانے کے بارے میں بتا دینا چاہا لیکن پھر اپنے ہی فیصلے پر لکیر پھیر دی۔ میں نے صرف خاں صاحب کے نمبر ملائے کیونکہ ان سے وعدہ تھا' رابطہ ہوتے ہی میں نے کہا۔

"خان صاحب! میں کچھ ہی دیر بعد لندن کے لئے فلائی کر جانے والا ہوں۔"

"جاؤ' اللہ کی حفظ و امان میں جاؤ لیکن' بیٹا! وقت سے بہت پہلے جا رہے ہو۔"

"جب جانا ہی ہے تو پھر پہلے کیا یا بعد میں کیا---"

"خیر' تم جاؤ اور جاتے ہی مجھ سے رابطہ کرنا' پھر میں تمہیں تفصیلاً" خط لکھوں گا اور ایک ٹیلی فون نمبر لکھ لو' اس نمبر پر تم احمد طارق نامی آدمی سے بات کرنا' اسے میں بھی فون کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے' وہ تمہیں ایئرپورٹ پر لینے آ جائے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے نمبر لکھوایا جو میں نے اپنی جیبی انڈیکس میں لکھ لیا۔ تب میں نے پوچھا۔

"اخبار کا تراشا ثمن تک پہنچا دیا تھا---؟"

"سوری--- میں تمہاری طرف سے منتظر تھا' اب بتا دوں گا۔"

"او کے، میں رابطہ کروں گا۔"

میں نے کہا تو انہوں نے چند الوداعی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔ پھر میں نے فون آف کرتے ہوئے فائقہ کو تھما دیا۔

"اسے بند ہی رہنے دینا۔۔۔"

میں نے کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر اندر کی طرف جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ فائقہ کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ اس سے پہلے کہ آنسو بہتے میں نے کہا۔

"نہیں، رونا نہیں۔۔۔"

میرے یوں کہنے پر وہ میرے گلے آ لگی۔ چند لمحے یونہی لرزتی ہوئی میرے ساتھ لگی رہی، پھر پیچھے ہٹ گئی۔ تبھی زوہیب ملا، اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اپنا خیال رکھنا۔۔۔"

"۔۔۔ اور تم بھی۔۔۔ اگر کوئی ایسی افتاد پڑ جائے تو فوراً" صفدر علی خاں کے پاس چلے جانا، وہ تمہیں سنبھال لے گا۔ میں نے تمہارے بارے اسے سب بتا دیا ہے۔ اس سے رابطہ رکھنا۔"

"ایسا ہی کروں گا۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ پھر گلے لگا اور انتہائی جذباتی انداز میں فائقہ کا بازو پکڑ کر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ان جذباتی کیفیات سے خود کو الگ کیا اور پھر اک نئے عزم کے ساتھ قدم بڑھا دیئے۔ میں ایئرپورٹ کے مراحل سے آسانی کے ساتھ گزر گیا اور جب جہاز نے ٹیک آف کیا تو میں نے بس کراچی کی روشنیاں دیکھیں جو ایک قطار میں بہت دور تک چلی گئی تھیں۔

✿✿

بیتھرو ایئرپورٹ پر مجھے کافی وقت لگ گیا۔ میں جب وہاں سے باہر نکلا تو مجھے لینے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا ہوا تھا۔ میں کتنی ہی دیر تک وہاں کی ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ وہاں مجھے کوئی بھی جاننے والا نہیں تھا۔ ہر چہرہ اجنبی اور وہ شہر اجنبی، میں اجنبی سرزمین پر اجنبی مسافر۔۔۔ میں نے چاروں جانب دیکھا، ایک طرف سرخ فون بوتھ تھا۔ میں نے وہاں جا کر احمد طارق کے نمبر ڈائل کیئے۔ دوسری بیل پر ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ میں نے اپنے لہجے کو سنوارتے ہوئے انگریزی میں اپنا تعارف کروایا اور احمد طارق کے بارے میں پوچھا تو دوسری طرف سے شستہ اردو میں کہا گیا۔

"وہ آپ ہی کو لینے ایئرپورٹ گئے ہوئے ہیں۔ آپ وہاں انتظار کریں اور ان کی گاڑی نمبر

نوٹ کرلیں۔ ان کے پاس سیل فون بھی ہے' آپ وہ فون نمبر لے لیں---"

ایک ہی سانس میں اس نے اتنی ساری معلومات دے دیں تھیں۔ نمبر لکھوا کر اس نے کہا۔

"اگر وہ پھر بھی نہ ملیں تو دوبارہ کال کر لیجئے گا میں آپ کو ایڈریس بتادوں گی۔ ویسے آپ وہاں ایئرپورٹ میں کہاں ہیں اس وقت---؟" میں نے اپنی لوکیشن بتائی تو اس نے کہا۔

"وہیں رہئے گا' میں انہیں بتا دیتی ہوں۔ آپ بھی کوشش کیجئے گا---"

پھر کچھ دیر کی کوشش کے بعد احمد طارق مجھے مل گیا۔ پہلی نظر میں اس کی توند اور پھر گنجا سر دکھائی دیا۔ گول مٹول سا' بڑی بڑی آنکھیں' پتلے ہونٹ' قدرے خمیدہ ناک اور سرخ و سفید۔ اس کے حلیئے کی نسبت اس کی آواز بہت جاندار تھی' انتہائی گرمجوشی سے ملا اور پھر اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

پھر سلسلہ چلتا چلا گیا۔

✿✿

اس صبح میری آنکھوں میں رت جگا بول رہا تھا' سرخ ڈورے انجانی کہانیاں کہہ رہے تھے اور بھاری پلکیں کسی کی یادوں کا بوجھ لادے ہوئے تھیں۔ ممبئی کی وہ صبح بڑی حسرت ناک تھی۔ میں اپنے آپ کو یوں بے وزن سا محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی پیراک ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اچانک ساکت ہو جائے مگر تیرتا چلا جائے۔ مجھے احساس تھا کہ سریتا تھوڑی دیر بعد آ جائے گی اور مجھے اس کے ساتھ جوگنگ پر جانا پڑے گا۔ میں اٹھا اور میں نے کھڑکی میں سے باہر کا منظر دیکھا' ابھی قدرے اندھیرا تھا مگر بارش برس رہی تھی۔ میں پھر سے بیڈ پر لیٹ گیا اور پھر مجھے نیند آ گئی--- میری آنکھ دروازے پر دستک کی وجہ سے کھلی تھی۔ میں نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو انار کلی تھا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش تھی' وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

"صاحب! آپ پیتے بھی نہیں ہو لیکن اتنی دیر تک سوئے بھی رہتے ہو' ہم تو پریشان ہو گئے تھے۔"

"خیر' تم نے اچھا کیا جو اٹھا دیا۔" میں نے کہا تو مجھے یاد آیا۔ "سریتا جی آئیں تھیں؟"

"نہیں--- وہ صبح بارش ہو رہی تھی نا---!"

"تو اب کیا وقت ہے؟" میں نے جلدی سے گھڑی کی طرف دیکھا تو وہ گیارہ بجا رہی تھی۔

"چل' انار کلی! تو ناشتہ بنا' میں تیار ہو کر آتا ہوں مگر فوراً"--- میں نے کہا اور کمرے میں پلٹ گیا۔

اس دن میں دفتر خاصی دیر سے پہنچا' نیند کا خمار ابھی تک مجھ سے لپٹا ہوا تھا۔ میں کچھ دیر

بیٹھا رہا اور پھر ذاکر سے سڑانگ کافی بنا کر لانے کو کہا۔ وہ چلا گیا تو میں نے اشوک دھوریہ کا نمبر ملایا' دوسری طرف اس کا کوئی دوست تھا جس نے فون اسے دے دیا۔

"کیسا ہے بے' تو---؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس--- بس یہ سر کا زخم تھوڑا ڈسٹرب کرتا ہے۔" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"پر اپن کا دل نہیں لگتا ادھر---"

اس نے پھر اسی لہجے میں کہا تو میں ہنس دیا اور بولا۔

"کہیں دل لگی نہیں کی تو نے؟ اسے بلا لیا کر اپنے پاس---"

"کاش' اپنی کوئی لور ہوتی۔" اس نے انتہائی مایوسی میں کہا تو مجھے اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا' میں یہی سمجھا کہ وہ مذاق کے موڈ میں ہے۔

"چل یہیں کوئی نرس دیکھ لے' اچھا وقت گزر جائے گا---" میں نے اس سے کہا۔

"یہ مجھ سے ہو نہیں پائے گا' عامر جی! چھوڑیں اسے' آپ بتائیں' کیسا چل رہا ہے۔"

اس کا لہجہ یکدم بدل گیا تھا۔ میں نے محسوس تو کیا لیکن توجہ نہیں دی۔ پھر کچھ دیر اس سے یونہی باتیں کرتے رہنے کے بعد میں نے فون آف کر دیا۔ میں نے فون میز پر رکھا اور اخبار اٹھانے ہی والا تھا کہ ایک لمبے سے قدوالے شخص نے آفس کے اندر آکر ہلکے سے دستک دی' وہ دروازے ہی میں کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے چند اور لوگ بھی تھے۔ میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ گہرے سانولے رنگ کا دبلا سا شخص تھا' اس کی سرخ آنکھیں' لمبی سی ناک' پتلے پتلے ہونٹ جن کے کونوں سے پان کی پیک بہنے کا گماں ہو رہا تھا' سر پر گاندھی ٹوپی' سفید کرتا' آف وائٹ ویسٹ کوٹ اور سفید پاجامہ کے ساتھ چمڑے کے سلیپر پہنے ہوئے تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے اندر آنے کی اجازت دیتا' وہ اپنے پیچھے کھڑے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے وہیں روکتا ہوا بڑھ آیا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے میز کے قریب آکر سلام کیا اور بڑی بے تکلفی سے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کا پھر سے جائزہ لیا۔ اس نے بڑی قیمتی انگوٹھیاں اور سونے کا کڑا پہن رکھا تھا' اس کے گلے میں بھاری سونے کی چین تھی۔ میں نے اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ چند لمحے گزر جانے کے بعد اس نے قدرے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"ہمیں ارون گولی کہتے ہیں' ویسے ہم ڈیڈی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں---"

بلاشبہ اس کا یہ انداز مجھے متاثر کرنے کے لئے تھا مگر میرے کان پر جوں بھی نہ رینگ سکی تھی۔ اتنے میں ذاکر کافی لے کر آگیا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تو میں نے اسے جانے کا اشارہ

کیا۔ میں نے ارون گولی کی طرف توجہ دینے کی بجائے کافی کپ میں انڈیلی' چینی نکالی اور اسے کپ میں ڈال کر ہلانے لگا۔ اس طرح اسے قابل توجہ نہ گردان کر میں نے اسے باور کرا دیا کہ میرے لئے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں نے بڑے اطمینان سے کافی کا سپ لیا اور پھر اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ کسی حد تک بدل گیا تھا' مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر بولا۔

"بہت تعریف سنی تھی آپ کی' دل چاہا کہ آپ سے ملوں اور میں چلا آیا---"

"اچھا کیا' آ گئے ورنہ میں خود آنے والا تھا---" میں نے ملائمت سے کہا تو وہ قدرے خوشگوار لہجے میں بولا۔

"یہ تو ہمارے بھاگیئے ہے کہ آپ آتے' میں آپ کا انتظار کروں گا---"

"خیر--- بتائیں کافی' چائے یا کوئی ٹھنڈا---؟" میں نے عام سے انداز میں رسماً" پوچھا۔

"نہیں' یہ پھر کسی وقت سہی۔ اس وقت تو ہم آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔" وہ پہلو بدل کر بولا۔

"یہ تو مشرقی روایت ہے کہ جب کوئی مہمان چل کر آتا ہے تو اس کی سیوا کی جاتی ہے اور میزبان خوش ہوتا ہے کہ اگر مہمان کی مرضی کے مطابق اس کی سیوا ہو جائے---" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو' عامر جی! اگر آپ سیوا کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس دن والے معاملے کو رفع دفع کر دیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا میں اسے تمہاری دھمکیوں کا تسلسل سمجھوں---؟" میرے لہجے میں نجانے کہاں سے سردپن اتر آیا تھا جس سے میرا لہجہ تک بدل کر رہ گیا تھا۔

"دیکھیں' عامر جی! اس وقت میں خود' آیا ہوں اور وہ بھی دوست بن کر' اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ دستک کی جگہ گولی بھی چل سکتی تھی اس لئے---"

"دیکھو' اروں! میں نہ تو دھمکیوں سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی اس طرح کی باتوں سے متاثر ہوتا ہوں۔ مطلب کی بات کرو---"

"وہ تو میں نے تم سے کہہ دی ہے بابو! اپنے لڑکوں کے لئے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

اس نے اچانک لہجہ بدل دیا۔ تبھی میں نے اسے مزید طیش دلایا۔

"اس کا مطلب ہے اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو تم اپنی بات منوا کر رہو گے؟"

"ظاہری بات ہے---" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "میں کبھی کسی کے پاس چل کر نہیں گیا' یہ معاملہ پہلی دفعہ ہوا ہے۔"

"ایسا کیوں ہو گیا' ارون---؟"

میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو اس کے چہرے پر سے ایک سایہ آ کے چلا گیا۔

"اس لئے کہ میں نے پہلی بار اپنے اصولوں کو توڑا ہے۔ یہ گناہ تو ہو گیا مجھ سے' اب اس کا مداوا بھی مجھے ہی کرنا ہے۔"

"اصول' گناہ' مداوا--- میں سمجھا نہیں' ارون" میں نے اس کی بات میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی عورت کے لئے کام نہیں کیا' یہ کام ہاتھ میں لینے کے بعد مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ کام کسی عورت کا ہے۔ دوسرا میں نے ہمیشہ ٹیکسٹائل مزدوروں کے لئے سیٹھ لوگوں کے ساتھ لڑا ہوں' مجھے بھی یہی بتایا گیا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ میں تو ان سیٹھ لوگوں کی لڑائی لڑ رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں تمہارے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں تو یہاں کے مزدوروں کا بھلا ہو سکتا ہے؟"

میں نے اس کی بات سنی لیکن ذرا بھی متاثر نہیں ہوا لیکن انہی لمحوں میں ایک فیصلہ میں نے کر لیا۔ میں نے کافی کا سپ لیا اور اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے تمہاری دوستی اور دشمنی سے کوئی مطلب نہیں۔ ہاں' اگر دوستی کرو گے تو تمہارا فائدہ ہے اور دشمنی کرو گے تو بھی تم دیکھ چکے ہو--- تم اس لئے آئے ہو کہ میں تمہارے لڑکوں کا خیال کروں۔ تو جاؤ' میں نے انہیں معاف کیا اور میں امید رکھوں گا کہ تم میری راہ میں نہیں آؤ گے--- اب جاؤ۔"

میں نے کہا' کافی کا آخری سپ لے کر مگ ٹرے میں رکھا اور اردن کو نظرانداز کر کے اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا۔

اخبار دیکھتے ہوئے میں لاشعوری طور پر شردچندر اگاشی کے بارے میں کوئی خبر یا تصویر دیکھنے کی توقع میں نگاہیں دوڑایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں وہی تھا کیونکہ اتنے دن ہو گئے تھے یہاں کے اخبار دیکھتے ہوئے' ان اخباروں کے مزاج سے تھوڑی بہت آشنائی ہو گئی تھی۔ ممبئی سے نکلنے والے چند بڑے اخبار مثلاً ممبئی ٹائمز' انڈین ایکسپریس' دی ٹائمز آف انڈیا وغیرہ تو اپنی ایک خاص پالیسی رکھتے تھے لیکن مہاراشٹرا سے نکلنے والا ایک اور اخبار ہر دوسرے یا تیسرے دن چندر اگاشی کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر یا تصویر ضرور شائع کیا کرتا تھا۔ اس اخبار کی اپنی پالیسی کے مطابق ایک مخصوص قسم کی ذہنیت تھی۔ اس میں کانگریسی لیڈروں کو کم لیکن شیوسینا کے نیتاؤں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ خصوصی طور پر پاکستان مخالف اور عموماً" مسلمان مخالف باتیں زیادہ ہوتی تھی۔ یہ اخبار شاردا کا پسندیدہ اخبار تھا۔ اس طرح کی پالیسی رکھنے والا اخبار اور اس میں شردچندر کی غیر محسوس انداز میں کی جانے والی تشہیر کچھ اور ہی راہ دکھا رہی تھی۔ میرے پاس تو یہ تصدیق تھی کہ وہ "را" کا ایجنٹ

تھا' اب شیو سینا سے اس کے تعلقات کیا رنگ لائیں گے یہی سوچنے والی بات تھی۔ یہ سب کچھ میں نے لمحوں میں سوچا اور ایسے میں ایک موہوم سا خیال مجھے نئی راہیں دکھانے لگا لیکن میں ان لمحات میں اس پر مزید نہیں سوچ سکتا تھا کیونکہ میرے سامنے ارون گولی بیٹھا ہوا تھا۔ میں اسے اہمیت نہیں دے رہا تھا لیکن وہ جو میرے پاس آگیا تھا' اس میں کچھ بات ایسی تھی۔ میں نے شردچندر والا معاملہ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا اور اپنے سامنے بیٹھے ارون گولی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ میرے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے چند لمحوں تک اس کا جائزہ لیا اور بڑے تحمل سے کہا۔

"ارون! میرا خیال ہے کہ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے۔"

"لیکن مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آ رہی' بھیجے میں نہیں گھس رہی تمہاری بات ---" اس نے اپنی کنپٹی پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھ میں نہیں آیا؟" میں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"بابو! تم نے اتنی آسانی سے' محض چند لمحوں میں یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اب تم کچھ نہیں کرو گے' لڑکے آزاد ہو جائیں گے---؟" وہ تذبذب کے عالم میں بولا۔

"ارون! کیا تمہیں مردوں سے مردوں والی بات کرنا نہیں آتی---؟" میں نے کہا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ "میں نے تم سے کچھ انہونا نہیں کہا۔ تم نے جتنی باتیں کی ہیں اس میں صرف ایک بات مردوں والی کی ہے اور میں مردوں کی قدر کرتا ہوں۔ اگر تم میں ذرا سی بھی مردانگی ہے تو تمہیں میری بات سمجھ جانا چاہئے' ہیجڑے میری بات نہ سمجھیں تو افسوس نہیں ہوتا۔" میں نے کہا تو وہ ہونقوں کی طرح میری طرف دیکھنے لگا۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو میں نے مزید کہا۔ "یہ سیٹھ لوگوں کی لڑائی ہے اور اب تک اس میں جو خون بہا ہے' غریب کا ہے۔ چاہے وہ مزدور ہے یا غنڈہ' سیٹھ لوگوں کو کچھ نہیں ہوا۔ وہ جہاں ہیں' آرام سے ہیں۔ تم لوگ پیسے کی خاطر لڑ مر رہے ہو۔ تم سب لوگوں کی کوشش یہی ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں--- یہ کام تمہارے سیٹھ لوگ کیوں نہیں کرتے---؟" میں نے کہا اور اس کے چہرے پر دیکھنے لگا۔

"ہاں--- ہاں' یہ بات تو ہے کہ وہ کیوں نہیں کرتے مگر وہ کر رہے ہیں' ہمیں پیسہ دے کر---"

"تو پھر مجھے بلایا کیوں---؟" میں نے دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا۔ "دیکھ' ارون! میں جانتا ہوں کہ میرا مسلمان ہونا اور پھر پاکستانی ہونا ہی یہاں بھارت میں سب سے بڑا جرم ہے لیکن تمہارے ان سیٹھ لوگوں نے ایک مسلمان یا پاکستانی سے معاہدہ نہیں کیا بلکہ ایک برطانوی کمپنی سے معاہدہ کیا ہے۔ میں یہاں پاکستانی پاسپورٹ لے کر نہیں' برطانوی پاسپورٹ لے کر آیا ہوں۔ میں یہاں ان کے مالیات کا حساب کتاب ٹھیک کرنے [illegible] اور اب میں یہاں آیا ہوں تو یہاں رہ کر کام بھی کروں گا' اگر

یہاں مجھ پر حملے ہوں گے تو میں انہیں روکنے کی نہ صرف قوت رکھتا ہوں بلکہ یہ میرا حق بھی ہے۔ محض پاکستانی ہونے یا مسلمان ہونے کی بنا پر مجھے بلیک میل نہیں کیا جا سکتا۔ میں یہاں آیا ہوں تو یہ سب سوچ کر آیا ہوں۔ تین ماہ سے پہلے تمہارے سیٹھ لوگ مجھے یہاں سے بھجوا نہیں سکتے--- خیر' یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں مجھے اس سے غرض نہیں لیکن میں چاہوں گا کہ تمہیں ایک بات ضرور سمجھ آجانی چاہئے؟"

"وہ کیا---؟" وہ میری طرف پوری طرح متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"میں یہاں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ تم بھی دیکھ رہے ہو اور میں بھی کہ یہ مل وہی پرانے بنئے والے انداز میں چل رہی ہے۔ یہاں سے مزدور کو کیا ملتا ہے؟ اور یہی بند ہو گئی تو' تم بتاؤ یہاں کے مزدور کہاں جائیں گے؟--- تم نے مردوں والی صرف ایک بات کی ہے کہ تم مزدوروں کی لڑائی لڑتے ہو۔ جب میں یہ مل چلانا چاہتا ہوں' جدید انداز میں چلانا چاہتا ہوں تو میرے یہاں سے چلے جانے میں وہی ہو گا جو ہو رہا ہے۔"

"یہ ایک دم تم مزدور کی بات---"

"سنو' غور سے سنو۔" میں نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔ "تم صرف پیسے کے لئے لڑتے ہو' مزدوروں کی خاطر لڑنے کا تم نے فقط ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔ یہ مزدور میرے ساتھ تعاون نہیں کریں گے تو بتاؤ' میں ان کا فائدہ کیسے سوچوں گا؟--- میں ذاتی طور پر مزدور کا خون چوسنے کے حق میں نہیں' میں اسے خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ جتنی محنت کرے گا' اسے اتنا ہی معاوضہ ملے گا۔ مزدور کا حق کوئی کھائے' میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ یہ مل نقصان میں جا رہی ہے' مطلب سسک رہی ہے۔ کسی بھی وقت اس کا دیوالیہ نکل جانے والا ہے اور پھر یہ بند--- مزدور بے روزگار ہو جائیں گے اور اس کے ذمہ دار ہوں گے تم جیسے لوگ اور اگر میں اس کی رگوں میں خون دوڑا دیتا ہوں' اسے چلا دیتا ہوں تو---"

"بس' عامر بابو! میں سمجھ گیا۔" اس کے اندر ہلچل مچ گئی تھی جو اس کے چہرے پر واضح ہو رہی تھی۔

"تم اب بھی کچھ نہیں سمجھے---" میں نے دھیرے سے کہا۔

"نہیں--- کمل جیت رائے' راجپوت' شاردا--- کوئی گیم ہے ان میں ہے' انہوں نے کچھ اور کہانی بنائی ہے اور---"

"ہاں' کمل جیت رائے--- اس نے کروڑوں روپیہ دینا ہے اور اس کی ضمانت پر دو چار اور پارٹیاں ہیں' وہ تو چاہے گا عدالت میں کیس بھی چلا جائے تو---"

"اب پوری کہانی سمجھ گیا ہوں میں---" اس نے کرسی کی ٹیک چھوڑتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"وہ لوگ اگر اس مل کا روپیہ واپس کر دیتے ہیں تو یہ سارے مزدور بے روزگار نہیں ہوں گے۔"

"--- اور میں نے ان سے روپیہ واپس لینا ہے' پھر ایک نیا سیٹ اپ بنانا ہے اور اسی لئے میں یہاں پر ہوں۔ یہ میرا فرض ہے۔ میں نے اس کا معاوضہ لیا ہے۔ تم لوگوں کی وجہ سے یہ فرض اب میری ضد بن گیا ہے۔"

"یہ کام اب تم مجھ پر چھوڑ دو۔" ارون نے تیزی سے کہا۔

"مگر میں تم سے کوئی ڈیل نہیں کر رہا۔ میں خود---"

میں نے دھیرے سے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹ دی۔

"مجھے ڈیل کرنا بھی نہیں ہے' عامر بابو! تم اگر مجھے مردانگی کا سبق سنا سکتے ہو تو میں بھی تم سے یہی چاہوں گا۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے مرد ہو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔ میں یہاں اپنا مقصد پورا کرنے آیا ہوں۔ اسے تو میں پورا کروں گا ہی' چاہے تمہارے جیسے میری راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے جتنے مرضی آئیں اور یہ میرا وعدہ رہا' ارون! کہ کمل جیت سے میں جتنا روپیہ بھی واپس لے سکا' اس کا آدھا مزدوروں میں بانٹ دوں گا۔ یہ تم چند دنوں میں ہی دیکھ لو گے' چاہو تو تم کمل جیت کو مطلع کر دو۔"

"عامر بابو! تم میرے ساتھ دوستی بھلے نہ کرو لیکن مجھے یہ سمجھ آ گئی ہے کہ میں نے کیا کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا اور اپنا پتلا سا' سانولا ہاتھ میری جانب بڑھا دیا جس کی کلائی میں طلائی بریسلیٹ تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے' بنا کچھ کہے واپس چلا گیا اور میں اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

✿✿

ارون گولی ایک الگ سا تاثر چھوڑ کر گیا تھا۔ لکشمن راؤ نے جو مجھ سے کہا تھا کہ راہول ٹیکسٹائل اب میدان جنگ بننے والی ہے تو اس نے ٹھیک کہا تھا' وہ ان معاملات کو خوب سمجھتا تھا۔ کسی نصابی کتاب کا استاد ہونا ایک الگ بات ہے اور حقیقت میں زندگی کی کھلی کتاب کو پڑھنا ایک الگ بات۔ وہ جس سانحے سے دوچار ہوا تھا' اس نے ایک باصلاحیت شخص کی سوچوں کا دھارا تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ میری جیت یہی تھی کہ میں یہاں راہول ٹیکسٹائل میں کچھ بھی نہ ہونے دوں اور اپنا مقصد بھی حاصل کر لوں۔ ارون گولی' اگر مزدوروں کے مفاد کے لئے اپنا راستہ بدل سکتا ہے تو دوسرے لفظوں میں وہ میرے لئے میری سوچ کے مطابق عمل کرنے والا تھا۔ اس طرح میری راہیں آسان ہو سکتی تھیں۔ کمل جیت نے جو تیر میری جانب چلایا تھا' وہ انہی کی طرف پلٹ جانا تھا۔ بالکل مہا بھارت کے انوسار جیسے راون نے رام پر جو تیر چلایا تھا اور وہ پلٹ گیا تھا۔ میں لکشمن راؤ جیسے لوگوں کے ذہن میں

جلنے والی آگ سے بھی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ میں کچھ دیر اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے اپنے تحفظ کالا شعوری احساس تھا۔ اس وقت تک جب تک میں وہ مقصد حاصل نہیں کر لیتا جس کے لئے میں یہاں وارد ہوا تھا۔ میں نے جو یہاں آتے ہی ہلچل مچا دی تھی' اس کے رد عمل میں میرے اردگرد گھیرا تنگ ہونا فطری بات تھی۔ پر سکون جھیل میں پتھر مارنے ہی سے دائرے پیدا ہوتے ہیں۔ میں یہاں تعصب کے بارود پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے یہ پوری طرح احساس تھا کہ میرا مسلمان اور پاکستانی ہونا ہی میری بڑی کمزوری ہے' مجھے بھارت مخالف سرگرمیوں کے الزام میں کسی بھی وقت جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچایا جا سکتا تھا لیکن میں اس سے بنرد آزما ہونے کے لئے پوری تیاری سے یہاں آیا تھا۔ پاکستانیوں کی طرح بھارتی بھی اب تک انگریز کی حاکمیت کے اثر سے نہیں نکلے۔ ہمارے ہاں اب بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو انگریزوں کو بہت اچھا' امن پسند اور انصاف پسند تصور کرتا ہے۔ ان کے معاشرے کو جرم سے پاک خیال کرتا ہے لیکن اس وقت جتنا کرپٹ معاشرہ ان انگریزوں کا ہے' جس قدر شدت پسند اور بے انصاف یہ لوگ ہیں' انہیں پوری دنیا جانتی ہے مگر صرف عقل کے اندھے نہیں سمجھتے۔ ان معاشروں کی ذہنیت اور فطرت بیان کرنا' اس داستان کے اصل موضوع سے نا انصافی والی بات ہو گی۔ بہرحال' مرعوب معاشرے کے ان لوگوں میں برطانوی شہریت یا پاسپورٹ کی جو اہمیت ہے' سب کے سامنے ہے۔ بھارت کے لئے ویزہ لیتے وقت جو اہمیت برطانوی پاسپورٹ کو حاصل ہے' وہ کسی اور پاسپورٹ کو نہیں۔ یہ درست ہے کہ بھارتی خفیہ اداروں کے لوگ بھارت آنے والے ٹورسٹ پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں مگر یہ "کڑی نگاہ" اسی وقت ہوتی ہے جب ان کی اپنی خصوصی دلچسپی ہو ورنہ بھارتی بیورو کریسی بھی بھارتی معاشرے کا ایک حصہ ہے جو انتہائی کرپٹ ہو چکا ہے۔ بھارتی' خصوصاً" ممبئی کی پولیس بھی انڈر ورلڈ کے ساتھ انتہائی قریبی تعلق رکھتی ہے۔ وہ قدرے متعصب اور امیر بھی ہے۔ دولت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا جبکہ ہندو کے ہاں دولت مذہب ہے۔ "لکشمی دیوی" کی وہ پوجا کرتے ہیں' وہ چاہے جیسے بھی آئے۔ اس کے حصول میں بہت کچھ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسی باعث بھارتی جیلوں میں بے گناہ افراد کی تعداد زیادہ ہے۔ جیسے آگرہ میں کوئی ٹورسٹ اگر تاج محل دیکھنے چلا جاتا ہے تو وہاں کی پولیس اس سے کسی نہ کسی طرح نوٹ ضرور نکلواتی ہے۔ ممبئی پولیس عوام اور خواص میں درجہ بندی کا فرق سمجھتی ہے۔ وہاں کی عوام تو کیڑے مکوڑے جیسی ہے۔ ان کے ساتھ تو جیسا سلوک روا رکھیں' وہ اس کے عادی ہیں لیکن کسی بھی اپر کلاس کے شخص پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے وہ سو بار سوچتے ہیں۔ ممبئی میں قدم رکھنے سے پہلے میں نے انہیں پوری طرح سمجھ لیا تھا۔ میں نے جو اتنی محنت کر کے راہول کو اپنا دوست بنایا اور انتہائی صبر کے ساتھ وقت کا انتظار کیا اور یہاں وارد ہوا تو اس میں بھی ایسے ہی مقاصد تھے۔ وہ مجھے یونہی سڑک پر نہیں پکڑ سکتے تھے کیونکہ میں یہاں قانون کی پاسداری کرنے نہیں آیا تھا۔ میں یہاں سیر کرنے نہیں' اپنے مقصد کے لئے آیا تھا۔ دنیا کا

کوئی بھی معاشرہ ہو' اس میں جرم پہلے ہوتا ہے' قانون بعد میں بنتا ہے اور جرم سے مبرا کوئی معاشرہ نہیں ہے۔ میں اگر ممبئی میں دندناتا پھر رہا تھا تو ان کے معاشرے کی کمزریوں کے بل بوتے پر' بالکل اسی طرح جیسے "را" کے ایجنٹ پاکستانی لوگوں کی کمزوریاں تلاش کر کے' ذہنی طور پر انگریز یا ہندو سے مرعوب افراد کو ڈھونڈ کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ میں اپنے پورے تحفظات کے ساتھ یہاں آیا تھا' میں کوئی لاوارث نہیں تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ میرے ارد گرد خفیہ والے ہوں۔ اشوک دھوریہ کے معاملے میں پولیس سے آمنا سامنا ہو گیا تھا' میں نے چند ٹپوری لوگوں کی پٹائی بھی کی تھی لیکن حقیقت یہی تھی کہ اب تک میرے نزدیک کوئی نہیں آیا تھا اور اگر کوئی آ جاتا تو میں اسے سنبھال لیتا۔ خطرے سے نپٹنے کے لئے ہی تو اتنی ریاضت کے ساتھ تربیت لی تھی۔ یہ کوئی انہونا عمل نہیں تھا کہ میں اس معاشرے میں' ان لوگوں میں جا کر غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ کمل جیت اور شاردا خود یہ چاہتے تھے کہ معاملہ دھمکیوں سے' ڈرانے ہی سے حل ہو جائے' اندر ہی اندر جس کی ہوا نہ نکلے اور میں خوف زدہ ہو کر یہاں سے چلا جاؤں۔ ظاہر ہے' اگر وہ مجھے کسی خفیہ ادارے یا پولیس کے ذریعے پکڑوانے کی کوشش کرتے تو تفتیش ہونا لازمی بات تھی۔ اسی باعث ان کی بہت ساری کمزوریاں منظر عام پر آ جاتیں' وہ کبھی ایسا نہیں چاہتے تھے اور یہی کمزوری مجھے اعتماد دے رہی تھی۔ میں اس خاموش بلیک میلنگ سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔۔۔۔ میں یہ سب سوچتا ہوا باہر کاریڈور میں آ گیا۔ باہر کھلے میں سورج اور بادلوں کی آنکھ مچولی چل رہی تھی' دوپہر کا وقت ہو گیا تھا' میں نے کھلی فضا میں تھوڑی دیر سانس لی اور واپس آ کر دفتر میں مصروف ہو گیا۔

✿✿

میں راہول لاج آیا تو ڈرائیور نے گاڑی گیسٹ ہاؤس کی بجائے لاج کے پورچ کی طرف موڑ دی' مجھے قدرے حیرت ہوئی تو میں نے پوچھا۔

"ارے یہ کیا' ادھر کیوں۔۔۔؟"

"بیگم صاحبہ کا حکم تھا کہ آج میں واپسی پر سیدھے ان کے پاس آپ کو لے آؤں۔"

"کب کہا تھا۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"صبح جاتے سمے۔۔۔"

اس نے مختصر سا جواب دیا اور بریک لگا دیئے۔ میں نے خود ہی دروازہ کھولا اور منقش لکڑی کے دروازے سے سٹنگ روم میں چلا گیا' وہیں سامنے سمتری دیوی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے شیشے کے شفاف پن سے باہر کے سبز پودے اور تیز روشنی جھلک رہی تھی۔ گہرے براؤن پردے تھے اور سمتری دیوی نے ہلکے اورنج رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس دن ان کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ گول چہرے پر بڑی سی سرخ بندیا' مانگ میں سیندور' گلے میں منگل سوتر' ہاتھوں میں

بھاری کنگن--- میں انہیں دیکھتا رہا اور وہ بھی میری جانب ایک ٹک دیکھنے لگیں۔ اک جذباتی پن سا ماحول میں اتر آیا تھا یا شاید میں نے ہی محسوس کیا تھا' رات بھر اپنوں کو یاد کرتے رہنے کی بھی وجہ ہو سکتی تھی۔ نجانے میرے چہرے پر انہیں کیا دکھائی دیا کہ وہ اٹھ گئیں' پھر میری طرف دیکھتی ہوئی میرے قریب آ گئیں اور پیار سے میرے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"تم ٹھیک تو ہو نا' عامر بیٹا---؟"

"ہاں' ماں جی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"آؤ' ادھر بیٹھو---" انہوں نے مجھے اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا تو وہ بولیں۔ "تم آج دیر تک سوتے رہے ہو۔ ظاہر ہے' رات دیر سے ہوئے ہو گے۔ بیٹا! آتے ہی اتنی محنت---؟"

"میں نے کہا ہے نا' ماں جی! کہ یہ تو معمول ہے اور آپ کو کیسے پتہ کہ میں رات دیر سے اور صبح---"

"تمہارے ڈرائیور کو اتنی دیر تک کھڑا دیکھا تو اس سے پوچھا' پھر اسے کہا کہ وہ تمہیں میرے پاس لے آئے۔" یہ کہہ کر اچانک انہوں نے کہا۔ "اچھا ٹھہرو' پہلے میں تمہارے کھانے پینے کے لئے کہوں' پھر باتیں کرتے ہیں---"

"نہیں' ماں جی! وہ انار کلی نے کھانا بنا لیا ہو گا' میں---"

"اس نے نہیں بنایا' میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ تم آج میرے ساتھ کھانا کھاؤ گے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے---"

میں نے آرام سے کہا تو وہ ہنس دیں۔ پھر ملازمہ سے کھانا لگانے کو کہا--- کھانا کھا لینے تک ہم باتیں کرتے رہے۔ موضوع وہی راہول' سمرن اور ان کے بچے' شاردا اور اس کا رویہ' راہول ٹیکسٹائل وغیرہ رہے۔ میں بہت محتاط انداز میں باتیں کرتا رہا۔ میں جب واپس گیسٹ ہاؤس کی جانب چلا تو میرا ذہن ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ راہول کے بارے میں بھی اندازہ ہوا کہ اس کے باپ کی ضد کس نہج پر ہے۔ سریتا یونیورسٹی سے واپس نہیں آئی تھی جبکہ شاردا اپنے کمرے میں تھی۔ میں گیسٹ ہاؤس واپس پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی انار کلی آگے بڑھا اور بڑے لچکیلے انداز میں بولا۔

"عامر بوا! کھانا تو آپ کھا ہی آئے ہوں گے۔ کچھ اور کھانا پینا پسند کرو تو یوں چٹکی بجا کے لے آئی ہوں---" اس نے باقاعدہ چٹکی بجا کے کہا تو میں ہنس دیا۔

"اچھا چلو' چائے پلا دو---"

"ویسے' عامر بابو! ایک بات کہوں۔ چائے مرد کے لئے اتنی اچھی نہیں ہوتی' کہو تو جوس لاؤں؟"

ایک دم فریش ناریل پانی---"

"چلو ٹھیک ہے' لے آؤ---"

میں نے کہا اور اپنے کمرے میں ایزی ہونے کے لئے چلا گیا' واپس سٹنگ روم میں آ کر میں نے ٹی وی لگایا اور اس کے سامنے آ بیٹھا۔ اتنے میں انار کلی ناریل پانی لے آیا۔ میں نے ابھی چند سپ لئے تھے اور میں ٹی وی پر نگاہیں جمائے خبریں سن رہا تھا کہ میرا فون بج اٹھا۔ میں نے آن کیا تو دوسری جانب سے بھاری آواز میں کہا گیا۔

"آپ راہول ٹیکسٹائل کے عامر زبیر بات کر رہے ہیں---؟"

"جی' میں ہی ہوں آپ کون---؟"

"یہ آپ سے اے سی پی اپدیش سنگھ بات کریں گے۔"

یہ کہنے کے ساتھ ہی قدرے توقف ہوا اور پھر اے سی پی بولا۔

"کیا حال ہیں جی آپ کے---؟" اس کے لہجے میں سختی تھی۔

"ٹھیک ہوں--- فرمایئے' کیسے زحمت کی؟" میں نے بھی اپنا لہجہ قدرے سخت رکھا۔

"آپ پر حملے کی رپورٹ کے بارے میں اب تک آپ کی طرف سے کوئی رسپانس نہیں دیا گیا؟"

"میں سمجھا نہیں۔ مطلب' میں نے کیا رسپانس دینا تھا---؟"

"یہی کہ آپ نے تو کوئی دلچسپی نہیں دکھائی مگر یہاں ایک صاحب تشریف رکھتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ آپ سے ان کی ڈیل ہو چکی ہے سو معاملہ ختم کر دیا جائے۔" اس نے دھیمی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"کون ہیں وہ صاحب---؟" میں نے پوچھا۔

"ان کا نام ارون گولی ہے---" اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"ہاں--- میں نے ان لوگوں کو معاف کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں جو قانونی کاروائی---"

"ایسے ممکن نہیں ہے' مسٹر عامر! آپ کو ایک بار یہاں پولیس اسٹیشن آنا ہو گا۔ آپ کے ساتھ وہ باڈی گارڈ بھی کہ وہ زیادہ زخمی ہوا تھا اور یہ بات آن دی ریکارڈ ہے۔ آپ کو کچھ کاغذات پر دستخط کرنے ہوں گے۔ قانونی معاملات یوں تو نہیں چلتے---"

"ٹھیک ہے' آفیسر! میں اپنے کمپنی کے وکیل کو بھیج دوں گا۔"

"آپ کو ابھی آنا ہو گا--- مطلب--- یہ تم سمجھاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے فون ارون کو دے دیا' تو وہ بولا۔

"یہ اپنے اے سی پی صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔ بس آپ سے ہی کنفرم کرنا چاہتے تھے کہ ڈیل ہو گئی ہے۔ میں لڑکے لے جا رہا ہوں' کاغذی کاروائی ہوتی رہے گی۔"

"ٹھیک ہے' اگر آفیسر سنگھ راضی ہیں تو۔۔۔"

"وہ راضی ہیں' کل اشوک کے ساتھ یہاں آنے کا پروگرام بنالیں گے۔۔۔"

ارون نے کہا اور اے سی پی کو فون دے دیا۔ تھوڑی دیر باتیں کرتے رہنے کے بعد انہوں نے اطمینان کر لیا اور فون بند کر دیا۔ میں تھوڑی دیر سوچتا رہا اور پھر اشوک دھوریہ کے نمبر پش کئے تاکہ اسے بتا دوں۔ اس کا فون بند تھا۔ میں کوشش پہ کوشش کرتا چلا گیا۔

"یہ اشوک کا فون کیوں بند ہے؟" میں بے خیالی میں بڑبڑایا تو انار کلی نے فوراً کہا۔

"کچھ کہا آپ نے مجھ سے۔۔۔؟"

"او نہیں' یار! یہ اشوک کا نمبر بند ہے۔"

میں نے کہا اور اس ہسپتال کے نمبر ملائے۔ مجھے نجانے کیوں خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ چند لمحوں بعد کوئی خاتون لائن پر تھی۔ میں نے اس سے اشوک کے بارے میں پوچھا تو اس نے اپنے معمول کے مطابق بنا کسی تاثر کے کہا۔

"وہ تو جی آج صبح ہسپتال چھوڑ گئے ہیں۔۔۔"

"انہیں ڈسچارج۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ وہ یہاں مطمئن نہیں تھے' اس لئے چلے گئے۔"

اس خاتون نے کہا اور اگلے ہی لمحے فون بند کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے فون آف کیا اور اس احساس کو محسوس کرنے لگا کہ اشوک نے اچانک یہ کیسی اجنبیت دکھائی تھی' کم از کم مجھے مطلع تو کر دیتا۔ وہاں ایسا کون سا مسئلہ تھا کہ اچانک اسے وہاں سے جانا پڑا۔۔۔ اس خیال کے ساتھ ہی یہ سوچ بھی ابھری کہ کیا وہ واقعی اپنی مرضی سے گیا ہے یا؟۔۔۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب اسی کے پاس تھا۔ میں سوچتا چلا گیا کہ کیا ہو سکتا ہے۔ تبھی میں نے پرنس کے نمبر پش کر دیئے۔ ذرا سی دیر بعد رابطہ ہو گیا' اس کا لہجہ خمار آلود تھا۔

"بولو' عامر۔۔۔!"

"یہ اشوک ہسپتال میں نہیں ہے اور اس کا فون بھی بند ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"مطلب۔۔۔؟" اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب وہی جو تم سمجھ سکتے ہو کہ آخر وہ کہاں گیا اور کیوں گیا؟ میں نے تحمل سے کہا اور پھر اے سی پی اور ارون گولی کے بارے میں بتایا کہ اس معاملے میں بھی اشوک چاہئے ہو گا۔

"ٹھیک ہے' میں پتہ کرتا ہوں اس کا' پھر رابطہ کرتا ہوں تم سے۔۔۔" اس نے خمار بھرے لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ اشوک کہاں گم ہو گیا۔۔۔؟" انار کلی نے اچانک کہا تو میں چونک گیا۔

"دیکھتے ہیں' کہاں ہے---؟" میں نے کہا اور وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آگیا۔

✿✿

زندگی میں رفاقتوں کے معاملات بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تھوڑے سے وقت ہی میں اپنا خلوص منوا کر پیارے ہو جاتے ہیں اور کوئی ساری عمر کا ساتھ نبھا کر بھی اجنبی رہتا ہے۔ ہر انسان اپنی ایک الگ دنیا رکھتا ہے اور یہ ایک ایسی دنیا ہوتی ہے جس کے نہ صرف اپنے انداز ہوتے ہیں بلکہ رنگ ڈھنگ بھی نرالے ہوتے ہیں۔ یہ سوچنے کا انداز ہی ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے منفرد' مختلف اور ممتاز بناتا ہے' اسی انفرادیت سے دنیا رنگین ہے۔ اس میں منفی مثبت رنگوں کی کشمکش ہی رویوں کو جنم دیتی ہے جو انسان کو رفاقتوں کے معیار بخشتی ہے۔ چند دنوں کی رفاقت میں اشوک نے اپنا آپ منوا لیا تھا اور اسے میں اپنے بہت قریب محسوس کر رہا تھا' سو اس کے لئے پریشان ہونا فطری سی بات تھی۔ میں اپنے بیڈ پر پڑا سوچتا رہا۔ مجھے نیند بھی نہیں آئی۔ لاشعوری طور پر میں اشوک کے لئے پرنس کے فون آنے کے انتظار میں تھا۔ کافی دیر تک بیڈ پر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد میں اٹھ کر سٹنگ روم میں آگیا جہاں ٹی وی آن کئے انار کلی بیٹھا تھا۔

"عامر بابو! کچھ پتہ چلا اشوک کا---؟"

"ابھی تو نہیں---" میں نے دھیرے سے کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ "حیرت ہے اس شخص پر---"

"یہ ممبئی ہے بوا! یہاں جو بہت کچھ سیدھا ہے' وہ الٹا دکھائی دیوے ہے اور جو الٹ ہووے ہے' وہ سیدھا دکھائی پڑتا ہے۔ تم دماغ مت کھپاؤ' جو سامنے آتا ہے' اسے دیکھو ورنہ بوا' حیرت کا دریا بہا لے جائے گا۔"

"میں تنکا تو نہیں ہوں' انار کلی!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیر! چھوڑو جی' اپنا موڈ ٹھیک کرو اور ہاں' آج شام کہیں باہر نکلیں' تھوڑی تبدیلی کے واسطے' ممبئی کی کوئی رنگین شام---" انار کلی نے دھیرے دھیرے کہا۔

"سچ تو یہ ہے' انار کلی! کہ میرا دل بھی چاہتا ہے پر---" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"کچھ نہیں ہوتا' آج باہر چلتے ہیں۔ تھوڑا گھومیں پھریں گے۔"

"چل ٹھیک ہے---"

میں نے کہا تو وہ اٹھ گیا اور کچن کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"بس آپ تیار ہو جائیں تو چلیں---"

میں اس وقت اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا جب پرنس کا فون آیا' وہ ہنس رہا تھا اور اسی ہنسی میں اس نے کہا۔

"وہ ٹھیک ہے' پریشان نہیں ہونا---"

"ولیکن وہ---؟"

"یہ اس کی مرضی تھی کہ وہ ہسپتال میں رہنا نہیں چاہتا تھا اور اس وقت وہ جہاں ہے' اس جگہ کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا' وہ ٹھیک ہو جائے گا تو آ جائے گا۔"

"ایسا کیوں ہوا' کسی نے اسے دھمکی دی---؟"

"ارے نہیں' یار! یہ محبت کے معاملے ہیں--- تم ایسے نہیں سمجھو گے' تفصیل سے پھر کسی وقت بتاؤں گا۔ وہ ٹھیک ہے' محفوظ ہے' کوئی دھمکی نہیں' سب ٹھیک ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے--- اور وہ پولیس اسٹیشن والا معاملہ؟"

"وہ بھی ہو جائے گا۔ وہ اے سی پی نے ایف آئی آر نہیں بنائی تھی۔ اس کے پاس دونوں صورتیں تھیں۔ ایف آئی آر کاٹ کر اور ان کے لڑکوں کو ضمانت پر رہا کروا دیتا یا پھر جیسے اب ہوا ہے' یہ کاغذی کاروائی محض ڈھونگ ہے۔"

"اوکے---" میں نے مطمئن انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

✿✿

کوپر ہسپتال تک ہم پیدل چلتے چلے گئے۔ یہ راہول لاج سے ذرا فاصلے پر تھا۔ انار کلی کا ہی خیال تھا کہ ٹیکسی لے کر جایا جائے' ڈرائیور ساتھ میں ہو گا تو کیا خاک مزہ آئے گا۔ سو پیدل دور تک گئے۔ اس دوران انار کلی بڑ بڑ کرتا رہا۔ وہ لکھنؤ کے رنگین دنوں کا تذکرہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیا اور نہ ہی میں اسے سمجھنا چاہتا تھا۔ میں ارون کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس سے ہونے والی باتوں کا نتیجہ کیا ہو سکتا تھا' اور پھر بازی پلٹتے کون سا دیر لگتی ہے۔ بلاشبہ اے سی پی سے اس کی ڈیل ہو گئی تھی۔ انہوں نے اگر مجھ سے پوچھا تھا تو فقط اس لئے کہ یہ معاملہ مل اونر والوں کا تھا ورنہ کسی بھی عام آدمی سے پوچھنا تو درکنار' اسے اہمیت تک نہ دیتے۔ دوسری سوچ مجھے یہ پریشان کر رہی تھی کہ اشوک دھوریہ اچانک کیوں غائب ہو گیا؟ اگرچہ پرنس نے اس سے متعلق مطمئن کر دیا تھا مگر اسے بھی تو چاہئے تھا کہ مجھے مطلع کرتا--- انار کلی نے ایک ٹیکسی والے کو ہاتھ دے کر روکا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ میں لاتعلق سا کھڑا رہا۔ ان دونوں نے آپس میں طے کر لیا تو اس نے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول دیا' میں بیٹھا تو انار کلی کے بیٹھتے ہی ٹیکسی چل دی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مجھے کن راہوں پر اور کس طرف لے جا رہا ہے۔ بلاشبہ یہ غیر محتاط رویہ تھا مگر میں ایسا کرنا چاہتا تھا۔ میں کب تک ایک ہی دائرے میں گھومتا رہتا۔ مجھے اپنے مقصد کے لئے باہر تو نکلنا ہی تھا۔ میں نے ایک نظر گہرے سانولے ڈرائیور کو دیکھا اور پھر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

"بھاؤ جی' یہ فارس روڈ آ گیا۔ اب بتاؤ' جانا کدھر ہے؟"

ڈرائیور نے کہا تو میں نے باہر کا منظر دیکھا۔ غروب آفتاب کے بعد روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ مجھے اس روڈ کا نام قدرے جانا پہچانا سا لگا لیکن فوری طور پر نہ سمجھ سکا کہ ایسا کیوں محسوس ہوا۔ انار کلی اسے بتانے لگا کہ کہاں جانا ہے۔ تقریباً پانچ دس منٹ کے سفر کے بعد ایک گلی کی نکڑ پر ہم آن ٹھہرے۔ انار کلی نے کرایہ دیا اور ہم ٹیکسی سے باہر آ گئے۔

''آیئے' عامر بابو! میں آپ کو اک نئی دنیا کی سیر کرواتی ہوں۔ یہاں رنگ ہی رنگ ہیں' یہاں اداسی نام کی کوئی شے نہیں ہے۔''

اس نے اپنے پان زدہ دانت نکالتے ہوئے کہا تو اچانک میرے ذہن میں جھماکا ہوا۔ یہ فارس روڈ تو طوائفوں کے علاقے کے طور پر مشہور ہے۔ لندن میں جب بھارتی کمیونٹی کے کسی ایسے شخص سے بات کرنے کا اتفاق ہوتا جو ممبئی سے تعلق رکھتا تو اس گپ شپ کے دوران اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ یہ ممبئی کے ریڈ لائیٹ ایریا میں سے ایک علاقہ تھا۔ فورٹ روڈ' کماٹی پورہ اور کانگریس ہاؤس کے علاقے بھی اسی باعث مشہور ہیں--- میں نے انار کلی کی طرف دیکھا جو گلی میں قدم بڑھا چکا تھا۔ اس نے میرے بارے میں بہت غلط اندازہ لگایا تھا جو میری اداسی دور کرنے کے لئے طوائفوں کے ہاں لے آیا تھا۔ دکھ اور غصے کی ایک تیز لہر میرے اندر ابھری مگر میں نے اسی لمحے اسے اپنے اندر دبا لیا۔ ہو سکتا ہے' میری طرف سے اسے کوئی ایسا تاثر ملا ہو جو اس نے میرے بارے میں یوں اندازہ لگایا ہو۔ بہرحال میں کوئی تاثر دیئے بغیر اس کے ساتھ چل پڑا تو وہ باتیں کرنے لگا اور میں سنتا چلا گیا۔ میرے لئے ایسی رنگینیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ یہ بات نہیں کہ میں بے حس تھا۔ میں بھی انسان تھا اور میرے بھی جذبات و احساسات تھے لیکن ہماری تربیت میں جذبات کو منہ زور نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ ہماری پہلی کوشش یہی ہوتی تھی کہ عورت کی چاہ میں نہ پڑا جائے بلکہ اس سے ہٹ کر اپنی راہ پر چلتے چلے جائیں لیکن اگر کوئی عورت حائل ہو جائے اور اس کی راہ ہی سے مقصد کا حصول ممکن ہو تو اس سے قطعاً گریز نہ کیا جائے۔ ہندو معاشرہ کی بنیاد جنس پر ہے اور ان کی عورتیں زیادہ مذہبی ہوتی ہیں۔ اس معاشرے کا بھیانک ترین حصہ یہ طوائف ہے۔ انار کلی مجھے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق یہاں لے آیا تھا اس لئے میں خاموش رہا۔

چند قدم چلنے کے بعد ہم ایک بڑی سی عمارت کے سامنے آ رکے۔ اس عمارت کا دروازہ انتہائی جدید تھا جبکہ عمارت پرانے طرز کی دکھائی دے رہی تھی۔ اس پر رنگین نیون سائن جگمگا رہا تھا۔ دروازے پر کوئی نہیں تھا لیکن جیسے ہی ہم اس کے نزدیک گئے' دروازہ کھل گیا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو فلمی گیت کے شور کے ساتھ دربانوں کی صورت میں غنڈے کھڑے دکھائی دیئے۔ انہوں نے اس وقت بھی کالے چشمے پہن رکھے تھے۔ باہر خاموشی تھی لیکن اندر بہت زیادہ شور تھا۔ انار کلی کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایک ڈانس بار تھا۔ ممبئی میں ایسے بے شمار ڈانس بار کھل چکے تھے۔ یہ طوائف کے

کوٹھے کا جدید انداز تھا۔ ہال میں جابجا میزیں لگی ہوئیں تھیں جہاں کا ماحول نیم تاریک تھا۔ جبکہ ایک جانب بڑا سا اسٹیج بنا ہوا تھا وہاں مختلف رنگوں کی تیز روشنیوں میں کئی لڑکیاں فلمی گانے پر ناچ رہی تھیں۔ مختلف طرز کے مختصر لباس پہنے، وہ جسم کی نمائش بڑی بے باکی سے کر رہی تھیں۔ ان لچکتی لہراتی ہوئی لڑکیوں پر کئی من چلے تماش بین نوٹ نچھاور کر رہے تھے اور وہ انہیں اپنی اداؤں سے لبھا رہی تھیں۔ میں نے وہاں سے نگاہیں ہٹا کر اردگرد کا جائزہ لیا۔ ملگجے اندھیرے میں میزوں کے اردگرد کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شراب اور اس کے لوازمات، کہیں مشروب، کھانے پینے کی چیزیں، باتیں کرتے ہوئے مدہوش لوگ، ناز و انداز دکھاتی عورتیں، یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنے آپ میں مست ہے۔ دروازے کے ساتھ ہی چند قدم پر کاؤنٹر تھا جہاں شراب کے مختلف برانڈ کی بوتلیں سجی ہوئیں تھیں۔ وہاں بھی مختصر لباس میں لڑکیاں کھڑی تھیں جبکہ سرو کرنے کے لئے مرد ویٹر تھے۔ ایک طرف خالی نشست تھی، میں ادھر بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ انار کلی نے کہا۔

"ذرا ٹھہریں، بابو! یہاں اپنی پرانی علیک سلیک ہے، پتہ تو کرنے دیں۔"

یہ کہہ کر وہ کاؤنٹر کی جانب بڑھا۔ اس نے وہاں ایک لڑکی سے کچھ کہا تو اس نے غور سے انار کلی کو دیکھا، پھر سامنے رکھے انٹرکام پر بات کر کے رسیور رکھ دیا اور اوپر کی طرف انگلی کا اشارہ دے دیا۔ تبھی انار کلی نے سرخ قالین والی سیڑھیوں کی جانب اشارہ کر کے چلنے کو کہا۔ اوپری منزل پر چند غنڈہ قسم کے لیکن بڑے نفیس لباس میں لڑکے کھڑے تھے، بڑی احتیاط سے انہوں نے ہماری تلاشی لی اور پھر آگے جانے کا اشارہ کیا۔ ایک لفظ تک منہ سے ادا نہیں کیا۔ آگے پھر سیڑھیاں تھیں۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں ختم ہوئیں، ہمارے سامنے چھت تھی اور اس کے سرے پر کافی ساری سفید رنگ کی کرسیاں پڑی تھیں جن پر چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک کالی سی موٹی عورت بیٹھی تھی جس نے میرون رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ تھوڑے سے بالوں کو مروڑ کو جوڑا بنایا ہوا تھا جس میں تازہ کلیاں گوندھی گئی تھیں۔ اس عورت کے نین نقش کبھی اچھے رہے ہوں گے تاہم اس وقت تو موٹاپے میں دب کر رہ گئے تھے۔ چھت پر آتے ہی خوشگوار ہوا سے طبیعت ایک دم خوش ہو گئی۔ شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ مجھے یہ بات ذرا عجیب سی لگی کہ نیچے اتنا حفاظت کا انتظام لیکن یہاں وہ کھلے میں بیٹھی ہوئی ہے، آس پاس کی عمارت سے کوئی بھی اسے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس سوال کے ذہن میں آتے ہی ہم اس کے قریب جا پہنچے۔

"ارے آؤ، انار کلی! آؤ، آج ادھر کا رستہ کیسے بھول پڑے۔"

اس نے انار کلی کو دیکھ کر میرا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اس دوران اس نے نمستے کے لئے ہاتھ تو جوڑے لیکن یونہی رسمی طور پر، شاید اپنے موٹاپے کے باعث اور پھر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم

بیٹھ گئے تو انار کلی بولا۔

"یہ اپنے عامر بابو ہیں پہلی بار ممبئی آیا ہے نا' تو انہیں ادھر لے آئی ہوں۔"

"خاصا چکنا ہے تیرا عامر بابو' کہاں سے آیا ہے؟" اس نے دبی راکھ میں چنگاری جیسی ادا دکھاتے ہوئے ہنس کر کہا تو اس کے ہونٹوں پر لگی لپ اسٹک اور زیادہ بھدی لگنے لگی۔

"لندن سے آیا ہے۔" انار کلی نے بھی اپنی لچک دکھائی۔ اس نے بڑی ادا سے گردن گھما کے میری طرف دیکھا اور کہا۔ "عامر بابو! ان سے تعارف تو میں نے کروایا ہی نہیں--- یہ ہیں ورشا او کلے' اکھا ممبئی میں جو ڈانس بار چل رہے ہیں' ان میں بڑا نام ہے ان کا---"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر---" میں نے یہ رسمی جملہ کہتے ہوئے جو روحانی اذیت محسوس کی' وہ میں ہی جانتا ہوں لیکن اس پر اور زیادہ تکلیف دہ عمل یہ ہوا کہ مجھے اس سے ہاتھ ملانا پڑا جو اس نے بڑی ادا سے گردن جھکا کر طوائفانہ انداز میں میری جانب بڑھایا تھا۔

"مجھے بھی خوشی ہوئی' چکنے!" اس نے آس پاس کھڑے کسی بھی شخص کی پروا کئے بغیر کہا۔ "بتا' انار کلی! کیا سیوا کروں میں تیرے عامر بابو کی---؟" اس نے مجھ پر نگاہیں جمائے انار کلی سے پوچھا۔

"میں تو انہیں---"

"ارے بول' شرم مت ایک سے ایک لڑکی پڑی ہے ادھر۔ مراٹھی' بنگالی' نیپالی' پنجابی--- یہ نہیں تو ادھر کی جھانو' چھارا' شانو' بیٹریا ذات کی بھی لڑکیاں ہیں۔ ایک دم رس بھری' چاہو جس پر ہاتھ رکھو۔" ورشا یہ کہہ کر میری طرف دیکھنے لگی۔

"ارے نہیں' ورشا! اپنے عامر بابو ایسے نہیں ہیں۔ بس ذرا نگاہیں ٹھنڈی کرنے آئے ہیں اور پھر میں اپنے بھی ایک کام سے آئی ہوں۔"

"بولو؟" ورشا نے سامنے دھرے پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔

"ادھر' اس علاقے میں اشوک دھوریہ نامی لڑکا رہتا ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

ورشا نے سنا تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ میں بھی چونک گیا تھا لیکن احساس نہیں ہونے دیا۔ انار کلی نے میرا دماغ گھما کے رکھ دیا تھا۔ اب تک میں غلط ہی سمجھتا آیا تھا جبکہ اس نے میری پریشانی کا اپنے طور پر حل تلاش کیا تھا' وہ اپنے طور پر اشوک کا سراغ لگانے نکل پڑا تھا۔ اب معاملہ ایسا تھا کہ میں انار کلی کی بات بھی نہیں کاٹ سکتا تھا' سو میں خود پر قابو رکھے خاموش بیٹھا رہا۔

"تمہیں اس سے کیا کام آن پڑا' انار کلی! وہ کل کا لونڈا تو کسی بھی کام کا نہیں۔ چند دن ادھر رہا تھا میرے پاس' بھاگ گیا سالا---" یہ کہہ کر ورشا نے ایک تیز کش لیا۔

"اس سے کچھ کام آنا پڑا ہے مجھے' اگر بتا سکو تو!" انار کلی نے ڈھیلے سے لہجے میں کہا۔

"دیکھ' انار کلی! تیرے ساتھ پرانا تعلق ہے پر معاملہ کہیں لفڑے والا تو نہیں ہے۔" ورشا نے

گہری تشویش سے کہا۔

"ارے نہیں' ورشاجی! چاہو تو ادھر بلا لو' بس اس سے ملنا ہے۔"

انارکلی نے کہا تو پہلی بار تیکھی نگاہوں سے ورشا نے میری جانب دیکھا۔ پھر چہک کر بولی۔

"وہ کہیں لمبی اڑان تو نہیں بھرنے لگا' انارکلی؟"

"بس ایسے ہی سمجھ لو۔ یہ تو بات کر کے پتہ چلے گا' نا---!" انارکلی نے تیزی سے کہا اور پھر لچک کر بولا۔ "کیوں' کیا خیال ہے؟"

"چل پتہ کرواتی ہوں اس کا' پر تو بڑے عرصے بعد آیا ہے---" ورشا نے خالص کاروباری انداز میں کہا۔

"یہ اپنے عامر بابو ساتھ ہیں نا' انہیں کیوں بور کرتی ہو۔ انہیں بھجواؤ کہیں تو پھر اطمینان سے باتیں کرتے ہیں۔"

انارکلی نے بہت خوبصورت انداز سے اسے ٹالنے کی کوشش کی تو وہ سمجھ گئی کہ میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔ اس نے قریب کھڑے لوگوں میں سے ایک کو اشارہ کر کے قریب بلایا' وہ آیا تو ورشا نے کہا۔

"وہ لڑکی ہے نا' آشا نیچے دفتر میں ہوگی' اسے کہو انہیں کمپنی دے اور پھر اس اشوک کا پتہ کرو۔" یہ حکم دے کر اس نے میری طرف پیار سے دیکھا اور بڑی ادا سے کہا۔ "جاؤ' چکنے!" میں اٹھنے لگا تو انارکلی نے کہا۔

"بوا! گھبرانا مت' یہ سب اپنے ہی ہیں۔"

میں اس لڑکے کی راہنمائی میں دوبارہ نیچے ہال میں آ گیا۔ مجھے یہ تو معلوم ہی تھا کہ ایسے معاملات میں ادائیگی پہلے ہی کی جاتی ہے۔ جیسے ہی وہ لڑکا پلٹا' میں نے کہا۔

"سنو! یہاں جو بھی بل بنتا ہے' وہ لے لو۔"

میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ میڈم کے مہمان ہیں' آپ سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ آپ بیٹھیں' میں ابھی آیا۔" وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔ میں ایک کونے میں پڑی خالی کرسی پر جا بیٹھا' میز کے پار دوسری کرسی پڑی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی شور ایک لمحے کو تھم گیا' کوئی فلمی گانا ختم ہوا تھا۔ اگلے لمحے پھر شروع ہو گیا۔ چند منٹ بعد وہی لڑکا ایک پتلی سی لڑکی کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ لڑکا غائب ہو گیا اور وہ لڑکی میرے سامنے کی کرسی پر آ بیٹھی۔

"ہائے---" اس نے ادا سے کہا اور اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہائے---" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا جو انتہائی نرم تھا۔

"آج کی شام آپ کے نام۔۔۔"

اس نے گہری آنکھوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا تو اس نمکین سے حسن پر گہری آنکھیں خوبصورت لگیں۔ بلاشبہ وہ خوبصورت کہی جا سکتی تھی۔ اس نے عام طوائفوں کی طرح گہرا میک اپ بھی نہیں کیا تھا اور لباس کے معاملے میں بھی اتنی "بولڈ" واقعی نہیں ہوئی تھی' جین کی پتلون پر سفید مختصر سی شرٹ تھی۔

"۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ شام تمہاری طرح خوبصورت ہو گی۔"

میرے یوں کہنے پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پوچھا۔

"کیا پینا پسند کریں گے جن' رم' وہسکی۔۔۔؟"

"میں پیتا نہیں ہوں۔ تم چاہو تو جس شے سے بھی لطف اندوز ہو سکتی ہو۔ میں سافٹ ڈرنک لے لوں گا۔"

میں نے کہا تو اس نے ویٹر کو اشارہ دیا اور پھر خود ہی آرڈر دینے لگی۔۔۔ ہم کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ کافی سلجھی ہوئی اور پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ ہمارے درمیان یونہی عام سے موضوع ہی رہے' ممبئی' ممبئی کی رنگین شامیں' ڈانس بار اور ان کا ماحول' یہاں پر آنے والی لڑکیاں' ان کی زندگی اور غنڈہ گردی۔ میں نے اس کی زندگی کی کہانی کو چھوا تک نہیں اور اس کی مجھے ضرورت بھی نہیں تھی۔ میرا مقصد تو وہاں پر تھوڑا وقت گزارنا تھا سو جس وقت انار کلی آیا تو میں اس سے ہاتھ ملا کر اٹھ گیا' اس افسوس کے ساتھ کہ اتنی اچھی لڑکی طوائفانہ زندگی گزار رہی ہے۔

"ہاں تو' انار کلی جی! اشوک کا کچھ پتہ چلا؟" تنہائی پاتے ہی میں نے اس سے پوچھا۔

"جی' بابو! پتہ مل گیا۔ اب چلو' وہاں چلتے ہیں۔" اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ باہر گلی میں آئے تو کھلی ہوا میں آنے کا احساس خوشگوار ملا۔ میں نے چند لمبی لمبی سانسیں لیں اور انار کلی سے پوچھا۔

"تمہاری یہ ورشا او کلے خاصی پہنچی ہوئی چیز لگتی ہے؟"

"ہاں' بابو! خاصی پہنچی ہوئی ہے۔ ان طوائفوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے' جسم کے کاروبار میں دولت اور تعلقات ہی تو چاہتی ہیں۔"

"تمہارے تعلقات۔۔۔؟"

"نہیں' میں جسم کا کاروبار نہیں کرتی اور نہ ہی میرا اس کے ساتھ کوئی ایسا تعلق ہے۔۔۔ ببوا! یہ باتیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔" اس نے کہا تو میں کچھ نہ بولا۔ چند لمحے یونہی خاموشی میں بیت گئے تو اس نے کہا۔ "مجھے پتہ ہے' آپ کو اطمینان نہیں ہو گا لیکن ہر کہانی اور ہر داستان کی جزئیات تو نہیں بتائی جا سکتیں۔ جس طرح مجھے یہ تجسس نہیں کہ آپ لندن میں کیا دلچسپی رکھتے تھے' بس آپ یہاں

ہو تو یہی ٹھیک ہے۔ اس وقت میں اور آپ یہاں پر اشوک کی تلاش میں ہیں' یہی حقیقت ہے۔ خواہ مخواہ ضمنی وجوہ کو تلاش کرنا' انہیں کھوجنا وقت ضائع کرنا نہیں ہے کیا؟؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو' انار کلی! آؤ چلتے ہیں---" میں نے قدم بڑھائے تو وہ بھی میرے ساتھ چل پڑا۔ تب میں نے پوچھا۔ "یار! ایک بات اب تک ذہن میں چبھ رہی ہے کہ وہ کھلے میں بے دھڑک بیٹھی ہے' کوئی بھی ادھر ادھر کی عمارت سے---"

"نہیں' بوا! اسے کوئی نہیں مارنے والا۔ ایک تو اس کی اس قدر دشمنی ہی نہیں ہے' دوسرے وہ تو محض کٹھ پتلی ہے۔ اس کو مار دینے سے یہ کاروبار ٹھپ نہیں ہوگا' اس کی جگہ کوئی اور آ جائے گی۔ اس اوشا کے پیچھے بڑے بڑے مہان نام ہیں' جن کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

انار کلی نے خاصے جذباتی انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر اسی خاموشی میں ہم چلتے چلے گئے۔ تقریباً آدھا گھنٹہ پیدل چلتے رہنے کے بعد ایک گلی میں پہنچے۔ وہ تنگ سی گلی تھی' ایسی بے شمار چھوٹی بڑی گلیاں اور بازار ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ تنگ' بوسیدہ اور ایک جیسی گلیاں۔ وہ نچلے درجے کا علاقہ دکھائی دے رہا تھا۔ قدرے پرانے اور تھوڑے بہت نئے گھر تھے جبکہ مجموعی طور پر وہ پرانا علاقہ تھا۔ مخصوص قسم کی دوکانوں اور بالاخانوں سے وہ علاقہ بھی طوائفوں کا ہی لگتا تھا۔ وہ تنگ سی گلی خاصی روشن تھی اور اس میں چہل پہل بھی تھی۔ وہ گلی ایک کراس پر ختم ہوئی۔ سامنے کی نکڑ پر ایک کلینک تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کا بورڈ' جس پر سرخ کراس کے ساتھ ڈاکٹر سونالی کیلاش لکھا ہوا تھا۔

"یہیں پر اشوک ہو سکتا ہے یا کم از کم اس کا پتہ مل جائے گا۔"

انار کلی نے کہا اور بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ وہ ایک دوکان تھی جس کے دو چھوٹے چھوٹے پورشن کیئے ہوئے تھے' ویسے ہی جیسے گلی محلوں میں عطائی قسم کے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ وہاں چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ سبھی ہمیں دیکھ کر تھوڑا سا کسمسائی تھیں۔ اگلے چند لمحوں میں پچھلے پورشن سے ایک خوبصورت سی لڑکی باہر آئی۔ اس کے چہرے پر حیرت' غصہ اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اس نے سفید گاؤن پہنا ہوا تھا اور گلے میں اسٹیتھوسکوپ لٹک رہا تھا' شلوار قمیص پہنے اور بالوں کی کس کر چوٹی باندھی ہوئی تھی۔ اس نے تیز لہجے میں مراٹھی زبان میں کچھ کہا۔ جس کا انار کلی نے ہی جواب دیا۔ میرے پلے کچھ بھی نہ پڑا۔

"آپ کون ہو اور اشوک کا کیوں پوچھ رہے ہو----؟"

اس بار اس نے انگریزی میں کہا تو میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا نام عامر ہے۔ اگر اشوک آپ کے پاس ہے یا اس تک پیغام جا سکتا ہے تو اسے فقط میرا نام بتا دیں' وہ خود مجھے اپنے پاس بلا لے گا۔"

میرے یوں کہنے پر اس کے چہرے پہ چھایا ہوا تناؤ کم ہو گیا اور وہ نرم لہجے میں بولی۔

"آپ باہر کھڑے ہوں' میں آپ کو مطلع کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے---" میں نے کہا اور ہم باہر چلے گئے۔ ہمیں باہر کھڑے تقریباً پانچ سات منٹ ہوئے ہوں گے کہ ایک ادھیڑ عمر سی خاتون نے ہمیں پھر اندر بلا لیا۔ وہاں پر بیٹھی ہوئی مریض عورتوں نے ہمیں پھر اسی طرح دیکھا' میں نے توجہ نہ دی اور پچھلے پورشن میں چلے گئے۔ جہاں ایک بڑی سی میز کے عقب میں وہی خوبصورت ڈاکٹر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے بولی۔

"تم عامر زبیر ہو---؟"

"اس میں شک نہیں کہ میں ہی ہوں مگر اشوک---"

"وہ اندر ہے چلے جاؤ مگر اسے کسی مزید لڑائی کے لئے استعمال نہ کرنا--- جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے بغل میں پرانے سے دروازے کی جانب اشارہ کیا جو ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کی جانب نہیں دیکھا بلکہ اس دروازے کے اندر چلا گیا' میرے پیچھے ہی انار کلی آ گیا۔ وہ نیم تاریک کمرہ تھا۔ چند لمحے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ پھر جب آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو ایک بزرگ سی عورت کو کھڑے دیکھا اس نے اشارے سے آگے جانے کو کہا تو ہم وہ کمرہ پار کر گئے۔ آگے کھلا سا صحن تھا اور پھر سامنے برآمدہ جس میں ایک مدقوق سا بلب روشن تھا۔ وہیں چند پرانی طرز کی کرسیاں پڑیں تھیں اور ان کے پاس اشوک دھوریہ کھڑا تھا۔ وہ ہماری جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ میں صحن پار کر کے اس کے پاس پہنچا تو وہ میرے سینے سے آ لگا۔

"واقعی آپ جہان حیرت ہیں' پرنس نے غلط نہیں کہا۔ اتنی جلدی مجھے تلاش کر لیا۔" اشوک کے لہجے میں حیرت گھلی ہوئی تھی۔ اس نے کرسی پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر خود بیٹھا تو انار کلی بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ضروری نہیں کہ ہر بار غائب ہو جانے پر میں تمہیں تلاش کر لوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سناؤ' زخموں کا حال کیا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں' بس یہ سر کا زخم ہی تنگ کر رہا ہے۔ یہ بھی اچھا ہو ہی جائے گا' پر مجھے تلاش کیسے کر لیا؟" وہ اب تک حیرت میں تھا۔ پھر خود ہی بولا۔ "میں یہاں کسی خوف یا ڈر کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ میں چاہوں بھی تو اس دنیا سے ناتا نہیں توڑ سکتا۔ میں بس آ گیا ہوں یہاں---"

"میں تمہیں کون سا روک لیتا یہاں آنے سے' کم از کم مجھے بتا دیتے---"

یہ کہہ کر میں نے ارون گولی والا پورا معاملہ اسے بتا دیا۔ پھر جو پرنس سے بات ہوئی تھی' وہ بھی کہہ دی۔

"اس نے سونالی کے فون پر رابطہ کیا تھا۔ میرا فون اسی کے پاس ہے اور اسے بند کر کے رکھا ہوا ہے مگر خیر کوئی بات نہیں۔ میں پولیس اسٹیشن چلا جاؤں گا۔"

"اوکے، پھر ہم چلتے ہیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں، ابھی کہاں، ایسے نہیں---" اشوک نے انتہائی تیزی اور حیرت سے کہا۔ "ابھی آپ بیٹھیں اور یہ تو بتایا نہیں کہ مجھے تلاش---؟"

"یہ اپنا انارکلی، یہ محض باورچی نہیں بلکہ بڑی پہنچی ہوئی شے ہے۔ اس کا پتہ ابھی چلا ہے۔ واقعی پرنس کے پاس ہیرے ہیں لیکن شاید وہ ان ہیروں کی صحیح قیمت نہیں لگا پارہا۔" میں نے کہا۔

"پرنس میں ایک خامی یہی ہے، ببوا! وہ پیتا بہت ہے اور جب پیتا ہے تو کوئی نہ کوئی لڑکی بغل میں رکھتا ہے۔ اس کی یہ عادت ختم ہو جائے تو وہ پارس ہے۔" انارکلی نے کہا۔

"خیر، یہ اس کی لائف ہے ہمیں کیا---" اشوک نے لاپرواہی سے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کو یہاں دیکھ کر خوشی بھی ہو رہی ہے اور دکھ بھی---"

"ایسا کیا ہے---؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"خوشی اس بات کی کہ آپ نے مجھے تلاش کر لیا اور دکھ اس بات کا کہ میں اس جگہ کے بارے میں آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا، یہ میری زندگی کا سب سے کمزور پہلو ہے۔"

"تم تو اچھے ہو، نا اور---"

میں نے کہنا چاہا تو سونالی صحن عبور کرتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر سختی تھی جیسے اسے ہمارا یہاں آنا اچھا نہ لگا ہو۔ اس نے قریب آکر میری طرف دیکھا اور اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اگر اشوک کا آپ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے یا اس کی طرف آپ کی کوئی رقم ہے تو پلیز، مجھے بتائیے---؟"

"آپ ایسا کیوں پوچھ رہی ہیں---؟"

میں نے قدرے سختی سے پوچھا تو اشوک نے مراٹھی میں کچھ کہنا چاہا جسے سنی ان سنی کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں نہیں چاہتی کہ اب یہ دوبارہ آپ کے ساتھ یا کسی بھی اور شخص کے ساتھ کام کرے۔"

"اوہ---" میں نے کچھ کچھ سمجھتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہے، ڈاکٹر سونالی! آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے میں---"

"آپ کو ایک خراش تک نہیں آئی اور یہ گھائل ہو گیا، مرجاتا تو آپ کے لئے یہی ہونا تھا کہ چند روپوں کے عوض ایک شخص قربان ہو گیا۔ اس سے زیادہ اشوک جیسے لوگوں کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟"

وہ تیز لہجہ میں بولتی جا رہی تھی۔

"سونالی! پلیز' ذرا ٹھہرو---" اشوک نے کہا تو اس نے اپنی بات روک دی اور اس کی سننے لگی۔ تبھی اشوک نے میری جانب دیکھ کر کہا۔ "عامر صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ میں اور سونالی اسی صحن میں پل بڑھ کر جوان ہوئے ہیں۔ یہیں ہمارا بچپن گزرا ہے۔ دراصل ہم دونوں کی مائیں دھندہ کرتی تھیں بلکہ میری ماں کلکتہ سے اس کی ماں کے پاس آئی تھی یہاں---" یہ کہتے ہوئے وہ جذباتی ہو گیا اور سونالی کا چہرہ بھی ست گیا۔ "میری ماں مر گئی' میں اس وقت چھوٹا سا تھا۔ اس کی ماں نے مجھے پالا' وہ وہی ہے جو اس کوٹھری میں آپ کو ملی ہوگی۔ اس میں ایک اچھی بات یہ تھی کہ اس نے ہم دونوں کو پڑھایا لکھایا۔ ہم دونوں پڑھنے جاتے رہے' میں ایک اچھے کالج میں پڑھتا ہوا گریجویشن کر گیا اور یہ ڈاکٹر بن گئی۔ ابھی پچھلے سال اسے ہسپتال میں نوکری ملی ہے۔ اس کی ماں نے اسے دھندے پر نہیں بٹھایا' اس کی مرضی پر اسے ڈاکٹر بنا دیا اور یہ بن گئی۔ ہم دونوں اسی علاقے کی پیداوار ہیں۔ ہسپتال سے فراغت کے بعد یہ یہاں کی عورتوں کا علاج کرتی ہے جو اپنے جسم میں طرح طرح کے لوگوں کے دیئے روگ پال رہی ہیں۔ اسے تو اپنا مقصد مل گیا اور میں نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ کہیں نوکری ملنے کی توقع بھی ہوتی تو میرا ماضی میرا پیچھا کرتا رہا' یہاں تک کہ میں اکتا گیا اور پرنس کے پاس چلا گیا۔ یہ ایک غنڈہ گردی ہی تو ہے جو ممبئی میں آسانی سے مل جاتی ہے۔"

"میں نے اسے کہا کہ یہ سب چھوڑ دو' میں جو کماتی ہوں---"

سونالی نے مزید کچھ کہنا چاہا تو اشوک تیزی سے بولا۔

"پھر وہی عورت کی کمائی کھاؤں' اس سے اچھا ہے کہ میں کسی دھندہ کرنے والی کے پاس بیٹھ جاؤں۔ جب اپنا ضمیر ہی مارنا ہے تو اچھی طرح ماروں--- عورت کی کمائی کھانے والے بھڑوے ہوتے ہیں۔"

"یہ مارا ماری کیا ہے' کسی کے لئے لڑنا کیا بہت عظیم کام ہے؟" سونالی نے تیزی سے کہا۔ "یہ تمہارے ساتھ تھا لیکن میں پھر کہوں گی کہ اسے خراش تک نہیں آئی---"

"یہ لڑنے کے فن میں ماہر ہیں' میں خودرو پودا ہوں جبکہ انہیں تراشا گیا ہے۔ تم بنوٹ سمجھتی ہو؟ نہیں' نا!--- جب ہم تمہاری ڈاکٹری کے بارے میں نہیں جانتے تو ہمیں رائے دینے کا کوئی حق نہیں---"

"لیکن پھر بھی اب تمہیں یہ کام چھوڑنا ہوگا۔"

"کیوں---؟" میں نے ان کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے سختی سے کہا۔

"یہ ایک اچھی زندگی گزارے۔ اس کا اچھا گھر ہو' کسی سڑک پر کتے کی طرح نہ مرے۔"

"دراصل' عامر! یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اسے مجھ سے محبت ہے اور یہ باندھ کر مجھے اپنے پاس رکھنا

چاہتی ہے--- ٹھیک ہے' اس کی ماں کے مجھ پر احسان ہیں اور میں---"

"اشوک! آگے تم نے ایک لفظ بھی کہا تو---" چیخ کر کہتے ہوئے وہ رو دی۔

"اسے پتہ بھی ہے کہ میں کن راہوں کا مسافر ہوں۔ یہاں موت ہی موت ہے مگر میں--- میں اسے خود سے محبت کرتے رہنے سے نہیں روکتا' یہ اس کی مرضی ہے' مجھ سے محبت کرتی رہے' لیکن میں اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ شاید محبت کے عوض محبت بھی نہیں---" یہ کہہ کر اشوک نے اپنا سر کرسی کی پشت کے ساتھ ٹکا لیا۔ ہمارے درمیان خاموشی آن ٹھہری۔ کتنے ہی لمحے حیرت میں لپٹے ہوئے ہماری پاس سے گزر گئے' تب میں نے کہا۔

"اشوک! تم ڈاکٹر سونالی کے ساتھ ظلم کر رہے ہو---؟"

"کیسے---؟" اس نے دکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کم از کم اس کی محبت کا جواب محبت سے دو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔

"اس کی طلب اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ نے سنا' اس کی خواہش ہے کہ میں دھندہ چھوڑ دوں اور کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر کے تحفظ کی زندگی گزاروں پر اسے نہیں معلوم کہ ہم کیڑے ہیں' گندی نالی کے کیڑے اس معاشرے کا گھٹیا ترین فرد بھی ہمیں ہیچ خیال کرتا ہے' دھندہ کرنے والی کے بچے ہیں ہم---" اشوک حد درجہ جذباتی ہو گیا تھا۔

"مجھے قطعاً" شرمندگی نہیں کہ میں ایک دھندہ کرنے والی کی بیٹی ہوں بلکہ مجھے اپنی اس ماں پر فخر ہے کہ اس نے مجھے اس دھندے سے نکالا۔ تم بھی نکلے ہو' اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ اپنی آئندہ نسل کو تو اس دنیا سے نکال لیں---"

ڈاکٹر سونالی نے کہا تو اشوک نے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"عامر جی! دیکھیں' اس کی بات پر غور کریں۔ یہ کہہ رہی ہے کہ اپنی آئندہ نسل--- یہ سمجھ رہی ہے کہ ہم دونوں شادی کریں' بچے پیدا کریں اور پھر ان کو پالیں۔ کیا اس طرح ہمارے ماتھے پر لگا کلنک دھل جائے گا؟" یہ کہہ کر وہ انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ "نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا' ہم وہیں رہیں گے۔ میں تو برداشت کر لیتا ہوں مگر میری آئندہ نسل بھی یہ عذاب بھگتے' یہ میں قطعاً" نہیں چاہوں گا۔"

"اشوک! یہ ساری باتیں چھوڑو اور میری سنو---" یہ کہہ کر میں نے ڈاکٹر سونالی کی طرف دیکھا۔ "تم بھی' ڈاکٹر میری بات سنو۔" میں نے کہا تو وہ میری جانب دیکھنے لگی' تب میں نے کہا۔ "یہ اب غنڈہ یا موالی نہیں رہے گا' اسے میں جاب دوں گا۔ تم اپنے ایک اچھے سے گھر کی پلاننگ کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ایسا ممکن ہو جائے گا؟" ڈاکٹر سونالی نے میری جانب دیکھا۔

"ہو گا' ڈاکٹر! اور ضرور ہو گا۔ میری بات کا یقین رکھو۔" میں نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے' اب اس قسم کی باتیں ختم کریں اور کچھ کھانے پینے کا سوچیں' اگر گھر میں کچھ بنا ہوا ہے تو ٹھیک ورنہ کہیں اچھے سے ریستوران میں چلتے ہیں--- کیا خیال ہے؟" میری اس تجویز پر ماحول کا تناؤ ایک دم سے ختم ہو گیا۔

"میں دیکھتی ہوں---"

ڈاکٹر سونالی ایک گھریلو لڑکی بن گئی۔ وہ اٹھی اور چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے' پھر وہیں گھر پر کھانا کھایا گیا۔ اس دوران تکلف ختم ہو کر رہ گیا--- ہو سکتا ہے' اشوک نے پہلے سونالی سے میرے بارے میں کچھ بتایا ہو۔ بہرحال ہم خاصی دیر سے راہول لاج پہنچے' اس وقت رات خاصی گہری ہو چکی تھی۔

✿✿

یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ ہم ہر شے کو جو ہماری نگاہوں کے سامنے مادی صورت میں گزرتی ہے یا پھر غیر مادی انداز میں خیالوں کے ذریعے دماغ سے ہو کر گزرتی ہے' اسے اپنے ہی بنائے ہوئے معیار پر پرکھتے ہیں۔ کیا ہمارا معیار ہی درست ہے اور یہ یقین ہمیں کون دے سکتا ہے کہ ہمارے پاس معیار کا درست پیمانہ ہے۔ کیا ہم یا کوئی دوسرا اور اگر دوسرے نے ہی معیار دینا ہے تو پھر ہماری اپنی ذات کہاں ہے؟--- آخر ایسے کون سے لوازمات ہیں' وہ کون سی بنیادیں ہیں جن کے باعث ہم اپنے ہی بنائے ہوئے معیار کو درست تسلیم کر کے اسی پر ہی صاد کر لیتے ہیں۔ کیا یہ رویہ درست ہے؟ ہمیں اس پر سوچنا ہی نہیں غور و فکر بھی کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اونچائی سے گرتے ہوئے کسی شے کا سہارا لے لیتا ہے یا پانی میں ڈوبتے ہوئے اچانک فضا میں نکل کر سانس لے لیتا ہے تو کیا یہ بزدلی ہے؟ یہ تو ایک فطری سا عمل ہے۔ ہم اگر ایسے عمل میں کسی کو سہارا لینے والا کہہ کر بزدل گردان لیں تو کیا ہمارا معیار درست ہو گا' کیا وہ شخص بزدل ہو گا؟ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بعض اوقات انسان کو فطری تقاضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس میں اگر جبلی قوتوں کو انتشار سے رہائی اور مقصد کے حصول میں آسانی مل جاتی ہے تو وہ بزدلی نہیں اور نہ ہی غیر فطری رویہ ہے۔ انگلیوں کے ناخن تراش دینے سے انسان مر نہیں جاتا--- میرے لئے شاردا کا وجود ایک مرکز کی سی حیثیت اختیار کر گیا تھا کیونکہ اب صرف ایک وہی تھی جس کے ذریعے میں انتہائی آسانی کے ساتھ اس معاملے کو ختم کر سکتا تھا جو بظاہر دکھاوا تھا۔ اس دکھاوے کے مقصد کے پس منظر میں میرا اپنا مشن تھا۔ مجھے شاردا اور دیگر لوگوں کی وجہ سے ایک اچھا خاصا تحفظ میسر آ گیا تھا اور اگر میں نے ایسا کیا تھا تو یہ نہ تو بزدلی تھی اور نہ ہی میں ان کو دھوکا دے رہا تھا۔ میں نے جو راہول سے کمٹ منٹ کی تھی' اسے ہر حال میں نبھا رہا تھا

اور میں نے اسے نبھانا بھی تھا۔ ان لوگوں کی وجہ سے اگر مجھے تحفظ تھا تو میں ان کا مسئلہ بھی تو حل کر رہا تھا۔ اب تک میں نے شردچندر تک پہنچنے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے بھارتی خفیہ والوں کی سائیکی کے بارے میں تھوڑی بہت شدبدھ تھی کہ وہ آنے والے شخص کو اپنے معیار پر جانچتے ہیں۔ اب ان کا بنایا ہوا معیار کسی کے بارے میں صحیح ہے یا غلط' انہیں اپنا تحفظ عزیز ہے۔ اس کے لئے وہ جو چاہیں' کریں اور انہیں کرنا بھی چاہئے۔ ہم اگر انہیں' ان کے معیار کے برعکس تصویر دکھا دیں تو وہ ہماری طرف سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ میں اگر آتے ہی شردچندر کی ٹوہ میں لگ جاتا تو میرا دھر لیا جانا یقینی تھا۔ میں نے یہاں آکر جو ایک وم طوفان کھڑا کر دیا تھا' اس سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں یہاں کیا چاہتا ہوں۔ فورسز کے سامنے صرف ایک اعتماد ہی ہے جو کام آتا ہے ورنہ ان کے پاس کوئی ایسا جادو نہیں ہوتا جس سے وہ مشتبہ لوگوں کو پکڑتے ہیں۔۔۔ خیر' اب وہ وقت بہت قریب آنے والا تھا جب مجھے شردچندر کے بارے میں پوری طرح اپنا آپ وقف کرنا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب راہول ٹیکسٹائل والا معاملہ حل ہو کر ختم ہو جاتا۔ اس کے لئے اب اگر کوئی میری راہیں آسان کر سکتا تھا تو وہ شاردا تھی۔ اس سے دوستی کر کے میں نہ صرف بہت سارے تحفظات حاصل کر سکتا تھا بلکہ اس کے پس منظر میں بہت کچھ کر سکتا تھا۔ مجھے اب کسی نہ کسی طرح شاردا کا دل جیتنا تھا' اسے اپنا گرویدہ کرنا تھا۔ اس حد تک کہ وہ ہر سانس کے ساتھ میرا نام لے۔ اس کے لئے مجھے ایسے مراحل سے بھی گزرنا تھا جو میرے لئے' میرے افکار و نظریات اور اصولوں کے لئے انتہائی ناپسندیدہ بھی ہو سکتے تھے مگر مجھے ایسا کرنا تھا۔ مجھے پوری توجہ شاردا پر لگانا تھی۔

اگرچہ عورت کو سمجھنا ایک احمقانہ سی بات ہے تاہم کچھ ایسی فطری باتیں ہیں جن سے کسی بھی عورت کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ شاردا ایک ایسی لڑکی تھی جو لالچی ہونے کے ساتھ ساتھ دھرم کا پالن کرنے والی تھی' ایک ایسی مذہبی لڑکی جو اپنے دھرم کے انوسار مسلمانوں کو ناپاک خیال کرتی ہے' پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسی بھی تھی جو کمل جیت رائے سے وہ تعلق نبھائے چلی آ رہی تھی۔ اس نے اپنا من ہی نہیں' اپنا تن بھی وار رکھا تھا۔ یہاں اس نے اپنا دھن بھی دیا۔ بلاشبہ وہ کمل سے عشق کرتی ہوگی۔ جہاں دل کی چاہتیں ہوں وہاں انسان بے بس ہوتا ہے مگر میرے ہاں ناممکن کچھ بھی میں تھا۔ شاردا کے قریب ہونے کے لئے دھرم اور کمل جیت سے عشق ایسی رکاوٹیں تھیں جنہیں عبور کرنا تھا اور پتہ نہیں تھا کہ ان رکاوٹوں کو عبور کر کے میں اس تک پہنچوں تو نتیجہ کیا نکلے؟۔۔۔ شاردا کا دھرم' اس کا عشق اور اس کی شخصیت' اپنی جگہ لیکن اس کا لالچ ایک ایسی کمزوری تھی جو اس کی ذات کے قلعے میں روزن پیدا کر سکتی تھی۔ دولت کی چمک اس کی نگاہوں کو خیرہ کر سکتی تھی تو مجھے اسی سے کام لے کر اسے اندھا کرنا تھا اور ایسا کرنا میرے لئے معمولی کھیل تھا۔

اس صبح سریتا جب آئی تو میں جوگنگ کے لئے تیار تھا لیکن اس پر نگاہ پڑتے ہی میں سمجھ گیا کہ وہ

جوگنگ پر جانے کے لئے نہیں آئی' وہ ڈھیلی ڈھیلی سی تھی اور اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں۔

"سریتا! خیریت' آج جوگنگ کے لئے نہیں جانا کیا---؟"

"نہیں---" وہ ایک لمبی سانس میں کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئی' پھر ہلکے سے مسکرا کر بولی۔ "جب سے یونیورسٹی جانے لگی ہوں' میری نیند ہی پوری نہیں ہوتی۔ اوپر سے آنکھ جلدی کھل جاتی ہے' طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔"

"اوہ--- تو' گڑیا! یوں کرو نا' جلدی سو جایا کرو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب عادتیں بدلتے ہوئے بھی تو تھوڑا وقت لگتا ہے۔" اس نے خمار آلود لہجے میں کہا' پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔ "آج انار کلی کدھر ہے' ناشتہ نہیں بنایا---؟"

"ادھر کچن میں ہی ہوگا--- خیر' اگر اب جوگنگ پر نہیں جانا تو پھر میں تیار ہو جاتا ہوں۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ جلدی سے بولی۔

"میں آپ سے باتیں کرنے کے لئے آئی ہوں--- پتہ ہے' کتنے دن ہو گئے' آپ سے باتیں ہی نہیں ہوئیں۔"

"اوہ' تو یہ بات ہے۔" میں کچھ کچھ سمجھتے ہوئے' پھر قہقہہ لگا کر بولا۔ "کیا راہول کو خبریں دینے کے لئے اب تمہارے پاس مواد نہیں ہوتا۔"

"ایسا نہیں ہے' ویسے ہی مجھے آپ کا خیال رہتا ہے--- کیا مجھے آپ کا خیال نہیں رکھنا چاہئے؟" اس نے شکوہ بھرے لہجے میں پوچھا۔ تو میں ہنس دیا' وہ کہنے لگی۔ "راہول بھیا کو بتاتی رہتی ہوں کہ آپ یہاں پر کتنے مصروف ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں انہیں خبریں پہنچاتی ہوں' بس آئندہ میں ان سے کوئی بات نہیں کہوں گی' آپ ہی رابطہ رکھیں۔"

"ارے تم تو ناراض ہو گئیں--- خیر' کل چھٹی ہے اس لئے آج شام ہم کہیں اچھی سی جگہ جا کر ڈنر لیں گے۔ چاہو تو اپنے دوستوں کو بھی بلا لینا' اب ناراضگی ختم---؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"آپ بہت اچھے ہیں---"

وہ ہنس دی' پھر باتیں کرتے ہوئے ہم نے ناشتہ ختم کیا اور وہ چلی گئی۔

✿✿

اس وقت میں تیار ہو گیا تھا اور اپنی چھوٹی موٹی چیزیں بیگ میں رکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی' اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور شاردا اندر آ گئی۔ وہ اچانک آئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا جو اس سے میک اپ سے بے نیاز تھا' بال اس کے ابھی گیلے تھے اور ٹراوزر شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کا اس حالت میں پہلی بار یوں دھڑ سے میری خواب گاہ میں آ جانا' کسی غیر معمولی واقعہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غضب سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"شاردا! خیریت---؟"

میں نے تیزی سے پوچھا تو وہ شدت غضب سے اٹکتے ہوئے بولی۔

"عامر! تم--- تم مجھے سچ بتانا یہ تمہارا کام ہے بتادو--- صحیح بتادو---؟"

"کیا بتادوں' کیا پوچھنا چاہتی ہو؟" میں نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ تمہارا کام ہے تو--- تو بہت غلط کیا تم نے--- تم شاید نہیں جانتے کہ تم کتنی بڑی مصیبت میں پھنس سکتے ہو لیکن اب بھی وقت ہے' میں تمہیں معاف کر سکتی ہوں۔"

"شاردا! پلیز' مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو---" میں نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بیڈ کے ساتھ پڑی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ایزی ہو جاؤ اور آرام سے کہو' کیا کہنا چاہتی ہو---؟"

میں نے کہا تو وہ ایک لمحہ کو ٹھٹکی اور پھر ایک لمبی سانس لے کر تحمل سے بولی۔

"کیا تم نے کمل کو اغوا کروایا ہے؟"

"اوہ---" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ پھر اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے بولا۔ "کیا کمل جیت اغواء ہو گیا ہے؟"

"ہاں' اور---"

"نہیں' میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ تم یقین رکھو۔" میں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر پوچھا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"ابھی' کچھ دیر پہلے مجھے راجپوت نے بتایا ہے۔ اسے کمل کی بیوی نے فون کر کے بتایا تو اس نے مجھے فون کر دیا اور تم پر اس کا پہلا شک ہے۔" اس نے بے ربط سے انداز میں کہا۔

"کمل کی بیوی کا یا راجپوت کا---؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"راجپوت کا--- اس کی بیوی کو اغواء کرنے والوں نے فون کیا ہے' وہ اس سے پانچ کروڑ کا مطالبہ کر رہے ہیں ورنہ انہوں نے گولی مارنے کی دھمکی دی ہے۔"

اس نے پھر اسی انداز میں کہا تو بڑے تحمل سے بولا۔

"شاردا! یہ میرا کام نہیں ہے' یہ تم یقین رکھو۔ حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ تمہارا یا راجپوت کا مجھ پر شک کرنا کوئی حیرت کی بات نہیں--- خیر' میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا' یہیں ہوں' اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تو پھر یہ اغواء اور کون کر سکتا ہے---؟"

"میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں؟--- اس نے اگر کروڑوں روپے تمہارے دینے ہیں تو کسی اور سے بھی---؟"

"عامر! اگر یہ تمہارا کام ہوا تو پھر تمہیں مجھ سے کوئی نہیں بچا پائے گا۔"

"۔۔۔ اور اگر میرا کام نہ ہوا تو۔۔۔؟"

میں نے اسی کی بات اس پر لوٹا دی تو وہ اچانک کھڑی ہو گئی' میری جانب غور سے دیکھا اور کچھ کہے بنا واپس پلٹ گئی۔

وہ میرے لئے ایک لاحل سوال چھوڑ گئی تھی۔ مل کی طرف جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ کمل انتہائی چالاک شخص ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ اس نے اپنے ہی اغواء کا ڈرامہ خود رچا دیا ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ واقعی اغواء ہو گیا ہو۔ اس کے اغواء ہو جانے سے مجھ پر شک کرنا میرے لئے بہت بڑے خطرے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ یہ ڈرامہ تھا یا حقیقت؟ مجھے اپنے بچاؤ کے لئے پوری طرح محتاط ہو جانا تھا ورنہ بھارتی فورسز کا میری کھوج میں لگ جانا معمولی بات تھی۔ ایسا ہو جانا میری راہ میں بے شمار رکاوٹیں کھڑی ہو جانے کے مترادف تھا۔ میں گھبرا چکا تھا۔ منفی سوچوں نے میرے دماغ پر حملہ کر دیا تھا' تبھی مجھے احساس ہوا کہ یہ مجھے انتشار میں مبتلا کر رہی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور لمحوں میں یکسو ہو گیا۔ میں نے ساری فضول سوچوں کو ذہن سے نکال دیا تو ہلکا پھلکا ہو گیا۔ پھر جب ڈرائیور نے گاڑی روکی تو میں یوں تھا جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ میں اطمینان سے نکلا اور اپنے آفس جا پہنچا۔

✿✿

دوپہر سے ذرا دیر پہلے میرے سامنے دھرا فون بج اٹھا' یہ انٹرکام تھا۔ دوسری جانب شاردا تھی' میرے ہیلو کے جواب میں اس نے تیزی سے کہا۔

"عامر! کیا تم میرے آفس آ سکتے ہو؟"

"آ رہا ہوں۔۔۔"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوئی اہم بات کہنا چاہ رہی ہے۔ میں نے کام اسی طرح چھوڑا اور اس کے آفس چلا گیا۔ وہ مضطرب سی بیٹھی ہوئی تھی' میں اس کے سامنے بیٹھا تو وہ میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ابھی کمل جیت کی بیوی کا فون تھا' اس نے بغیر کسی اغواء کی بات کیئے صرف اتنا پوچھا ہے کہ کمل جیت نے ہمارے کتنے روپے دینے ہیں؟"

"تو پھر۔۔۔؟" میں نے اطمینان سے کہا۔

"میں نے بتا دیئے ہیں لیکن اس نے ایسے کیوں پوچھا۔۔۔؟"

"یہ تو وہی بتا سکتی ہے۔۔۔" میں نے عام سے انداز میں کہا کیونکہ اس بات سے میں سمجھ گیا تھا کہ معاملہ کیا ہو سکتا ہے' تبھی میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے' وہ مدد مانگنا چاہتی ہو' ان کے پاس اتنی رقم نہ

بن پا رہی ہو۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اگر۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ اس نے رقم پوچھ کر کہا ہے کہ چیک بنا کر آج ہی بنک بھجوائے جا رہے ہیں۔“

”تو۔۔۔ پھر تم نے کیا کہا؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔ میں نے کہا‘ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ اغواء کرنے والوں کو کیوں نہیں دے رہی‘ ہمیں کیوں دے رہی ہے؟“ اس نے الجھتے ہوئے کہا۔

”تمہارا کمل جیت سے جذباتی تعلق اپنی جگہ لیکن تمہاری رقم مل رہی ہے‘ ان حالات میں ہی سہی۔ میرا خیال ہے کہ۔۔۔“

”۔۔۔ ضرور اس میں۔۔۔ اس میں تم ہو۔“ اس نے میری بات نہ مکمل ہونے دی۔

”اگر ایسا ہے‘ تم سمجھتی ہو تو میں تمہاری سوچ پر پہرے نہیں بٹھا سکتا۔ تم سوچتی رہو۔۔۔“ میں نے کہا اور اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”تو کب تک آ رہے ہیں چیک؟“

”ابھی کچھ دیر میں‘ تم سنیں کو بنک جانے کے لئے تیار رکھو۔۔۔ نہیں‘ بلکہ میں کہہ دیتی ہوں۔۔۔ نہیں‘ راجپوت جائے گا۔۔۔ بس ایک بار مجھے کنفرم ہو جائے۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔“

شاردا انتہائی درجے تک منتشر ہو گئی تھی جبکہ میں مطمئن ہو گیا تھا کہ میں نے ایک اہم کامیابی حاصل کر لی ہے۔ میں شاردا کے پاس ہی بیٹھا رہا‘ یہاں تک کہ راجپوت نے کنفرم کر دیا کہ چیک بنک میں جمع ہو گئے ہیں اور تصدیق ہو گئی ہے کہ یہ چیک کیش ہو جائیں گے۔ فون پر یہ اطلاع سن کر اس نے مجھے بتایا اور گہرا سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگی۔ کافی دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد بولی۔

”کیا تم اب بھی یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہو کہ اغواء تم نے نہیں کروایا؟“

”شاردا‘ تم اتنے یقین سے کیوں کہہ رہی ہو جبکہ میں نے ایسا نہیں کیا۔“

میں نے بڑے تحمل کے ساتھ اسے کہا تو وہ سوچنے والے انداز میں بولی۔

”تو پھر ہمارا ایسا کون ہے جو ہماری بھلائی چاہتا ہے اور اس نے کمل کو صرف اس لئے اغواء کیا کہ ہماری رقم واپس ہو جائے؟“

”تم اپنے لفظوں پر غور کرو‘ شاردا! تم مان رہی ہو کہ میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ رہی کمل کے اغواء ہونے کی تصدیق‘ تو وہ ہو جائے گی۔“ میں نے کہا اور اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میرا خیال ہے‘ کل تک تم ریلیکس ہو جاؤ گی۔ تم ذہنی طور پر تیار ہو کے آنا کہ ہمیں ایک لمبی اور اہم گفتگو کرنا ہے۔ ممکن ہے‘ اس میں بہت سارے فیصلے کیئے جائیں۔“

”کیسے فیصلے‘ کیسی گفتگو۔۔۔؟“ اس نے چونک کر کہا۔

”میں کل بتاؤں گا۔۔۔“

میں نے کہا اور اس کے آفس سے واپس آ گیا۔ میں اپنے آفس میں آ کر چند لمحے سوچتا رہا اور پھر

ارون گولی کے نمبر ملائے۔ اس کا سیل فون بند تھا۔ میں نے چند بار کوشش کی مگر ناکامی ہوئی سو میں نے آفس سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ میں نے ذاکر سے کہا کہ وہ ڈرائیور کو بلوائے اور خود سنیل کے پاس چلا گیا جو اب بھی پرانے کھٹارا سے ٹائپ رائیٹر کے ساتھ جان کھپا رہا تھا۔

"کیسے ہو' سنیل---؟"

"جی' اچھا ہوں---"

"کیسا چل رہا ہے سب---؟"

"بہت بڑھیا---"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں وہاں سے چل دیا۔

✿✿

میں راہول لاج کے گیسٹ ہاؤس میں پہنچا ہی تھا' ابھی میں کار سے نکل کر دروازے کی جانب قدم بڑھائے ہی تھے کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ وہ شاردا تھی۔

"بولو---" میں نے کال رسیور کر کے کہا۔

"کمل واپس آچکا ہے۔"

"تمہیں کس نے بتایا---؟"

"راجپوت نے' اس کا کمل کی بیوی کے ساتھ مسلسل رابطہ ہے۔"

"کیسا ہے وہ--- اسے اغواء کس نے کیا تھا؟"

"تھوڑا بہت تشدد کیا ہے اس پر' ویسے ٹھیک ہے۔ بتایا نہیں اس نے مگر اسے معلوم ہے۔"

"چلو' اب تم مطمئن ہو گئی ہوگی کہ اغواء کس نے کیا تھا--- اور کوئی بات؟"

"نہیں---" اس نے کہا تو میں نے فون آف کر دیا۔ وہیں کھڑے کھڑے میں نے دوبارہ ارون کے نمبر ملائے مگر فون اب بھی بند تھا۔ میں نے سارے خیالات کو ایک طرف جھٹکا اور سٹنگ روم میں آبیٹھا۔ انار کلی میرے لئے پانی لے آیا۔ میں تھوڑی دیر اس سے باتیں کرتا رہا' پھر فریش ہو کر کھانے کی میز پر آگیا--- کھانے سے فراغت کے بعد میں چائے پی رہا تھا' انار کلی بھی میرے پاس بیٹھا ہوا تھا اور میں اس سے اپنے مطلب کی باتیں پوچھ رہا تھا کیونکہ وہ بھی ایک معمے کی طرح میرے سامنے آیا تھا اور بہت ہی گہری شے معلوم ہو رہا تھا۔ وہ پرنس گینگ کو بہت مضبوط دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کیوں چاہتا تھا' میری کئی کوششوں کے باوجود وہ چھپا گیا۔ مجھے اس کی باتوں میں بہت مزہ آ رہا تھا۔ انہی لمحات میں میرا سیل فون بجا' میں نے نمبر دیکھے تو وہ ارون گولی کے تھے۔ میں نے جلدی سے کال رسیو کی' میرے ہیلو کہتے ہی وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"عامر بابو! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے' اس کی خبر تو تمہیں ہو ہی گئی ہوگی؟"

"ہاں' ارون! میرا اندازہ یہی تھا کہ یہ کام تم ہی کر رہے ہو--- خیر' تمہارا کام اب ختم ہوا۔ میں اب اپنا وعدہ نبھاؤں گا۔"

"مجھے یقین ہے' عامر---!" یہ کہہ کر وہ چند لمحے رکا اور پھر بولا۔ "ابھی تمہارے راہول لاج کے گیٹ پر ایک ویڈیو کیسٹ آئے گی' میں نے ایک لڑکے کو دے کر بھیجا ہے۔ اسے تم نے ہی نہیں دیکھنا بلکہ شاردا کو بھی دکھانا ہے۔ یہ کیسٹ تمہارے بہت فائدے کی ہے۔"

"ایسا کیا ہے اس میں---؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"خود ہی دیکھ لینا--- اچھا' پھر ملوں گا۔"

اس نے کہا اور فون بند کر دیا--- وہ میرے لئے تجسّس چھوڑ گیا تھا۔ میں نے فون بند کیا اور گیٹ کی طرف جانے کے لئے اٹھ گیا۔ اس وقت شام کا دھندلکا پھیلنے میں خاصا وقت تھا جبکہ سورج اپنی تاب کھو رہا تھا۔ میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا گیٹ کی جانب جانے لگا۔ میں اس وقت گیٹ اور گیسٹ ہاؤس کے درمیان میں تھا کہ لاج کی طرف سے شاردا نمودار ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گئی اور تقریباً ایسا ہی حال میرا بھی تھا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں' ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر بغیر رکے آگے بڑھتے گئے۔ قریب پہنچتے ہی اس نے پوچھا۔

"تم کہیں جا رہے ہو---؟"

"نہیں' بس ایسے ہی گیٹ تک جانا تھا۔"

"گیٹ تک--- کہیں تمہیں بھی تو فون کال---؟" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"مطلب---؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے فون کال ملی ہے کہ گیٹ پر کوئی ویڈیو کیسٹ دینے آ رہا ہے' اسے میں خود وصول کر لوں۔" اس نے ہونق سے انداز میں کہا تو میں مسکرا دیا۔ ارون نے ایک اور مسئلہ حل کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیسٹ شاردا کو کیسے دکھاؤں گا لیکن اب خود بخود یہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے جواباً کچھ کہتا' گیٹ پر کوئی بائیک رکی۔ چوکیدار باہر نکلا اور اگلے چند لمحوں میں اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ چوکیدار دروازہ بند کر کے ہمارے جانب آنے لگا۔ اب پتہ نہیں' اس نے وہ کیسٹ کسے دینا تھا؟ بلاشبہ ایسی ہی کیفیت شاردا کی بھی تھی' وہ بھی اسی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑھتا ہوا ہماری جانب آ رہا تھا' یہاں تک کہ اس نے وہ کیسٹ جانب بڑھا دی۔

"یہ آپ کے لئے کوئی دے گیا ہے---"

"ٹھیک ہے' تم جاؤ---"

میں نے وہ پیکٹ پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ مڑ گیا تو میں نے وہ پیکٹ کھولا' اندر سے ایک نئی ویڈیو کیسٹ برآمد ہوئی۔ میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر شاردا کے چہرے کی طرف نظریں

اٹھائیں۔ وہ حیرت زدہ انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی' تب میں نے کہا۔

"تمہارے کمرے میں ویڈیو پلییئر تو ہو گا---؟"

"آں ہاں--- ہے' آؤ' دیکھتے ہیں۔" اس نے کہا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

میں پہلی بار اس کے کمرے میں گیا تھا۔ بہت خوبصورت اور نفیس انداز میں سجا ہوا تھا' یوں جیسے کسی مہارانی کی خواب گاہ ہو۔ اس نے مجھ سے کیسٹ لی اور ویڈیو پلییئر میں لگا دی۔ ہم دونوں کھڑے ہی تھے۔ چند لمحے تو سکرین پر کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پھر اچانک وجیہہ سے شخص کا چہرہ نمودار ہوا جس پر خوف کی پرچھائیں تھیں۔

"یہ تو کمل ہے---"

شاردا کے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا۔ میں خاموش رہا تو اگلے ہی لمحے آواز ابھری' بولنے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا اور وہ آواز بھی اجنبی تھی جبکہ میں نے پہلی بار کمل کو دیکھا تھا۔ "تمہیں اس لئے اغواء کیا گیا ہے میری جان' کہ تم راہول ٹیکسٹائل کے واجبات ادا کر دو۔ یہ ہمارا تم سے وعدہ ہے کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اور جانے دیں گے۔"

"م--- مگر تم کون ہو' سامنے آؤ---" کمل نے کہا۔

"میں تمہارا باپ بھی ہو سکتا ہوں--- ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ ابھی رات کے دو بجے ہیں' کل دوپہر تک کا وقت ہے تمہارے پاس' پھر تمہارا وجود نہیں رہے گا اور پھر جو تمہاری جگہ لے گا' اس کا حشر بھی---"

"نہیں--- لیکن تم' تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟ وہ میرا ان کے ساتھ کاروباری معاملہ ہے۔ میں بہت جلد ان کی رقم واپس کر دوں گا۔"

"مگر کل دوپہر تک کا وقت ہے تمہارے پاس---"

"اتنی جلدی تو میں نہیں---"

اس نے اتنا کہا تھا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ الٹ کر گر گیا' دوبارہ اٹھا تو اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"دیکھو' شاردا میری بہت اچھی دوست ہے اس نے بھیجا ہے ہمیں' وہ اب تمہاری دوست نہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا' وہ محبت کرتی ہے مجھ سے---"

"محبت!؟" یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا۔ "اسے دولت سے محبت ہے' تم سے نہیں۔"

"میری اس سے بات کراؤ---"

"اس نے کہا تھا کہ تم ایسی ہی بکواس بازی کرو گے' صبح تک سوچ لو کہ کیا کرنا ہے اور پھر---"

اس آواز کے ساتھ ہی کیمرہ بند ہو گیا۔ تقریباً ایک لمحہ سکرین پر لہریں رہیں اور دوبارہ کمل کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور اس کے منہ سے خوف زدہ انداز میں شاردا کے لئے گالیاں نکل رہی تھیں۔

"وہ' ذلیل عورت! میں اسے چھوڑوں گا نہیں اور اس عامر کو بھی نہیں' میں ان کا جینا حرام کر دوں گا۔"

"تم جو چاہے کرو' جب تک تمہارا چیک قبول نہیں ہو جاتا' تم ہمارے مہمان ہو---"

اس کے بعد گالیوں کا طوفان تھا جو کمل' شاردا اور مجھے دے رہا تھا۔ میں نے شاردا کے چہرے کی طرف دیکھا جو سرخ ہو رہا تھا۔

"بکواس بند کرو--- میں کہوں گا' میری اس کتیا سے بات کراؤ' میں اسے بتاؤں کہ وہ وارفتگی میں کیا باتیں کرتی رہی ہے اور اب وہ اس گھٹیاپن پر اتر آئی ہے۔"

"کیا کہو گے اسے--- بولو' کیا کہو گے---؟"

یہ کہتے ہوئے اس سائے نے کمل کی پٹائی شروع کر دی۔ تب کمل اور زیادہ بھڑک اٹھا۔

"میں نے جب رقم دے دی ہے تو اب تم مجھ پر ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تم بکواس کر رہے ہو--- آئندہ اس کے قریب بھی مت پھٹکنا' ورنہ پھر دوبارہ زندہ نہیں جا سکو گے۔ تمہیں زندہ اس لئے جانے دے رہے ہیں کہ ہمیں صرف دولت سے مطلب تھا۔"

"میں خود اس سے دور ہونا چاہتا تھا لیکن وہ میری جان ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ مجھے احساس تو تھا کہ وہ گھٹیا عورت ہے لیکن اب یقین ہو گیا ہے۔ میں اب اس کے منہ پر بھی تھوکنا پسند نہیں کروں گا---" اس نے انتہائی حقارت سے کہا اور ایسی ایسی "نایاب" اور "خفیہ" باتیں کہنے لگا کہ شاردا نے گھبرا کر ویڈیو پلیئر بند کر دیا' پھر انتہائی غصے میں بولی۔

"باسٹرڈ' سن آف بچ---" پھر میری جانب پلٹ کر بولی۔ "کس کو بھیجا تھا' کسے ہائیر کیا تھا؟--- اس ویڈیو کی کاپی اس کے پاس بھی ہو سکتی ہے' وہ مجھے بلیک میل کر سکتا ہے---"

"یہ سب تو تمہیں کمل جیت سے خفیہ تعلق رکھنے کے آغاز میں ہی سوچنا چاہئے تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں اور نڈھال سی صوفے پر گر گئی۔

"او' بھگوان---!" یہ کہتے ہوئے اس نے انتہائی شکستہ لہجے میں کہا۔ "تم میرے دشمن ہو' یہ سب تمہارے یہاں آنے کی وجہ سے ہوا ہے' اچھی بھلی زندگی چل رہی تھی۔ تم--- تم کیوں ہماری زندگی میں آئے ہو۔ آئے بھی ہو تو میری تم سے کیا دشمنی ہے۔ کیوں مجھے ذلیل کرنے پر تلے ہوئے ہو؟"

"یہ ویڈیو میرے پاس تو نہیں ہے' اسے ابھی ختم کر دو اور جب کوئی اس حوالے سے اگر بات کرے گا تو میرا وعدہ رہا' میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

میں نے کہا تو اس نے میری طرف چونک کر دیکھا' شاید میرے لہجے میں کچھ ایسا تھا۔ وہ خاموش رہی تو میں پھر بولا۔ "شاردا! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ یقین رکھو' میں اگر یہاں پر ہوں تو اس کی وجہ راہول اور سمرن ہیں' شاید وہ مجھے یہاں نہ بھیجتے لیکن سمتری دیوی کے آنسو' تمہارے باپو کی ضد اور تمہاری بہن کی آہیں' یہ سب مل کر تمہارے بھائی کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کیئے دے رہا تھا۔ اس نے تو یہ سوچا تھا کہ میں یہاں آکر مالیات کو ٹھیک کر کے تمہیں بھی بہت کچھ سمجھادوں تاکہ تم لوگ سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکو لیکن پتہ نہیں' تم کیوں مجھے اپنا دشمن تصور کر رہی ہو۔ میں تو تمہارا دوست بننا چاہ رہا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تمہارا کس سے کیا تعلق ہے اور اب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تم خود بتاؤ' کیا میں نے تمہاری نجی زندگی کے بارے میں کبھی ایک سوال بھی کیا ہے؟" میں نے اچھی خاصی تقریر جھاڑ کر اس سے سوال کیا۔ اس نے میری جانب دیکھا اور کچھ کہے بغیر اپنے تنے ہوئے وجود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ "اب تک جو کچھ بھی ہوا ہے' کیا تم نے اس پر غور کیا؟" میں نے کہا تو وہ پھر خاموش رہی تب میں بولتا چلا گیا۔ "تم نے میرے بارے جو بھی اندازہ لگایا تھا' وہ غلط ثابت ہوا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تم صرف اسی وجہ سے میرا وجود برداشت نہیں کر پا رہی تھیں کہ تمہارا اور کمل کا تعلق نہ ختم ہو جائے۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا اور وہ میرے جیسا نہ ہوتا اور وہ تمہارے پلان کے مطابق خوف کھا کر واپس چلا جاتا تو بتاؤ' نقصان کس کا تھا؟--- فقط کمل سے تعلق کی وجہ سے تم اپنا گھر' اپنے خونی رشتے اور اپنا کاروبار داؤ پر لگا رہی ہو۔ وہ کمل جو ذرا سے تشدد پر تمہیں نجانے کیا کچھ کہہ رہا ہے ایسے لوگ تو ہزاروں مل سکتے ہیں' شاردا جی! لیکن خون رشتے نہیں ملتے---"

"لیکن تمہارا انداز بھی تو دشمنوں کی طرح ہے نا---!"

"اب تک میں نے اپنا دفاع کیا ہے اور جو کچھ تم کرتی رہی ہو' بہت معمولی باتیں ہیں میرے لئے۔ میں پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا کہ مجھے یہاں پر کیا کرنا ہوگا--- خیر' وہ سب کچھ بھلایا جا سکتا ہے۔ اب تک جو غلط فہمیوں کی بنا پر ہوا' اس کو بھی حرف غلط کی طرح اپنی یادوں سے مٹایا جا سکتا ہے اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ میں تمہارے ٹیکسٹائل کے مسائل کو حل کر دوں اور پھر یہاں سے چلا جاؤں۔"

"تم نے بھی تو دھونس---"

"تم وہیں پر اٹکی ہوئی ہو--- دیکھو' یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ میں یہاں قبضہ جمانے نہیں آیا اور نہ ہی جما سکتا ہوں۔ تم لوگ ہی اس کاروبار کے مالک رہو گے۔ میں اگر سنیل سے اپنے

مطلب کا کام لے رہا ہوں اور اس خوشی میں اس کی تنخواہ ڈبل کر رہا ہوں' مل کے کاریگر لوگوں کو اپنے حساب سے چلانے کی کوشش کر رہا ہوں تو یہ معمولی سی باتیں۔ تھوڑی سی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس کے فائدے کی باتیں ہیں۔ میں اگر ہاتھ نہ اٹھاتا' ان لوگوں کو ایسے ہی چھوڑ دیتا تو سب میرے سر کو آجاتے۔ یہ باتیں ایسی نہیں جو سمجھ میں نہ آئیں لیکن آخر کار اس کا فائدہ کسے ہے؟"

"راہول نے اگر تمہیں بھیجا ہے تو ضرور اس کا انٹرسٹ ہوگا' وہ میرا حصہ---"

"وہ تم لوگوں کا معاملہ ہے' میرا نہیں۔ میں اگر یہاں دندناتا پھرتا ہوں تو میرا ذمہ دار تمہارا بھائی ہے۔ میری کمپنی اس پر کیس کر دے گی اگر مجھے کچھ ہو گیا' تم لوگوں کے ساتھ معاہدہ ہے میرا---"

"میں جانتی ہوں۔ میرے ہاتھوں ہی سارے کاغذات بن کر گئے ہیں۔ یہ سبق تم مجھے مت پڑھاؤ۔ اسی لئے تو تمہیں ڈرا دھمکا کر یہاں سے نکالنے کی کوشش میں تھی اور---"

"میں آسان شے ثابت نہیں ہوا---"

"چھوڑو ان باتوں کو--- تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی کہ تم میرے لئے بھی کام کر سکتے ہو مگر کیا اس صورت میں تم راہول سے بے وفائی نہیں کرو گے' اس کو دھوکا نہیں دو گے۔ میں کس طرح یقین کر لوں' کیسے اعتماد کروں تم پر کہ تم مجھے دھوکہ نہیں دو گے---؟" شاردا نے پہلو بدل کر تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو' شاردا! میرا اس کے ساتھ صرف یہ معاہدہ ہے کہ تمہارے مالیات کے حساب ٹھیک کر دوں' مل کو چلا کر تمہارے سپرد کر کے آ جاؤں۔ وہ میں کروں گا اور ہر حال میں کروں گا' میں نے تمہیں یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر تم اس قابل بن کر دکھا دو کہ کاروبار چلا سکتی ہو تو اسے آنے کی ضرورت نہیں۔ تم سیاہ و سفید کی مالک ہو--- ہاں تمہارے لئے یہ کام کر سکتا ہوں کہ اسے یہاں نہ آنے دوں۔ تمہیں وہ گر بتادوں کہ جس سے سب تمہارا ہوگا۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اتنی بے وقوف ہو جو میری بات نہیں سمجھ پا رہی ہو---" میں نے اپنی بات سنبھالی۔

"میں سب سمجھتی ہوں' عامر! بس کمل کے معاملے میں دل کے ہاتھوں مجبور تھی---" اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا' پھر اچانک اپنا لہجہ بدلتے ہوئے بولی۔ "خیر' اب میری طرف سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی' میں یہاں تمام اختیارات دیتی ہوں لیکن جتنا وقت تم نے یہاں گزارنا ہے اتنا ہی اس کے بعد تم واپس چلے جاؤ گے اور میری نجی زندگی میں جھانکنے کی ضرورت نہیں---"

اس نے سخت لہجے میں کہا تو میں دھیرے سے ہنس دیا اور کہا۔

"ایک شرط پر تمہاری ساری شرطیں مان لوں گا---"

"بولو' کیا شرط ہے---؟"

اس نے تیزی سے کہا تو میں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگا دی۔

"یہی کہ ہم میں دوستی ہوگی۔۔۔" یہ کہہ کر میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ "کیا تمہیں میری دوستی قبول ہے۔"

میں اس کے چہرے پر اپنی بات کا ردعمل دیکھنے لگا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ وہ اپنے دھرم کے انوسار مجھے چھو بھی نہیں سکتی' اگر وہ مجھے چھوئے گی تو اس کا دھرم بھرسٹ ہو جائے گا۔ مگر یہی وہ وقت تھا جب وہ پرکھی جانے والی تھی۔ اگر وہ میرے ساتھ ہاتھ ملا لیتی تو یہ اس کے اندر سے ٹوٹ پھوٹ جانے کا اظہار تھا' اس کی شکست کا اعلان تھا اور میری کامیابی کا اعتراف۔۔۔ میرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے میرے ہاتھ کی جانب دیکھتی رہی۔ پھر میرے چہرے کی طرف دیکھا' دھیرے سے مسکرائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گئی۔ میں بھی کھڑا ہو گیا تو اس نے مجھے ذرا سا کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ انتہائی غیر متوقع صورت حال تھی۔ جس کا مجھے قطعاً" اندازہ نہیں تھا۔ کیا وہ واقعی ہی اخروٹ جیسی تھی یا اس کا یہ رویہ کسی نئی چال کا پیش خیمہ تھا؟۔۔۔ اس نے چند لمحے مجھے اپنے ساتھ بھینچے رکھا اور پھر الگ کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے معاف کر دینا' عامر! میں تمہیں بہت غلط سمجھی تھی' دراصل کمل نے مجھے بہت بہکایا تھا۔"

"ختم' ماضی کی ساری باتیں ختم' اسی لمحے سے اک نئی شروعات ہو گی۔ اب ہم دوست ہیں۔"

میں نے کہا تو وہ ہنس دی اور بڑی بے تکلفی سے بولی۔

"چلو تو پھر آج کا ڈنر میری طرف سے۔۔۔ میں نے تمہارے اور اپنے درمیان سے دھرم ہٹا دیا۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اپنا دھرم اس تعلق سے ہٹا دو گے۔"

"بات جب دھرم کی ہے نا' شاردا! تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اس وقت تک جب تک اور جہاں تک حد ہوتی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہماری دوستی میں دھرم حائل نہیں ہوگا۔ ہم ایک دوسرے پر وہ کچھ مسلط نہیں کریں گے جس کی دین یا دھرم اجازت نہیں دیتا۔"

"ارے سب چلتا ہے۔۔۔" شاردا نے عام سے لہجے میں کہا اور پھر پوچھا۔ "کیا خیال ہے ڈنر کے بارے میں۔۔۔؟"

"جیسے تمہاری مرضی۔۔۔" میں نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"چلو جاؤ' اب تیار ہو جاؤ۔ میں تیار ہو گئی تو تمہیں فون کر دوں گی۔"

اس نے لہجے میں مٹھاس بھرتے ہوئے کہا تو میں وہاں سے چل دیا۔ میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو سٹنگ روم میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں وہاں سے کشن لعل کا کمرہ دیکھ رہا تھا مگر دل نہیں چاہا کہ اس کو جا کر دیکھوں کیونکہ اس نے بھی دوبارہ مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے رویئے کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ میں اس کے پاس تبھی جاؤں گا جب وہ مجھے بلائے

گا۔۔۔ میں سیڑھیاں اتر چکا اور وہاں سے باہر آگیا تو میں نے سریتا کے نمبر ملائے' دوسری بیل پر اس نے فون رسیور کر لیا۔

"بس میں تیار ہو چکی' دس پندرہ منٹ میں آتی ہوں۔۔۔"

"نہیں' سریتا! آج تم میرے ساتھ نہیں جا رہی ہو کیونکہ۔۔۔"

"کیوں۔۔۔؟" اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"اس لئے کہ میں تمہاری دیدی شاردا کے ساتھ ڈنر لینے باہر جا رہا ہوں۔"

"او' بھگوان! اتنا بڑا جھوٹ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا' فی الحال اتنا سمجھ لو کہ تم میرے ساتھ نہیں جا رہی ہو۔"

"آپ کہاں ہیں اس وقت۔۔۔؟" اس نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

"یہیں لان کے قریب' گیسٹ ہاؤس کے طرف جا رہا ہوں۔۔۔"

"مطلب' یہیں گھر پہ ہیں آپ۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں' یہیں ہوں۔۔۔"

"ٹھیک ہے' میں ابھی آتی ہوں۔۔۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ تفصیل سننے کے لئے کس قدر بے قرار ہو سکتی تھی۔ میں نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اور گیسٹ ہاؤس جا پہنچا۔

میری تربیت کے ایک مرحلے میں' میرے ایک استاد نے ایک بات سمجھائی تھی کہ بہت سارے لوگوں میں یہ خواہش اتنی نہیں ہوتی کہ انہیں چاہا جائے' انہیں پوجا جائے' انہیں اہمیت دی جائے لیکن ان میں یہ آرزو شدت کے ساتھ موجود ہوتی ہے کہ انہیں سمجھا جائے۔ کوئی تو ہو جو اسے خیالات سمیت سمجھ لے۔ ان کی سوچوں کا لمس محسوس کرے۔ شاردا سے ملنے اور اس سے باتوں کے بعد یہ بات نجانے مجھے کیوں یاد آ رہی تھی۔ اس طرح کی عورت کو اپنی طرف مائل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا دشوار اس کے ساتھ نبھانے میں ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ انا مختلف توانائیوں کا مرکب ہوتی ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں لیکن مختلف قوتوں کے اس مرکب والی انا والے شخص کو ٹوٹتے ضرور دیکھا ہے۔ یہ انا والے لوگ جو خود کو آسمانوں کے سنگھاسن پر بیٹھا ہوا محسوس کرتے ہیں' جب گرتے ہیں تو زمین سے پاتال کا سفر بڑی تیزی سے طے کرتے ہیں۔ تب ان کی ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی انہیں اٹھا لے' انہیں سنبھال لے۔ ان ٹوٹے ہوئے' بکھرے ہوئے لوگوں کو سنبھالنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ شاردا نے میرے ساتھ دوستی میں حائل اپنے دھرم ہی کو خیال کیا تھا' اس کے لاشعور میں یہی سب سے بڑا آپشن تھا جو مجھ سے دوری کا سبب تھا۔ وہ میرے قریب آگئی تھی اور مجھے اس کو

سمجھتا تھا۔ اب چاہے کوئی اسے جس معیار پر بھی پرکھتا رہے' مجھے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے شاردا کو نہ صرف رام کرنا تھا بلکہ اسے زینہ بھی بنانا تھا۔ اب یہ وقت ہی نے فیصلہ کرنا تھا کہ میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہوں۔

میں گیسٹ ہاؤس کے ٹی وی لاؤنج میں جاکر بیٹھا ہی تھا کہ سریتا آگئی۔ اس نے سرمئی رنگ کے شارٹس پہنے ہوئے تھے اور اسی رنگ کے نازک سے سلیپر پاؤں میں تھے' وہی میک سے بے نیاز چہرہ لئے وہ گلابی گلابی سی بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آتے ہی بے تکلفی سے میرے ساتھ بیٹھ گئی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ انقلاب کیسے آگیا۔۔۔؟"

تب میں نے ارون گولی کا نام لیئے بغیر مختصر انداز میں اسے روداد بتائی۔ وہ بڑی خاموشی سے سنتی رہی اور پھر ہنستے ہوئے حیرت سے کہا۔

"وہ کون ہو سکتا ہے اور پھر اب کمل کا ردعمل کیا ہوگا۔ بلاشبہ وہ آپ کو اور دیدی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا؟"

"اس میں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری دیدی رام ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کے لئے تو آپ کو بہت تحمل' برداشت اور صبر کی ضرورت ہوگی' اس کا کچھ پتہ نہیں کس وقت کیا کر دے۔۔۔؟"

"میں دیکھ لوگا اسے' مجھے معلوم ہے کہ اسے بہت وقت دینا پڑے گا۔۔۔ کوئی بات نہیں ہم دفتر میں تو اکٹھے ہوتے ہی ہیں نا' دھیرے دھیرے سب معمول پر آجائے گا۔ تم راہول کو بتا دینا کہ اب میرے لئے کافی کچھ آسانیاں ہیں۔"

"بھگوان کرے' سب ٹھیک ہو جائے۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔۔۔"

اس نے اپنی گلابی ہتھیلی میری گال پر رکھتے ہوئے بڑے ہی جذباتی انداز میں کہا تو میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور نرمی سے دباتے ہوئے کہا۔

"ڈونٹ وری' میں اپنا خیال رکھوں گا۔۔۔"

میرے یوں کہنے پر اس نے بڑے جذباتی پن سے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ مجھے دیکھا۔ چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ تب میں اس کا سر ہولے ہولے تھپتھپانے لگا۔ اتنے میں انار کلی نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں تازہ جوس تھا۔

"لیجئے' صاحب! ہم آپ دونوں کے لئے جوس بنا لائی ہوں۔"

"تم نے پوچھا ہی نہیں' انارکلی! میں تو چائے پیئوں گی---"

سریتا نے خوش دلی سے کہا تو انارکلی نے تالی بجاتے ہوئے لچک کر کہا۔

"ارے نا' بٹیا! اس موئی گرمی میں یہ گرم چیزیں نہیں پیتے' ساری خوبصورتی کا ستیاناس مار دیتی ہیں' تم تو ابھی بچہ ہو۔ ابھی تو تمہیں مزید جوان اور خوبصورت ہونا ہے۔"

"لگتا ہے' تمہاری خوبصورتی کا راز بھی یہی ہے---" اس نے انارکلی کے کالے رنگ پر چوٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر قہقہہ لگا کے ہنس دی۔

"ارے ہماری خوبصورتی کا کیا پوچھتی ہو' بٹیا! جب ہم پر دن تھے تو کئی چھوکروں کو اپنے پیچھے لگایا ہوا تھا' موئے جان ہی نہیں چھوڑتے تھے۔" پھر آہ بھر کر کہا۔ "اب تو عامر جیسے ببوا کے پاس رہ کر' ان کی خوبصورتی دیکھ کر دل خوش کر لیتے ہیں۔"

اس کا انداز خالصتاً" عاشقانہ تھا۔ اس پر سریتا کتنی دیر تک ہنستی رہی۔

✿✿

گیسٹ ہاؤس کے باہر جب کار کا ہارن بجا تو میں تیار ہو چکا تھا۔ میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا باہر کی جانب بڑھا۔ سریتا ٹی وی لاؤنج میں تھی' اس نے ہاتھ کے اشارے سے وش کیا تو میں آگے بڑھ گیا۔ باہر پورچ میں شاردا اپنی گاڑی لئے میرے انتظار میں تھی۔ میں نے اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھنے کے دوران اس کا بھرپور جائزہ لے لیا تھا۔ اس نے اورنج رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی' ہلکے میک اپ کے ساتھ بال کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ اس کا ساڑھی باندھنے کا انداز اور بلاؤز کا اختصار بڑی حد تک دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ ہلکا زیور اور کلائیوں میں بھاری کنگن پہنے ہوئے تھی۔ میں جب سیٹ پر بیٹھا تو مسحور کن خوشبو نے مجھے مسرور کر دیا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی بڑھا دی' گیٹ پار کرتے ہی اس نے میری جانب دیکھے بغیر پوچھا۔

"عامر جی! کیسا ڈنر لینا پسند کریں گے' چائنیز' کانٹی نینٹل یا---؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ تمہاری پسند اور ناپسند کیا ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ تم ویجی ٹرین ہو اس لئے جیسا تم چاہو۔ میری پسند میں اگر میٹ ہوگا تو تم اسے میز پر دیکھنا بھی نہیں چاہو گی۔"

"ہوں---" اس نے ہلکے سے ہنکارا بھرا اور پھر بولی۔ "کیا تم میری پسند کا کھانا کھا لو گے؟"

"کیوں نہیں---" میں نے خوش دلی سے کہا تو اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

اس وقت میرے ذہن میں مختلف طرح کے خیال آ رہے تھے۔ میں نے اس پر اعتماد کر کے پتہ نہیں صحیح کیا تھا یا غلط؟ لیکن یہ میری مجبوری تھی' مجھے اس کا اعتماد حاصل کرنا تھا۔ تبھی میرے من سے آواز ابھری کہ کیا واقعی ہی میں اس پر اعتماد کرتا ہوں؟--- بلاشبہ اس کا جواب نفی میں تھا۔ اسی طرح شاردا کے من کا حال میں نہیں جانتا تھا۔ اسے اپنے قریب کرنے کے لئے' اس کے قریب تو ہونا

ہی تھا۔ اب میں اسی کی مرضی کے مطابق جا رہا تھا' وہ چاہے جدھر مرضی لے جائے میں نے غیر محسوس انداز میں اپنے بغلی ہولسٹر میں پڑے ہوئے ریوالور کو محسوس کیا اور مطمئن ہو گیا۔ بلاشبہ میرے جیسا غیر ملکی اپنے ساتھ ریوالور نہیں رکھ سکتا تھا یا کسی بھی قسم کا اسلحہ لے کر یوں دندناتے پھرنا غیر قانونی تھا لیکن کیا میں خود کو اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا؟ جنگل میں نہتے ہو کر جانا بے وقوفی ہی نہیں' احمق پن بھی ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جرم پہلے ہوتا ہے اور قانون بعد میں بنتا ہے تاکہ اس قانون کے ذریعے جرم کا سدباب کیا جا سکے۔ یوں جرم کے نت نئے پہلو سامنے آتے گئے اور قانون بھی اپنے اندر سختی لاتا چلا گیا مگر جرم ختم نہیں ہوا بلکہ مزید بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ جرم سے کوئی ملک' کوئی خطہ یا کوئی جگہ خالی نہیں حتیٰ کہ مقدس ترین جگہوں پر بھی مجرمانہ سرگرمیاں جاری و ساری رہتی ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا تاریک ترین پہلو ہے جس سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ میں اگر بھارت میں آیا تھا تو یہاں شاپنگ کرنے یا عیاشی کرنے نہیں آیا تھا' میرا واسطہ خون آشام درندوں سے تھا۔ مجھے قانونی پاسداری ہی نبھانا ہوتی تو ان کے لئے عدالتیں ہوتی ہیں۔ جہاں انصاف کی جو حالت ہے' وہ ایک کھلے راز کی مانند ہے۔ میرا جن خون آشام درندوں سے واسطہ تھا' ان کے لئے قانون اور قانون کے پہرے دار ایک کھلونے کی حیثیت رکھتے تھے۔ بھارت میں بھی قانون کے ساتھ ایشیائی ممالک کی طرح کھیلا جاتا ہے۔ جہاں ٹورسٹ کا اندراج کرنے میں رشوت لے لی جاتی ہو' وہاں بڑے بڑے مجرموں سے بھتے لے کر ان کے تلوے کیسے نہ چاٹے جاتے ہوں گے۔ جہاں ایک نوٹ کے عوض قانون کی دھجیاں بکھیر دی جائیں وہاں اسلحہ اور وہ بھی غیر قانونی اسلحہ لے کر پھرنا ایک معمولی سی بات ہے۔ اس میں ہم لوگ خواہ مخواہ دوسرے ملکوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہمارے دماغ میں قطرہ قطرہ کر کے یہ بات واضح کر دی جاتی ہے' اس قدر جھوٹ بولا جاتا ہے کہ وہ سچ معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہم وہی دیکھتے ہیں جو ہمیں دکھایا جاتا ہے کیا یورپ میں جرائم نہیں ہوتے؟ ہوتے ہیں لیکن دکھایا یہی جاتا ہے کہ وہاں امن ہے' سکون ہے' شانتی ہے۔ اس کی مثال وہاں کے نشریاتی اداروں کی نشریات ہیں۔ کیا لندن یا برطانیہ میں جرم نہیں ہوتا لیکن کبھی اس ریڈیو نے لندن کا کریہہ رخ نہیں دکھایا۔ وہ مسلمان ممالک کے کونے کھدرے میں ہونے والے جرم کی خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے لیکن برطانیہ میں معصوم بچوں اور بچیوں کے ساتھ دحشت ناکی کو چھپا جائیں گے۔ ان کے اخباروں میں جرائم کی خبریں نہیں ہوتیں مگر کیا وہاں قتل نہیں ہوتے؟ لیکن ہم ان کی باتوں پر اعتبار کرتے ہیں۔ یورپ' امریکہ سے مرعوب پاکستانی یا انڈین ذہن یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کے بہترین ممالک ہیں جہاں جرم نہیں ہوتا حالانکہ یہ ان کی کم علمی' کم عقلی اور ناسمجھی ہے۔ جس قدر مذہبی تعصب لندن کی فضاؤں میں ہے' دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں۔ جتنی سخت سیکورٹی ہوتی ہے' جرم بھی اتنی احتیاط سے کیا جاتا ہے۔ برطانیہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لی جائے' یہ وحشی ترین لوگ

اب بھی درندگی سے باز نہیں آتے۔ بیمار ذہن وہی دیکھتے ہیں جو انہیں دکھایا جائے' متعصب لوگ وہی سنتے ہیں جسے وہ سننا پسند کریں۔ وہ دنیا بھر سے غربت' افلاس اور سسکتی انسانیت کو دکھاتے ہیں۔ اپنے ہاں ان ناجائز بچوں کی فلمیں کبھی دکھائی ہیں جنہیں اپنے باپ کی پہچان نہیں اور وہ انتقام میں مجرم بن رہے ہیں۔ ان بے غیرت عورتوں کے واقعات بتائے جو مرد کو دعوت گناہ دیں اور وہ مرد اگر نہ مانیں تو ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے' ان کو کیسے کیسے قانونی تحفظ حاصل ہیں اور وہ ان قوانین کو کس گھٹیا انداز میں استعمال کرتی ہیں' کبھی اس کی رپورٹ آئی۔ منظرعام پر وہی کچھ آتا ہے' جسے وہ دکھانا چاہیں اور ہم مرعوب ہو جاتے ہیں--- بھارت اتنا بھی انجانا ملک نہیں کہ اس کے لوگوں اور اس کی فورسز کو نہ پہچانا جا سکے۔ مذہبی تعصب کے علاوہ ان میں فطری درندگی موجود ہے۔ یہ وہاں کے لوگوں کا قصور نہیں' انہیں ماحول اور خیالات ہی ایسے دیئے گئے ہیں۔ بابری مسجد کا انہدام اس کا واضح حوالہ ہے۔ محققین چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ایودھیا رام کی جنم بھومی نہیں' لیکن کوئی مان ہی نہیں رہا۔ سوال یہ ہے کہ بابری مسجد کا انہدام' ہندوؤں کا رویہ' ان کے اندر کی درندگی قانون کے ساتھ مذاق' اسی ایودھیا میں مندر در مندر بنا کر پنڈتوں کا اپنا کاروبار چمکانا اور سیاست دانوں کا اپنی سیاسی دوکانداری چمکا کر گدی حاصل کرنا' یہ کس طرف اشارہ ہے۔ بھارتی فورسز سے مرعوب ہونا بڑی جاہلیت ہی نہیں' احمق پن بھی ہے کیونکہ وہ بھی اسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ تعصب ہمیشہ اندھا کرتا ہے اور اس اندھے پن کو استعمال کرنے کا گر ہمیں آنا چاہئے۔ شاردا بھی ایک ایسی ہی عورت تھی۔ مجھے پوری طرح احساس تھا کہ میں نے ایک زہریلی ناگن کی پٹاری کھول دی ہے اور وہ پھن پھیلائے میرے سامنے تن گئی ہے۔ اب یہ میرے اوپر تھا کہ اس ناگن کا نہ صرف زہر نکالوں بلکہ اسے رام کر کے اپنے تھیلے میں ڈال لوں۔ میری اپنی ذاتی رائے یہی ہے کہ انسان کو اس وقت تک ختم نہ کیا جائے جب تک کہ یہ امید ختم نہ ہو جائے کہ اس کے خیالات تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اصل میں سوچ ختم کرنا ہی سب سے بڑا انتقام ہے اور بھارتی میڈیا دن رات اسی کوشش میں ہلکان ہو رہا ہے۔

"کیا سوچنے لگے ہو تم---؟"

شاردا کی آواز پر میں چونکا اور دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

"کچھ نہیں۔"

"لیکن اس قدر کھوئے ہوئے کہ جیسے یہاں ہو ہی نہیں---"

اس نے دھیمی سی مسکان کے ساتھ قدرے طنز سے کہا۔ تب میں نے سٹیرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم میری دوست بن جاؤ گی۔ اب مجھے ناکامی کا خوف نہیں بلکہ بہت جلد واپس کامیاب لوٹوں گا۔"

"—— اور اگر ہم میں دوستی گہری ہو گئی اور میں نے تمہیں نہ جانے دیا تو——؟"

"یہ میری خوش قسمتی ہو گی' شاردا! میں اپنی کمپنی سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے بھارت بھیج دے۔" لیکن ایک بار تو واپس جانا ہو گا۔

میں نے اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا تو شاردا کی آنکھیں کونوں تک مسکرا دیں۔ وہ چند لمحے یونہی بیٹھی رہی' پھر جب میں نے ہاتھ چھوڑا تو وہ کار سے باہر نکلنے لگی۔ وہ جوہو کے ساحلی علاقے پر ایک چھوٹا سا مگر نہایت نفیس اور خوبصورت ریسٹورنٹ تھا۔ ہم ایک نیم تاریک گوشے میں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ وہ اس وقت تک مجھے وہاں کے بارے میں بتاتی رہی جب تک اس نے کھانے کا آرڈر نہیں دے دیا' ویٹر چلا گیا تو شاردا نے پوچھا۔

"تم کل مجھ سے ایک لمبی گفتگو کرنے والے تھے' کیا وہ گفتگو ابھی ہو سکتی ہے؟"

"ہاں' ممکن ہے——" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہرے انداز میں کہا تو اس کی نگاہوں میں خوشی اتر آئی۔ وہ میری طرف دیکھتی ہوئی خاموش رہی تو میں نے کہا۔ "شاردا! یہ گفتگو راہول ٹیکسٹائل کے بارے میں تھی' میں اس سے متعلق——"

"او' میں کچھ اور سمجھی تھی—— خیر' کہو؟" اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تم کیا سمجھی تھیں——؟"

میں نے پوچھا تو کندھے اچکا کر بولی۔

"یہی کہ تم میرے اور کمل کے بارے میں پوچھو گے اور اس سے متعلق باتیں——"

"نہیں' مجھے اپنے کام کے علاوہ اور کوئی دلچسپی نہیں شاردا! میں یہاں سے جلد از جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ سکون سے رہے لیکن حالات اور ماحول اسے بے سکون کر دیتے ہیں۔ مجھے خود اندازہ نہیں تھا کہ میں یہاں آکر اس طرح کے ماحول میں پھنس جاؤں گا۔ میں اس بے سکون اور ٹینشن زدہ ماحول سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ میری ساری سرگرمیاں تمہارے سامنے ہیں۔ اگر مجھے دن رات ایک کر کے بھی اس کام کو ختم کرنا پڑا تو میں ایسا ہی کروں گا۔"

"لیکن اس سے میری زندگی ڈسٹرب ہو گئی تو——؟" اس نے دھیرے سے کہا۔

"اب ہم بیٹھیں گے' باتیں کریں گے ایک دوسرے سے مشورہ کریں گے تو بہت ساری راہیں نکل سکتی ہیں۔ میرا کام بھی ہو جائے اور تم بھی ڈسٹرب نہ ہو——"

میں نے خوش کن لہجے میں کہا تو وہ ہنس دی۔ پھر پوچھا۔

"اچھا' تم راہول ٹیکسٹائل کے بارے میں کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" اس نے یوں پوچھا تھا جیسے مجھے ٹلا رہی ہو۔ میں نے اس انداز کو محسوس تو کیا لیکن بظاہر صرف نظر کر کے کہتا چلا گیا۔

"شاردا! میں نے یہاں آکر جو دیکھا' اس میں بہت ساری باتیں ہیں لیکن سب سے اہم یہی ہے

کہ تمہارا یہ کاروبار تمہارے باپو کشن لعل نے وہی پرانے بنیا سٹائل پر چلایا ہوا تھا۔ جسے تم نے بھی چلانے کی کوشش کی۔ شاید تم اسے اچھے انداز سے چلالیتیں مگر تم نے یہ نہیں سوچا کہ دنیا بہت آگے چلی گئی ہے۔ مارکیٹ کے مطالبات بہت بدل گئے ہیں اور کاروبار میں بہت تبدیلیاں آگئی ہیں۔ تم لوگوں نے اپنی زندگی کو تو جدید انداز میں ڈھال لیا مگر اپنے کاروبار کو نہیں۔ اس کاروباری ماحول میں تم لوگوں کا بزنس انتہائی کمزور' فرسودہ اور پرانا ہے۔ تم لوگ مارکیٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے تمہیں جدید انداز اپنانا ہوگا' سوچ سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی مشین تک۔۔۔"

"مگر اس کے لئے تو بہت سارے وقت کے ساتھ بہت سارا سرمایہ بھی تو چاہئے۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"بلاشبہ ایسا ہی ہوگا مگر بنیادوں پر ہی عمارت کھڑی ہوتی ہے' اچھے معاوضے پر ذہین لوگ تمہارے ساتھ ہوں گے تو بہت جلد تم مارکیٹ میں اپنی جگہ بنالوگی۔"

"سرمایہ تمہارے سامنے ہے اور حالات بھی' کیا ایسا ممکن ہو جائے گا۔۔۔؟" اس نے اسی حیرت سے پوچھا۔

"ہو جائے گا' صرف ہمت اور استقامت چاہئے۔" میں نے اک عزم سے کہا۔

"تم شاید ایک بات اور نہیں سمجھے ہو یا شاید سمجھ گئے ہو کہ یہاں کے کاروباری حلقے میں سیاست بلکہ کہہ لو کہ شیوسینا' آر ایس ایس وغیرہ بہت اثرانداز ہیں۔ کیا ان کا سہارا لینا پڑے گا' ان کے بغیر تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

اس نے کہا تو میں نے تجسس سے' دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں مگر میں اب یہ جاننا چاہوں گا کہ تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"یہی کہ دو واضح گروپ ہیں یہاں' ایک یہی شیوسینا والے اور دوسرے کانگریس کے لوگ۔ ہم ان سے فرار نہیں لے سکتے۔ مارکیٹ میں بھی سیاسی ماحول کی طرح اس وقت کانگریس دبی ہوئی ہے کیونکہ اوپر حکومت دوسرے لوگوں کی ہے۔ ان حالات میں ہم کن کے ساتھ مل کر چل سکیں گے؟۔۔۔ یہی نہ ہو کہ اتنا سرمایہ لگانے کے بعد مارکیٹ میں ہم چل ہی نہ سکیں؟"

"بہت اچھی بات کی ہے تم نے مگر ہمیں تو کرنا ہے' اب جس پارٹی کی بھی دلچسپی ہو' وہ ہماری جانب بڑھ آئے گا۔ اس کے علاوہ یہ آپشن بھی ہے کہ تم کس میں دلچسپی رکھتی ہو' تمہارے تعلق کس طرف ہیں؟"

"اس وقت ایک ہی شخص ہے جو ٹیکسٹائل انڈسٹری میں سے ہے اور مستقبل میں وہی شخص آگے آنے والا ہے۔ کیونکہ اس کا سیاست میں عمل دخل بہت بڑھ گیا ہے۔" اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"مستقبل کو ہم نہیں پڑھ سکتے لیکن تجزیہ کی بنیاد پر اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں۔ مجھے تمہارے اندازے، تجزیئے اور سوچ پر شک نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ سب تم کس ٹھوس بنیاد پر کہہ رہی ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"کمل --- کمل کے ساتھ نے، اس کے دوست کی باتیں اس کی بنیاد ہیں اور پھر خود میں نے تجزیہ کیا ہے۔"

"کون ہے وہ دوست ---؟" میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے پوچھا۔

"شرد چندر راگاشی ہے اس کا نام، وہ بہت ---"

اس نے کہا تو میرے وجود میں ایک سنسنی دوڑ گئی جیسے بجلی کی لہر پورے وجود کو سنسنا کے رکھ دیتی ہے۔ اس نام کے بعد آگے اس نے کیا کچھ کہا، میں سن ہی نہ سکا۔ میں نے اس لمحاتی کیفیت کو انتہائی سرعت کے ساتھ قابو کیا۔ ایسا کرنے میں مجھے اپنے اندر کی قوت کو استعمال کرنا پڑا ورنہ اس لمحے شاید شاردا محسوس کر لیتی سو میں نے خود پر قابو پاتے ہی لاپرواہی سے کہا۔

"وہ تم بہتر سمجھتی ہو کہ تم نے کس کے ساتھ چلنا ہے لیکن اس سے پہلے ہمیں اور بہت کچھ کرنا ہے ---" یہ کہتے ہوئے میں نے رک کر چند لمحے سوچنے کی اداکاری کی اور پھر بولا۔ "چلو ایسا کرتے ہیں، میں یہاں کے سارے نظام کو بہتر بنانے میں مصروف ہو جاتا ہوں اور تم شرد چندر --- میرا خیال ہے، یہی نام ہے --- ہاں، شرد چندر۔ اس کے بارے میں معلومات لو کہ وہ کیسا ہے، کس طرح کی سیاست کرتا ہے، مارکیٹ میں کتنا اثر رسوخ رکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ --- اگر وہ ہمارے کام آ سکتا ہے تو ٹھیک ہے تم یہ ذمہ داری لے لو، ہم دونوں مل کر صبح ہی سے اپنے کام کا آغاز کر دیتے ہیں ---"

میں نے کہا تو وہ میری طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دی۔ مجھے خود اپنے آپ پر بہت زعم تھا لیکن اس مسکراہٹ کو میں نہیں پہچان پایا کہ وہ کیسی تھی؟ سو اچانک ہی الجھن سی ہونے لگی۔ میں نے اپنے تاثرات چھپانے کے لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میرے اور شاردا کے درمیان دھری میز پر کھانا چنا جا چکا تھا۔ قندیلوں کی مدھم اور خواب ناک روشنی میں اس کے چہرے کے نقوش مزید خوابیدہ ہو رہے تھے۔ خاموشی کا ایک طویل وقفہ ہمارے درمیان آ ٹھہرا تھا۔ جس میں بلاشبہ ہم دونوں کی سوچیں بول رہی تھیں۔ وہ کیا سوچ رہی تھی، اس کا مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا مگر میرے دماغ میں خیالات کا ہجوم تھا۔ اس نے مجھ سے جو دوستی کا اظہار کیا تھا، اس پر تھوڑی حیرت ہو سکتی تھی۔ یہ حیرت اس صورت میں ممکن ہوتی اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ وہ واقعی ہی مجھ سے دوستی چاہتی ہے۔ وقت اور حالات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ مجھ سے دوستی جیسا تعلق جوڑ لے۔ یہی بات اس کی سمجھداری کا ثبوت تھی ورنہ اس کے احمق ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔ اس کے اور کمل جیت کے درمیان تعلق کے آئینے میں دراڑ پڑ چکی تھی۔ شاردا جس حد تک بھی کوشش

کرتی' کمل جیت کے ساتھ وہ پہلے والا تعلق نہیں پنپ سکتا تھا۔ وہ اب پہلے سے زیادہ نقصان اٹھا سکتی تھی۔ میرے ساتھ دوستی میں اس کے بے شمار فائدے تھے جن کی شروعات ہو چکی تھی۔ راہول ٹیکسٹائل میں نئے سرے سے جان پڑ چکی تھی' اسے مارکیٹ میں اپنا مقام بنانے اور کاروبار کو عروج دینے کے لئے بڑا مضبوط سہارا مل گیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر اسے یہ سارا کاروبار اپنے نام ہو جانے کی بھرپور امید تھی۔ کمل کی صورت میں تو اس کے وجود کی طلب پوری کرنے والا کھو گیا تھا' یہ طلب وہ کہیں سے بھی پوری کر سکتی تھی۔ پھر میں اس کے سامنے تھا' وہ اگر مجھ سے دوستی اور اعتماد جیسا تعلق بنانے کی طرف پوری توجہ دیتی تو اسے اپنے فائدوں کے حصول کے لئے شارٹ کٹ مل سکتا تھا۔ ایسی عورتوں کی ذہنیت سے میں بخوبی واقف تھا۔ انہیں صرف جسم کی زبان سے گفتگو کرنا آتی ہے۔ انہیں یہ زعم ہوتا ہے کہ مقابل مرد' اسی زبان سے گھائل ہو کر بدن کے نشیب و فراز کی وادیوں میں کھو جائے گا' تب اسے اپنے قدموں میں گرانا معمولی بات ہوتی ہے۔ اگر کوئی مرد ان کی اس زبان سے آشنا ہو تو وہ ذرا سی عقل استعمال کرنے سے انہیں اس مقام پر لا سکتا ہے جس مقام پر وہ مردوں کو لانا چاہتی ہیں۔۔۔۔ بلاشبہ شاردا حسین تھی۔ اس کا حسن' اس کے فربہ مائل ہونے میں پوشیدہ تھا۔ عورت پن کی ان تمام صلاحیتوں سے وہ بہرہ مند تھی جو بے پناہ کشش کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی ذرا سی توجہ کسی بھی عام مرد کو گھائل کر دینے کی وجہ بن سکتی تھی۔ وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی لیکن میں اس میں سے شرد چندر اگاشی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا حسن' کشش اور جسم میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ تو میرا ایک وسیلہ تھی' میرے دشمن تک پہنچنے کا محفوظ راستہ مگر یہ مقام اس قدر جلد آ جائے گا' اس کی بہرحال مجھے توقع نہیں تھی۔ اسی احساس نے میری کیفیت میں ہلچل برپا کر دی تھی جسے قابو میں کرنے کے لئے مجھے چند لمحے لگے۔ ایسے ہی منتشر لمحوں میں شاردا کی سوچوں کا طلسم ٹوٹا' اس نے سر اٹھا کر گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور پھر دھیرے سے بولی۔

"کیا دیکھ رہے ہو میری طرف۔۔۔؟"

اس کے لہجے میں جذباتیت گھلی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بلا جھجک کہا۔

"یہی کہ عورت کا چہرہ کتنا معصوم ہوتا ہے مگر ذرا سا منفی انداز اس کے حسن کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ جیسے پھول فطری طور پر نفرت کے اظہار کے لئے بنایا ہی نہیں گیا۔ انسان ہونے کے ناتے عورت کا اپنے جذبات و احساسات کا اظہار نہ کرنا' غیر فطری ہو گا لیکن پھر بھی اچھا نہیں لگتا کیونکہ اس میں عورت پن مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"تم شاعری بھی کر لیتے ہو۔۔۔؟" اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر خوبصورتی کو محسوس کرنا اور پھر اس خوبصورتی کو بیان کرنے کی کوشش کرنا شاعری ہے تو

بلاشبہ میں شاعر ہوں----" میں نے کہا تو وہ ہنس دی۔ میں نے ایک طویل سانس لیا اور کہا۔ "اصل میں' شاردا! کوئی کتنا بھی بھاگے' کتنے ہی بھاری بھرکم فلسفے اور دلیلیں اٹھا لائے لیکن عورت کے قرب میں مرد بہت بڑے بڑے دعوے کر جاتا ہے اور ان میں سے بہت سارے دعوے سچ ثابت کر دکھاتا ہے۔ یہ کیسی طاقت ہے' شاردا! کیا یہ عورت کے قرب کا کوئی جادو ہے یا کوئی انسانی فطری پہلو---؟"

میں ٹھہرے ہوئے لہجے میں لفظ لفظ کہتا چلا گیا تو وہ دم بخود میری جانب دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں ذرا سی پھیل گئی تھیں جن میں حیرت جمی ہوئی تھی۔ فطری اور بے ساختہ عمل کہاں چھپ سکتا ہے۔ ان پگھلتے لمحوں میں اس نے میری جانب دیکھا تو میں نے اس کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ جو عورت کو معمہ خیال کرتے ہیں یا کوئی پراسرار شے' بلاشبہ وہ ٹھیک سمجھتے ہیں کیونکہ عورت کو تلاش کرنا' اس کو تہہ در تہہ کھولنا اور پھر کھولتے ہی چلے جانا' دراصل حسن کی جستجو ہے۔ عورت بہت حسین ہے' وہی عورت جو دھیرے دھیرے' پرت در پرت وقت کے ساتھ ساتھ کھلتی چلی جائے تو مرد آسودہ ہو سکتا ہے۔ وہ مرد بڑے کم حوصلہ اور بے صبرے ہوتے ہیں جو عورت کو بے حجاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو انتظار نہیں کر پاتے' ان میں قوت برداشت ہی نہیں ہوتی۔ بے صبری میں فوراً ہی' عورت کو دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں جیسے اچانک تیز روشنی' حواس مختل کر کے رکھ دیتی ہے۔ وہ حسن کی تہوں تک رسائی ہی نہیں پا سکتے تب پھر عورت کو ہی موردالزام ٹھہرا کر اسے قابل نفرت گردان دیا جاتا ہے۔ اس میں قصور عورت کا نہیں ہوتا بلکہ وہ کمزور مردوں کی فضول کوشش اور اپنے کم حوصلہ ہونے کو چھپا لینے کی ناکام کاوش ہوتی ہے۔" میں کہتا چلا گیا تو شاردا نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے پوچھا۔

"عامر! کیا تم عورت کے بارے میں ایسے ہی خیالات رکھتے ہو؟" اس کی آواز میں لرزش واضح تھی۔

"اس میں شک کیا ہے؟--- عورت کے بارے میں ایسی ہی خیالات ہونے چاہئیں۔" میں نے عام سے انداز میں کہا۔

"نہیں بات شک کی نہیں لیکن تم لندن جیسے آزاد ماحول سے آئے ہو' وہاں کا طرز زندگی اتنا بے حجاب اور کھلا ہوا ہی کہ ایسے خیالات کچھ عجیب سے لگتے ہیں۔"

"شاردا! میں کوئی درویش' سادھو یا راہب نہیں اور نہ ہی میں نے ایسا کبھی دعویٰ کیا ہے۔ ماحول اپنی جگہ لیکن خیالات پر پابندی تو نہیں لگائی جا سکتی---" میں نے کہا۔

"تمہاری بات سے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے تم نسوانی وجود کی پراسرایت سے ناواقف ہو--- یا پھر تم اس وادی کی بہت زیادہ سیاحت کر چکے ہو؟"

"میں پھر اپنی ہی بات کہوں گا' شاردا! کہ یہ سیر و سیاحت کا تجربہ اپنی جگہ' میں نہ تو اس سے انکار کرتا ہوں اور نہ ہی اس کا اقرار۔ میں اپنے تجربات نہیں' خیالات بتا رہا ہوں---"

میں نے دھیرے سے کہا تو وہ ہنس دی' پھر بولی۔

"مجھے تم بڑے پراسرار دکھائی دیتے ہو---"

اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بھرپور ادا سے کہا مگر میرے اندر اس کے لئے برف اتری ہوئی تھی' ایسی برف جو اس کی اداؤں کی دھوپ میں پگھل نہیں سکتی تھی۔ فطری تقاضے' جنس مخالف کی کشش اور بے حجاب ماحول ان لوگوں کی زندگی میں ہلچل مچاتا ہے' جنہیں اپنی ذات پر اعتماد نہ ہو اور انہیں اعتماد کبھی نصیب نہیں ہوتا جو بے مقصد زندگی گزار رہے ہوں۔ بامقصد شخص کے لئے فطرت بھی تربیت کا بندوبست کر دیتی ہے اور وہ تربیت ہی کیا جو خود پر قابو رکھنے میں مددگار ثابت نہ ہو--- میں اس کی بات پر دھیرے سے ہنس دیا' کوئی ایک لفظ بھی نہیں کہا کیونکہ اس پر کہا گیا ایک بھی لفظ سارے طلسم کو توڑ کر رکھ دیتا۔ ہمارے درمیان خاموشی مزید گہری ہو گئی' یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا۔ میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچا تو شاردا نے بھی نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں کا کھانا تمہیں کیسا لگا---؟"

"بلاشبہ تمہاری طرح پرلطف اور مزیدار---"

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی۔ میری یہ نظر خاصی بے حجاب تھی جس سے وہ لاشعوری طور پر سمٹ کر رہ گئی۔ یہی وہ لمحہ تھا جس نے مجھے شاردا پر دسترس کا اعتماد بخش دیا۔ میں دھیرے سے مسکرا دیا تو اس نے بھی شرما کے نگاہیں چرا لیں--- اصل میں ہم جنس کو محض لذت کا ایک وسیلہ سمجھتے ہیں۔ جس کا پہلا احساس تسکین اور پھر نسل نو کی تخلیق کی خواہش کارفرما ہوتی ہے جبکہ جنس کا مقصد فقط تسکین اور تخلیق ہی نہیں بلکہ یہ وہ جوہر حیات ہے جس سے انسانی جسم میں بے پناہ صلاحیتوں کو وہ طاقت اور تحریک میسر آ جاتی ہے جس سے حیران کن عمل معرض وجود میں آ سکتے ہیں۔ اجلی سوچ ہی اس قوت کو مثبت افعال کی طرف لے جاتی ہے جہاں یہ صلاحیتوں کے اظہار کے لئے حیرت انگیز بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ اس قوت کے جوہر حیات کو محض تسکین کے لئے استعمال کر لے یا پھر بے پناہ صلاحیتوں کے اظہار کے لئے بنیاد بنا لے۔ جنس ایک اندھی قوت ہے۔ اب یہ سوچ ہی ہے جو اسے اپنی انگلی تھما کر موت کے گڑھوں میں لے جائے یا پھر اوج کمال تک پہنچا دے۔ میں اس قوت کو استعمال کرنے سے بخوبی واقف تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس قوت کو کہاں اور کیسے اپنے کام میں لا سکتا ہوں۔ شاردا مجھے میری منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بن گئی تھی' میں اس وسیلے کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں اس کی طلب سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اگرچہ شاردا کے لئے رسد کی کوئی کمی نہیں تھی' وہ جب چاہے' اپنی طلب پوری کر سکتی تھی لیکن طلب و رسد کے اس جھمیلے کو

میں اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا--- ہم ڈنر کے بعد نکلے تو ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ پارکنگ تک جاتے ہوئے ہم تھوڑا بھیگ بھی گئے تھے۔ شاردا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ممبئی کے ان بادلوں کا بھی اعتبار نہیں۔ پتہ ہی نہیں چلتا' کب برس جاتے ہیں---"

"یہ تم شکوہ کر رہی ہو یا مجھے معلومات دے رہی ہو---؟" میں نے ونڈاسکرین پر چلتے وائپرز پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"نہیں--- بس ایسے ہی ذہن میں ایک بات آئی تو کہہ دی۔" اس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ پھر گاڑی بڑھاتے ہوئے بولی۔ "ممبئی والے تو اس کے عادی ہیں۔ بس انہی دنوں میں یہ بارش زیادہ ہوتی ہے ورنہ باقی دنوں میں' یعنی نومبر سے اپریل تک تو بہت کم بارش ہوتی ہے۔" وہ سڑک پر نگاہیں جمائے بولی۔ پھر میری جانب دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تمہیں بارش اچھی لگتی ہے---؟"

"ہاں' مجھے بارش اچھی لگتی ہے لیکن اس سمے جب میں خود سلگ رہا ہوں۔ تب میں یہ لمحات جنگل میں گزارنا چاہوں گا جہاں گھنے پیڑوں کے درمیان سے دور سمندر کا ساحل دکھائی دے رہا ہو۔ ہریالی اور ریت کے امتزاج میں جنگلی پھول ہوں' تیز ہوا کے ساتھ برستے پانی میں آنکھیں بند ہو رہی ہوں۔ کوئی اپنا ساتھ ہو اور اس کے ساتھ ہونے کا شدت سے احساس ہو۔ بہت دیر تک بھیگتے رہنے کے بعد ٹھٹھرتے ہاتھوں سے کافی کا مگ تھامے آتش دان کے پاس بیٹھنا' سرگوشیوں میں باتیں کر کے سرشار ہونا' سب اچھا لگتا ہے مگر---"

"مگر کیا---؟" وہ تیزی سے بولی جیسے کوئی طلسم ٹوٹ جانے پر چونک کر بولے۔

"ایسا ماحول سوچا تو جا سکتا ہے' حقیقت میں نہیں ملتا---"

میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ میں اپنی بات کا رد عمل اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا جس پر ضرورت سے زیادہ تناؤ تھا۔ چند لمحوں تک کوئی رد عمل دیکھنے میں نہیں آیا' پھر وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

"یقیناً یہ خواب ناک ماحول ہوگا' بہت زیادہ رومانٹک لیکن--- لیکن' عامر! اس کو حقیقت میں دیکھنا ناممکن تو نہیں ہوگا۔ اگر انسان کوشش کرے تو میسر آ سکتا ہے ایسا ماحول۔"

"لیکن اچانک' بنا کسی پلان کے اگر ایسا ماحول مل جائے تو اس کی لذت دوگنی ہو جاتی ہے' اس کے ساتھ یہ احساس بندھا ہوا ہوتا ہے نا کہ پتہ نہیں کب یہ نعمت چھن جائے گی۔ اس اندیشے کے علاوہ' شاردا! اتنی محنت کر کے اگر وہ ماحول بنا بھی لیا جائے اور اس میں ایک بھی جز کی کمی رہ جائے تو دکھ ہوتا ہے۔" میں نے ایک آہ بھری۔

"عامر! سچ بتاؤ' یہ ایسی تشنگی تمہارے اندر کیوں ہے---؟" اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

"انسان بہت کچھ حاصل کرنے کی دھن میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھول جاتا ہے یا پھر انہیں نظرانداز کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں' وہ ذرا ذرا سی باتیں بہت اہم ہوتی ہیں۔ زندگی سے بھرپور بلکہ زندگی بخش۔ جیسے کسی شیرخوار بچے کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی بے ریا مسکراہٹ---- آج کے انسان کا المیہ یہ ہے کہ مادیت نے اسے فطرت سے دور کر دیا ہے۔ پھول کی مہک' ڈوبتے ہوئے سورج کا منظر' بادلوں سے دکھائی دیتا نیلا آسمان' جھومتا ہوا درخت' پھل کی لذت' صبح سویرے کی ٹھنڈی ہوا' یہ اور ایسی بے شمار لذتیں کیا دولت سے خریدی جا سکتی ہیں؟---- میں بھی آج کے انسانوں کی اس دوڑ میں ان باتوں کو' فطرت کی رنگینیوں کو نظرانداز کر چکا ہوں۔ میں اپنی روح کی بالیدگی کے لئے لفظوں میں نہیں اترا' کیا یہ المیہ نہیں ہے؟ لفظ بے جان نہیں ہوتے۔ یہ انسان کا اپنا احمق پن ہے کہ انہیں بے جان خیال کرتا ہے۔ یہ تو تبھی آ کر ہمکلام ہوتے ہیں جب لفظوں کو معلوم ہو کہ یہ شخص ہمکلام ہونے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ مجھے اب احساس ہوا ہے کہ میں لفظوں کو منانے کا ہنر نہیں جانتا' کیا یہ المیہ نہیں ہے' شاردا----؟" میں جذبات کی رو میں کہتا چلا گیا پھر اچانک مجھے احساس ہوا تو معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "لو' میں بھی کیا کہتا چلا جا رہا ہوں---- سوری' شاردا----!"

"نہیں' عامر! تم بہت اچھا کہہ رہے ہو۔ دل چاہتا ہے' تمہیں سنتی رہوں۔"

اس نے دھیرے سے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو میں زیرِلب مسکرا دیا۔ تب ہمارے درمیان خاموشی پھر سے آن ٹھہری۔ میں نے مزید باتوں سے بچنے کے لئے سی ڈی پلیئر آن کر دیا' آشا بھونسلے کی آواز موسیقی کے سنگم میں گونجنے لگی۔

✿✿

راہول لاج کے پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہی شاردا نے میری جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"آؤ' کافی پیتے ہیں۔"

"نہیں' رات بہت گہری ہو گئی ہے۔ پھر صبح دفتر کے لئے دیر ہو جائے گی۔"

"ہمیں کس نے پوچھنا ہے۔ جب چاہیں' چلے جائیں گے----" وہ بولی۔

"میرے اندر ایک شخص بیٹھا ہے' شاردا! وہ مجھ سے پوچھتا ہے اور اس کی ڈانٹ میں برداشت نہیں کر سکتا---- صبح ہم نے ایک اہم میٹنگ کرنی ہے اس لئے فریش ہو کر آنا---- شب بخیر!"

میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو اس نے دھیرے سے "شب بخیر" کہا۔ میں نے باہر نکل کر دروازہ بند کیا اور گیسٹ ہاؤس کی جانب چل دیا۔ انارکلی میرے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ میرے سٹنگ روم میں داخل ہوتے ہی اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ

مجھے چند لمحوں تک دیکھتا رہا اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"اس اندھیری رات والی شاردا اور آج کی شاردا میں کوئی فرق محسوس ہوا۔۔۔؟"

"بہت زیادہ۔۔۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مطلب۔۔۔؟"

اس نے وضاحت چاہی تو مجھے اچھا نہیں لگا۔ اگرچہ میرے نزدیک اس کی اہمیت ایک ملازم کی نہیں' کچھ اور تھی مگر میں وضاحتوں کو پسند نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اس کا طلبگار مجھے اچھا لگتا تھا۔ میں نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی نے مجھے کوئی سخت لفظ کہنے سے روک دیا۔ تبھی میں نے کہا۔

"مطلب' وہ دوستی چاہتی ہے اور یہی بات میں چاہ رہا تھا۔"

"عامر بابو! سانپ کے ساتھ کھیلنے سے پہلے اس کا زہر نکال دینا ہی عقل مندی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کا خیال ضرور رکھو گے۔"

انار کلی نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے مجھے تنبیہہ بھی کر دی تو میں ہنس دیا۔

"فکر نہ کرو' انار کلی! میں اس کا خیال رکھوں گا۔"

میں نے کہا اور اٹھ گیا' میرا رخ اپنے بیڈ روم کی طرف تھا۔

✿✿

اگلی صبح بڑی روشن تھی۔ میں جب بیدار ہوا تو فریش تھا۔ چند لمحے بیڈ پر پڑے رہنے کے بعد میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ بادل کہیں نہیں تھے' دھوپ کی اٹھان سے لگتا تھا کہ یہ بڑا ہی روشن دن ہوگا۔ میں نے کھڑکی کھول کر تازہ ہوا کو اپنے اندر کھینچا تو نم آلود ہوا کے ساتھ لان میں سجے پھولوں کی مہک نے مسحور کر کے رکھ دیا۔ ان لمحات میں میرا بڑا دل چاہا کہ ورزش کے لئے نکلوں۔ میں کچھ دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا اور پھر اس خواہش کو دباتے ہوئے باتھ روم میں گھس گیا۔ میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آیا تو سریتا پہلے ہی سے وہاں موجود تھی' بلاشبہ اس کی آمد سے مجھے خوشگواریت محسوس ہوئی تھی۔

"کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" میرے بیٹھنے سے پہلے ہی اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے مسکرا کے پوچھا۔

"ایک دم ٹھیک ہوں اور ایک بات کہوں' سریتا!" میں نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"جی' کہیں۔۔۔" وہ ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تمہارا چہرہ دیکھ کر میں تازہ دم ہو جاتا ہوں' اس کا احساس مجھے ابھی ہوا ہے۔"

میں نے کہا تو وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے حیرت سے بولی۔

"ارے واہ' ہم ایسے ہیں؟ یہ بھی مجھے ابھی پتہ چلا---"

اس نے میری نقل میں کہا تو میں قہقہہ لگا کے ہنس دیا اور وہ بھی گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔ پھر گلاس میری طرف بڑھایا اور ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے بولی۔

"تو' جناب! کیسا رہا آپ کا ڈنر--- کوئی کام کی بات بھی ہوئی یا---؟"

"تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو---؟" میں نے سپ لے کر گلاس واپس رکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو آپ کو بھی پتہ ہے کہ اس وقت حالات اس کے گرد ہی گھوم رہے ہیں---؟"

"تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم من لگا کر پڑھو' میں سب ٹھیک کر رہا ہوں۔"

میں نے کہا تو وہ ایک دم سے خوش ہو گئی اور بڑے ہی جذباتی انداز میں میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے واقعی چنتا نہیں کرنی چاہئے اور مجھے کنفرم ہو گیا کہ دیدی سے آپ کی میٹنگ کامیاب رہی ہے۔"

"ایسا ہی ہے---" میں نے کہا تو اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ مجھے وہ اچھی لگی۔ خوشی' معصومیت اور حسن کا خوبصورت امتزاج مجھے سرشار کر گیا۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ مجھ سے جتنا ہو سکا' اسے خوشی دینے کی کوشش کروں گا۔ اس خواہش میں کہیں بھی آلودگی نہیں تھی بلکہ اس نکھری' شفاف اور پاکیزہ خواہش پر میری روح خوش تھی۔ تبھی میں نے اسے کہا۔ "--- اور ہاں' یاد آیا۔ آج میں دوپہر کے بعد تمہیں فون کروں گا' شاید ہمیں مالتی کے ہاں جانا پڑے' تم تیار رہنا---"

"--- اور اگر آپ بھول گئے؟" اس نے یاد دلانے والے انداز میں کہا۔

"تو پھر تم مجھے فون کر لینا---"

اس دوران ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے تو میں اٹھ گیا' وہ بھی میرے ساتھ ہی چل دی۔ گیسٹ ہاؤس کے پورچ میں ڈرائیور گاڑی لئے کھڑا تھا۔ میں اس میں بیٹھا تو سرتا الوادعی انداز میں ہاتھ ہلانے لگی--- میں راہول لاج سے نکل کر چند میٹر ہی بڑھا تھا کہ میرا فون بج اٹھا۔ میں پہلی نگاہ میں نمبر نہ پہچان سکا مگر وہ مجھے جانے پہچانے سے لگے' بہرحال میں نے فون رسیو کیا تو دوسری جانب شیتل ورما تھی۔

"کیسے ہیں آپ---؟" اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہوں--- تم سناؤ' اتنے دن بعد یاد کیا؟" میں نے محتاط انداز میں پوچھا' مجھے احساس تھا کہ ڈرائیور میری بات سن رہا ہو گا۔

"آپ سے ملاقات کا نشہ ہی اتنا تھا کہ مجھے اپنا بھی ہوش نہیں رہا۔ بلاشبہ آپ جادوگر ہو۔"

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم اتنے دنوں بعد۔۔۔"

"وہی بتا رہی ہوں نا' ڈارلنگ! دو دن تک میں اپنے کمرے ہی سے نہیں نکلی' پھر میں فلائیٹ کے ساتھ چلی گئی۔ آج بلکہ ابھی لوٹی ہوں۔ اب چند دن پھر مل جائیں گے اور ان دنوں میں آپ سے ملنا چاہوں گی۔" اس کا لہجہ ہنوز خمار آلود تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی تم آرام کرو' میں پھر بات کروں گا۔"

"ہاں' یہ سچ ہے۔ میں خود ہی آپ کو رابطے میں رکھوں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے الوداعی باتیں کیں اور فون آف کر دیا۔ میں نے لاشعوری طور پر فون کی روشن سکرین کو دیکھا اور پھر مجھے وہ بھیگی ہوئی رات یاد آنے لگی۔ مجھ پر یہ کیفیت لمحاتی تھی' پھر میں اپنے آپ میں آ گیا۔

✿✿

میری توقع کے عین مطابق راجپوت آفس نہیں آیا تھا۔ میں تھوڑی دیر اپنے آفس میں رہا اور پھر شاردا کے پاس چلا گیا۔ پہلی نظر میں ہی مجھے تبدیلی کا احساس ہو گیا۔ وہ آفس میں کبھی اتنا بولڈ لباس پہن کر نہیں آتی تھی جتنا اس دن تھا۔ آف وائٹ رنگ کی گہرے سبز رنگ کے بارڈر والی ساڑھی' جس کا بلاؤز بہت ہی مختصر تھا' ہلکے میک اپ اور سلیقے سے سنوارے بالوں کے ساتھ وہ میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اپنی کرسی سے اٹھ گئی اور ایک طرف دھرے صوفے کی جانب آتے ہوئے مجھے اس کی پشت دکھائی دی جو اس سامنے سے بھی زیادہ روشن تھی۔ میں زیرلب مسکرا دیا' اب ایسا تو ہونا ہی تھا۔ میں نے اس طرف سے نگاہ ہٹائی اور اس کے سامنے والے صوفے پر جا بیٹھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں نے اسے یہ سمجھانے میں صرف کیے کہ ہمیں کس طرح کے نئے لوگ رکھنے ہیں' نئی مشینری کیسی ہو' دفتر میں کیسی تبدیلی ہونی چاہئے اور مارکیٹ میں کیسے پھر سے اٹھان ممکن ہو گی۔ بلاشبہ اس نے بڑی سنجیدگی سے باتیں کیں جس کا اختتام اس فیصلے پر ہوا کہ میں جو چاہوں سو کروں کیونکہ یہ مجھے ہی کرنا ہے اور اس کے ذمے یہی ہے کہ وہ شرد چندر اگاشی کے بارے میں ہر ممکن معلومات اکٹھی کر کے مجھ تک پہنچا دے گی۔ گفتگو کے اختتام پر چائے پینے کے دوران میں نے پہلا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سنیل بھاٹیہ کو بلوایا' وہ تھوڑی دیر بعد آ گیا اور بڑے مودب انداز میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ وہ اپنی خستہ حالی کے ساتھ میرے سامنے تھا۔ میں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ سنیل! بیٹھو۔۔۔"

میرے یوں کہنے پر وہ حیران ہو گیا مگر میرے لہجے کی سنجیدگی سے وہ الجھن زدہ انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ مسلسل میری جانب دیکھے جا رہا تھا' تب میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سنیل! اگر تمہیں راہول ٹیکسٹائل کا جنرل مینجر بنا دیا جائے تو تم یہ ذمہ داری سنبھال لو گے؟"

"میں' سر! میں؟" وہ گڑبڑا گیا اور اس نے شاردا کی طرف دیکھا' پھر اپنی عینک درست کی۔

"ہاں' تم ---!"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اتنی دیر میں حیرت کے جھٹکے سے باہر آ گیا تھا' دھیرے سے بولا۔

"جی' اگر مجھے یہ ذمہ داری دی جائے تو میں نبھانے کی پوری کوشش کروں گا' پھر آپ بھی تو میری راہنمائی کریں گے۔"

"تو ابھی سے تم اس ذمہ داری کو سنبھال لو۔ اپنے آرڈر ٹائپ کرلاؤ' شاردا جی دستخط کر دیں گی۔ راجپوت اب یہاں نہیں ہو گا۔ پھر اس کے بعد تم نے کیا کرنا ہے' وہ میں تمہیں پوری تفصیل کے ساتھ بتادوں گا' میرے آفس میں آجانا --- تم باصلاحیت ہو اور تمہیں موقع دیا جا رہا ہے اپنی صلاحیتیں منوانے کا' مجھے امید ہے کہ تم کامیاب رہو گے۔"

میرے یوں کہنے پر اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا اور وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

"جی' سر! میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی توقع پر پورا اتروں۔"

"ٹھیک ہے' تم تھوڑی دیر بعد میرے آفس میں مجھے مل لینا ---"

میرے کہنے پر وہ جلدی سے اٹھا اور نمسکار کہتا ہوا واپس چلا گیا۔ مجھے ہلکی سی توقع تھی کہ شاید اس پر شاردا کوئی تبصرہ کرے لیکن اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

دوپہر کے بعد جب میں آفس سے اٹھا' تب میں بہت ساری تبدیلیوں کے بارے میں فیصلے کر چکا تھا۔ سنیل بھاٹیہ جنرل مینجر کی حیثیت سے اپنی کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا تھا' میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے --- میں واپس گیسٹ ہاؤس آ گیا اور کھانے کے بعد سکون سے اپنے بیڈ پر آ لیٹا۔ اس دن میں نے راہول کے معاملے میں تھوڑا خود کو پرسکون محسوس کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اندھیری رات میں طلوع صبح کے آثار آسمان پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ میری دشمن ہی مجھے شروچندر اگاشی تک پہنچانے کا وسیلہ بنے گی۔ میں جو لندن سے ایک منصوبہ اپنے ذہن میں لے کر چلا تھا' اب تک ویسا ہی ہو رہا تھا۔ مزید آگے کیا ہونا تھا' وہ میرے ذہن میں تو تھا لیکن ضروری نہیں ہوتا کہ سب کچھ ویسا ہی ہو جیسا ہم سوچیں۔ اسی ادھیڑبن میں تقریباً دو گھنٹے گذر گئے' نیند کا ایک ذرا سا بھی میری آنکھوں میں نہیں اترا تھا۔ انہی بے چین لمحوں میں سریتا کا فون آ گیا۔

"ہیلو' عامر بابو! کہئے کیا پروگرام ہے؟"

"کیا تم مالتی کے ہاں جانے کے لئے تیار ہو ---؟"

"آپ کنفرم کریں کہ جانا ہے تو تیار ہو جاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تمہارے پاس آدھا گھنٹہ ہے' اس کے بعد ہم نکل چلیں گے ---"

میں نے کہا تو اس نے تیار ہونے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس وقت مجھے راہول بڑا یاد آ رہا تھا۔ میں نے اس کے نمبر پش کیئے تو دوسری بیل پر اس نے فون رسیو کر لیا۔

"---اور تمہیں میری یاد آ گئی؟" اس نے میری ہیلو سننے کے بعد فوراً کہا۔

"ارے بدھو! میں تمہیں بھولا کب تھا اور ان حالات میں بھولنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ دن رات راہول' راہول' راہول---"

"تو پھر ایک بار بھی مجھے فون کیوں نہیں کیا؟--- تم اس کا جواب مجھے دے سکتے ہو کہ میں تمہیں کال کر لیتا۔ میں نے صرف اس لئے نہیں کیا کہ ہو سکتا ہے' اس میں تمہاری مصلحت ہو۔"

"---اور میں نے تمہیں اس لئے فون نہیں کیا کہ کوئی اہم بات ہو گی تو تمہیں کہوں گا' ویسے تو تمہیں یہاں کے بارے میں سریتا بتاتی رہی ہے--- خیر بتاؤ' سمرن کیسی ہے' بچے کیسے ہیں---؟"

"سب ٹھیک ہیں' بھگوان کی کرپا ہے---"

اس نے کہا تو میں نے یہاں کے بارے میں اسے تفصیل سے بتایا' کچھ اس سے طے کیا اور پھر آخر میں پوچھا۔

"سمرن کیا سوچ رہی ہو گی' اس کی بے چینیاں کم ہوئیں' اس نے کوئی کوشش کی اپنی ماں سے ابطہ کرنے کی---؟"

"میری پریشانی دور ہوتے ہی وہ ٹھیک ہو گئی' اسے صرف مجھ سے غرض ہے' باقی میرا نہیں خیال کہ اس نے اپنی ماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہو گی--- خیر' تم اس سے بات کر لینا۔"

"میں کسی وقت اس سے بات کروں گا۔ اسے میری طرف سے ڈھیر ساری تسلی دینا۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد واپس لوٹ آؤں گا۔"

"ہمیں تمہارا شدت سے انتظار ہے---"

اس نے جذباتی سے لہجے میں کہا۔ یہی وقت تھا جب میں نے بات ختم کرنے کا سوچا۔ تبھی الوداعی کلمات کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔ میں چند لمحے بے وزنی کی سی حالت میں رہا۔ مجھے بالکل احساس نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں' کیسے ہوں اور کیوں ہوں۔ اچانک مجھے سریتا کا خیال آیا تو میں جلدی سے اٹھ گیا۔

✿✿

شام ڈھلنے میں ابھی تھوڑا وقت تھا جب میں اور سریتا اس چال میں جا پہنچے جہاں لکشمن راؤ اور اس کی بیٹی مالتی رہتی تھی۔ سریتا نے گاڑی روکی اور بند کر دی تو میں نے اوپری منزل کے کاریڈور میں دیکھا' وہی غربت اور افلاس کا احساس بکھرا ہوا تھا۔ کابک نما گھروں میں رہنے والے خستہ حال لوگ جو اپنی حسرتوں' مجبوریوں اور روشن دنوں کی آس میں زندگی کا زہر پیتے چلے جا رہے تھے۔ ایک دم سے

تلخی کا احساس مجھے مضمحل کرنے لگا تو میں نے اس احساس کو جھٹک دیا۔ میں گیٹ کھول کر باہر آگیا تو دھیرے دھیرے چلنے والی ہوا نے مجھ پر خوشگوار اثر ڈالا۔ سریتا گاڑی لاک کر چکی تو ہم دونوں ان بوسیدہ اور خستہ حال سیڑھیوں کی جانب بڑھے جو ہمیں اوپری منزل کی جانب لے جانے والی تھیں۔ ہم آگے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئی اوپر لکشمن راؤ کے دروازے تک جا پہنچے' سریتا نے دستک دی تو اندر سے لکشمن راؤ کی آواز ابھری۔

"کون ہے---؟"

"میں ہوں سریتا اور میرے ساتھ عامر بابو ہیں---"

"ارے---" اس کی حیرت زدہ آواز آئی' پھر جلدی سے بولا۔ "ارے آؤ' آؤ' دروازے پر کیوں کھڑے ہو---"

ہم دونوں اندر چلے گئے۔ لکشمن راؤ ایک خستہ حال کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی کتاب ایک طرف رکھی اور کھڑے ہو کر' دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ میں نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ اتنے میں مالتی بھی ایک کپڑے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی برآمد ہوئی۔ اس کے چہرے پر بھی خوشی ٹپک رہی تھی۔ وہ جلدی سے ایک کرسی لے آئی' میں بیٹھ گیا تو وہ دونوں اندر کہیں چلی گئیں۔

"کیسے ہیں آپ---؟"

میں نے لکشمن راؤ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ تلخ سی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں' زندہ ہوں--- تم سناؤ بابو' کیسے ہو؟"

حال احوال کے بعد کچھ دیر تک ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے' تبھی اس نے کہا۔

"لگتا ہے' عامر بابو! اب آپ کے حالات ٹھیک ہو گئے ہیں؟"

"جی ہاں--- آپ نے پہلے ہی سے مجھے حالات کے بارے میں خبردار کر دیا تو ان پر قابو پانے میں آسانی ہو گئی۔ ابھی بہرحال اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔" میں نے جواب دیا اور تھوڑی بہت ادھر ادھر کی تفصیل کے بعد کہا۔ "اب تو مارکیٹ میں جگہ بنانے کے لئے کسی نہ کسی سیاست دان کی ضرورت ہے۔"

"ہاں' ایسا ہونا ہی ہے کیونکہ اس ممبئی نگریا میں انڈر ورلڈ کے بڑے روپ ہیں۔ جتنا ہمیں دکھائی دیتا ہے' وہ تو کچھ بھی نہیں۔ اگر وہ سارا ہی ظاہر ہو جائے تو وہ انڈر ورلڈ ہی کیا---؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے یہاں آکر احساس تو ہوا ہے لیکن چونکہ میں اس کے بارے میں پوری طرح جانکاری نہیں رکھتا اس لئے پوری طرح سمجھ نہیں پا رہا۔ یہ اشارہ بھی مجھے شاردا ہی نے دیا ہے۔ اس نے ہی مجھے

بتایا ہے کہ یہاں کوئی ایک شرد چندر اگاشی نام کا سیاستدان ہے اور۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ وہ بڑی تیزی سے سیاست میں اپنی جگہ بنا رہا ہے۔ وہ بھی کپڑے کے کاروبار سے تعلق رکھتا ہے مگر وہ جو دکھائی دیتا ہے' ویسا نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔۔۔؟" میں نے بڑے تحمل سے پوچھا۔

"عامر بابو! جس تیزی سے وہ آگے بڑھ رہا ہے' اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی قوت ہے جیسے شیوسینا کا بال ٹھاکرے بھی پوری طرح اپنے فیصلوں میں بااختیار نہیں ہے' اس کے پیچھے ان دیکھے لوگ ہوتے ہیں۔ اب تم یہ سوال کرو گے کہ یہ کیسے معلوم ہوتا ہے تو' بیٹے! اس کے لئے ہمیں چند سال پیچھے جانا پڑے گا۔ اس وقت ماحول اور حالات کیا تھے' کون لوگ تھے سامنے' یہ لوگ اچانک کہاں سے آ گئے' ان لوگوں کا ایجنڈا آخر کار کن لوگوں کو فائدہ دے رہا ہے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ان کا ایجنڈا' ان کے مقاصد' ان کے پروگرام کس سمت نشاندہی کر رہے ہیں۔ بابری مسجد کو منہدم کیا گیا ہے تو آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ اور ایسے بہت سارے سوال جب ہم سوچتے ہیں اور ان کے جواب ہمارے سامنے آتے ہیں تو سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔۔۔"

لکشمن راؤ مجھے سمجھانے کے انداز میں اپنی بات کہہ رہا تھا مگر میں یہ سب سمجھتا تھا۔ بھارتی مسلمانوں پر مظالم کی ایک ناقابل فراموش داستان میرے ذہن میں تھی۔ مجھے یہ سب نہ صرف بتایا گیا تھا بلکہ میں نے اسے اپنی نگاہوں میں بھی رکھا تھا جس وقت بابری مسجد کا انہدام ہوا تھا' وہ 6 دسمبر 1992ء کا دن تھا۔ ان دنوں میں لاہور میں پڑھنے کے لئے آیا تھا۔ اس وقت مجھے مسلمانوں کے جذبات کا احساس بھی تھا اور خود مجھے اس کا اتنی شدت سے احساس ہوا تھا کہ بعد میں اس کی پوری تفصیلات کو میں نے پڑھا تھا۔

مسلمانوں کے خلاف ہندو نفرت تو اس دن شروع ہو گئی تھی جب پہلے مسلمان نے سرزمین برصغیر پر قدم رکھا تھا۔ ہندوازم اپنا تحفظ نہیں کر پایا اور اسلام برصغیر میں پھیلتا چلا گیا۔ اس کی جو بھی وجوہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہیں کے لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے بغیر کسی جبر کے اسلام قبول کیا۔ ہندو کی نفرت تو تھی ہی لیکن برہمن کی نفرت اس لئے ہوئی کہ ہندوازم کی آڑ میں جو برہمن یہاں کے لوگوں پر حکومت کر رہا تھا' اس کی حکمرانی کو بہت بڑا دھچکہ لگا۔ تصور کریں کہ وہ شخص جو برہمن کے اشارے پر' برہمن کے طریقے کے مطابق مورتی پوجا کرتا ہے' پھر برہمن کو دان بھی دیتا ہے اور بلاچون وچرا اس کے احکامات بھی بجا لاتا ہے' وہی شخص قبول اسلام کے بعد اس برہمن کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا تو برہمن کے دل پر کیا گزرے گی؟۔۔۔ تقسیم ہند کے بعد بھارت وجود میں آیا تو اس کے رہنماؤں نے اسے ایک "سیکولر اسٹیٹ" کے طور پر دنیا کو متعارف کرایا۔ یہ ایک جال تھا' نقاب تھا جو ہندو لیڈران نے خود پر چڑھایا ہوا تھا ورنہ اس کے اندر برہمن ازم کا بھیانک چہرہ چھپا ہوا

تھا۔ وہ موہن داس جسے بھارتی مہاتماگاندھی کے نام سے جانتے ہیں اور اسے محسن مان کر "باپو" تسلیم کرتے ہیں۔ اس شخص نے قیام بھارت کے لئے خدمات سرانجام دیں۔ عمر بھر "رام راج" کے لئے وقف کر دی لیکن وہ اچھوت کا اچھوت ہی رہا کیونکہ اس کا تعلق برہمنوں سے نہیں تھا' وہ غیر برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسے مندروں میں مذہبی رسومات میں شامل نہیں ہونے دیا گیا لہٰذا اس نے نچلی ذات میں شامل ہونا ہی بہتر سمجھا اور بزعم خود ان کی عزت افزائی کے لئے انہیں "ہریجن" کا نام دیا' جس کا مطلب دیوتا کی اولاد ہی تھا۔ اس مقصد کے لئے گاندھی نے اپنے اخبار کا نام بھی ہریجن ہی رکھا۔ ہریجن دیوتا کی اولاد تو بن گئے مگر برہمن جیسی عزت افزائی نہ پا سکے۔ وہ مہاتما تو بن گیا لیکن اچھوت ہی رہا۔ وہ برہمن ذات جو اپنے محسنوں کو بھی جائز مقام نہیں دے سکتی' وہ غیر ہندو کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟ یہ ذرا سی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھتا ہے۔ یوں بھارت میں مقیم پانچ فیصدی برہمن نے برہمن راج کے لئے پوری تیاریاں شروع کر دیں۔

1925ء میں ڈاکٹر کشورام بلرام ہیگڈے نے ایک انتہاپسند ہندو عسکریت والی تنظیم کی بنیاد رکھی تھی جسے آر ایس ایس (راشٹریہ سیوک سوئم سنگھ) کا نام دیا گیا تھا۔ یہ تنظیم اپنے بھیانک اور غلیظ مقاصد کے لئے تو سرگرم تھی ہی' تاہم اس کے ساتھ ساتھ برہمنوں کا قائم کردہ "سنگھ پریوار" بھی منظر عام پر آنے لگا۔ جس کی ذیلی تنظیمیں تو بے شمار ہیں مگر منظر پر چند ایک ہی ہیں۔ ان میں ویشوا ہندو پرشید' منانی ہندو' آریہ سماج' شیوسینا' بھارتیہ جنتا پارٹی' سنت سمیتی' مہاسبھا' بجرنگ دل' جی دل' ہندو جگرن منچ' شیوسنگھ وغیرہ ہیں۔ یہ سب شدت پسند' عسکریت پسند اور خالصتاً" ہندو تنظیمیں ہیں۔ ان میں صرف آر ایس ایس کے مقاصد کا جائزہ لے لیا جائے تو صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔ ان کے خیال میں بھارت صرف ہندوؤں کا ہے' باقی مذاہب اور ان کی ثقافت کی قطعاً" گنجائش نہیں۔ ان کے ہاں عورت کو ووٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ حکمرانی کا حق صرف آریاؤں کو دیتے ہیں۔ سنسکرت کو قومی زبان دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے ہدف پر سب سے پہلے مسلمان اور پھر دوسرے مذاہب کے لوگ ہیں۔ وہ اکھنڈ بھارت چاہتے ہیں۔ جس کے مجوزہ نقشے والا مندر وہ تعمیر کر چکے ہیں۔ ان کے ایجنڈے میں یہ شامل ہے کہ اسلحہ جمع کیا جائے' ہندوؤں کے طبقات کو مسلمانوں کے خلاف نہ صرف ابھارا جائے بلکہ ان کے خلاف استعمال بھی کیا جائے۔ تعلیم کا انداز اور نصاب خالصتاً" ہندوانہ کر کے ذہنی طور پر ہندو بنایا جائے۔ معاشی گھیراؤ کیا جائے' مسلمانوں کے علاقوں میں نائٹ کلب' ڈانس بار' شراب خانے اور طوائفوں کے اڈے بنائے جائیں تاکہ وہاں کا ماحول خراب ہو۔

میں جب لندن سے چلا تھا تو میرے مربی اور رفیق حبیب الجوزی نے اسرائیل اور بھارت کے گٹھ جوڑ کے بارے میں اشارہ کیا تھا۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اسرائیل ایجنسی نے "را" اور خصوصاً" سنگھ پریوار کو بہت حوصلہ بخشا ہے۔ 1952ء میں آر ایس ایس کے سربراہ ایم

ایس گوسوار نے اعلان کیا تھا کہ "تشدد ہمارے معاشرے کا ضروری بلکہ بہت ہی ضروری حصہ ہے۔ ہم سرجن کے نشتر کی طرح تشدد کو ہندو معاشرے سے ہندو مخالف قوتوں اور دوسرے مذاہب کو ختم کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تشدد کو بطور ہتھیار استعمال کرنا' ہماری مجبوری ہے۔"۔۔۔ یوں غیرہندو مذاہب پر تشدد کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ 1923ء میں وی ڈی سوارکر نامی شخص نے ایک نظریہ پیش کیا جسے "ہندوتا" کا نام دیا گیا۔ یہ برہمن ازم کے لئے پورا ایجنڈا تھا جسے نہ صرف قبول کر لیا گیا بلکہ اسے اپنا بھی لیا گیا۔ اس کے خیال میں بھارت میں رہنے والے مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ پہلے ہندو تھے۔ اب اگر وہ اپنا مذہب تبدیل کر چکے ہیں تو مسلمان کعبہ جائیں اور عیسائی ویٹی کن۔ اگر انہیں بھارت میں رہنا ہے تو بھارت واسی بن کر ہندو ہو جائیں اور اپنا پرانا دھرم قبول کر کے یہاں کی سنسکرتی اپنائیں ورنہ انہیں تو بھارت کو "شدھ" کرنا ہے۔ یوں ہندوتا کا نظریہ دن بدن پروان چڑھانے میں بھارتی حکومت' خفیہ ایجنسیاں اور سنگھ پریوار پیش پیش ہے جس میں اسرائیل پوری طرح ملوث ہے۔

ہندوازم مختلف عقائد' رسم و رواج اور اطوار کا مجموعہ ہے جسے ماضی سے اکٹھا کر کے ایک نام دیا گیا ہے۔ برہمن سماج' آریا سماج' شیوا سدھنا' بھاگتی اور تانتری رسم و رواج اور عقائد کا خلاصہ ہندو دھرم ہے' جسے اب سنگھ پریوار' ہندوتا کا نام دے کر اپنی مرضی کی جانب موڑ رہا ہے۔ ہندو دھرم کے اس رجحان کا اعتراف گاندھی نے 1931ء میں کر دیا تھا۔ گاندھی کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ "ہمیں اپنی آبادی کے اندر ہندو مسلم سکھ مسئلے کا سامنا ہے لیکن میں یہاں اس وقت اس مسئلے کو نہیں چھیڑوں گا بلکہ میں ایک اور اقلیت کا تذکرہ کروں گا' وہ اقلیت اچھوت کی ہے۔ یہ لفظ بھارتی ہندوؤں کے لئے ایک لعنت بن چکا ہے۔ اس سے تعلق رکھنے والے لوگ یہاں اکثریت میں ہیں۔ اچھوت ہندوازم کے لئے ایک لعنت ہیں کہ جسے اگر جڑ سے نہ اکھاڑا گیا تو ہندوازم ہی ختم ہو جائے گا۔"

وہ کیا وجہ ہے کہ برہمن اس کثیر آبادی والے اچھوت طبقے کو شعور نہیں دے رہا اور وہ کون سی قوت ہے جس کے بل بوتے پر انہیں دبائے ہوئے ہے؟۔۔۔ وہ ہے ہندو دیوتاؤں پر اندھا اعتماد' تشدد اور اچھوت کی انتہائی دگرگوں حالت۔ برہمن یہ کھیل بڑی سمجھداری سے کھیل رہے ہیں اور اس کھیل میں اسرائیل بھی شامل ہو چکا ہے۔ بلجیم کے دارالحکومت برسلز میں بھارتی سفارت خانہ مشرقی وسطٰی کی تمام تر مخالف کارروائیوں کا ریکارڈ رکھنے کی جگہ اور فرانس سے ملحقہ سوئٹزرلینڈ کے شہر بازل میں ان کا مرکزی رابطہ اسٹیشن ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر بھارت سے ہی اسرائیل کا گٹھ جوڑ کیوں ہوا؟ اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ بیشتر عرب ممالک اور خصوصاً" پاکستان ایسے ممالک ہیں جہاں اسرائیلی رسائی انتہائی مشکل امر ہے۔ اسرائیل کی اس مشکل کو بھارت اپنے سفارت کاروں کے ذریعے پورا کر رہا ہے۔ اسرائیل اپنے خفیہ معاملات اس کے ذریعے حل کروانے کے عوض ان کی عسکریت

پسند انتہاپسند تنظیموں کو تربیت دے رہا ہے اور روس کے ختم ہونے کے بعد انہیں امریکہ میں مقام دلا رہا ہے۔ اسرائیلی گٹھ جوڑ کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی نے کھل کر اپنے مسلمان دشمن ہونے کے ثبوت، فراہم کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ جو تاریخ کے اوراق پر ثبت ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک طرف وہ انتہائی شدت سے مسلمان کش افعال میں انتہائی سرگرم ہیں اور ہم بسنت اہتمام سے مناتے ہیں۔ ذرا سی عقل والا انسان یہ دیکھ سکتا ہے کہ آخر ملٹی نیشنل کمپنیاں اور وہ کمپنیاں جن کا تعلق امریکہ یا یہودیوں سے ہے' وہ بسنت اور پتنگ بازی کو ہی کیوں فروغ دے رہی ہیں۔ کیا بسنت منانے والا مسلمان اس سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ وہ کسی کو بھی جواب نہ دے' بس اپنا منہ اپنے گریبان میں ڈال کر ایک لمحہ کو سوچے کہ وہ کس عمل میں ملوث ہے اور کس کا کام کر رہا ہے؟

"کہاں کھو گئے ہو' عامر بابو۔۔۔؟"

لکشمن راؤ نے کہا تو میں اپنے خیالات سے نکل آیا۔ میں نے ایک لمحہ اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا۔

"لکشمن جی! یہ انسان کس طرف جا رہا ہے؟ وہ انسان جو اپنے آپ پر حکومت نہیں کر سکتا' وہ دوسروں کو حکومت کرنے کے لئے اپنا آپ پیش کر دیتا ہے۔ ہم قوت کیوں حاصل کرتے ہیں' اس لئے نا کہ دوسروں کو اپنے دباؤ میں لے سکیں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ اسی طرح موجود ہے کہ جس طرح حکومت حاصل کی جائے گی یا جس طریقے سے قوت حاصل ہوگی' اس طرح عمل بھی ہوگا ظلم و ستم اور اذیت دے کر حاصل کی گئی قوت کا مقصد بھی تو ظلم و ستم اور اذیت دینا ہی ہوتا ہے۔"

"ہاں' بیٹا! تم نے یہ بات ٹھیک کہی ہے کہ اگر ہم اپنے آپ پر حکومت نہیں کر سکے تو دوسرے ہم پر حکومت کریں گے اور کمزوری ہی سب سے بڑا جرم ہے۔"

"آپ کی کیا مجبوری ہے' آپ اپنے آپ پر دوسروں کی حکومت برداشت کر رہے ہیں۔ اپنی بے عزتی کروا کے ایک کونے میں کیوں سمٹ گئے ہیں۔ آپ اس لڑکے کو تو جان سے مار سکتے تھے؟" میں نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو وہ ہنس دیا' اس کا قہقہہ بہت زوردار تھا۔

"تم نوجوان ہو اور جذباتی ہو۔ تم شاید مجھے پاگل سمجھو لیکن اس لڑکے کی بے عزتی نے میری زندگی بدل دی ہے۔ میں تب تک خود کو اچاریہ سمجھتا رہا۔ بھارت ماتا کا غلام اور ہندوازم کا پرچارک' جسے اپنی قوم سے بے حد پریم ہوتا ہے مگر میری آنکھیں کھل گئیں' یوں جیسے شیوا کی تیسری آنکھ میرے اندر کھل گئی ہو۔۔۔ بلاشبہ میں اس لونڈے کو مار سکتا تھا۔ اب بھی ان بوڑھے ہاتھوں میں اتنی قوت ہے کہ میں اس کا ٹینٹوا دبا سکتا ہوں لیکن' بابو! میں نے۔۔۔ میں نے وہ انتقام اپنے اندر بسالیا۔ میں نے خود کو منفی نہیں ہونے دیا۔ میں گیانی ہو گیا۔ سنیاسی تو پہاڑوں کی گھپاؤں میں جا کر جاپ کرتے ہیں۔ میں نے خود کو اس کھولی میں چھپالیا۔ یہی میری گھپا ہے اور یہیں میں نے جاپ کر کے' یہیں

تپسیا کر کے میں نے گیان حاصل کیا ہے۔ میری مجبوری صرف میری بیٹی ہے۔ یہ اپنے گھر کی ہو جائے تو میں اپنا گیان آزماؤں۔۔۔"

لکشمن راؤ نے بڑے تحمل سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سمجھایا مگر میں اسے ان لمحوں میں مشتعل کرنا چاہتا تھا اس لئے پھر سے جذباتی انداز میں کہا۔

"آپ کے اس گیان کا کیا فائدہ' ایک بیٹی کو اب تک مجبوری بنائے بیٹھے ہیں۔۔۔؟"

"مگر میں پریشان نہیں ہوں۔ میں اگر چاہوں تو محض چند دنوں میں دولت کا انبار لگا سکتا ہوں' ایسا صرف اور صرف میرے گیان کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ میں کوئی آتما یا ان دیکھی قوتوں کی بات نہیں کر رہا۔ اسی دنیا کی ان حقیقتوں کی بات کر رہا ہوں لیکن ایسا کرتے ہوئے مجھے آگ میں کودنا پڑے گا۔ جس سے میں گھبراتا نہیں ہوں۔"

" لکشمن راؤ' جی! میں نہیں جانتا کہ آپ اپنے گیان کے باعث کیا کچھ کر سکتے ہیں لیکن میں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کی بیٹی کو باعزت بیاہنے میں پوری مدد کر دوں کیونکہ میں اپنی زبان سے ایسا کہہ چکا ہوں۔"

"بیٹے! اگر ایسا ہو جائے تو میں تمہارا احسان مند ہوں گا۔ پھر اگر تمہارا کوئی کام بھی ہو گا تو میں اسے ضرور نبھاؤں گا' تب میرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہو گا اور یہ ساری چیزیں میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔۔۔ ویسے بھی میں سریتا بیٹی کا احسان مند ہوں کہ اس نے ہمارا اس وقت ساتھ دیا جب ہمیں مدد کی سخت ضرورت تھی۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ آپ میرے کسی کام آ سکتے ہیں یا نہیں' یہ بھی ممکن ہے کہ آپ میرے بہت زیادہ کام آ جائیں لیکن ان سب سے ہٹ کر میں اپنی زبان نبھانا چاہوں گا۔" یہ کہہ کر میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ "آپ نے اب تک مالتی کی شادی بارے کیا سوچا ہے؟" وہ خاموش رہا تو میں نے بات جاری رکھی۔ "آپ شادی کی تیاریاں کرو۔ جتنا روپیہ چاہئے ہو گا' میں دوں گا۔"

"آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ عامر بابو۔۔۔!" لکشمن راؤ یوں چونکا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ اب تک مجھے "تم" کہتا چلا آ رہا تھا لیکن میری بات سن کر وہ "آپ" کہنے لگا۔

"ہاں' میں۔۔۔ آپ بتائیں اور اس چال سے نکل آئیں۔ میں مالتی کو ایک نوکری کی آفر کرتا ہوں۔ وہ ادھر راہول ٹیکسٹائل کی رہائشی کالونی میں رہے گی۔ بولیں' کتنا روپیہ چاہئے آپ کو۔۔۔؟"

"میں' یوں یکدم تو نہیں بتا سکتا۔ وہ مالتی۔۔۔ میں اسے بلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے مالتی کو آواز دے ڈالی۔ چند لمحوں بعد وہ چائے لے کر سریتا کے ساتھ آ گئی۔

"میں' بابو جی! آ ہی رہی تھی۔۔۔"

اس نے ٹرے رکھتے ہوئے کہا تو لکشمن راؤ کچھ نہ بول سکا' بس مجھے اشارہ کر دیا۔ تب میں نے

سریتا سے کہا۔

"سریتا! یہ تمہاری سہیلی مالتی کی شادی پر کتنا خرچ ہونا چاہئے' اندازہ لگا کے بتاؤ---؟"

"ہائیں' کیا ایسی باتیں چل رہی ہیں---" سریتا نے مصنوعی حیرت سے کہا تو مالتی اٹھ گئی' تب سریتا نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ "ارے مالتی! بیٹھو' بڑے اہم ٹاپک پر باتیں ہو رہی ہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے بٹھا دیا۔

"مالتی! اگر تمہاری ماتا ہوتیں تو یہ مرحلے بڑی آسانی سے حل ہو جاتے۔ اب یہ سارا کچھ تمہارے بابو جی کو کرنا پڑے گا۔ ہم لوگ بھی تمہارے ساتھ ہیں' پرم پرا اپنی جگہ لیکن حالات بھی تو دیکھنے ہیں۔"

میں نے کہا تو مالتی نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ اثبات میں سر ہلا کر میری تائید کر دی۔ پھر تھوڑی دیر ایسی ہی باتوں کے بعد اندازے کے ساتھ مجھے خرچ بتا دیا۔ تبھی میں نے اسی وقت راہول کے نمبر ملا دیئے۔ چند لمحوں بعد اس نے میری کال رسیو کر لی۔

"خیریت' عامر---؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں' خیریت ہے۔ کیا تم مجھے کچھ پونڈ بھیج سکتے ہو---؟"

"ہاں' کیوں نہیں---بولو؟"

اس نے پوچھا تو میں نے وہ مطلوبہ رقم بتا دی' اتنی رقم اس کے لئے بہت آسان تھی۔ "میں چند دنوں میں ہی بھیج دوں گا۔"

"لیکن سریتا کے اکاؤنٹ میں---"

میں نے کہا تو اس نے فوراً" بھیجنے کا کہہ دیا۔ میں نے فون سریتا کو تھما دیا' وہ باتیں کرنے لگی۔ اسی دوران اس نے راہول سے پوچھا تھا کہ بھیا' آپ پوچھیں گے نہیں کہ یہ رقم کیوں چاہئے؟ فون بند ہونے پر جب لکشمن راؤ نے پوچھا تو سریتا نے بتایا' بھیا کہہ رہے تھے کہ رقم عامر نے مانگی ہے تو انہیں اس بارے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔"

اس وقت ہم چاروں کے درمیان ایک خوشگوار خاموشی تھی جیسے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہے ہوں لیکن بات کرنے کے لئے کسی بھی موضوع کا سرا نہ مل رہا ہو۔ ہم خاموشی سے چائے پیتے رہے' تبھی لکشمن راؤ نے اس خاموشی کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"بھگوان جانتا ہے' عامر بابو! نجانے آپ کو دیکھ کر مجھے یہ کیوں احساس ہونے لگا تھا کہ آپ ہی ہو جو میری مشکل حل کرو گے۔ میں آپ کا احسان بھولنے والا نہیں ہوں' مجھے---"

" لکشمن بابو! چھوڑیں اس بات کو' بس کھانا بہت اچھا ہونا چاہئے۔ اتنا اچھا اور بڑھیا کہ اس چال کے لوگ یاد کرتے رہ جائیں اور ہاں' اس لڑکے سے تو مجھے ملوائیں جس کا نام بھی مجھے معلوم نہیں'

جس سے ہماری مالتی کی شادی ہونے والی ہے۔"

میں نے خوشگوار انداز میں کہا تو مالتی برتن سمیٹتے ہوئے اٹھ گئی۔ سریتا بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔

"بھاگیشور ہے نام اس کا۔۔۔۔ تھوڑا دیر سے آتا ہے۔ بہت جلد میں اسے ملوادوں گا۔" لکشمن راؤ نے کہا۔

"تو پھر مالتی صبح سے دفتر آ رہی ہے' نا۔۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل آئے گی۔ اب تو مجھے کوئی چنتا نہیں رہی' اب تو میں۔۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ ایسے موقع پر میں نے بھی کوئی دلچسپی نہیں لی مگر میرے اندر سے ابال اٹھ رہے تھے کہ اس بوڑھے شخص کو مزید ٹٹولوں۔ پھر تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد میں یوں پوز کرتے ہوئے اچانک پوچھا کہ جیسے مجھے ابھی یہ بات یاد آئی ہو۔

"وہ بات درمیان میں ہی کہیں رہ گئی کہ یہ شرد چندر اگاشی آخر ہے کون؟ میں اس سے متعلق اس لئے جاننا چاہوں گا کہ شاردا کی خواہش ہے کہ اسی بندے کے ساتھ ہم چلیں۔ میں چونکہ جانتا نہیں اس لئے۔۔۔۔"

"چنتا مت کریں' بابو! میں اس کے بارے میں سب کچھ بتادوں گا' اس کا ظاہر بھی اور اس کا باطن بھی۔۔۔۔ فی الحال تو کچھ بھی نہیں کہہ پاؤں گا لیکن جب بتاؤں گا تو پوری تفصیل سے تاکہ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہ ہو۔"

"بہت شکریہ' لکشمن راؤ جی! میں واقعی فیصلہ کرنے میں بہت آسانی محسوس کروں گا۔" میں نے کہا اور پھر چند لمحے رک کر بولا۔ "لیکن ذرا جلدی' شاردا اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"بہت جلد' عامر جی! بہت جلد' آپ چنتا مت کرو۔" اس نے کہا اور مالتی کو آواز دے ڈالی۔ وہ آواز کی بازگشت میں آ گئی' شاید دروازے کے ساتھ ہی لگی کھڑی تھی۔ "ارے' بیٹی! شام ہو گئی ہے' کچھ کھانے کا بندوبست کیا ہے کہ نہیں؟ عامر بابو بھی یہیں کھانا کھائیں گے۔ اگر بنا سکتی ہو تو ٹھیک ورنہ میں جا کے۔۔۔۔"

"نہیں' لکشمن جی! مجھے ابھی کہیں اور جانا ہے اور کھانا پتہ نہیں کب کھا سکوں گا۔ وعدہ رہا کہ میں آپ کے ہاں آؤں گا اور بہت اچھا کھانا کھاؤں گا۔ اب مجھے اجازت دیں۔۔۔۔"

"ارے میں نے اس لئے تو نہیں کہا کہ آپ اٹھ جاؤ۔ ابھی ہم باتیں کر رہے ہیں۔" اس نے قدرے شرمندگی کے احساس تلے کہا۔

"ارے نہیں' راؤ جی! میں بس اجازت ہی چاہ رہا تھا۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اٹھ گیا۔ وہ دروازے تک آیا لیکن مالتی ہمارے ساتھ گاڑی تک آئی۔ اس وقت رات کا سرمئی پن گہرا ہو گیا تھا۔

✿✿

چال سے نکل کر بڑی سڑک پر آتے ہوئے سریتا نے انتہائی شرارت سے کہا۔

"اس دن تو یہاں سے نکلے تھے تو شیتل ورما کی طرف چلے گئے تھے۔ آج کوئی پروگرام ایسا ہے یا سیدھے گھر چلیں؟"

"جی ہاں' آج بھی تمہیں اکیلے ہی گھر جانا پڑے گا۔ تم مجھے راستے ہی میں کہیں ڈراپ کر دینا۔۔۔"

میں نے کہا تو سریتا پر جیسے اوس پڑ گئی' وہ دھیرے سے بولی۔

"تو کیا پھر وہی شیتل ورما۔۔۔ کیا آپ عورتوں کے ساتھ ایسے تعلق رکھنا پسند کرتے ہیں؟"

"سریتا! میں تمہارے سوال کا جواب ابھی اس لئے نہیں دوں گا کہ تم میری بات نہیں سمجھ پاؤں گی اور میں۔۔۔"

"صرف ایک لفظ' ایک شبد۔۔۔ ہاں یا نہیں؟" وہ سامنے سڑک پر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔۔"

میں نے کہا تو وہ مطمئن سی دکھائی دینے لگی۔

"کہاں ڈراپ کروں آپ کو؟" اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا جس کی مجھے توقع تھی۔

"کہیں بھی' جہاں میں تھوڑی دیر بیٹھ سکوں۔۔۔"

میں نے کہا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ایک ایرانی کیفے کے باہر مجھے ڈراپ کر کے چلی گئی۔

ایرانی کیفے اپنی ساخت اور نوعیت کے اعتبار سے ممبئی میں منفرد ہیں۔ اگرچہ نئی نسل نے انہیں تھوڑا بہت تبدیل کیا ہے لیکن انہوں نے اس منفرد چھاپ کو برقرار رکھا ہے جو ان کی پہلی نسل نے بنایا تھا۔ کاؤنٹر پر ایک بوڑھا پارسی بیٹھا ہوا تھا جس نے موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔ میں ایک جانب بڑھ گیا۔ اس کیفے میں ایرانی کیفے کے خاص انداز کی نشستوں کے علاوہ بھی دو اور چار کرسیاں میزوں کے اردگرد رکھی ہوئی تھیں۔ میں دو کرسیوں والی میز پر جا بیٹھا۔ میں نے بیٹھتے ہی اپنا فون نکالا اور ارون گولی کے نمبر ڈائل کئے۔ چند لمحوں بعد اس سے رابطہ ہو گیا' اس نے کال ریسیور کرتے ہی کہا۔

"جی' عامر بابو! ہمیں کیسے یاد کر لیا آپ نے۔۔۔؟" اس کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"ملنا چاہتا ہوں۔۔۔" میں نے عام سے انداز میں کہا۔

"خیریت تو ہے' نا۔۔۔؟" اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ارے ایسی کوئی بات نہیں' بس تھوڑی دیر گپ شپ لگانا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس صورت میں

کہ تم مصروف نہ ہو۔“

”یہ تو میری خوش قسمتی ہوگی کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔۔۔ ویسے میں مصروف بالکل نہیں ہوں۔ اگر ہوتا بھی تو تمہارے لئے مصروفیات چھوڑی جاسکتی ہیں۔“

”اپنا پتہ بتاؤ۔۔۔“

میں نے کہا تو وہ مجھے اپنا پتہ سمجھانے لگا۔ میں نے بڑے غور سے سنا اور اسے ذہن نشین کر لیا‘ پھر میں نے اس سے الوداعی کلمات کہے اور فون بند کر دیا۔۔۔ چائے پی کر میں کیفے سے نکلا تو تھوڑے سے فاصلے پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی‘ اس میں سکھ ڈرائیور موجود تھا۔ میں نے اسے پتہ بتایا تو وہ چلنے کے لئے راضی ہو گیا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے ٹیکسی بڑھا دی۔ ہم دونوں کے درمیان خاموشی رہی جسے میں نے غنیمت جانا۔ وہ کافی دیر تک ممبئی کی سڑکوں پر گھومتا رہا‘ پھر ایک ذیلی سڑک پر مڑ گیا اور تبھی وہ بولا۔

”ویر جی! یہ ٹاٹا ہسپتال آرہا ہے‘ اس سے آگے کیلاش نگر موڑ ہے جس سے ہم اندھیری کی طرف جائیں گے۔ آگے آپ کو رستہ معلوم ہے کیا؟“

”آپ ایسے کرو کہ اندھیری چورنگی تک چلو‘ وہاں جا کر بتاتا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے پھر سے ارون گولی کے نمبر ڈائل کئے‘ رابطہ ہو گیا تو میں نے اپنی پوزیشن کے بارے میں بتایا۔

”ارے بس چورنگی تک پہنچ جاؤ‘ میں تمہیں وہیں ملوں گا۔۔۔ ٹیکسی کا نمبر کیا ہے؟“

اس نے پوچھا تو میں نے ڈرائیور سے پوچھ کر اسے بتا دیا۔

”بس وہی نکڑ پر دائیں طرف جیولر کی دوکان ہے‘ اس کے آگے میں ہوں گا۔“ یہ سننے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

جیولر کی دوکان کے باہر ایک پرانی سی کار کھڑی تھی۔ براؤن سے رنگ کی‘ اس گاڑی کا رنگ اڑا ہوا لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے پیچھے ٹیکسی رکوائی تو ارون فوراً ہی باہر آگیا۔ اس نے وہی کرتا پاجامہ‘ واسکٹ اور دو پلی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں ہلکے سے لیدر سلیپر تھے۔ میں نے ٹیکسی والے کو کرایہ دیا اور ارون کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ صرف ڈرائیور تھا۔ گاڑی اندر سے بہترین تھی۔ کچھ دیر بعد بڑی سڑک سے ہم ذیلی سڑکوں سے ہوتے ہوئے مختلف گلیوں میں جانے لگے۔ اس سارے راستے کے بارے میں مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ مگر میں نے اسے محسوس نہیں ہونے دیا۔ آخر کار ہم ایک پرانی وضع کی حویلی نما عمارت کے سامنے آرکے۔ اس کا بڑا سا پھاٹک لکڑی کا تھا‘ وہ کھل گیا تو ہم گاڑی سمیت اندر چلے گئے۔ اندر سے بھی وہ بیسویں صدی کے آغاز میں بنا ہوا کوئی بنگلہ تھا۔ بڑے سے پورچ میں گاڑی رکی اور ہم اندر چلے گئے۔ پھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپری منزل کے ایک ایسے کمرے میں آگئے جہاں سے باہر کا سارا منظر دکھائی دیتا تھا‘ میرے سامنے

بیٹھتے ہوئے اس نے ہنس کر کہا۔

"یہ اتنا بڑا بنگلہ دیکھ کر حیران مت ہونا' عامر! یہ میری کمائی کا نہیں ہے' چھینا ہے ایک سالے بنئے سے۔ ادھر میں اور میرے لڑکے رہتے ہیں۔"

یہ لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ایک لڑکی کمرے میں آئی' وہ روایتی مراٹھی لڑکیوں کی طرح گھاگھرا اور چولی پہنے ہوئے تھی۔ گہرے سبز رنگ کا گھاگھرا اور چولی جس پر سنہرا کام ہوا تھا۔ دھان پان سی لڑکی کے بدن پر وہ چولی پھنسی ہوئی تھی۔ اس کا پیٹ عریاں اور گریبان ضرورت سے زیادہ کھلا تھا۔ کس کر باندھی ہوئی چوٹی اور نازک نازک سے خدوخال۔ چھوٹے چھوٹے ہونٹوں پر لپ اسٹک' بڑی بڑی آنکھوں میں گہرا کاجل اور ستواں سے ناک میں منتھلی تھی۔ اس کی گوری گوری کلائیوں میں چوڑیاں اور کنگن تھے' پیروں میں چھنکتی ہوئی پازیب اور نازک سا جوتا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی ہوئی ہماری جانب آ رہی تھی۔ ارون نے اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"---اور یہ میری چھمک چھلو' میرے ساتھ رہتی ہے۔"

"نمسکار---!" اس نے ہاتھ جوڑ کر اور قدرے سر کو جھکا کر مجھے پرنام کیا اور ارون کے ساتھ دھیرے سے بیٹھ گئی۔

"اس کا نام چھمک چھلو ہے کیا---؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں' وہ تو میں کہتا ہوں۔ اس کا نام تو سرسوتی ہے۔" ارون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ دو تین لڑکیاں شراب اور اس کی ساتھ دیگر لوازمات اٹھائے آ گئیں۔ انہوں نے ٹرے رکھی تو ارون نے گلاس سیدھے کئے۔ جیسے ہی اس نے تیسرا گلاس سیدھا کیا' میں بول اٹھا۔

"ارون! میں پیتا نہیں ہوں---"

"ہائیں---" اس نے حیرت سے کہتے ہوئے ہاتھ روک دیا' پھر بڑے مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

"ارے تو' عامر بابو! پھر جیتا کیسے ہے؟"

"میں بغیر پیئے جی رہا ہوں' تم پیو---" میں نے کہا تو اس نے گہری نگاہوں سے لڑکیوں کی جانب دیکھا' وہ واپس چلی گئیں اور اس کے ساتھ ہی سرسوتی بھی اٹھ گئی۔ شراب اور دیگر لوازمات ایسے ہی پڑے رہے۔

"ہاں تو' عامر' بولو کیا بات کرنے آئے تھے---؟"

اس نے سنجیدگی سے کہا تو میں نے اس سے کمل والی روداد پوچھ لی۔ اس نے بڑے ہی اختصار کے ساتھ بتا دیا کہ اسے گھر کے سامنے سے اغوا کیا اور لے گئے۔ وہ ذرا سا تشدد بھی برداشت نہیں کر

پایا۔ اسے دکھ ہی اس بات کا تھا کہ شاردا نے ایسا کام کیا ہے۔ اس نے اپنی جان بچانے کے عوض بڑے آرام سے بات مان لی۔۔۔ ابھی وہ یہ روداد سنا رہا تھا کہ سرسوتی ایک چھوٹی سی ٹرے اٹھائے آ گئی۔ اس میں فریش اورنج جوس تھا' وہ لا کر اس نے میرے سامنے رکھ دیا۔ ارون نے دو گلاسوں میں شراب انڈیلی' سوڈا ملایا اور وہ دونوں پینے لگے۔ اس نے گلاس خالی کر کے رکھا تو اس دوران میں بھی اورنج جوس کے سپ لیتا رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔

"اصل میں شاردا سہاروں کی عادی ہو چکی ہے۔ کمل جیت کے بعد اب ایک اور نام لے رہی ہے۔ اب پتہ نہیں' وہ کیسا شخص ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے تفصیل سے اس کو روداد سنا دی۔ تب تک وہ دوسرا پیگ ختم کر چکا تھا۔

"کس کا نام لیتی ہے وہ۔۔۔؟"

"شرد چندر اکاشی' کہتی ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا سیاستدان ہے۔"

"ہاں' وہ ٹیکسٹائل مارکیٹ سے نکل رہا ہے سیاست میں مگر ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ سکی اس کے بارے میں کہ وہ کس سیاسی پارٹی کی طرف جائے گا۔ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں' یہ بھی معلوم نہیں مگر یہ اتنا مشکل نہیں ہے' اس کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"وہ کوئی گہرا آدمی ہی لگتا ہے جس کے بارے میں پتہ نہیں کہ وہ کس سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے؟"

"اصل میں' عامر! یہ جو ممبئی ہے' اس کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ یہاں تمہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو دولت بنانے کے چکر میں نہ ہو۔ ایک عام مزدور سے لے کر بڑی بڑی ڈگریاں لینے والے سٹوڈنٹ' فلمی کشش میں کھنچی آتی لڑکیاں اور لڑکے' چھوٹے موٹے غنڈوں سے لے کر سیاستدان' ان سب لوگوں کو جب اچھی طرح جانچ لیا جائے تو ان کی تہہ میں وہی دولت کے حصول کی خواہش ہی ملتی ہے اور شاید تمہیں بھی یہ معلوم ہو کہ جہاں دولت ہوتی ہے' وہاں پیار اور خلوص نہیں ہوتا۔ کیڑے مکوڑوں کی طرح یہاں لوگ بستے ہیں۔ یہاں پہلے کانگرس تھی' اب شیو سینا ہے۔ کل کوئی اور آ جائے گا' سارے حکمرانی کرنے کے کھیل ہیں۔"

"ارون! تم اس سارے کھیل میں کہاں ہو؟" میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ جو دس سال پچھلے گزرے ہیں' اس میں بہت اچھا چل رہا تھا۔ انڈر ورلڈ مافیا میں داؤد ابراہیم کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ ہندوؤں کے ساتھ ہی تھا لیکن اس کی اپنی ایک الگ شناخت تھی۔ میں جب اس دنیا میں آیا ہوں تو بہت ساری تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ میں اگر یہاں تک پہنچا ہوں تو تلوار کی دھار پر پہنچا ہوں۔ میں اس سسٹم کی پیداوار ہوں۔ میرا باپ ایک ٹیکسٹائل مزدور تھا۔ وہ کھانستے کھانستے مر گیا اور میرے پاس دوائی کے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ میرے باپ کی غلطی تھی کہ مجھے پڑھانے لکھانے اور

بڑا آدمی بنانے کے جھوٹے خواب دیکھتا رہا۔ میں اس قابل بھی نہیں بن سکا کہ اس کا علاج کروا سکوں اور وہ سیٹھ لوگ جن کے لئے میرا باپ ساری عمر کام کرتا رہا' انہوں نے اسے خیراتی ہسپتال بھجوانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ انہی افلاس زدہ حالات میں میری ماں بھی مر گئی۔ میں اکیلا رہ گیا' میرا جیون تو کسی کام کا نہیں تھا۔ یہ سب اس وقت ہوا تھا جب میں سکول کی تعلیم ختم کر کے کالج پہنچا تھا۔ تبھی مجھے اک نئی راہ ملی۔ شیو سینا کے غنڈے اپنی دھاک جمانے کے لئے بہت کچھ کرتے تھے' میں بھی ان میں شامل ہو گیا لیکن بہت جلد ان سے الگ ہو گیا کیونکہ میں سمجھ گیا تھا کہ ساری زندگی بھی ان کے لئے کام کرتا رہوں مگر رہوں گا اچھوت ہی' وہی نچلی ذات والا--- میں نے بڑی کوشش کر کے اس علاقے میں اپنی دھاک بٹھائی ہے۔"

"--- پر ان شیو سینا والوں نے تمہیں چھوڑ کیسے دیا؟"

"ارے صرف وہی ہیں یہاں' بہت لوگ ہیں۔ یہ داؤد ابراہیم آج یہاں ممبئی میں نہیں ہیں تو ان کی دھاک تو ہے۔ اگرچہ اس گینگ میں اب بھی پھوٹ ہے لیکن وہ سب سے بڑا گروپ ہے اور ایسے کئی ہیں۔"

"تم داؤد ابراہیم گروپ سے بہت متاثر لگتے ہو۔"

"ارے مرد لوگ ہیں وہ' اگر ناسک جیل میں اوپی سنگھ کا قتل نہ ہوتا تو شاید یہ گینگ نہ ٹوٹتا۔ چھوٹا راجن بنکاک میں ہے۔ اعجاز لکڑ والا' روہیت پجاری اب بھی یہاں موجود ہیں۔ اسی گینگ کا ابو سالم فلمی دنیا پر چھایا ہوا ہے' کوئی پر نہیں مار سکتا وہاں پر--- سنا ہے' داؤد بھائی دوبئی میں ہیں۔ لیکن یہاں تو رابطہ پوری طرح ہے۔ داؤد بھائی کے دوسرے بھائی انیس' انور' ہمایوں اور اقبال تو کام کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں خبر ملی تھی کہ انیس بھائی جعلی کرنسی میں پکڑا گیا ہے۔ پر یہ ان لوگوں کے کھیل ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے تیسرا پیگ بھی ختم کر ڈالا۔ سرسوتی بھی اس کے ساتھ مسلسل پی رہی تھی۔ ارون اپنی جھونک میں کہتا چلا گیا۔ "یہ جو بابری مسجد کو توڑا ہے نا' ان لوگوں نے' بہت ظلم کیا۔ کسی کے مذہب کو نہیں چھیڑنا چاہئے مگر یہ اپنی سیاست چمکاتے ہیں۔ اب بھی دیکھ لو ایودھیا میں جا کے' وہاں مذہب کے نام پر کاروبار ہو رہا ہے--- مسجد توڑنے کا اثر انڈر ورلڈ مافیا پر بھی پڑا ہے' مطلب یہ داؤد بھائی کا گروپ ہی ہے۔ اس میں چھوٹا راجن الگ ہو گیا۔ وہ ہندو تھا نا' اور اس کا حریف چھوٹا شکیل۔ اب راجن سے گرو سائم' روہیت پجاری اور او پی سنگھ علیحدہ ہو گئے۔ اسی طرح شیو سینا کے ناراض لوگ بھی اپنی اپنی جگہ اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں اور اسے نقصان بھی دے رہے ہیں۔ مطلب یہ سارے لوگ بس اپنے لئے جی رہے ہیں اور میں--- میں بھی تو اپنے لئے جی رہا ہوں۔ کسی دن کوئی گولی آئے گی جس پر میرا نام لکھا ہو گا اور اس شریر میں گھس جائے گی اور پھر میں نہیں ہوں گا۔ سرسوتی اکیلی رہ جائے گی۔ ممبئی ایسے ہی رہے گا۔ انڈر ورلڈ مافیا ایسے ہی رہے گا اور--- بس میں ختم

ہو جاؤں گا۔" ارون پوری طرح نشے میں آ چکا تھا۔ سرسوتی نے چوتھا پیگ تیار کر کے اس کے آگے رکھ دیا۔ تو میں نے اشارے سے منع کر دیا۔ اس پر ارون نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دیا اور پھر کھل کر قہقہے لگانے لگا۔ "ارے' عامر بابو! تم مجھے نشے میں سمجھتے ہو؟ ارے نہیں' یار! بس اپنا دکھ تمہارے سامنے کہہ دیا ہے۔" پھر سرسوتی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "چل بس کر' عامر بابو پسند نہیں کر رہا اسے یہ بھی سالا مسلمان ہے نا!۔۔۔ چل چھوڑ' جا اور جا کر کھانا لگا۔ پھر ہمیں بلا لے۔"

"ارون! میں تمہیں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ راستہ چھوڑ دو کیونکہ اب تم چھوڑ نہیں سکتے لیکن اس دنیا میں رہنے کے لئے تمہیں مضبوط تو ہونا پڑے گا نا' اس بارے سوچا ہے تم نے؟"

"ارے' بابو! بہت سوچا پر ابھی کوئی مرد بچہ نہیں ملا جس کے ساتھ کام کروں' ابھی تو اپنا یہ چھوٹا موٹا دھندہ چل رہا ہے۔ پر میں باہر کی دنیا میں بھی کام کرنا چاہتا ہوں جسے یہ لوگ اسمگلنگ کہتے ہیں۔ اس میں بڑا فائدہ ہے۔"

"کاش' میں تمہارے کام آ سکتا۔۔۔"

میں نے یونہی پتہ پھینک دیا۔ میں چاہ رہا تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو کہ وہ مجھ سے کیا آس لگائے میرے کام آیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم۔۔۔ تم بڑے کام آ سکتے ہو۔ تمہارا اسٹائل بتاتا ہے کہ تم ڈرتے نہیں ہو۔ ایسا بندہ کوئی عام نہیں ہوتا اور پھر تم جن سیٹھ لوگوں کی دنیا میں ہو' وہاں ایک سے بڑھ کر ایک مگرمچھ پڑا ہے۔ وہاں اپنا کہیں بڑے آدمی کے ساتھ بات بنا دو' آگے میں سنبھال لوں گا۔ ایک بار اس دنیا میں آ جاؤں۔۔۔"

"میں نگاہ میں رکھوں گا۔ اگر کوئی ایسا معاملہ ہوا تو تمہیں فوراً بتاؤں گا۔"

میں نے کہا تو وہ اپنا سانولا سا ہاتھ آگے بڑھا کر خوشی سے بولا۔

"ڈن کرتا ہے کیا؟"

میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈن کرتا ہوں۔"

میرا ہاتھ پکڑے ہی اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چل اٹھ' اب کھانا کھاتے ہیں۔۔۔"

"ہم دونوں اٹھ کر ایک دوسرے کمرے کی طرف بڑھے جہاں میز پر کھانا چنا جا رہا تھا۔ وہ کھانا کسی ہندو گھرانے کا نہیں لگتا تھا۔ اس میں گوشت کی ڈشنز تھیں۔ کھانا لذیذ تھا' میں نے جی بھر کے کھایا۔ اس کے بعد ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ میں زیادہ سے زیادہ ارون کے بارے میں جاننے کا خواہشمند ہو گیا تھا۔ تقریباً دس بجے کے قریب میں وہاں سے نکل آیا۔ وہ مجھے راہول لاج تک چھوڑنا چاہتا تھا لیکن میں نے ہی اسے کہا کہ وہ مجھے اندھیری اسٹیشن تک چھوڑ دے۔

"ابے' ٹرین سے کیوں؟ سیدھے ٹیکسی میں جاؤ۔۔۔"

"یار! میں نے یہ لوکل ٹرین کا کبھی سفر نہیں کیا' اس کا مزہ بھی لینا چاہتا ہوں۔"

"چل جیسے تیری مرضی۔۔۔"

اس نے کہا اور اپنی گاڑی میں مجھے اندھیری اسٹیشن پر چھوڑ دیا۔ میں انتہائی احتیاط چاہتا تھا۔ اگر کوئی میرے پیچھے لگا بھی یا کسی خفیہ والوں کی آنکھ میں تھا تو میں یہاں کی بھیڑ میں گم ہو سکتا تھا اور پھر کبھی بھی مجھے ادھر کا سفر کرنا پڑ جائے تو تھوڑی بہت جانکاری تو ہو۔۔۔ میں اندھیری ایسٹ کے اسٹیشن پر اترا اور پھر وہاں سے پیدل ہی بس ڈپو کے پاس جا پہنچا۔ وہاں بس میں سوار ہوا اور پھر گل مہر روڈ پر کوپر ہسپتال کے پاس جا اترا۔ وہاں سے میں پیدل راہول لاج کے گیسٹ ہاؤس میں آگیا۔ تب رات کے بارہ بجنے والے تھے اور انار کلی میرے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھا تو وہ پانی لے آیا۔

"میں کھا آیا ہوں' بس اب سونا چاہوں گا۔"

میں نے پانی پی کر گلاس واپس دیتے ہوئے کہا اور پھر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ میں ایزی ہو کر بیڈ پر لیٹا تو نجانے کیوں سریتا کا مایوسانہ رویہ میرے ذہن میں در آیا۔ اس کا ایسا رویہ کیوں تھا؟ میرے لئے وہ ایک بچہ ہی تھی اور اب تک میں اس سے بچوں جیسا برتاؤ ہی کرتا چلا آ رہا تھا۔۔۔ کیا وہ کچھ ایسا ویسا سوچنے لگی ہے؟ یہ خیال آتے ہی میں بے چین ہو گیا۔ اسے ایسا کچھ بھی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ میرے پاس اسے دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہو گا اور اس کی مایوسیاں مزید بڑھ جائیں گی۔ یہ سوچتے ہوئے ایک خیال یہ بھی در آیا کہ ہو سکتا ہے' وہ ایسا کچھ نہ سوچ رہی ہو اور اس کا رویہ کسی اور جذبے کے تحت ایسا ہو گیا ہو۔ تصدیق تو تبھی ہو گی نا' جب وہ ایسی بات منہ سے نکالے گی۔ میرا خیال ہے کہ اول تو اس کے دل میں ایسا کچھ ہو گا نہیں لیکن اگر اس کے کسی عمل سے ظاہر بھی ہوا تو کوئی بات منہ سے نکلنے سے قبل ہی میں اسے باور کرا دوں گا کہ وہ ایسا کچھ مت سوچے۔ تب نہ جانے کیسے ان لمحات میں ثمن میرے ذہن پر چھا گئی وہ مجھے شدت سے یاد آنے لگی' اس کا سراپا میری نگاہوں میں تھا۔

عشق بھی کیا شے ہے؟ میں اتنی دور دیارِ غیر میں' اجنبی لوگوں کے درمیان' انتہائی دشمنی اور نفرت سے بھری زہریلی فضاؤں میں صرف اسی عشق کی وجہ سے پڑا تھا۔ ثمن کا عشق میرے من کی ساکت جھیل پر ایک پتھر کی مانند ثابت ہوا' جھیل کی سطح پر ابھرنے والے دائرے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے اور ایک قطرہ آنسو نے مجھے سمندر ہونے کا احساس دیا۔ بلاشبہ یہ عشق سمندر تھا جسے میں نے اوڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ میں کیا ہوں ورنہ میں بھی ایک عام انسان کی طرح بے مقصد زندگی بسر کرتا چلا جاتا۔ اپنے ہونے کا احساس اور خود پر یقین کامل صرف اور صرف عشق ہی کا مرہون منت ہے اور یہی یقین کامل کسی بھی مہم یا مقصد کے حصول میں کامیابی کا بنیادی عنصر بن جاتا ہے۔ عشق کو اسی وقت سمجھا جا سکتا ہے جب کوئی اس کو اوڑھ لے ورنہ ساحل پر بیٹھے شخص کو محض لہروں سے قطعاً" اندازہ نہیں ہوتا۔ عشق کی شرح میں بھی حلال یہی ہے کہ اسے اوڑھ لیا جائے اور پھر طوفانوں کا

مقابلہ کرتے ہوئے زندگی کی کشمکش سے مردانہ وار نبرد آزما ہوا جائے۔ حرام یہ ہے کہ بس ساحل پر بیٹھ کر زندگی میں آنے والے خطرات کو محض دیکھا جائے اور حالات کو خود پر اسی طرح گزرنے دیا جائے جیسے وہ گزرنا چاہتے ہوں اور پھر عقل بھی تب ہی صحیح راستے دکھاتی ہے جب اس کے ساتھ عشق ہو ورنہ پھر یہ عقل بھی وبال جان بن جاتی ہے۔ عشق کی شرح میں ناممکن حرام ہے اور ممکن کر دینے کی جستجو میں پوری لگن کے ساتھ لگے رہنا ہی حلال ہوتا ہے۔ اگرچہ ایک منزل کا تعین تو ہوتا ہے جو عشق کو جوان ہی نہیں رکھتا بلکہ عشق کے ساتھ کشمکش زندگی کا باعث بنتا ہے۔ تب لذت عشق اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ پھر منزل کا حصول یاد نہیں رہتا' بس کشمکش زیادہ اہم ہو جاتی ہے اور یہی عشق کا وطیرہ ہے۔

✿✿

صبح میری آنکھ کھلی تو مجھے احساس ہی نہیں رہا کہ میں کب سو گیا تھا۔ میں نے دیوار گیر کلاک پر نگاہ ڈالی تو دن کے تقریباً گیارہ بجنے والے تھے۔ میں جلدی سے تیار ہوا اور دفتر جا پہنچا۔ دفتر میں وہ دن بہت معروفیت کا دن تھا۔ سنیں بھاٹیہ نے مختلف کمپنی کے لوگوں کو ملنے کے لئے فون کیا تھا۔ وہ سارا دن ان سے ملنے اور بات چیت میں گزر گیا یہاں تک کہ دوپہر کے کھانے کا بھی ہوش نہیں رہا۔ سہ پہر کے بعد جا کر کہیں سکون میسر آیا۔ میں اپنے آفس میں ہی تھا کہ اشوک دھوریہ کا فون آ گیا۔ میں اس سے حال احوال پوچھ کر اس کی صحت کے متعلق پوچھنے لگا۔

"یہ میرے پاس ڈاکٹر سونالی ہے' اس سے پوچھ لیں۔"

اس نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد سونالی کی ہیلو سنائی دی۔

"یہ اب ٹھیک ہے مگر مارا ماری کے لئے نہیں' سر کا زخم گہرا تھا لیکن اب وہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اگر میں اسے جاب آفر کروں تو---؟" میں نے پوچھا۔

"مطلب وہی باڈی گارڈ---!" اس نے نفرت اور حقارت سے پوچھا۔

"نہیں' بلکہ راہول ٹیکسٹائل میں ایڈمن آفیسر کیسا رہے گا اپنا یہ اشوک ایڈمن آفیسر کے طور پر؟"

میں نے ڈرامائی انداز میں کہا تو بے ساختہ بولی۔

"واؤ' اتنی زبردست آفر--- ٹھیک ہے' یہ جاب کر لے گا۔"

"اس سے بھی پوچھ لو۔" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"میری اس سے پوری طرح اس ٹاپک پر ڈسکس ہو چکی ہے' ڈونٹ وری---" اس نے خوشی بھرے لہجے میں کہا۔

"تو پھر پرسوں اسے جوائن کرنے کے لئے بھیج دو۔ کل تو چھٹی ہے' نا---!"

"او کے--- بس' بات کریں---"

اس نے فون اشوک کو دے دیا۔ میں نے اسے بتایا' پھر تھوڑی اور باتیں ہوتی رہیں اور فون بند کر دیا۔ تبھی میں نے اپنے سامنے سنیل بھاٹیہ کو کھڑے پایا' وہ خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے اشارے پر وہ بیٹھ گیا۔ اس سے مزید باتیں کرتے ہوئے کافی وقت بیت گیا۔ وہ آفس کی تزئین و آرائش کی بات کر رہا تھا۔

"چلو یہ طے ہوا کہ تم یہ سب سنبھال لو گے۔" میں نے حتمی انداز میں کہا۔

"جی---" وہ بولا۔

"تو پھر میں چھٹی سے اگلے دن بھی نہیں آؤں گا لیکن اس سے اگلے دن تک سارا کام ہو جانا چاہئے۔" میں نے کہا اور پھر اچانک خیال آتے ہی کہا۔ "وہ' اشوک دھوریہ--- تم نے دیکھا تو ہوا ہے اسے---؟"

"جی' جی ہاں میں نے دیکھا ہے اسے---"

"وہ بحیثیت ایڈمن آفیسر پرسوں آئے گا۔ اب تم جانتے ہو کہ اس سے کیسا کام لینا ہے--- او کے؟"

"اوکے' سر---!"

اس نے کہا تو میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے میرے ساتھ ہاتھ ملایا تو میں اٹھ گیا۔ آفس کے باہر بیٹھا ہوا ڈرائیور انتہائی تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا' مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

✿✿

میں راہول لاج پہنچا تو کافی تھکا ہوا تھا۔ میں آتے ہی نہایا اور پھر فریش ہونے کے بعد سٹنگ روم میں آ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ریموٹ کے ساتھ چائے کا مگ پکڑے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ انار کلی کچن میں مصروف تھا۔ تبھی شاردا کا فون آ گیا' میرے "ہیلو" کے جواب میں بولی۔

"اتنی دیر تک کام کرنے کے بعد آپ خاصے تھک چکے ہوں گے۔"

"ظاہر ہے' لیکن اتنا بھی زیادہ کام نہیں کیا--- خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"بس یونہی پوچھ لیا--- ویسے کیا پروگرام ہے؟" اس نے عام سے انداز میں کہا۔

"سکون سے چائے پی رہا ہوں۔ کچھ دیر ٹی وی دیکھوں گا' پھر انار کلی سے باتیں ہوں گی اور پھر سو جاؤں گا---" میں نے جان بوجھ کر تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ کہیں وہ باہر جانے کا نہ کہہ دے۔

"---اور اگر میں باتیں کرنے کے لئے آپ کے پاس آ جاؤں' تو---؟"

اس نے انتہائی پراسرار سے انداز میں دھیرے سے کہا تو میں ہنس دیا۔

"تو آ جاؤ' منع کس نے کیا ہے---" میں نے مروت میں کہا۔

"ٹھیک ہے' اگر میرا موڈ بن گیا تو آؤں گی۔ ویسے میرا انتظار مت کرنا۔" اس نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"او کے---"

میں نے اس کی رمز سمجھتے ہوئے کہا۔ اس کا خیال ہوگا کہ شاید اس طرح کہنے پر میں اس کے انتظار میں آنکھیں فرش راہ کئے بیٹھا رہوں گا۔ میں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے "بائے بائے" کہا اور فون بند کر دیا۔ میں مختلف چینلز پر خبریں وغیرہ سنتا رہا کہ شیتل ورما کا فون آ گیا۔

"بڑی یاد آ رہی ہے تمہاری---" اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"تو---؟" میں سرد مہری سے بولا۔

"تو--- کچھ بھی نہیں۔ اس وقت میں انڈیا گیٹ کے پاس ایک بار روم میں ہوں۔ آج پینے کو بہت دل چاہتا تھا تو اپنی ایک پرانی سہیلی کے پاس آ گئی ہوں۔"

"--- اور اس سے میری باتیں کر کے اپنا دل بہلاؤ گی' یہی کہنا ہے نا' تمہیں---؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"ارے نہیں' تمہیں تو میں بہت سنبھال کے رکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے بارے میں تو میں اپنے سائے کو بھی نہیں بتانا چاہتی--- خیر' اس وقت پتہ ہے میرا دل کیا چاہ رہا ہے؟"

"بولو---؟"

"کاش' تم ایک عام سے ٹپوری قسم کے لڑکے ہوتے اور میں بھی کوئی عام سی لڑکی تو کہیں بھی' کسی بھی جگہ آرام سے' کسی خطرے کے احساس کے بغیر مل سکتے--- بہت مس کر رہی ہوں میں تمہیں۔"

"نشے میں تو نہیں ہو---؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں' وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو لیکن تمہاری یادوں کے نشے میں ہوں۔"

"اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم مجھے بنا رہی ہو یا پھر شدت سے یاد کر رہی ہو۔"

"الجھن میں نہ پڑو' میری جان! بس مجھے یاد کرو' بہت یاد آؤں تو مجھے فون کر لینا۔ ممبئی کے کسی کونے میں بھی بلاؤ گے تو آ جاؤں گی' ورنہ یہ رات تو سلگتے ہوئے گزرے گی۔" اس نے خمار آلود لہجے میں حسرت بھرے انداز سے کہا۔

"میرا مشورہ مانو تو چل کر آرام سے سو جاؤ---"

"کاش' ایسا ہو جائے ایزی وے' تم اپنا خیال رکھنا اور جلد از جلد ملنے کی کوشش کرنا۔"

اس نے تیزی سے کہا اور پھر الوداعی فقرے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ میں نے فون ایک طرف رکھتے ہوئے سوچا کہ اس کا سلگتے ہوئے مجھے یاد کرنا اور وہ بھی شدت سے میرے لئے خوشی کا باعث

ہے۔ میں اسے طلب کے صحرا میں لے آنا چاہتا تھا۔ میں ایسا کیوں چاہتا تھا' یہ صرف میں ہی جانتا تھا۔۔۔ میں اٹھ گیا' انارکلی نے مجھے بیڈروم کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو بولا۔

"کیوں' عامر بابو! سونے جا رہے ہو کیا؟"

"ہاں' بس آج تھک گیا ہوں۔۔۔"

میں بیڈروم میں چلا آیا۔ بیڈ پر لیٹتے ہی مجھے پرنس کا خیال آیا۔ میں نے جلدی سے اس کے نمبر ملائے تو چند لمحوں بعد اس نے فون رسیو کر لیا' ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد میں نے کہا۔

"یہ شرد چندر اسمگلنگ نامی آدمی۔۔۔"

اس نے میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔ "ارے' اس سے کیا کام آن پڑا؟"

اس کے یوں پوچھنے پر میں نے وہی کہانی دہرا کر کہا۔

"وہ شارا چاہتی ہے' اب مجھے نہیں پتہ کہ وہ کیسا ہے' تم ذرا اس کے بارے میں معلومات تو

"

"یہ بڑی احتیاط والا کام ہو گا' پیارے! اگر اسے بھنک بھی مل گئی کہ کوئی۔۔۔"

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اب کام کے نہیں رہے' لگتا ہے' عورت کے قرب نے تمہیں بھی نسوانیت سے نواز دیا ہے۔" میں نے اسے غیرت دلائی تو وہ جلدی سے بولا۔

"بات یہ نہیں ہے' پیارے!۔۔۔ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے' سیاست میں ہے اور بڑے زوروں کی اسمگلنگ کرتا ہے۔ اب تم سمجھو کہ اس کی جڑیں کتنی مضبوط ہو سکتی ہیں مگر خیر' تم کہتے ہو تو معلوم کر لیتا ہوں۔"

"اگر تم اسے بہت بڑا کام سمجھتے ہو نا تو خود کو میرے لئے خطرے میں مت ڈالنا' میں کر لوں گا یہ۔۔۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں کسی ایسے کام میں ہاتھ نہ ڈال لو جو سنبھالا نہ جا سکے۔" اس نے شک ے انداز میں کہا۔

"اگر میں نے کسی بڑے کام میں ہاتھ ڈال لیا' پرنس! تو اسے پوری طرح سنبھال بھی لوں گا۔ یہ تم ہی جانتے ہو اور تمہارے علاوہ ممبئی میں کوئی اور دوسرا نہیں جانتا مگر تم ہی ایسی باتیں کر رہے ہو؟۔۔۔ میری چھوڑو' تم خود کو مضبوط کرو ورنہ بہت جلد کوئی دوسرا تمہاری جگہ لے لے گا۔"

"تم اگر میری جگہ لینا چاہو' پیارے! تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ابھی سنبھال لو۔۔۔ خیر' میں تمہارا کام کرنے کی کوشش کروں گا مگر مجھے یوں لگتا ہی جیسے تم پردہ داری رکھ رہے ہو۔" اس نے اسی ک بھرے لہجے میں کہا۔

"بہرحال' میری باتیں یاد رکھنا۔ میں پھر رابطہ کروں گا۔"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا--- میں پرنس کی طرف سے مایوس نہیں تھا اور اس کا شک بھرا انداز بھی عین فطری تھا۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ کمرہ اچانک روشن ہو گیا' اس روشنی میں ایک بدلی ہوئی شاردا میرے سامنے تھی۔ اس نے سفید شارٹس پہنے ہوئے تھے۔ کھلی زلفیں' میک اپ سے بے نیاز چہرہ' پاؤں میں نازک سے لیدر سلیپر اور ہونٹوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کے اس انداز سے میرے بدن میں میٹھی لہریں پھیلنے لگیں۔ میں نے چند لمحوں تک اس کیفیت کو جانچا اور پھر خود پر قابو پاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا---؟" اس نے خمار آلود لہجے میں پوچھا۔

"ارے نہیں' بلکہ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا--- بولو' کیا کھانا پینا پسند کرو گی؟"

میں نے کہا تو وہ میرے بیڈ کی پائنتی کی طرف بڑھی' کشن اٹھا کر رکھا اور سلیپر اتار کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کافی دیر بیٹھنا چاہتی ہے۔

"کافی اور وہ بھی تلخ سی' اس کے لئے میں انارکلی سے کہہ آئی ہوں---"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا' پھر ہمارے درمیان دفتر کی باتیں چل نکلیں۔ وہ بڑے غور سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ مجھے پورا احساس تھا کہ وہ میری نگاہوں پر توجہ رکھے ہوئے تھی۔ اس کی صندلیں بانہیں' گداز شانے' لچکتی ہوئی گردن' تمتماتے گال' باتیں کرتی ہوئیں آنکھیں' مچلتی انگلیاں' سڈول پنڈلیاں' اپنا آپ منواتے بدن کے خطوط اور وہ خود سراپا دعوت میرے سامنے تھی۔ میں کسی یوگی کی مانند اپنے آپ میں سمٹ گیا۔ مجھے پورا یقین تھا' وہ کسی پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں گرنے کو بے تاب ہے مگر میں ایسا نہیں چاہ رہا تھا۔ اس وقت میری خواہش یہی تھی کہ وہ اٹھ کر چلی جائے تاکہ میرے جذبات اتھل پتھل نہ ہوں اور مجھے خواہ مخواہ خود پر قابو پانا پڑے۔ میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں پرسکون نیند کا خواہاں تھا۔ وہ مسلسل باتیں کرتی چلی جا رہی تھی۔ ان باتوں کا کوئی خاص موضوع نہیں تھا' بدلتی ہوئی باتوں کے رخ کے ساتھ میں خود پر قابو پا چکا تھا۔ یوں تھوڑی دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"شاردا! تم اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچتی ہو؟"

"مطلب--- کس حوالے سے؟" اس نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ تمہاری شادی' تمہارا اپنا گھر۔ شوہر' بچے--- آخر یہ سب جدوجہد کس لئے؟"

میں نے وہ بات کہہ دی جس سے اس کی جذباتی زندگی کی جھیل میں پتھر آن پڑا۔ اب ان سے لہریں پھیلنا فطری بات تھی--- وہ چند لمحے خاموش رہی پھر ستے ہوئے چہرے کے ساتھ بولی۔

"پرم پرا اور دھرم کے انوسار تو اب میری شادی ممکن نہیں' میں چاہوں بھی تو بہت ہی مشکل ہے۔ میں چاہے بیوہ نہیں' طلاق یافتہ ہوں۔"

"ایسا کیوں---؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔
"ہم براہمن ہیں' ہماری ذات میں سے کوئی لڑکا ہوگا تو ہی میں اس کے ساتھ شادی کرپاؤں گی۔ ہم سب کچھ بھول جائیں مگر یہ نہیں کر سکتے کہ غیرذات میں شادی کرلوں۔" اس نے اٹکتے ہوئے لفظ لفظ کہا۔
"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ راہول نے بھی تو سمرن سے شادی کی ہے' وہ براہمن نہیں ہے؟"
"بات لڑکے کی نہیں' ایک لڑکی شاید ہی ایسا کرپائے۔ مجھے اس ہندو معاشرے میں رہنا ہے۔ تم مسلمان ہو نا' تو اس لئے تمہیں ہندو دھرم کی اس پرم پرا کی اہمیت کا احساس نہیں۔ میں خود ساری زندگی ذہنی طور پر--- چھوڑو---"
اس نے اکتا کر کہا تو میں خاموش ہوگیا۔ میں اسے کہنا چاہتا تھا کہ شادی میں تو ذات برادری کو اہمیت ہے لیکن جب محض طلب پوری کرنا ہو تو پھر ذات نہیں دیکھتی جاتی' تب وہ ذہنی طور پر مفلوج نہیں ہوتی مگر میں ایسا کہہ کر اس کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہ رہا تھا۔ تبھی اس نے ہی خاموشی کو توڑا اور بولی۔
"تم مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر سکتے ہو لیکن فقط میں ہی نہیں' ہر ہندو ایسی ہی بے شمار مجبوریوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمیں اذیت بھی ہوتی ہے لیکن یہ سب ہم بخوشی کرتے بھی چلے جاتے ہیں۔"
"شاردا! بہت سارے سوال ہیں لیکن میں اس لئے نہیں کہہ پاتا کہ تم انہیں یہ سوچ کر اہمیت نہیں دوگی کہ میں مسلمان ہوں۔ اصل میں چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کو سمجھ لینے میں ہی ساری مجبوریاں ختم ہوسکتی ہیں۔"
"مثلاً---؟" شاردا نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔
"مثلاً--- تم نے ذات پات کی بات کی' تم لوگ اپنی زندگی میں اس کو حد درجہ بلکہ ایمان کی حد تک اہمیت دیتے ہو مگر جس کو خدا یا بھگوان مانتے ہو' وہ تو براہمن نہیں تھا۔ تم لوگ غیر براہمن کو تو بھگوان مان لیتے ہو لیکن اپنی زندگی میں غیر براہمن کا وجود برداشت نہیں کرسکتے۔"
"کیا کہہ رہے ہو تم---؟" اس نے ماتھے پر تیوریاں ڈالتے ہوئے حیرت اور تجسس سے پوچھا۔
"دیکھو' تم لوگ رام کو وشنو کا اوتار سمجھ کر اسے بھگوان مانتے ہو۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟" میں نے بڑے تحمل سے پوچھا تو اس نے اثبات میں تیزی سے اپنے سر کو ہلا دیا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تو براہمن نہیں تھا--- یہ میں خود سے نہیں کہہ رہا' رامائن میں لکھا ہے۔"
"تم--- تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ تیزی سے بولی۔
"دھیرج' شاردا دیوی! دھیرج---!" میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں اس پر بہت کچھ کہہ سکتا ہوں اگر تم اجازت دو تو اور تم اسے کسی تعصب کی نذر

نہ کرو تو۔۔۔؟"

"نہیں، تم اپنی بات کہو۔۔۔" وہ اس بار تحمل سے بولی۔

"رامائن میں یہ لکھا ہے نا' کہ رام جب سیتا کو قبول نہیں کر رہا ہوتا تو کہتا ہے کہ میں نے یہ جنگ محض تمہاری محبت میں نہیں بلکہ کھشتری دھرم پورا کرنے کے لئے لڑی ہے۔ تمہیں واپس حاصل کر کے مجھے کوئی خوشی محسوس نہیں ہوئی تمہیں تنہا زندگی گزارنا ہوگی کیونکہ ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ تم ہمارے کسی بھی عزیز دوست کی زیر حفاظت رہ سکتی ہو۔ کوئی کھشتری ایسی بیوی کو کیسے قبول کر سکتا ہے جو کافی عرصے تک کسی اور کے گھر رہی ہو۔"

"ہاں' ایسا ہے۔۔۔"

"اور یہ بھی کہ رام کا باپ راجہ دسرتھ "اکشواکو" یعنی سورج کی نسل سے پیدا ہوا۔"

"ہاں' یہ بھی ہے۔۔۔"

"تو پھر آپ ایک کھشتری بھگوان کی پوجا تو کر سکتے ہیں' کھشتری ذات میں شادی کیوں نہیں؟"

"دیکھو' وہ وشنو کا انسانی اوتار۔۔۔"

"میں مانتا ہوں۔ وہ انسانی اوتار تھا لیکن جہاں تم انسانی اوتار تسلیم کرتے ہو' وہاں رام کو بھگوان بھی تو مانتے ہو' نا!"

"بے شک وہ ہمارا بھگوان ہے۔"

"تو پھر کسی براہمن کا کھشتری کے ساتھ شادی کر لینا عین دھرم ہوگا۔" میں نے کہا تو وہ خاموش رہی۔ تب میں نے کہا۔ "براہمن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رام انسانی وجود میں اس لئے آئے ہیں کہ وہ انسانی دکھ و مسائل کے بارے میں جان سکیں۔ اس طرح تو پھر خدا کو دیگر مخلوقات کے بارے میں جاننے کے لئے اس کے وجود میں آنا ہوگا۔ سب میں خدا کا اوتار ہونا چاہئے۔"

"عامر! تم بہت زیادہ بول گئے ہو' تم۔۔۔" وہ غصے اور حیرت سے گنگ ہو گئی۔

"بخدا' میں تمہارے دھرم کا مذاق نہیں اڑا رہا' تم پر حقیقت واضح کر رہا ہوں۔ یہ باتیں میں نے خود سے نہیں کہیں' رامائن میں ہے۔ اصل میں تمہارے ہندو شاستروں کے انو۔سار ہندو وہ ہے جو ہر قسم کی قوت یعنی شکتی اور ہر اس شے پر یقین رکھے جو دیوتاؤں کے نام پر ہے اور اس کی اصلیت جاننے کے بارے میں کوئی سوال نہ اٹھائے۔ اس کے ساتھ ہی دھرم پر غور و فکر کرنے اور اس کے بارے سوچنے پر لکیر پھیر دی ہے۔ یہ اندھا اعتقاد' اندھی تقلید اور اندھی راہیں ہیں۔ سچ روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں بار بار غور و فکر کرنے کی بابت زور دیا گیا ہے۔"

"تم اور کیا رامائن کے بارے میں جانتے ہو؟" اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"بہت کچھ --- دراصل یہ ہندو کمیونٹی کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے مجھے معلوم ہوا۔ ان سے باتیں ہوتی رہی ہیں اور وہ جو روشن خیال ہیں وہ گفتگو کرتے ہیں' سوچتے ہیں' وہ مذہب کے نام پر بیر نہیں رکھتے۔"

"کیا جانتے ہو تم ---؟" اس نے قدرے تلخی سے کہا۔

"دیکھو' رامائن تمہارے دھرم کی بنیاد' تمہارے دھرمی اعتقادات کا منبع مان لیا جائے تو بہت ساری باتیں سامنے آتی ہیں اور اگر تمہارے بھارتی لیڈروں کی بات مان لی جائے تو رامائن کی دھرمی حیثیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔" میں نے کہا تو وہ خاموش رہی۔ اس لئے میں کہتا چلا گیا۔ "مہاتما گاندھی نے کہا کہ میرا رام' رامائن کا رام نہیں ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کا اعتراف ہے کہ رامائن اور مہابھارت کی حیثیت محض الف لیلوی داستان سے زیادہ نہیں۔ رام گوپال اچاریہ کہتا ہے کہ رام بھگوان نہیں' محض ایک داستانی ہیرو ہے۔ کال یوگا کمبن کا اقرار ہے کہ رامائن ایک الہامی کہانی نہیں' صرف ادب ہے--- اب انہی کے خیال کے تناظر میں دیکھا جائے جو رامائن کے الہامی وجود سے انکاری ہیں تو رام کا وجود بھگوان کی حیثیت سے کیسے رہا؟"

"میں نہیں مانتی' انہوں نے ایسا کچھ کہا ہوگا؟" اس نے تیزی سے کہا۔

"تمہارے یوں کہنے سے ان لوگوں کی تصانیف تو نہیں بدلی جاسکتیں۔ صرف تم ہی نہیں ننانوے فیصد ہندو ایسا ہی کہیں گے اور ان پنڈتوں سے جاکر اگر تم سوال کرو گی تو وہ اپنے اور تمہارے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر تمہیں خاموش کر دیں گے کیونکہ اگر دھرم کی حقیقت سامنے آتی ہے تو براہمن کا ان دیکھا طلسم ٹوٹتا ہے اور اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے رام پر کچھ نہیں کہا' تمہارے ہی مہاتما لیڈروں کے لفظ دہرائے ہیں۔" یہ کہہ کر میں خاموش ہوا تو وہ بھی چپ رہی۔ تب میں نے کہا۔ "یہ جو دھرم' مذہب یا دین ہوتا ہے نا' یہ انسان کی زندگی کو بہتر سے بہترین بنانے کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ انسان ہی سے انسانیت کا وجود ہے اس لئے انسانیت کے اعلیٰ مدارج اور اس کی جسمانی و روحانی ضروریات کو اعلیٰ انداز میں پوری کرنے والا یہ مذہب ہی ہوتا ہے۔ وہ مذہب ہی کیا کہ جس کے تحت زندگی گزاری جائے اس پر سوال کرنے کی اجازت تک نہ ہو---"

"صدیوں سے رامائن کا وجود ہے اور اب تم---"

"شعور کے لئے تو ایک لمحہ کافی ہوتا ہے۔ میرا پھر سے سوال یہی ہے کہ اگر تمہارا رام کھشتری ہے تو پھر تم کسی کھشتری سے شادی کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"تم نے تو مجھے اک نئی راہ دکھا دی۔" شاردا نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"سوچ' محض مثبت سوچ--- تم پڑھو' اپنے دھرم کے بارے میں پڑھو۔ میں تمہیں صرف ایک معیار دیتا ہوں اور وہ ہے انسانیت---" میں نے کہا تو اچانک میری نگاہ دروازے کی طرف اٹھی'

انار کلی کافی لئے کھڑا تھا۔ "ارے آؤ' کھڑے کیوں ہو؟"

"میں آپ کی باتیں سن رہی تھی میں نے سوچا' یوں جانے سے آپ ڈسٹرب نہ ہو جائیں۔" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔

"چل اب رکھ دے۔"

میں نے کہا تو وہ ٹرے ہمارے درمیان رکھ کر واپس چلا گیا۔ تبھی ہم دونوں نے مگ اٹھائے اور اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم ہو گئے۔۔۔ وہ رات گئے تک میرے ساتھ خواب گاہ میں رہی۔ لیکن ساری رات مذہب کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں وہ جب وہاں سے گئی تو ایک بدلی ہوئی شاردا تھی۔ جس کی بابت میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔۔۔ ہندومت کے تمام محققین اس بات کو مانتے ہیں کہ کبھی یہ دھرم رہا ہوگا' ویدوں میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ دھرم کبھی عین فطرت پر تھا' یعنی توحید کا علمبردار تھا لیکن وقت کے ساتھ یہ بدلتا گیا۔ اگرچہ ہندو دھرم کی بنیاد ویدوں پر مانی جاتی ہے تاہم ویدوں کو الہامی کتابیں نہیں مانا جاتا بلکہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ان کے مضامین دیوتاؤں نے براہ راست مہاپجاریوں کو لکھائے ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جہاں سے براہمن ازم داخل ہو گیا۔ کبھی ایک وید تھا لیکن براہمن ازم کے تسلط نے رگ وید' یجروید' سام وید اور پھر اتھروید کو وجود دیا۔ اس کے بعد اپنشید' پران۔ ان پرانوں کی تعداد 18 تک پہنچ گئی۔ برہماپران سے لے کر اگنی پران تک' ان کے بعد شاشتروں کی باری آتی ہے۔ دراصل یہ براہمن ازم تھا جس نے وید' پران اور شاشتروں کے بل بوتے پر ہندوؤں کو غلام بنالیا۔ حکمرانی صرف دو بنیادوں پر کی جاتی ہے نفرت سے یا محبت سے۔ برہمن کی حکمرانی کی بنیاد نفرت ہے۔ وہ ہر کسی سے نفرت کرتا ہے۔

✿✿

دو ہفتے انتہائی مصروفیت میں گزر گئے۔ ان دو ہفتوں میں ماحول بدل گیا۔ مالتی' سنیل بھاٹیہ اور اشوک دھوریہ نے دن رات ایک کر دیا۔ دفتر جدید ترین آلات سے مزین ہو گیا تو ٹیکسٹائل کی مشینری کی طرف توجہ دی گئی۔ یہ ایک لمبا عمل تھا اور اس کے لئے خاصا وقت اور سرمایہ درکار تھا۔ تاہم اس کے لئے کام شروع کر دیا گیا تھا۔ راہول نے مالتی کی شادی کے لئے کافی پاؤنڈ بھیج دیئے تھے' وہ بے بس اور مایوس سا لکشمن راؤ اب نئی توانائی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شاردا کے ساتھ میری دوستی دن بدن گہری ہوتی چلی جا رہی تھی مگر ہمیں کاروبار کے علاوہ لمبی گفتگو کے لئے وقت نہیں ملا تھا۔ بھاگ دوڑ کے دن ختم ہوئے تو اچانک حالات میں ٹھہراؤ آ گیا۔ وہ ممبئی آنے کے بعد پہلا دن تھا جب میں پوری رات اور پورا دن اپنی خواب گاہ سے نہیں نکلا تھا۔ اس شام سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ انار کلی نے میرے بیڈروم کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ فون پکڑے کھڑا تھا۔ میں نے اشارے سے پوچھا تو اس نے کہا۔

"شاردا جی کا فون ہے۔"

میں نے فون لیا تو "ہیلو" کے جواب میں وہ بولی۔

"لگتا ہے، خوب تھکن اتاری ہے آپ نے۔۔۔؟"

"ایسا تو ہے۔۔۔" میں نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"اچھا۔۔۔ کہنا میں نے یہ تھا کہ اگر آج باہر نکلنے کا ارادہ ہو تو کہیں چلیں۔"

"کہاں۔۔۔؟" میں نے عام سے انداز میں پوچھا۔

"شردچندر اگاشی سے ملنے۔۔۔" اس نے کہا تو میرے بدن میں ایک تیز لہر سرایت کر گئی۔ میں کچھ نہ بولا تو وہ کہتی چلی گئی۔ "میری ان سے بات ہو گئی ہے، آج شام وہ ہمیں تھوڑا وقت دے دیں گے۔ اگر تم تیار ہو تو میرا خیال ہے، ان سے آج ہی مل لیا جائے، کیا کہتے ہو؟"

"میں نے کیا کہنا ہے۔ اگر تم وقت طے کر چکی ہو تو چلو، میں ابھی تھوڑی دیر میں تیار ہو جاتا ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے، میں ان سے کہہ دیتی ہوں کہ ہم آ رہے ہیں۔"

"او کے، میں تیار ہو جاتا ہوں۔۔۔"

میں نے کہا تو اس نے فون بند کر دیا۔ میرے اندر وہی سنسنی خیز کیفیت اتر آئی جو میں نے ممبئی کی طرف پرواز کرتے ہوئے محسوس کی تھی۔ اچانک ہی مجھے مینجر اکرم، ثمن، خلیفہ جی عبداللہ اور صفدر علی خاں یاد آنے لگے۔ ان کے جلو میں کہیں پیچھے زوہیب اور فائقہ بھی تھیں۔ ایک کے بعد ایک چہرہ میری نگاہ میں پھر گیا۔ میں چند لمحے اسی کیفیت میں ساکت سا کھڑا رہا۔ پھر جب انارکلی نے فون واپس پکڑا تو مجھے ہوش آیا۔ تب میں نے اپنے اندر ایک نئی طرح کی توانائی محسوس کی، نجانے کیوں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ میں اور شاردا راہول لاج سے نکل پڑے اور ہماری منزل شردچندر اگاشی کا گھر تھا جو باندرا کے علاقے میں ماؤنٹ میری چرچ کے آس پاس تھا۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا اور شاردا پچھلی نشست پر بیٹھی تھی۔ جبکہ میں جان بوجھ کر اگلی نشست پر تھا۔

شاردا، لکشمن راؤ، پرنس اور ارون گولی نے جو معلومات حاصل کیں تھیں وہ مختلف حوالوں سے تھیں۔ جس سے بہت حد تک شردچندر اگاشی کا چہرہ اور شخصیت کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ ان سب کی معلومات کا نچوڑ یہ تھا کہ شردچندر اگاشی حکومتی ملازمت میں مختلف عہدوں پر فائز رہا تھا۔ پھر اچانک وہ بہت عرصہ تک ملک سے غائب رہا۔ اس کی وجہ یہی بتائی جاتی رہی کہ اس پر مالی فراڈ کا الزام تھا۔ جس وقت وہ الزام ختم ہو گیا، وہ دوبارہ بھارت آ گیا۔ اس نے آتے ہی حکومتی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنا بزنس شروع کر لیا جس میں وہ دن بدن ترقی کرتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ ایک اچھی خاصی ایمپائر

کھڑی کرنے کے بعد سیاست میں آگیا۔ وہ ابھی تک کسی خاص پارٹی میں شامل نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ مہاراشٹر میں شیوسینا چھائی ہوئی تھی جبکہ اس کا جھکاؤ کانگریس کی طرف تھا۔ اس کے بارے میں سیاسی پنڈتوں کی یہی رائے تھی وہ کانگریس پارٹی ہی جوائن کرے گا کیونکہ اس کے بیشتر سے زیادہ تعلقات اسی پارٹی کے لوگوں سے تھے۔ اس نے سیاست میں آنے کا راستہ ٹیکسٹائل انڈسٹری کے ذریعے اپنایا تھا۔ وہ بھارت کی اور خصوصاً ممبئی کی ایک مشہور اور متمول فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی والدہ فوت ہو چکی تھی اور باپ ابھی زندہ تھا' اس کی بیوی اچھی خاصی سوشل خاتون تھی۔ اس کی اولاد میں دو ہی بچے تھے ایک لڑکا اور اس سے چھوٹی ایک لڑکی' دونوں ہی اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے۔ لڑکا اپنے باپ کے ساتھ بزنس میں تھا اور لڑکی بیاہ دی گئی تھی--- شرد چندر اگاشی کا معمول یہی تھا کہ وہ علی الصبح اٹھنے کا عادی تھا۔ پوجاپاٹ کے بعد اپنے چند سیکورٹی گارڈ کے ساتھ نزدیکی پارک میں جاگنگ کے لئے جاتا تھا لیکن کبھی کبھار وہ ساحل پر بھی چلا جاتا۔ وہ ناشتہ اپنے خاندان کے ساتھ کرتا جہاں سب کی حاضری ضروری تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے آفس چلا جاتا تھا' وہیں اسے دن بھر کا شیڈول بتایا جاتا اور وہ اس پر عمل کرتا۔ گھر واپسی کا وقت کبھی متعین نہیں ہوا' بہت کم ایسا ہوتا کہ وہ شام کے وقت گھر پر دستیاب ہو سکتا تھا ورنہ کوئی نہ کوئی پروگرام طے ہوتا تھا۔ اس سارے دورانئے میں وہ شام سے پہلے کچھ وقت اپنے آفس میں ضرور گزارتا تھا۔ اس دوران وہ کیا کرتا تھا' یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس دوران وہ لوگوں سے ملاقات بھی کر لیتا اکثر اوقات وہ لوگ ٹیکسٹائل کی دنیا کے نہیں ہوتے تھے۔ یہ اس کی سامنے کی زندگی تھی۔ اس کی شخصیت کا دوسرا رخ انڈرورلڈ میں تھا جہاں وہ ایک اسمگلر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ کوکین اور سونے کی سمگلنگ میں ملوث تھا اور اس کا نیٹ ورک بہت سارے ملکوں تک پھیل چکا تھا۔ اس کا زیادہ رابطہ بنکاک اور نیپال میں تھا۔ وہ مہاراشٹرا کے بڑے اسمگلروں میں سے ایک تھا۔ وہ اس دنیا میں خاصا سخت گیر واقع ہوا تھا۔ بظاہر وہ ٹیکسٹائل کمیونٹی کے لیڈر کے طور پر ابھر رہا تھا--- مجھے اس کے بارے میں جس طرح کی معلومات ملتی چلی گئی' اسی طرح میرے ذہن میں منصوبہ تشکیل پاتا چلا گیا۔

✿✿

پرانی وضع کے ایک بہت بڑے بنگلے کے پورچ میں ہماری گاڑی رک گئی۔ میں گاڑی سے نکلا تو اردگرد کا جائزہ لیا۔ اگرچہ وہ پرانی وضع اور طرز کی عمارت تھی لیکن دیکھ بھال کی وجہ سے بہترین حالت میں تھی۔ اس کے اردگرد سبزہ زار سے خوشگواریت کا احساس ہوتا تھا۔ گاڑی رکنے کے ساتھ ہی کونے کھدروں سے تین چار لوگ وارد ہو گئے تھے' چند سیڑھیاں چڑھ کر ہم برآمدے میں پہنچے تو بغلی دروازے سے ایک دبلی پتلی سی انتہائی ماڈرن لڑکی برآمد ہوئی۔ اس کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ تھی' بوائے کٹ بالوں اور جدید تراش کے لباس میں اس نے خود کو بہت بنا سنوار کر رکھا ہوا تھا۔ اس

نے ہم دونوں پر نگاہ ڈالی' مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور مشینی انداز میں بولی۔

"اگاشی جی آپ کے منتظر ہیں' شاردا جی---!"

یہ کہتے ہوئے اس نے قدم بڑھا دیئے۔ ہم دونوں اس کے پیچھے چل دیئے۔ وہ ہمیں ایک تنگ سی راہداری میں سے گزارتی ہوئی ایک بڑے کمرے میں لے آئی۔ بلاشبہ اس تنگ راہداری میں ہماری اسکینگ ہوئی تھی۔ ایسے موقع پر میں کسی بھی قسم کا ہتھیار لے جانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا سو میں بلاخوف وہ راہداری پار کر گیا۔ بہت ہی قیمتی اشیاء سے سجا وہ کمرہ اپنے مالک کی امارت کا اعلان کر رہا تھا۔ میں نے ایک نگاہ ڈالی اور اس میزبان لڑکی کی طرف دیکھا جو مجھے بالکل نظرانداز کر رہی تھی۔ اس کی تمام تر توجہ شاردا کی طرف تھی اور وہ مسلسل اس سے باتیں کرتی چلی جا رہی تھی۔

"آپ تشریف رکھیں' میں اطلاع کرتی ہوں---"

آخر میں یہ کہہ کر وہ اندرونی طرف غائب ہو گئی۔ ہم دونوں دو مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ابھی تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ میزبان لڑکی برآمد ہوئی۔ اس کے پیچھے وہ شخص دکھائی دیا' میں جس کی تلاش میں یہاں تک پہنچا تھا' شردچندر اگاشی اس کمرے میں بالکل میرے سامنے تھا۔ وہ ادھیڑ عمر تھا' سرخ و سفید چہرہ اور لمبا قد۔ اخبار میں اس کی تصویر میں بارہا دیکھ چکا تھا' میں پہلی بار اسے اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ اس نے شاردا سے ہاتھ ملایا اور پھر میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے بڑے غور سے میرا چہرہ دیکھا' مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اور پھر ہم اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے شاردا سے انگریزی میں پوچھا۔

"یہی ہیں نا' وہ صاحب جو لندن سے آئے ہیں اور آپ کی ٹیکسٹائل مل کو نئی زندگی دی ہے۔"

"جی ہاں' یہ میرے بھائی راہول کے دوست ہیں۔"

شاردا نے کہا تو اس نے پھر سے میری طرف غور سے دیکھا اور بولا۔

"اس کا تعلق پاکستان سے ہے' نا---؟"

"جی--- میں نے بتایا ہے نا' یہ میرے بھائی راہول کے بہت اچھے دوست ہیں اور انہی کے اصرار پر یہاں آئے ہیں۔ اب بہت جلد واپس چلے جائیں گے۔"

"ہاں' دنیا بھر میں بہت سارے باصلاحیت لوگ موجود ہیں اور ہمیں ان کی صلاحیتوں سے استعفادہ کرنا چاہیئے۔" یہ کہہ کر اس نے میری طرف دیکھا اور براہ راست مجھ سے پوچھا۔ "تو کیا محسوس کیا آپ نے یہاں پر آکر' کیسا لگا یہاں کا ٹیکسٹائل ماحول---؟"

"منتشر---"

میں نے ایک لفظ کہا اور خاموش ہو گیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ کم گو ہیں یا تبصرہ کرنا پسند نہیں کرتے؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔

"میں کم گو نہیں ہوں اور تبصرہ کرنے میں بھی کوئی شے مانع نہیں۔۔۔"

یہ کہہ کر میں نے تفصیل سے باتیں کیں تو وہ توجہ سے سنتا رہا۔ درمیان میں تکنیکی باتوں پر بھی گفتگو چلتی رہی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے تول رہا ہے۔ میرے خیال میں اسے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ اس کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ہمارے بارے میں خاصی معلومات لے چکا تھا۔ خاصے لوازمات کے ساتھ چائے آجانے سے ہماری گفتگو رک گئی۔ دوبارہ جب باتیں شروع ہوئیں تو اس نے کہا۔

"عامر صاحب! لگتا ہے کہ آپ اپنے میدان میں خاصے ماہر ہیں۔ اگر آپ کو یہاں ممبئی میں اچھی آفر ملے تو کیا آپ واپس لندن جانا پسند کریں گے؟"

"جی' مجھے واپس لندن ہی جانا ہے' کیونکہ وہیں میں اپنا مستقبل روشن محسوس کرتا ہوں اور وہاں زیادہ مواقع ہیں۔ میرا جو یہاں کام تھا' وہ تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ یہاں آنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ شاردا جی کی سرپرستی آپ کریں۔ میرا خیال ہے' یہ اپنے بزنس کو بہت اچھی طرح سنبھال لیں گی۔"

"آپ یہاں کے سیاسی ماحول کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟"

اچانک اس نے کہا تو میں ہنس دیا اور کہا۔

"سوری' سر! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

میرے یوں کہنے پر اس کا بھرپور قہقہہ بلند ہوا تو میرے دل میں ایک خنجر اتر گیا۔ میرا دشمن میرے سامنے قہقہے لگا رہا تھا۔ میرے ہی ملک میں' میرے ہی لوگوں کا خون بہانے والا!۔۔۔ میرے اندر جنوں خیز لہر اٹھ گئی۔

انسان کو حصار میں رہنا چاہئے کیونکہ تمام تر کامیابی اور ناکامی اسی حصار میں ہی ممکن ہوتی ہے۔ جب ہم حصار سے باہر ہوتے ہیں تو ہم اپنے حریف کے مقابل نہیں ہوتے' مقابلے سے پہلے ہی شکست خوردہ حالات میں ہو جاتے ہیں۔ تب کامیابی یا ناکامی کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم حصار میں موجود نہیں ہوتے۔ جونہی ہم حصار میں آتے ہیں' ہم اپنے دشمن کے مقابلے پر آجاتے ہیں۔ پھر کامیابی یا ناکامی کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ یہ الگ بحث ہے کہ ناکامی کیوں ہوتی ہے یا کامیابی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟۔۔۔ اصل میں حصار سے میری مراد کیا ہے؟ اس کے لئے حصار کو سمجھنا ہو گا۔ یہ ایک چھوٹے سے دائرے سے لے کر کائنات کی وسعتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ضروری نہیں کہ دشمن ہمارے سامنے موجود ہوتا ہے' ان دیکھا دشمن بھی ہمیں انتشار میں مبتلا کر کے شکست سے دوچار کر سکتا ہے لیکن ہمیں اپنے دشمن کا پتہ اسی وقت چلے گا جب ہم حصار میں آجائیں گے۔ شیطان ہمارا ان دیکھا دشمن ہے۔ جب تک ہم اس کے دائرہ کار میں مقابل نہیں آئیں گے' ہم حصار

سے باہر ہیں۔ اسی طرح کسی ان دیکھے انسان یا قوم کی سوچ دوسرے انسان یا قوم کو مفتوح کر سکتی ہے اور کر رہی ہے۔ وہ قوم جب تک اس سوچ کے مقابل کھڑی نہیں ہوگی تب تک وہ حصار سے باہر پڑی شکست خوردہ حالت میں ہے۔ یہ ایک ایسا حصار ہے جس میں آتشیں اسلحہ کی ضرورت نہیں پڑتی اور نہ ہی آستین کس کر کسی اکھاڑے میں اترنا پڑتا ہے۔ ایک ایسا حصار اس کائنات میں موجود ہے جس کا یقین ہی کامیابیوں کی انتہا ہے کیونکہ وہی کامیابیوں سے نوازنے والا ہے جو اس کائنات میں موجود ہے' جس کا یقین ہماری کامیابیوں کی انتہا ہے کیونکہ وہ ہی کامیابیوں سے نوازنے والا ہے جو اس کائنات کا خالق ہے اور اس پر محیط ہے' اسی کا حصار ہے۔ ہم اللہ کے حصار میں آتے ہیں تو وہاں ہم اللہ کے حریف نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی پناہ میں آکر اس دائرے میں موجود انسانیت کی دشمن قوتوں کو لمحوں میں پہچان لیتے ہیں۔ ہم بحیثیت پاکستانی قوم حصار سے باہر پڑے ہوئے ہیں اور حصار میں ان دیکھے دشمن موجود ہیں۔ ہم حصار سے باہر کھڑے کسی تماشائی کی طرح اونچی آواز میں گلا پھاڑ کر محض تبصرہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے نام نہاد دانشور حصار میں نہ ہونے کی بناء پر انتشار جیسے دشمن کا شکار ہو چکے ہیں۔ جو ان کے مفتوح ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔ اصل میں سوچنے والی بات یہ ہے کہ انتشار شروع کہاں سے ہوتا ہے؟ اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ جب انسان یقین جیسی دولت سے خالی ہوتا ہے--- خالق کائنات کا یقین اور اس کے ہونے کا دھیان جب نیتوں میں راسخ ہوتا ہے تو حوصلے خود بخود ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہماری نیت میں خلوص نہیں ہوگا تو ہمارے اعمال بھی تو اسی نیت کا اظہار ہوں گے؟ جب اللہ کا ہمارے ساتھ ہونے کا یقین کامل ہمارے اندر راسخ ہوگا تو ہمارے ارادے ہمیشہ پرعزم رہیں گے۔ پھر دوست اور دشمن کی پہچان سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ ہر شے کی پہچان ہی اصل بات ہے جب پہچان نہیں ہوتی' انتشار تبھی ہوتا ہے۔ جو لوگ انتشار کا شکار نہیں ہوتے' وہ ہمیشہ یہ یاد رکھتے ہیں کہ اللہ بلند حوصلہ رکھنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر جب ایک بلند حوصلے والا انسان حصار میں آتا ہے تو ان دیکھے دشمن خود بخود سمٹ جاتے ہیں کیونکہ اگر ان میں حوصلہ ہوتا تو وہ سامنے آکر کھڑے ہوتے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان دیکھا دشمن ہمیشہ بے ہمت ہوتا ہے چاہے وہ انسان ہو' جذبہ ہو' سوچ ہو یا پھر خوف۔ ہم کیوں یہ خیال نہیں کرتے کہ آج ہم اگر حصار کے باہر کھڑے اونچی آواز میں محض تبصرہ آرائی کر رہے ہیں' ہمارا دشمن بھی تو یہیں ہو سکتا ہے؟

میرا دشمن میرے سامنے ہنس رہا تھا۔ میرے اندر لاوا ابل رہا تھا جو کسی بھی پل پھٹ پڑنے کو بے قرار تھا۔ وہ محض چند قدم کے فاصلے پر تھا اور اس کی زندگی اتنے ہی لمحوں کی ہو سکتی تھی جتنی دیر میں اس کی گردن تک میرے ہاتھ پہنچتے تھے۔ میں بے قرار ہو رہا تھا۔ اس کے قہقہے کی آواز مجھے یوں محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ میری بے بسی پر ہنس رہا ہو۔ میں بے بس نہیں تھا لیکن میں خودکشی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ان لمحات میں اس پر حملہ کرنا خودکش حملے کے مترادف تھا۔ فقط شرد چندر کی موت

تو میرا مقصد نہیں تھا۔۔۔ میں نے ایک لمبا سانس اپنے اندر کھینچا اور خود پر قابو پا لیا۔ اس کی ہنسی تھم چکی تھی۔ تب اس نے دلچسپی سے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے' جناب! آپ سیاسی ماحول کو بزنس سے الگ کر رہے ہیں؟"

"اگاشی جی! میں یہاں کے سیاسی ماحول کی بات کر رہا ہوں جس کی مجھے ضرورت نہیں سو میری دلچسپی نہیں۔۔۔" میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"خیر۔۔۔ میں بتاتا ہوں کہ یہاں کا بزنس بہت حد تک سیاست اور تھوڑا بہت انڈر ورلڈ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ میں یہ اپنے ٹیکسٹائل بزنس کی بات کر رہا ہوں ورنہ مختلف بزنس کے حوالے سے مختلف صورت حال ہو سکتی ہے۔" اس نے وضاحت سے کہا۔ میں خاموش رہا تو وہ کہتا چلا گیا۔ "میں اپنے کاروبار کے ساتھ' سیاست کو بھی لے کر چل رہا ہوں۔ میں اس میں کامیاب ہوں۔ ہمارا ایک پورا گروپ ہے۔ میں شاردا جی کو اپنے اس گروپ میں شامل ہونے پر خوش آمدید کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔؟"

"بہت مہربانی' میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کروں گی۔" شاردا نے تیزی سے کہا۔

"۔۔۔ اور میں آپ کے تحفظات کا پورا خیال رکھوں گا۔"

اس نے لیڈرانہ زعم سے کہا تو میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔۔۔ بہت حد تک میں نارمل ہو چکا تھا۔ ان کے درمیان گفتگو چلی تو ذرا طویل ہو گئی۔ جس میں فقط یہی تھا کہ وہ کس حد تک کامیابیاں حاصل کر چکا ہے۔ آئندہ پروگرام کیا ہے' وہ اسے کس حد تک فائدہ دے سکتا ہے۔ شاردا نے اسے دعوت دی کہ نئی مشینوں کے افتتاح پر وہ آئے اور یہ رسم اسی کے ہاتھوں انجام پائے تاکہ لوگ جان سکیں کہ وہ شاردا کے ساتھ ہے۔ اس نے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہو گا۔ پھر تھوڑی دیر مارکیٹ کے حوالے سے گفتگو کرنے کے بعد ہم وہاں سے اٹھ آئے۔ ہمارے اٹھتے ہی وہی بوائے کٹ بالوں والی لڑکی نمودار ہوئی۔ اس کے چہرے پر وہی مصنوعی مسکراہٹ تھی۔ ہم مصافحہ کر کے مڑے تو وہ اسی دروازے سے اندر کی طرف چلا گیا جبکہ ہم انہی راستوں سے واپس پورچ تک آ گئے۔ بوائے کٹ بالوں والی لڑکی نے رسمی سے انداز میں الوداعی کلمات کہے۔ میں نے ان پر دھیان نہیں دیا بلکہ اردگرد کا جائزہ لیتا رہا۔ اگرچہ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس پرانی وضع کے بنگلے کو روشن رکھنے کے لئے ڈھیروں قمقمے جل رہے تھے تاہم رات کے اندھیرے میں مصنوعی روشنی جتنی بھی ہو' دن کا مقابلہ قطعاً نہیں کر سکتی۔ یہی حال ہمارے من کا ہے۔ اگر من میں روشنی ہے تو باہر کے اندھیرے بے معنی ہو جاتے ہیں۔۔۔ میں اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ میرے دائیں طرف سے ایک لمبے قد والا' پتلا سا لڑکا برآمد ہوا' جس کے لباس سے امارت ٹپک رہی تھی۔ اس وقت ممبئی کے نوجوانوں میں جو فیشن مقبول تھا' وہ سب اس میں تھا۔ سونے کی کئی ساری چین اس کے گلے میں تھیں۔ انداز میں لاپرواہی'

بے نیازی اور احساس تفاخر تھا۔ اس کے آتے ہی ایک نہایت قیمتی گاڑی اس کے پاس آئی۔ وہ اس میں تیزی سے بیٹھ گیا' اس نے اردگرد دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

"شردچندر اگاشی کا اکلوتا بیٹا' کونال۔۔۔"

شاردا نے سرسرانے والے انداز میں کہا تو میں نے غور سے دیکھا۔ وہ اپنے آپ میں مست تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے گاڑی بڑھا دی۔ لاشعوری طور پر اس گاڑی کے نمبر میرے ذہن میں نقش ہو گئے۔۔۔ میں نے لاپرواہی سے پسنجر سیٹ کی طرف والا دروازہ کھولا اور بیٹھ گیا۔ تب شاردا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"شردچندر اس پر جان چھڑکتا ہے۔ اس کا اکلوتا وارث جو ہے' بہت جلد وہ اس کی شادی کر دینے والا ہے کیونکہ اب وہ اپنے باپ کا بزنس سنبھالنے لگ گیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی مگر میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے اس کے بارے میں مزید معلومات دے اس لئے چپ رہا تو وہ بولی۔ "۔۔۔۔ ویسے ہے ایسا ہی فلرٹ قسم کا' لڑکیوں کا دلدادہ' امیرانہ ٹھاٹ کے ساتھ رہنے والا ضدی لڑکا۔۔۔"

"تمہیں اس کے بارے میں اتنی معلومات کہاں سے ملیں۔۔۔؟"

"ابھی انہی دنوں میں پتہ چلا ہے' جب میں اس کے بارے میں۔۔۔"

"۔۔۔ اور کیا جانتی ہو؟" میں نے عام سے انداز میں پوچھا۔

"اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" اس نے بے پرواہی سے کہا تو میں ہنستے ہوئے بولا۔

"چلو شکر ہے' اس کے بارے میں تم اتنا ہی جانتی ہو ورنہ مزید اس کے بارے میں سننا پڑتا۔"

میں نے کہا تو وہ بھی ہنس دی۔ تب تک ڈرائیور آ کر پچھلی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا تو شاردا نے گاڑی بڑھا دی۔

جب ہم راہول لاج واپس پہنچے تو رات کا اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے موسم کے بارے میں اتنا احساس نہیں ہوا تھا جتنا گاڑی سے اترتے ہوئے ہوا۔ ماحول خاصا گھٹا ہوا تھا' ہوا جیسے تھمی ہوئی تھی۔ اندازہ یہی تھا کہ بارش ہوگی' چاہے رات کے کسی پہر ہو۔۔۔ میں تھکے ہوئے قدموں سے گیسٹ ہاؤس کی جانب بڑھا۔ یہ تھکن جسمانی نہیں تھی بلکہ سلگتے رہنے سے اور خود پر قابو پانے کی کوشش میں نڈھال سا ہو گیا تھا۔ وہ جس شخص تک پہنچنے کے لئے مجھے اتنا عرصہ لگ گیا تھا' اسے سامنے پا کر یونہی چھوڑ دینا بڑے حوصلے کا کام تھا۔۔۔ میں سٹنگ روم میں آیا تو سامنے کے صوفے پر سریتا بیٹھی ہوئی تھی' ٹی وی چل رہا تھا مگر میری آہٹ پا کر وہ میری طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس وقت بھی اس نے نیکر اور ہاف سلیو شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ سفید شرٹ میں سے اس کے گلابی بازو اور گداز کندھے ایک حشر برپا کر رہے تھے۔ میں اس کے پاس صوفے پر گر سا گیا۔

"کیسی ہو' سریتا۔۔۔؟" میں نے پوچھا تو وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولی۔

"میں تو ٹھیک ہوں مگر لگتا ہے' آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہیں آپ؟"

"ہاں' کچھ ایسا ہی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر انار کلی کی طرف دیکھا۔ وہ میرے لئے پانی لا رہا تھا۔ میں نے خاموشی سے پانی پیا اور گلاس واپس کرتے ہوئے پوچھا۔ "کھانا کب تک لگادو گے؟"

"جب تک آپ کہیں' بابو! ہم نے تو کب کا تیار کر دیا ہے۔"

"چلو پھر لگا دو---" میں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا اور سریتا کی طرف دیکھا جو بہت غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں---"

اس نے تیزی سے کہا اور اٹھ گئی' اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔

✿✿

اس وقت میں کھانا کھا کے ہاتھ دھو رہا تھا جب میرا سیل فون بجنے لگا۔ میں نے ہاتھ خشک کئے تو اس میں چند لمحے لگ گئے۔ سیل فون کی سکرین پر شیتل ورما کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ میں نے اسے یونہی بجنے دیا کیونکہ اس وقت سریتا میرے قریب تھی' میں اس سے بات کرتا تو بلاشبہ اس کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دوبارہ فون کرے گی سو میں اپنے بیڈروم میں چلا گیا۔ میری توقع کے عین مطابق اس کا فون دوبارہ آگیا۔ میں نے بیل پوری نہ بجنے دی اور فون رسیو کر لیا۔

"کہیں کھوئے ہوئے تھے---؟" اس نے زندگی سے بھرپور آواز میں کہا۔

"ہاں--- مگر تمہارے خیالوں میں نہیں---" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"ہمارے یہ نصیب کہاں' اگر ہمارے نصیب اتنے اچھے ہوتے تو آپ ہمارے پہلو میں نہ ہوتے۔ بس دو راتیں یہاں ہوں' پھر ڈیوٹی پر جانا ہوگا اور یہ دو راتیں سلگتے ہوئے گزر جائیں گی۔" اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"کسی کی یادیں اگر سلگنے کا باعث بن جائیں تو کیا یہ اچھے نصیب کی بات نہیں ہے' وہ یادیں جو خوشگوار بھی ہوں۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"دل کو تسلی دینے کے لئے یہ خوبصورت لفظ بہت بڑا سہارا ہوتے ہیں' یہ اگر نہ ہوں تو زندگی اجیرن ہو جائے--- خیر' کس کے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے آپ---؟" اس کا لہجہ اچانک شوخ ہو گیا تھا۔

"یہ ایک عورت کا شک بول رہا ہے یا جیلسی---"

میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹ دی۔ "نہیں' آپ اسے بات بڑھانا بھی کہہ سکتے ہو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دی تھی۔ مجھے فوراً کوئی بات نہ سوجھی تو کہا۔

"بس آج ایک شخص سے ملنے گیا تھا' اس سے مل کر بور ہو گیا ہوں۔ غرور' طاقت کا ناجائز اظہار اور بے غیرتانہ پن---" نہ چاہتے ہوئے بھی میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"ایسا کون تھا وہ شخص---؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"شرد چندر اگاشی' وہ---"

"ارے وہ---!" اس نے شدید حیرت سے کہا اور پھر تیزی سے بولی۔ "وہ آپ کو کہاں مل گیا بلکہ آپ کیوں اس سے ملے---؟"

اس کے انداز پر میں چونک گیا لہٰذا بہت محتاط لہجے میں پوچھا۔

"تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو---؟"

"جو میں نے پوچھا ہے' وہ آپ بتاؤ۔"

اس نے تیزی سے کہا تو میں نے انتہائی مختصر انداز میں شاردا کی خواہش بتا دی۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ میری بات سن کر بولی۔

"تم انجانے میں ایک بہت ہی غلط آدمی سے ٹکرا گئے ہو۔ وہ آدمی کے بھیس میں ایک بہت بڑا سانپ ہے۔"

"یہ سب تم کیا کہہ رہی ہو' مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟--- میرا اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"عامر! پلیز آپ مجھے ملو' میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہوں گی تاکہ آپ اس کے ساتھ معاملات میں دھوکہ نہ کھاؤ۔"

"ٹھیک ہے' میں مناسب وقت دیکھ کر تم سے---"

"نہیں ابھی' چاہے آپ کسی پبلک پلیس پر ہی ملو۔ کچھ وقت کے لئے ہی سہی---"

"ٹھیک ہے۔ ایک گھنٹے بعد سن اینڈ سینڈ کے کافی ہال میں--- وہاں آ سکتی ہو؟"

"میں آ رہی ہوں لیکن اگر مجھے دیر بھی ہو جائے تو میرا انتظار کرنا۔"

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں چند لمحے یونہی خالی دماغ کے ساتھ کھڑا رہا۔ میں شرد کے بارے میں جانکاری کے لئے اس سے ملنا طے تو کر بیٹھا تھا لیکن کیا واقعی ہی مجھے وہاں تک جانا چاہئے؟--- میں چند لمحے یہی سوچتا رہا اور پھر جانے کا فیصلہ کر کے واپس سٹنگ ہال میں آ گیا۔ اس وقت تک سریتا وہیں تھی۔ وہ مجھ سے بہت ساری باتیں کر چکی تھی' اسے اب چلے جانا چاہئے تھا مگر وہ وہیں تھی۔ میں نے اشارے سے انارکلی کو باہر نکلنے کے لئے کہا اور اپنا ریوالور جیب میں ڈال کر باہر آ گیا۔ انارکلی پریشان سا میرے انتظار میں تھا۔

"انارکلی! میں سن اینڈ سینڈ تک جا رہا ہوں۔ دو گھنٹے تک واپس آ جاؤں گا' اگر نہ آیا تو پرنس کو

اطلاع کر دینا۔۔۔ ویسے میں تمہارے ساتھ لائین فون پر رابطہ رکھوں گا۔"

"میں بھی چلتی ہوں ساتھ۔۔۔" انارکلی نے تشویش سے کہا۔

"ارے ایسی کوئی گھبرانے والی بات نہیں ہے' میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر کہا ہے۔"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور چل دیا۔ مین گیٹ پر چوکیدار نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا' اس نے کھڑے ہو کر سلام کیا' اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کی۔ میں کافی دور تک پیدل چلتا چلا گیا' پھر ایک ٹیکسی کے ذریعے سن اینڈ سینڈ جا پہنچا۔ میں کافی ہال کی اس جگہ جا بیٹھا جہاں سے دروازہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے وہاں بیٹھے کافی وقت بیت گیا۔ اس دوران مجھے بار بار ارون گولی کا خیال آتا رہا۔ میرے ذہن میں ایک دھندلا دھندلا سا خاکہ ابھر رہا تھا جس میں ارون گولی خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ تب اچانک ہی مجھے اس کا ادراک ہو گیا' میں اپنے لاشعور کی کارروائی پر مسکرا دیا۔ میں نے اس کے نمبر ملائے۔ چند لمحوں بعد اس نے فون رسیور کر لیا۔

"ارے عامر بابو! آپ۔۔۔ کیسے یاد کر لیا ہمیں؟"

"بس ایسے ہی' تم سے تھوڑی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"تو آ جاؤ۔۔۔" اس نے بے تکلف انداز میں کہا۔

"اس وقت شاید نہ آسکوں' پر ایک بات تم سے پوچھنا تھی؟" میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

"بولو' بات کرو۔۔۔" اس نے اپنی جھونک میں کہا۔

"اگر تمہیں اس وقت کوئی گاڑی نمبر دیا جائے تو کیا تم رات کی رات میں اسے تلاش کر لو گے؟"

"بہت مشکل کام ہے' اس ممبئی میں کروڑوں گاڑیاں ہیں' پھر ایک رات کا وقت۔۔۔ ناممکن۔"

"اچھا چلو۔۔۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم فقط یہیں نہیں' باہر بھی کام کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں۔۔۔ میں تو اس انتظار میں ہوں' کوئی چانس ملے تو سہی۔"

"اگر تمہیں چانس مل جائے تو۔۔۔؟"

"کیسے۔۔۔؟" اس نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہیں پتہ ہے' میں نے چند دن پہلے ایک آدمی کے بارے میں تم سے معلومات لی تھیں۔"

"ہاں' ہاں۔۔۔ کیا اس کے ساتھ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" میں نے سختی سے تردید کی۔ "وہ اگر راستے سے صاف ہو جائے تو کیا تم اس کی مارکیٹ میں آکر اپنا کام کر سکتے ہو؟"

"ارے' ے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو' تم تو پیتے نہیں ہو؟۔۔۔ یہ۔۔۔"

"بس اتنی سی بات پر گھبرا گئے؟ تم کیا خاک کام کرو گے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"عامر! تمہیں شاید پتہ نہیں ہے' وہ بہت سٹرونگ گینگ ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اچانک رک گیا۔

پھر حیرت سے بولا۔ "پر تم یہ کہہ رہے ہو تو--- تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا ہو جائے گا؟"

"میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ اسے صاف کرو' میں نے سنبھال لینے کی بات کی ہے۔"

"او' ایسا--- چلو یہ داؤ بھی کھیلتے ہیں--- کیا کرنا ہے مجھے؟"

"صرف اتنا کہ جو میں کہوں کرتے چلے جاؤ۔ باقی کام اور دوسرے لوگ کرتے چلے جائیں گے۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"یہی کہ تم شرد چندر کے بیٹے کونال کے بارے میں معلومات دے دو کہ وہ کہاں ہے' آج کی رات؟--- اس کے بعد سمجھو کہ تمہاری قسمت کا ستارہ چمک جائے گا۔"

"یہ ناممکن نہیں ہے' پچھلے دنوں جب میں نے اس کے بارے میں معلومات لیں تھیں تو اس کے بیٹے کے بارے میں بھی پتہ چلا تھا۔ ایک لڑکے کو اس کے بارے میں کافی معلومات ہیں۔ تم انتظار کرو' میں کوشش کرتا ہوں۔"

"میں انتظار کروں گا---"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تب میں نے وقت دیکھا' تقریباً ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں لابی میں تھا کہ مجھے شیتل دکھائی دی' وہ تیزی سے کافی ہال کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے محتاط انداز میں اردگرد کا جائزہ لیا' مجھے وہاں کوئی بھی ایسی صورت حال دکھائی نہیں دی جو تشویش ناک ہو۔ میں نے سیل فون پر اس کے نمبر ملائے اور باہر کی جانب بڑھ گیا' تیسری بیل پر اس نے فون رسیو کر لیا۔

"کہاں ہو آپ---؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"یہیں تمہارے پاس--- باہر آجاؤ' ابھی چلتے ہیں۔"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اگلے چند منٹ میں وہ باہر آگئی۔ میں نے اشارے سے اسے گاڑی لانے کو کہا اور پھر ہم ہوٹل سے باہر تھے۔ وہ سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے بولی۔

"عامر! یہ آپ کیا کر رہے ہو---؟"

"میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا' شیتل جان! وہ تو شاردا کی بزنس میٹنگ تھی۔" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"وہ اگر بزنس میٹنگ بھی تھی تو میں نہیں سمجھتی کہ وہ صرف یہیں تک محدود ہوگی۔ میں نے جہاں تک آپ کا اندازہ کیا ہے' بہت جلد اس سے ٹکراؤ ہو جائے گا اور وہ بہت مضبوط ہے۔"

"وہ اگر مضبوط ہے' میری جان! تو میں کیا کروں۔ مجھے اس سے کیا لینا دینا---؟"

"آپ کو پتہ ہے کہ وہ بہت بڑا سمگلر اور حکومت کی خفیہ کا آدمی ہے۔ وہ اب تک آپ کے بارے میں تفصیلات اکٹھی کر چکا ہو گا۔"

"لیکن ---"

میں نے کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔ اس کا لہجہ اور انداز بدلا ہوا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ' تم کون ہو اور یہاں ممبئی میں کیا کرنے آئے ہو لیکن اتنا بتادوں کہ جب تم لندن سے پرواز کرنے والے تھے' مجھے یہ بتایا گیا کہ تمہارا خیال رکھوں۔"

"تمہیں ---؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں --- مجھے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ خیال رکھوں اور اس کا مطلب تھا کہ تمہیں اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دوں اور تمہاری خیریت کے بارے میں انہیں مطلع کرتی رہوں۔"

"کون ہیں وہ لوگ اور تم ---؟"

"جن کے لئے میں کام کرتی ہوں' بین الاقوامی طور پر کام کرتے ہیں وہ --- مجھے اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ تم کوئی معمولی شے نہیں ہو ورنہ اتنے بڑے پیمانے پر تمہارے بارے میں بات نہ ہوتی۔"

"تو پھر ---؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پھر یہ کہ میں تمہیں اسی لئے خبردار کر رہی ہوں کہ تمہارا اکیلے ہی شرد چندر کے نزدیک جانا انتہائی خطرناک ہے۔ اسے ذرا سا بھی تمہارے بارے میں شک ہوگیا تو وہ تمہیں مسل دینے کی کوشش کرے گا۔"

"تو کوئی بات نہیں' تمہارا اس میں کیا جاتا ہے ---؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بہت کچھ ---" یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ جذباتی تھا۔ میں خاموش رہا تو وہ بولی۔ "مجھے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ تم سے دوستی رکھوں اور تمہارے بارے میں جو معلومات بھی ملیں' وہ ایک خاص شخص تک پہنچاتی رہوں۔ پرنس اور انار کلی میری آنکھیں اور کان ہیں جو تمہیں دیکھ اور سن رہے ہیں۔ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں جو تم یہاں ممبئی میں رہتے ہوئے کر رہے ہو۔ مجھے یہ نہیں پتہ کہ تم یہاں کرنے کیا آئے ہو لیکن اس انتظار میں تھی کہ کوئی مناسب وقت آئے اور میں تمہیں اپنے بارے میں بتادوں تاکہ تم جس مقصد کے لئے بھی یہاں آئے ہو' اس کے لئے آسانیاں فراہم کروں۔"

"تو' شیتل! سنو --- میں یہاں صرف اور صرف اپنے دوست راہول کے لئے آیا ہوں۔ میری ذات میں کن لوگوں کو دلچسپی ہے' میں نہیں جانتا۔"

"کیوں ہے' یہ تو تم جانتے ہو' نا ---؟"

"ہاں ---" میں نے اعتراف کیا' پھر غیر جذباتی لہجے میں پوچھا۔ "کن لوگوں سے تعلق ہے تمہارا؟"

"ابو سالم گینگ --- اور شرد چندر اگاشی ہمارے بڑے دشمنوں میں سے ایک ہے۔ وہ صرف

اسمگلر ہی نہیں بلکہ بھارتی خفیہ میں بہت آگے کی چیز ہے---"

پھر وہ وہی باتیں بتانے لگی جو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھیں۔ میں سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔

"ہم جا کدھر رہے ہیں---؟"

"اندھیری' میرے فلیٹ پر---"

اس نے بغیر کسی جھجک کے کہا تو میں نے سوچا کہ تب تک اس کے فلیٹ نہیں جانا چاہئے جب تک ارون گولی کا فون نہیں آ جاتا۔

"لیکن اس سے پہلے کہیں باہر کھلے میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں---" میں نے کہا۔

"جیسے تم چاہو--- ویسے تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ موسم کسی وقت بھی رنگ بدل سکتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دی تھی۔ اس سے یہ ہوا کہ ہمارے درمیان تنا ہوا ماحول قدرے زائل ہو گیا۔ اس کے انکشافات نے مجھے متاثر کیا تھا لیکن اتنا نہیں کہ میرے حواس مختل کر دے۔ شیتل ورما کے بارے میں میرا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ جہاز میں اس کا میری طرف راغب ہونا مجھے شک میں مبتلا کر گیا تھا' شاید وہ اچھی طرح تربیت یافتہ نہیں تھی--- اس وقت ہم اندھیری سٹیشن کے قریب ریلوے لائن پر موجود پل کراس کر چکے تھے جب شیتل نے پوچھا۔

"کیا واقعی تم ابھی فلیٹ پر نہیں جانا چاہتے---؟"

"ابھی نہیں--- ابھی تم کہیں بھی' اچھی سی جگہ رکو' کہیں کھانے پینے والی جگہ پر۔"

میں نے کہا تو اس نے تھوڑے سے فاصلے پر دائیں جانب ہی ایک آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی روک دی۔ ہم دونوں اندر چلے گئے۔ بڑا خنک ماحول تھا۔ میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی' ساڑھے گیارہ کا وقت ہو رہا تھا۔ تبھی مجھے انار کلی کا خیال آیا۔ میں نے فوراً اسے فون کیا۔ اس نے ابھی تک پرنس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ ہمارے بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ہمارے سامنے آئس کریم رکھ دی گئی جبکہ ہم دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ کافی دیر بعد شیتل بولی۔

"کہیں تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے؟"

"وہ کیوں---؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے اتنا عرصہ تمہیں بتایا نہیں اور میرا--- میرا وہ تعلق محض دھوکہ تھا۔"

"دیکھو' شیتل! تم کسی بھی طرح کے بوجھ تلے مت رہنا۔ تمہارا کام تھا' تم کرتی رہیں۔ باقی رہی اس تعلق کی بات تو میں بھی تمہیں کھول لینا چاہتا تھا۔ کوئی کتنا بھی پرکشش ہو' عورت کسی اجنبی کی جانب اتنا راغب نہیں ہوتی سوائے طوائف کے--- مجھے خوشی ہے کہ میرے لاشعور نے مجھے دھوکا

نہیں دیا۔"

"کیا واقعی تم راہول کے لئے ہی آئے ہو ممبئی---؟" اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم مجھ سے کوئی اعتراف کروانا چاہتی ہو یا کچھ اگلوانا---؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"نہیں' بس یونہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔"

اس نے الجھتے ہوئے کہا اور ہمارے درمیان خاموشی چھاگئی۔ انہی خاموش لمحوں میں ارون گولی کا فون آگیا۔ میں نے رسیو کرتے ہوئے کہا۔

"بولو---؟"

"میرا وہ لڑکا خاصا ہوشیار ہے۔ میں نے اس کے ذمے لگا دیا ہے' اسے امید ہے کہ معلوم ہو جائے گا۔ وہ پوری کوشش میں ہے' تم انتظار کرو۔"

"ٹھیک ہے---" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر آئس کریم ختم کر کے بل دیا۔ کچھ دیر بعد ہم سوک سنٹر سے تھوڑا آگے شیتل کے فلیٹ پر جا پہنچے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا' فقط ہم دونوں تھے--- اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں اور شیتل قربت کے ان لمحات میں سے گزرنے والے تھے جب مدہوشی پھیل جاتی ہے کہ ارون کا فون آگیا۔ میں شیتل سے الگ ہو گیا اور فون رسیو کر لیا۔ میری ہیلو کے جواب میں اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"وہ اس وقت وارسوا بیچ کے پاس ایک بنگلے میں ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دوست ہیں' یہ پتہ نہیں کہ کتنے ہیں--- اب بتاؤ' کیا کرنا ہے؟"

"تم اس لڑکے کا نمبر مجھے دو اور اسے کہو کہ مجھے گائیڈ کرے۔ میں ابھی وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔ اگر تم آسکو تو آجاؤ۔"

"میں آ رہا ہوں--- ابھی وہ لڑکا تمہیں فون کرے گا' نمبر محفوظ کر لینا۔"

اس نے کہا تو میں نے فون بند کر دیا اس کے ساتھ ہی میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں چلے---؟" شیتل نے شدید حیرت سے پوچھا۔

"مجھے ابھی جانا ہے---" میں نے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یوں ابھی کیسے' ابھی---" اس نے سٹپٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں--- مجھے ابھی جانا ہے۔" میں نے کہا اور تیزی سے تیار ہونے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ بھی اٹھ بیٹھی اور مرجھائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں بھی چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بھی تیار ہونے لگی۔ اسی دوران اس نے پوچھا۔ "مگر جانا کہاں ہے؟"

"وارسوا کے پاس ایک بنگلہ ہے' وہاں--- کتنا فاصلہ ہوگا یہاں سے---؟"

"ایک گھنٹے سے کم ہی لگے گا۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔

✿✿

ہر طرف رات کا گہرا سناٹا طاری تھا۔ ہم جیسے جیسے ساحل کے نزدیک ہوتے چلے گئے تھے' میرے اندر کی ہلچل نے میرا دوران خون تیز کر دیا تھا۔ اسی دوران اس لڑکے کا فون آگیا۔ وہ میرے ساتھ مسلسل رابطے میں تھا۔ میں اور شیتل اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ میں پوری توجہ سے ڈرائیونگ کرتا چلا جا رہا تھا کہ ساحل کے قریب سڑک ختم ہو گئی۔ میں نے گاڑی کا انجن بند کیا اور چابی اگنیشن ہی میں رہنے دی۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی کے اندر خنک ماحول ختم ہوتا چلا گیا۔ میں نے اپنی طرف کا شیشہ اتارا تو احساس ہوا کہ ہر طرف گہرا سناٹا ہے۔ میں چند لمحوں تک سیٹ پر ہی بیٹھا اردگرد کا جائزہ لیتا رہا۔ میں اس لڑکے کی بتائی ہوئی نشانیوں تک پہنچ گیا تھا' تبھی اس کا فون آگیا۔

"آپ گاڑی یہیں چھوڑ کے' پیدل چلتے چلے آئیں' یوں سیدھے اور پھر دائیں طرف مڑیں' میں آپ کو ملوں گا--- ڈیڈی بھی پہنچ رہے ہیں' جلدی آ جائیں۔"

"تم بنگلے سے کتنے فاصلے پر ہو اور وہاں کوئی ہلچل---؟"

"بنگلہ روشن ہے۔ اندر کا مجھے نہیں معلوم' میں اس کے باجو میں ہی ہوں' آپ آ جاؤ۔"

اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے اپنا فون جیب میں رکھا اور گاڑی سے باہر آ گیا۔ اتنے میں شیتل بھی اتر چکی تھی۔ پھر ہم خاموشی سے چلتے چلے گئے۔ تھوڑی دور تک چلنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"کوئی ہتھیار وغیرہ چلا لیتی ہو---؟"

"بے فکر رہیں' مجھے اپنی حفاظت کرنا آتا ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا' یہ اندازہ میں نے اس کے لہجے سے لگایا تھا ورنہ وہاں پر اتنی زیادہ روشنی نہیں تھی۔ دائیں طرف مڑنے کے بعد بنگلوں کی قطار شروع ہو گئی۔ پھر ایک بنگلے کے سامنے آتے ہی ایک نوجوان سا لڑکا سامنے آگیا۔ وہ پتلا سا تھا' اس کے لمبے لمبے بال اور پتلی سی مونچھیں تھیں۔ اس نے جین اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کے پاؤں میں جوگر تھے۔ اس کے آنے کے انداز سے مجھے لگا کہ وہ کافی پہنچی ہوئی شے ہے۔ میرے قریب آتے ہی اس نے فضول باتوں میں وقت ضائع کئے بغیر ایک بنگلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے' اس کے اندر ہے کونال' اپنے دوستوں کے ساتھ' سالا لڑکیوں کے ساتھ عیش کر رہا ہوگا۔"

"ڈیڈی---؟" میں نے انتہائی مختصراً انداز میں پوچھا۔

"ابھی آنے والا ہے---"

یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ دوسری جانب سے وہ تین لوگوں کے درمیان تیزی سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔ میں وہاں سے ساحل کی طرف چل دیا تو وہ بھی ادھر آ گئے۔ میں وہیں ریت پر بیٹھ گیا کہ سنتریوں یا چوکیداروں کی نگاہ سے بچ سکوں جو وہاں موجود ہو سکتے تھے۔

"کیا پروگرام ہے---؟" ارون نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم سمیت سب لوگ یہیں باہر انتظار کریں گے' صرف میں اندر جاؤں گا۔ اگر میں۔"

"نہیں' تم اکیلے نہیں' میں بھی--- وہاں پتہ نہیں کیا صورت حال ہے۔"

ارون نے تیزی سے کہا تو میں نے بحث نہیں کی۔ چند لمحے خاموشی رہی اور وہ سب کو ہدایت دینے لگا۔ وہ کہہ چکا تو ہم دونوں بنگلے کی طرف چل دیئے۔

✿✿

ہم دیوار پھاند کر اندر کودے تھے۔ ہم سے تھوڑے فاصلے پر گیٹ تھا اور وہاں پر موجود چوکیدار کرسی پر بیٹھا سو رہا تھا یا اس نے ویسے ہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ میں پودوں کی آڑ میں اس کی طرف بڑھنے لگا' پھر قریب ہو کر ایک ہی جست میں اس تک جا پہنچا۔ وہ واقعی سویا ہوا تھا۔ جب تک اسے ہوش آتا' میں نے اسے کافی دیر کے لئے بے ہوش کر دیا۔ ہم خاموشی سے آگے بڑھتے گئے۔ تبھی سٹنگ روم میں چند لوگوں کو بیٹھے دیکھا۔ ان کے درمیان شراب کی خالی بوتلیں' تاش اور کچھ پھل رکھے ہوئے تھے۔ شاید وہ مدہوش تھے مگر میں چانس نہیں لے سکتا تھا کیونکہ ان میں کونال نہیں تھا۔ میں نے آنکھوں کے اشارے سے ارون کو واپس آنے کے لئے کہا۔ ہم واپس آ گئے۔ پھر برآمدے کا ایک چکر لگا کر باہر شیڈ کے پاس آئے۔ میں تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا مگر ارون نہ چڑھ سکا۔ میں نے وہیں سے سیل پر اسے کہا کہ تم ان سب کا خیال رکھو' اگر کوئی بھی حرکت کریں تو بھون دینا اور بس نکلنے کی کرنا' میری پرواہ مت کرنا۔ یہ کہتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ شیڈ کے قریب ہی ایک کھڑکی تھی۔ میں نے اس میں جھانکا' اندر گہرا اندھیرا تھا۔ بلاشبہ وہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ میں نے دھیرے سے اسے کھولا اور انتہائی محتاط انداز سے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں ایک بیڈ پر دو لڑکے اور ایک لڑکی پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے لائق ہو چکی تھیں۔ میں نے غور سے دیکھا' ان میں کونال نہیں تھا۔ میں اس خواب گاہ سے نکل گیا۔ وہاں سے نیچے سٹنگ روم میں وہی مدہوش لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جھک کر دوسری خواب گاہ کا دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ بند تھا۔ میں واپس اسی کھڑکی سے باہر نکلا اور پھر شیڈ پر سے ہوتے ہوا دوسری خواب گاہ میں چلا گیا۔ وہاں کونال ایک لڑکی کے ساتھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر سوائے انڈرویئر کے اور کچھ نہیں تھا جبکہ لڑکی نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر ریوالور کا دستہ پوری قوت سے لڑکی

کے سر پر مارا۔ اس کی آواز نہیں نکلی، بس ذرا سا کپکپائی تھی اور پھر اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ ہو سکتا ہے، اس کا سر پھٹ گیا ہو مگر میں نے توجہ نہیں دی بلکہ اسی لمحے ریوالور چھوڑ کر کونال کی گردن دبالی تھی۔ اس نے مزاحمت کرنے کی بہت کوشش کی۔ مجھے اسے ختم کرنے میں تین منٹ سے زیادہ لگ گئے۔ جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اس کی روح پرواز کر چکی ہے تو میں نے اپنا ریوالور اٹھایا اور واپس کھڑکی کے ذریعے شیڈ پر اترا، پھر وہاں سے نیچے۔۔۔ ارون میرا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ میں نے گیٹ کی طرف جانے کی بجائے دیوار کی طرف سے باہر جانے کو ترجیح دی۔ پھر چند منٹ بعد ہم الگ الگ ہو کر اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں نے گاڑی سٹارٹ کی اور بڑے آرام کے ساتھ وہاں سے نکلا۔ پھر بڑی سڑک پر آتے ہی میں نے رفتار بڑھا دی۔

"شیتل! اب میں تمہاری طرف نہیں جا پاؤں گا۔ مجھے ابھی راہول لاج جانا ہے، تم مجھے راستہ بتاتی جاؤ۔"

"لیکن وہاں کیا ہوا۔۔۔؟" اس نے اشارے سے سیدھے چلتے کو بتایا اور پوچھا۔

"کونال ختم۔۔۔" میں نے سکون سے کہا۔

"لیکن میں کہتی ہوں کہ آپ اب راہول لاج کو بھول جاؤ کیونکہ۔۔۔"

"تاکہ میرے غائب ہونے سے ان کا شک میری طرف چلا جائے؟۔۔۔ میں ان کے پاس، ان کے سامنے رہنا چاہتا ہوں۔ کسی بھی شک کی صورت میں بہت دیر بعد ان کا دھیان میری طرف جائے گا۔۔۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ ہمارے درمیان چند لمحے کی خاموشی رہی اور پھر میں نے کہا۔ "شیتل! تم سکون سے اپنی فلائیٹ پر جاؤ۔ میں یہاں سب سنبھال۔۔۔"

"تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ یہ چند ٹپوری قسم کے غنڈے اس بڑے طوفان کو سنبھال نہیں پائیں گے جو اس اطلاع سے اٹھے گا کہ کونال قتل ہو گیا ہے۔ ان پر۔۔۔" شیتل بے خیالی میں آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔

"شیتل! میں نے کہا ہے نا۔۔۔!" میں نے سکون سے کہا۔

"تمہارا یہ سکون بے جا ہے، تم ضرورت سے زیادہ اعتماد کا شکار ہو چکے ہو۔" شیتل نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"سنو! جن لوگوں نے تمہیں میرا دھیان رکھنے کو کہا تھا، کیا وہ مجھے تنہا چھوڑ دیں گے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، نہیں۔۔۔" اس نے پر خیال انداز میں کہا۔ پھر تیزی سے بولی۔ "تو کیا تمہارا ابوسالم گینگ سے رابطہ ہے؟"

"نہیں، میں نے آج تک کسی سے بات تک نہیں کی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ابوسالم گینگ کا

ہو سکتا ہے۔ ویسے مجھے پتہ نہیں کتنے لوگ ملے ہیں بقول تمہارے' پرنس اور انار کلی بھی۔"

"اوہ' تو میں یونہی بے کار میں تمہارے لئے ہلکان ہوتی رہی۔۔۔ خیر' تمہیں تو لاکھوں لڑکیاں مل جائیں گی۔ وہ سب ایک سے ایک اچھی ہوں گی اور شاید ان میں شیتل ورما کبھی یاد بھی نہیں آئے گی۔ او' کے۔۔۔" اس نے آنسو ملے لہجے میں کہا اور آخری لفظ کہتے ہوئے رو دی۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو' یہ رونا دھونا کسی اور وقت کے لئے سنبھال رکھو۔ فی الحال مجھے راستہ بتاتی چلو' اگر بھٹک گیا تو۔۔۔"

میں نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس نے اپنی انگلیوں سے آنسو پونچھے اور میری جانب انتہائی شکوہ بھری نگاہوں سے دیکھا۔ تب وہ مجھے رستہ بتاتی چلی گئی۔ میں راہول لاج سے کچھ دوری پر اتر گیا اور وہاں سے پیدل چلتا ہوا لاج تک آیا۔ اس دوران میں نے انار کلی کو فون کر کے اپنی آمد کے بارے میں بتایا۔ وہ مین گیٹ تک پہنچ گیا تھا۔ میں اس کے ساتھ گیسٹ ہاؤس کی جانب جا رہا تھا کہ اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"سریتا آپ کے بیڈ روم میں ہے اور سو رہی ہے۔"

"میرے بیڈ روم میں کیوں؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔

"آپ کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ عامر کدھر جا رہے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ اشوک دھوریہ کی طرف جا رہے ہیں۔ شاید اسے مجھ پر یقین نہیں آیا اس لئے وہ بیڈ روم میں سو گئی کہ جب آئیں تو میں بتا دوں۔"

"اوہ۔۔۔" میرے منہ سے نکلا اور پھر میں نے چند لمحے سوچ کر کہا۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے اشوک کا فون نمبر ملایا اور اسے کہہ دینا چاہا لیکن پھر فوراً ہی ارادہ بدل دیا۔۔۔ میں جوتوں سمیت صوفے پر لیٹ گیا۔ انار کلی سمجھ گیا اور ہنستے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ایک بجے آئے تھے اور فلم دیکھنے گئے تھے' سینما کون سا تھا؟"

"جو بھی قریبی ہے' بتا دینا بلکہ یہی چندن تھیٹر جو ہرے راما مندر کے پاس ہے' اب گڈ نائٹ۔۔۔" میں نے کہا اور آنکھیں بند لیں۔

اگلی صبح میں صوفے پر سے اٹھا۔ میرے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔ میں بیڈ روم کی طرف گیا' وہاں سریتا نہیں تھی۔ میں باتھ روم سے فریش ہو کر آیا تو انار کلی نے چائے کا مگ میرے سامنے رکھ دیا' پھر خود ہی کہتا چلا گیا۔

"وہ صبح سویرے اٹھی' رات ایک بجے آئے کا سن کر اور آپ کو صوفے پر پڑا دیکھ کر بہت افسوس کرنے لگی۔ پھر آپ کے جوتے اتارے اور چلی گئی۔۔۔ دوپہر کے کھانے پر بات کرنے کا کہہ

گئی ہے۔"

"لیکن میں اس سے پہلے ہی بات کر لوں گا' تم ناشتہ تیار کرو۔"

میں نے کہا اور تیار ہونے لگا۔ ناشتے کی میز پر جانے سے قبل میں نے اسے فون کیا۔ وہ شروع ہونے لگی تو میں نے تیزی سے کہا۔

"دیکھو' میری بات سنو--- ساری باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ تم بنک سے پتہ کرنا کہ روپے آ گئے ہیں یا نہیں؟"

"وہ تو آ گئے' میں نے پتہ کیا ہے۔"

"تو پھر آج ہم لکشمن راؤ کے ہاں جائیں گے انہیں چیک دینے---"

"ٹھیک ہے جب آپ کہیں گے' میں تیار ہو جاؤں گی۔"

اس نے کہا تو میں نے فوراً" فون بند کر دیا تاکہ وہ مزید بات نہ کر پائے۔

✿✿

اس وقت تقریباً" گیارہ بجے ہوں گے۔ میں دفتر میں تھا اور لاشعوری طور پر ایسی ہی کسی خبر کا منتظر تھا۔ شاردا نے مجھے انٹرکام پر بتایا۔

"غضب ہو گیا' عامر! کسی نے اگاشی کے بیٹے کونال کو قتل کر دیا ہے۔"

"کون کونال---؟" میں نے لاپرواہی سے پوچھا اور پھر چونکتے ہوئے کہا۔ "ارے وہی جسے ہم نے کل شام دیکھا تھا؟"

"ہاں ہاں' وہی---"

"اوہ' یہ تو برا ہوا--- تمہیں کیسے پتہ چلا؟" میں نے اپنے لہجے کو ہنوز دکھ بھرا رکھا۔

"یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔ ابھی مجھے فون آیا' بہت غضب ہو گیا۔"

"کیا غضب ہو گیا' تم اتنا کیوں گھبرا رہی ہو---؟"

"اب دو چار دن مارکیٹ بند رہے گی اور ممکن ہے' ہنگامے بھی ہوں۔ ہمیں فوری طور پر گھر چلے جانا چاہئے۔" اس نے تیزی سے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"اچھا تم ایسا کرو' گھر چلی جاؤ۔ میں بھی آتا ہوں' پھر ہمیں ان کے ہاں بھی جانا ہو گا--- ویسے ایک مسلمان ہونے کے ناتے میں اس کی آخری رسومات میں شرکت کر سکوں گا؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔ ہم سیدھے شمشان گھاٹ ہی چلے جائیں گے۔ میں معلوم کر چکی ہوں' اس کی ارتھی شام کے وقت ہی اٹھائی جائے گی۔" اس نے مجھے بتایا۔

"او کے' ہم چلیں گے--- فی الحال تم گھر جاؤ' میں بھی آ رہا ہوں۔"

میں نے کہا اور انٹرکام کا رسیور رکھ دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد مل خالی ہو گئی' صرف چوکیدار رہ گئے اور میرے قریب اشوک دھوریہ---
مالتی جب جانے لگی تھی تو میں نے اسے ان کے ہاں آنے کے بارے میں کہہ دیا تھا۔

"اشوک! تم کب آ رہے ہو سونالی کے ساتھ یہاں پر رہنے کے لئے---؟"

"ابھی وہ نہیں مان رہی لیکن کیا ضرورت ہے۔ میں ہوں نا' بس---"

اس نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا تو میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ایک دو دن میں تمہاری طرف آؤں گا' سونالی کو بھی بتا دینا---"

میں نے کہا اور گاڑی میں آ بیٹھا' تب ڈرائیور نے گاڑی بڑھا دی--- میری توقع کے مطابق سریتا گھر پر تھی اور کچن میں انارکلی کے ساتھ مصروف تھی۔ میں معمول سے قدرے پہلے آگیا تھا اس لئے کھانا تیار نہیں تھا۔ میں اپنے بیڈ روم میں آگیا تبھی میں نے شیتل ورما کا فون ملایا۔ دوسری بیل پر اس نے فون رسیو کر لیا' میں نے اس کی "ہیلو" کے جواب میں کہا۔

"سناؤ' گھر پہنچ گئی تھیں خیریت سے--- تم نے فون ہی نہیں کیا؟"

"بہت مست ہو کر سوئی تھی میں۔ سلگتی ہوئی آگ کو بجھانا بھی تو بہت مشکل ہوتا ہے نا!---
بہرحال کچھ دیر پہلے بیدار ہوئی ہوں' سوچ رہی تھی کہ تمہیں فون کر دوں۔"

"پھر کیا کیوں نہیں---؟" میں نے بات بڑھائی۔

"مجھے ایک خاص فون کا انتظار تھا۔ کوئی تم سے ملنا چاہتا ہے' لیکن ابھی طے نہیں ہو پا رہا کہ کہاں' کیسے اور کب---؟"

"ایسا کیا---؟"

"ہاں' کچھ ایسا ہی چل رہا ہے۔ رات والا کام بہت بڑا تھا۔ اس کے اثرات انڈرورلڈ میں بہت محسوس کئے جا رہے ہیں۔ بہت زیادہ ہنگامے ہوں گے یا پھر خاموشی ہو گی اور یہ خاموشی بہت پراسرار ہو گی۔"

"جو بھی ہو گا' تم بتاؤ' تمہاری فلائیٹ کب ہے؟"

"کل صبح دس بجے---"

"چلو وعدہ رہا' تمہارے واپس آنے پر ایک رات تمہارے نام---"

"واقعی' یہ تم کہہ رہے ہو؟"

"ہاں' میں کہہ رہا ہوں۔"

"اب فوراً فون بند کر دو کہیں تم اپنی بات کا انکار کر دیا تو---؟"

"نہیں' ایسا نہیں ہو گا اور کوئی بھی اہم بات ہو' مجھے مطلع ضرور کرنا۔"

میں نے کہا اور چند الوداعی باتوں کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔ اسے فون کرنے کے بعد میں نے ارون کے نمبر ملائے۔

"میں تمہارے ہی فون کا انتظار کر رہا تھا۔" اس کے لہجے میں جوش تھا۔

"وہ کیوں ---؟"

"ارے بہت بڑا کام ہو گیا ہے یہ' اسے سنبھالنے کے لئے بہت پیسہ چاہئے۔"

"کتنا ---؟"

"تم دو گے کیا ---؟"

"ہاں' میں دے سکتا ہوں مگر اس وقت پیسے کی نہیں' ہوش اور عقل کی ضرورت ہے۔ تم اگر سنبھال سکتے ہو تو ٹھیک' میں تمہارے لئے بہت کچھ کروں گا اور اگر نہیں سنبھال سکتے تو ان سارے لڑکوں کو لے کر بنکاک نکل جاؤ۔ وہاں جا کر مجھے فون کرو' میں سنبھال لوں گا۔"

"ارے وہ بات نہیں جو تم سوچ رہے ہو۔ اکھا ممبئی میں یہ خبر پھیلی ہے تو مجھے معلوم پڑا۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ اتنی بڑی مارکیٹ کو اپنے ہاتھ میں لینے کا دم ہے مجھ میں ---"

"کب اور کتنا پیسہ چاہئے' مجھے بتا دینا اور ہاں' آنکھیں اور کان کھول کر رکھنا یہ دیکھنا کہ اس کا کون کون اور کتنا ہمدرد ہے۔ یہ تمہاری لئے بہت ضروری ہے۔"

"مالوم' مالوم --- پر تم اپنا خیال رکھنا۔ جدھر میری ضرورت ہو' فوراً" بولنا۔"

"ٹھیک ہے' میں پھر فون کروں گا۔ تم اپنا دھیان رکھو۔"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنے خیالوں میں ڈوب گیا۔ مجھے کیا کرنا ہے؟ یہ میں اچھی طرح سوچ لینا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی چال غلط چلنے سے بالکل آخری وقتوں میں بساط الٹ جائے --- میرے خیالوں سے مجھے سریتا نے نکالا' وہ مجھے کھانے کا کہنے آئی تھی۔

✿✿

اس دن سریتا نے خاصے اہتمام سے لباس پہنا ہوا تھا۔ بلیک پتلون پر آف وائٹ شرٹ' حسب معمول اپنے چھوٹے چھوٹے بالوں کو باندھ کر پونی سی بنائی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر سیاہ گاگلز لگائے اس کا گلابی چہرہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ اتنا زیور نہیں پہنا کرتی تھی' زیادہ سے زیادہ کانوں میں بندے یا گلے میں چین ہوتی۔ اس دن اضافہ یہ تھا کہ اس نے ناک میں پتلی سی تار نما نتھلی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے اس دن بہت غور سے اسے دیکھا تھا --- راہول لاج سے نکلے تو وہ خاموش خاموش سی تھی۔ موسم ابر آلود ہو رہا تھا' ہوا میں نمی تھی۔ میں نے گہرا سانس لیا اور گاڑی کا شیشہ اوپر کر دیا۔

"سریتا! ہمیں لکشمن راؤ جی کے ہاں زیادہ وقت نہیں گزارنا' بس تھوڑا سا وقت کیونکہ ہمیں وہ

شرد چندر کے بیٹے کی آخری رسومات میں بھی جانا ہے۔" میں نے کچھ دیر بعد اس سے کہا۔

"وہ تو شاردا دیدی چلی جائیں گی---" اس نے اطمینان سے کہا اور نگاہیں ونڈ اسکرین سے پار سڑک پر رکھیں۔

"نہیں، ہمیں بھی جانا چاہئے اور ہم ان کے ہاں نہیں جائیں گے بلکہ سیدھے شمشان گھاٹ پہنچیں گے---" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"عامر جی! یہ سب دکھلاوے کی باتیں ہیں۔ مجھے نہیں یقین کہ آپ کو اس کی موت کا کوئی دکھ ہوگا یا خوشی ہوگی، مطلب آپ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہونے والا۔ یہ دکھلاوا دیدی دکھا دیں گی اور بس---" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"پھر بھی، سریتا! یہ آپ لوگوں کے لئے، آپ کے بزنس کے لئے بے حد ضروری ہے۔ چاہے دکھاوا ہی سہی۔ میرا اس میں کچھ نہیں جائے گا۔ میں نے تو چلے جانے ہے۔ آپ لوگوں نے ہی ادھر رہنا ہے۔"

وہ قدرے جذباتی آواز میں بولی۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ادھر رہیں، راہول بھیا بھی آ جائیں، بھابی سمرن اور ان کے بچے۔ کس قدر پر رونق گھر ہوگا۔" وہ خیالوں میں بہنے لگی۔

"میں یہاں کیسے رہ سکتا ہوں؟ میں تو بے وطن مسافر ہوں۔ ہمارے جیسے لوگوں کا کوئی دیس نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی مستقل ٹھکانہ---" میں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہ ظاہر تو ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے مگر جو تعلق ہے وہ اس قدر انوکھا اور نرالا ہے، اتنا قیمتی اور اتنا نایاب--- ایسا تعلق کبھی مل سکتا ہے؟"

وہ اب خیالات سے جذبات کی رو میں بہنے لگی تھی۔ تبھی میں نے اس سیل رواں پر بندھ باندھنا چاہا۔

"سڑک پر دیکھو۔ ابھی ہمیں تھوڑے کام کرنے ہیں، ہسپتال جانے کے لئے وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا تو وہ ایک آہ بھر کے رہ گئی۔

لکشمن راؤ کے گھر کا دروازہ مالتی نے کھولا، وہ ہمارے ہی انتظار میں تھی۔ اس کی نگاہوں میں خاصی حد تک حیرت کھلی ہوئی تھی، دروازہ کھولتے ہی اس نے پوچھا۔

"آپ لوگ خیریت سے تو پہنچے ہیں نا، کہیں راستے میں---"

"تمہارا مطلب ہنگاموں سے ہے، نا---؟"

"ہاں--- دوپہر کے وقت خاصا بڑا جلوس یہاں سے گزرا تھا، بہت رش تھا، میں جب گھر آئی تو بہت---"

"وہ تب کی بات تھی اور میرے خیال میں اب کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی اس کی آخری رسومات ہوں گی۔ ہاں' کل سے کچھ ہو تو الگ بات ہے۔ یہ ہنگامے کیا رنگ لاتے ہیں اور یہ ساری باتیں یہیں دروازے پر ہوں گی یا ہمیں اندر۔۔۔"

"اوہ۔۔۔" مالتی نے خجالت سے ہنکارہ بھرا اور ایک طرف ہٹ گئی۔ لکشمن راؤ نے ہمیں دیکھ کر کرسی چھوڑ دی اور کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے گلے ملا' سریتا کے سر پر پیار دیا اور ہم سب وہیں فرش پر بیٹھ گئے۔

" لکشمن راؤ جی! ہمیں زیادہ دیر نہیں بیٹھنا' ہمیں وہ کوتال کی آخری رسومات میں شمشان گھاٹ تک جانا ہے۔۔۔"

میں نے کہا تو سریتا نے اپنے پرس میں سے چیک نکالا اور اسے دے دیا۔ لکشمن راؤ نے کانپتے ہاتھوں سے وہ چیک پکڑ لیا۔

"میں آپ کا بہت ابھاری (احسان مند) ہوں' بیٹا۔۔۔!"

"بیٹا بھی کہتے ہیں اور۔۔۔"

میں نے کہنا چاہا تو اس کا سر جھک گیا۔ چند لمحے یونہی بیٹھے رہنے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے' تبھی میں نے مالتی سے کہا۔

"مالتی! تم جاؤ اور جلدی سے چائے بنا لاؤ۔۔۔" میں نے کہا تو سریتا بھی ساتھ میں اٹھ گئی۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے لکشمن راؤ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "یہ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ہے کہ آپ یوں احسان مند ہوں اور اسے کوئی اپنی ذات پر بوجھ محسوس کریں۔ بس آپ جلدی سے مالتی کی شادی کر دیں اور پھر۔۔۔"

میں کہتے کہتے جان بوجھ کر رک گیا' اس نے جلدی سے پوچھا۔

"۔۔۔ اور پھر۔۔۔"

"میں نے سوچا ہے' لکشمن جی! کہ آپ کے اندر جو ایک جوالا مکھی دہک رہا ہے' اس کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیں ورنہ آپ کا جینا مشکل ہو جائے گا اور تنہائی کی زندگی آپ کو بے موت مار دے گی۔"

"ہاں' میں "مارکیٹ" میں آؤں گا اور بہت جلد آؤں گا' جیسے ہی مالتی کی شادی ہو گئی۔"

"مالتی کی شادی کون سی اتنی دور ہے' ایک ہفتے میں یہ کام نپٹا سکتے ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہو' عامر۔۔۔؟"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا تو میں نے واضح انداز میں کہا۔

" لکشمن جی! آپ اکیلے کچھ نہیں کر سکتے' کیوں نہ آپ ایسے کسی شخص سے جڑ جائیں جو۔۔۔"

"یہ میں نے سب سوچ رکھا ہے۔ میں یہاں کے انڈر ورلڈ مافیا کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں' کون کہاں پر کیا کر رہا ہے' خاموشی سے دیکھتا رہا ہوں۔ بہت جلد میں ان سے کسی کے ساتھ جڑ جاؤں گا۔ میرا مجرم وہ لڑکا ہی نہیں' ایسے لڑکے بنانے والے لوگ ہیں' میں ان سے لڑوں گا۔"

"میں آپ کو ایک نام دیتا ہوں' وہ اور اس کے بارے آپ بخوبی جانتے ہیں۔ آپ اس کی ساتھ جڑ جائیں تو بہت اچھا رہے گا۔ اسے بھی ضرورت ہے اور وہ آپ کی قدر کرے گا۔"

"کون۔۔۔ کون ہے وہ؟" لکشمن راؤ نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنا ارون گولی' جو۔۔۔" میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات اچک لی۔

"ڈیڈی کے نام سے پہچان رکھتا ہے۔" لکشمن نے کہا۔ پھر قدرے سوچ کر بولا۔ "ہاں' دم ہے اس میں اور اس میں اچھی بات یہ ہے کہ وہ شیوسینا کے خلاف جائے گا۔ یہ میری پیشن گوئی ہے۔"

"آپ کل تک سوچ لیں۔ میں اس سے بات کر لوں گا اور آپ۔۔۔"

"ہو گئی بات' عامر بابو! آپ نے کہہ دیا تو بس کہہ دیا' مجھے پورا وشواش ہے کہ وہ میری قدر کرے گا۔"

"تو بس میں اس سے بات کر لوں گا۔۔۔"

میں نے کہا اور آخری لفظ میرے منہ ہی میں تھے کہ برتن بجنے کی آواز آئی' اس کا مطلب تھا کہ مالتی اور سریتا چائے لے آئی تھیں۔ چائے پینے کے دوران ہم مالتی کی شادی کے انتظامات کے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے اور اسی دورانئے میں لکشمن راؤ کے چہرے پر سوچ کا دیا روشن ہو گیا تھا۔ میں نے جس جھیل میں کنکر پھینکا تھا' اس کی لہریں اپنا آپ جتا رہی تھیں۔ چائے پیتے ہی ہم ان سے رخصت ہو گئے۔ حسب معمول مالتی ہمیں نیچے گاڑی تک چھوڑنے آئی۔

✿✿

شمشان گھاٹ تک پہنچتے ہوئے ہمیں کچھ وقت لگ گیا۔ اس دوران بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ شاردا نے مجھ سے پوچھ لیا تھا کہ میں وہاں کب پہنچ رہا ہوں' اس وقت ہم شمشان گھاٹ کے نزدیک تھے۔ وہاں بہت سارے لوگوں کا رش لگا تھا۔ ہم بھی چھتری لے کر اس ہجوم میں شامل ہو گئے۔ وہ شمشان گھاٹ سمندر کنارے قدرے اونچی سی جگہ پر تھا۔ ہجوم کے عین درمیان میں کونال کی لاش پر لکڑیاں چنی جا چکی تھیں۔ ان پر لوہے کا چھتر لگا ہوا تھا۔ کافی سارے پنڈت' پجاری بھی وہاں موجود تھے جو مخصوص زرد چادر کی وجہ سے پہچانے جا رہے تھے۔ کافی سارا ہجوم ہونے کے باعث

سیکورٹی کا سخت انتظام تھا۔ شرد چندر اپنے خاندان کے ساتھ ان لکڑیوں کے درمیان دبی ہوئی نعش کے پاس کھڑا تھا۔ رسومات چل رہی تھیں' میں اور سریتا ایک جانب کھڑے ہو گئے۔ مجھے شاردا دکھائی نہیں دی اور شاید رسومات ختم ہو گئیں تھیں کہ شرد چندر کے ہاتھ میں آگ دے دی گئی۔ اس نے لکڑیوں کو آگ دکھا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لکڑیاں جلنا شروع ہو گئیں۔ یہ منظر میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ لندن میں تو برنر کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ وہاں پر نعش کے جلنے کا منظر سامنے نہیں دیکھا تھا۔ ہندو کس قدر اذیت پسند قوم ہے' ان لمحات میں مجھے اندازہ ہوا۔ ہندوؤں میں کوئی بھی شخص چاہے وہ جتنا اعلیٰ مقام رکھتا ہو' اس کی موت کے ساتھ ہی اس کی ذات سے ہونے والے فیض و برکت کا تار توڑ دیا جاتا ہے۔ وہ نعش کو آگ کے سپرد کر کے اسے راکھ بنا دیتے ہیں یوں جیسے اس شخص کا وجود اس سرزمین پر کبھی تھا ہی نہیں۔ پر اسی شمشان گھاٹ سے ڈرتے بھی ہیں کہ نعش کی روح وہاں منڈلاتی ہے اور شام ڈھلتے ہی وہاں پر بھوتوں کی حکومت شروع ہو جاتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے دفن کرنے کا طریقہ اور اس کے رموز سمجھ میں آئے کہ نعش کو دفن کیوں کیا جاتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ کونال کو قتل کرتے وقت مجھے اتنی اذیت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس کی لاش جلتے دیکھ کر ہوئی۔۔۔۔ ہم کافی دیر تک وہاں کھڑے رہے اور میں اپنے خیالوں میں ڈوبا رہا۔ ہم بھیگ گئے تھے تبھی سریتا نے میرے بازو کو ہلایا۔ ہجوم دھیرے دھیرے کھسک رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر سریتا کے چہرے کی جانب نگاہ کی اس نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا اور میں واپسی کے لئے چل دیا۔ کونال کی لاش شعلوں کے سپرد تھی۔ واپسی پر ایک حسرت دل میں رہ گئی۔ میں اس وقت شرد چندر کا چہرہ نہیں دیکھ پایا۔ وہ مجھ سے بہت دور تھا۔ اس کے چہرے پر حسرت ناکی میرے لئے سکون کا باعث ہوتی۔ میں تصور میں بہت کچھ دیکھتا رہا کیونکہ یہی اک تصور ہی تو ہے جس میں ہم اپنی مرضی کے مطابق بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں اور یہی تصور ہمارے ارادوں کی بنیاد ہوتا ہے۔

اگلا سارا دن جلوس اور ہنگاموں میں گزر گیا۔ کام بند تھا' میں گھر پر ہی رہا۔ شیتل ورما اپنی فلائٹ کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اسے چار دن بعد واپس آنا تھا۔ اخبار خبروں اور تبصروں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ مخصوص اخبار تو نجانے کہاں کے قلابے کہاں ملا رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ پولیس کے ساتھ بھارتی خفیہ ایجنسیاں اور انڈر ورلڈ کے لوگ کونال کے قاتلوں کی تلاش میں ہوں گے کیونکہ کونال کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ ایک طرح سے انہیں وارننگ دی گئی تھی۔ انسان کے اپنے ذہن میں خوف بنیاد ہوتا ہے۔ وہ جس قدر اپنا تحفظ کرے گا' اتنا زیادہ ہی خوف زدہ ہو گا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ شرد چندر راگاشی کس قدر اور کتنا مرد بچہ ہے۔ اس کے ساتھ اب کتنی سیکورٹی ہوتی ہے۔ مجھے اس بات کا پورا احساس تھا کہ میں ان کے شک سے خارج نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ملاقات سے پہلے اس نے

میرے بارے میں بالکل اس طرح معلومات لیں تھیں جیسے میں نے اس کے بارے میں پتہ کروایا تھا کہ وہ اب کس سطح پر ہے۔ میرا مسلمان ہونا اور پھر پاکستان سے تعلق رکھنا ہی مجھے مشکوک بنا دینے کے لئے کافی تھا تاہم شاردا میرے لئے ڈھال تھی جو مضبوط بھی ہو سکتی تھی اور کاغذ کی مانند بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ اس دن میں نے بہت سوچ کر اپنے لئے لائحہ عمل ترتیب دے لیا تھا۔ میں نے شام کے وقت وہ سارے اخبار سنبھال کر رکھ لئے تاکہ چند دنوں کے بعد ایک سفید لفافہ بنا کر بھجوادوں اور پھر اچھی طرح فریش ہو کر تیار ہو گیا۔

اس وقت سورج غروب ہونے کو تھا جب میں راہول لاج کی طرف چلا گیا۔ سمتری دیوی مجھے اپنے سامنے پا کر بہت خوش ہوئی۔ میں جب اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا تو وہ بولی۔

"کہاں جا رہے ہو' بیٹا؟"

"نہیں' آج کوئی کام نہیں تھا اس لئے جی بھر کے آرام کیا۔ اب شام ہوئی ہے تو میں نے سوچا کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔"

"بہت ہی اچھا کیا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ کہیں تم باہر تو نہیں جا رہے ہو۔ باہر تو سنا ہے' خاصے ہنگامے ہوئے ہیں۔"

"ہاں' یہ ہم غریب ممالک اور خصوصاً" پاکستان اور بھارت کے لوگوں کا المیہ ہے کہ وجہ کچھ بھی رہی ہو' ہمارے پاس احتجاج کے لئے ہنگامے ہی ہوتے ہیں۔ اپنا نقصان کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟" میں نے کہا۔

"چلو چھوڑو ان باتوں کو' بتاؤ کیا کھاؤ گے۔ میں ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے بناتی ہوں۔" وہ بولیں۔

"آپ کچھ بھی بنالیں' مجھے وہی اچھا لگے گا لیکن اس سے زیادہ مجھے یہ اچھا لگے گا کہ میں آپ کے پاس بیٹھوں' آپ سے باتیں کروں پھر اتنا وقت ملتا بھی ہے یا نہیں۔۔۔"

"ہاں' بیٹا! یہ مجبوریاں انسان کو پتہ نہیں کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔ اب دیکھو' حالات کس طرح کے ہو گئے ہیں کہ میرا راہول مجھ سے دور ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا تھا۔

"مگر اب حالات بدل رہے ہیں بلکہ بہت حد تک بدل گئے ہیں۔ اب وہ بہت جلد آپ کے پاس آ جائے گا۔"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ پھر ہم یونہی باتیں کرتے رہے۔ ان میں راہول' سمرن اور اس کے بچوں کا ہی ذکر تھا۔ ہمیں باتیں کرتے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ سریتا وہیں آ گئی۔ باتیں چلتی رہیں' موضوع بدلتے رہے یہاں تک کہ کھانا لگا دیا گیا۔ سمتری دیوی مختلف ڈشز چکھنے کے لئے

کہتی رہی۔ خوشگوار ماحول میں کھانا ختم ہوا تو ہم دوبارہ سٹنگ روم میں آ گئے۔ اس وقت میں نے کہا۔

"بہت عرصے بعد ہمارے درمیان خوشگوار ماحول بن گیا ہے' ہمارے بہت سارے مسائل حل ہو چکے ہیں۔ میرا آپ سے ایک سوال ہے کہ کیا آپ مجھ سے مطمئن ہیں؟"

"بیٹا! تمہارے ذہن میں یہ سوال کیوں آیا؟"

"اس لئے' ماں جی! کہ میں کوئی سوال' بات یا تعلق ایسا نہیں چھوڑنا چاہتا جس میں ناخوشگواریت ہو۔ میں اپنے ساتھ بہت اچھی یادیں لے کر جانا چاہتا ہوں۔" میں نے سمتری دیوی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم تو تمہارے ابھاری (احسان مند) ہیں' ہم مطمئن ہیں۔ تمہیں اگر کوئی گلہ---"

"نہیں--- بس ایک خواہش ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"بتاؤ' بیٹا! میں اسے پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔" وہ بولیں۔

"وہ یہ ہے کہ میں اس گھر کے ساتھ تعلق مزید گہرا کرنا چاہتا ہوں اور میں چاہوں گا کہ سریتا مجھے راکھی باندھے۔ میں اسے اپنی بہن کے روپ میں دیکھنا چاہوں گا۔ میں دوبارہ جب آؤں تو اس کی شادی پر---" میرے یوں کہنے پر یکدم خاموشی چھا گئی۔ سمتری دیوی کے چہرے پر انتہائی درجہ کی خوشی تھی۔ جبکہ سریتا پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میرا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ سریتا میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ میں نے بہت سوچ کر اس طوفان کے آگے بند باندھنا چاہا تھا کیونکہ کچی عمر کے لوگ جب حد درجہ جذباتی ہو جائیں تو وہ اپنے نفع و نقصان کا اتنا خیال نہیں کرتے۔ اس عمر میں لگا ہوا روگ بڑا جان لیوا ہوتا ہے' ایک ایسا گھاؤ جو پوری زندگی مندمل نہیں ہوتا--- میں سریتا کے چہرے پر مسلسل دیکھ رہا تھا جہاں نجانے کتنے رنگ آکر گزر گئے تھے۔ اس نے انتہائی حسرت سے میری جانب دیکھا۔ تب میں نے کہا۔ "سریتا! تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"نن' نہیں تو--- مجھ سے تو یہ خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی۔ مجھے آپ نے اس قابل تو سمجھا کہ میں آپ سے کوئی تعلق رکھ سکوں۔"

"میں نے تمہیں کہا تھا نا' کہ تم کس قابل ہو' میں جانتا ہوں۔ تم نے میری کیئر کی' اتنا میرا خیال رکھا' ایسا خلوص بہنیں ہی نچھاور کر سکتی ہیں۔" میں نے یہ کہہ کر اس کی ساری باتوں اور دلیلوں کے آگے بہت بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی۔

"سریتا! جاؤ اور راکھی بندھن کے لئے دھاگہ لے آؤ' تم خوش قسمت ہو۔"

سمتری دیوی نے عجیب سے لہجے میں کہا تو وہ اٹھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ مجھے بتانے لگی کہ یہ رسم کس طرح اہم ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک رنگین دھاگہ لے آئی' دوسرے ہاتھ میں

مٹھائی کی پلیٹ تھی۔ اس نے آکر میرے سامنے وہ پلیٹ رکھی، پھر میرے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ تب میں نے اس کی آنکھوں میں اتری ہوئی نمی دیکھی۔ میں نگاہیں چرا گیا اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے میری کلائی پر وہ راکھی بندھن کا دھاگہ باندھا اور پھر مٹھائی کا ایک ٹکڑا میرے منہ میں ڈال دیا۔ تب میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور تین چار بڑے نوٹ نکال کر اسے دیئے۔ اس نے چپ چاپ نوٹ رکھ لئے اور وہاں سے چلی گئی۔ میں اسے جاتے دیکھتا رہا اور مجھے یقین تھا کہ وہ تنہائی میں جا کر خوب روئے گی۔ اسی رات میں، سریتا اور سمتری دیوی اکٹھے کشن لعل کے پاس گئے۔ بنواری لعل اس کے پاس تھا۔ ہم اس کے پاس جا بیٹھے اور وہ ہمارے سامنے ایک زندہ لاش کی مانند پڑا رہا۔ سمتری دیوی دیر تک اس سے میرے متعلق باتیں کرتی رہی۔ میں نے جان بوجھ کر راہول کا ذکر نہیں چھیڑا۔ ہم کافی دیر اس کے پاس بیٹھے رہے۔ اسے ملز کے بارے میں کافی ساری باتیں بتائیں اور پھر اٹھ آئے۔

اس وقت رات کا پہلا پہر ختم ہونے کو تھا جب میں گیسٹ ہاؤس کی طرف گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سریتا وہاں نہیں ہوگی۔ وہ لاکھ لاابالی سہی لیکن اتنی عقل ضرور رکھتی تھی کہ اب مجھ سے اس ضمن میں کوئی سوال نہ کرے۔ میں گیسٹ ہاؤس کے سٹنگ روم میں آیا تو وہاں انارکلی ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، مجھے دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"آپ نے جی اپنا سیل فون کیوں بند کیا ہوا ہے؟"

"ضرورت تھی۔۔۔" میں نے لاپرواہی سے کہا اور سیل فون نکال کر اسے آن کر دیا۔ پھر انارکلی سے پوچھا۔ "کوئی خاص بات؟"

"ہاں، بہت خاص ہے۔ شنکر پجاری آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ کون ہے وہ۔۔۔؟"

"ابو سالم گروپ کا خاص الخاص بندہ۔ شیتل ورما نہیں ہے نا، تو۔۔۔" انارکلی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"خیال ٹھیک ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے، آج رات یا کل کہیں آپ ان سے ملاقات کریں۔"

یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھی کہ ارون گولی کا فون آ گیا۔

"بولو، ارون۔۔۔؟" میں نے کہا۔

"وہ جلدی سے بولا۔ "کافی دیر سے ٹرائی مار رہا ہوں، خیر۔۔۔ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ گھبرانے لائق کوئی بات نہیں ہے انہوں نے کونال کے چند دشمنوں کو مار دیا ہے، انہیں

ان پر شک تھا۔ میرے لڑکے محفوظ ٹھکانے پر عیش کر رہے ہیں وہ کسی سے رابطہ نہیں کر سکتے میرے علاوہ ان سے اور کوئی رابطہ نہیں کر سکتا۔ انہیں پتہ ہی نہیں کہ وہ کتنا بڑا کام کر چکے ہیں۔ جب یہ معاملہ ٹھنڈا ہو گا تو انہیں نکال لوں گا۔"

"---اور کوئی بات---؟"

"مجھے اب رقم نہیں چاہئے لیکن بھروسے کے لوگ چاہئیں۔ اتنی بڑی مارکیٹ---"

"وہ بھی ہو جائے گا' بس تم اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو اور ہاں' کل تمہیں ایک شخص ملے گا اس کا نام لکشمن راؤ ہے' بہت کام کی چیز ہے۔ اس کی جتنی قدر کرو گے' اتنا فائدہ پاؤ گے۔ وہ تم سے زیادہ یہاں کے انڈرورلڈ کے بارے میں جانتا ہے۔"

"ایسا کیا---؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں--- باقی میں دیکھ لیتا ہوں۔" میں نے کہا تو وہ ہنس دیا' تب میں نے پوچھا۔ "تمہاری سرسوتی کا کیا حال ہے؟"

"ارے اپنے باجو میں ہے' یہ سالی کدھر جائے گی۔ لو' بات کرو---"

اس نے خوشدلی سے کہا اور چند لمحوں بعد اس کی ہنستی ہوئی آواز ابھری۔ پھر چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا--- میرے سامنے انار کلی کھڑا تھا' شاید وہ اپنی بات کا جواب چاہ رہا تھا۔

"میں ملوں گا لیکن بہت دیکھ بھال کے' اس میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تم سے رابطہ ہے نا' تو میری بات کہہ دینا پھر جو وہ چاہیں' ویسا کریں گے۔"

"ٹھیک ہے---"

اس نے کہا اور پھر ہم اسی حوالے سے کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔

✿✿

اگلے دن قدرے سکون تھا لیکن آفس جاتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ لوگ اتنی زیادہ تعداد میں اپنے اپنے کاموں پر نہ آ رہے تھے اور نہ جا رہے تھے۔ وہ گہما گہمی جو میں روزانہ دیکھا کرتا تھا' ویسا نہیں تھا۔ صبح کے وقت لوکل بسوں میں رش ہوتا تھا' وہ بھی اتنا نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ آج مل میں مزدور معمول کے مطابق نہیں آئیں گے۔ میرے خیال کی تصدیق راہول ٹیکسٹائل میں جا کر ہو گئی' بہت کم مزدور آئے تھے اور سنیل بھاٹیہ دفتر کے باہر کھڑا تھا۔ آمنے سامنے ہوتے ہی اس نے کہا۔

"سر! لگتا ہے' آج مزدور نہیں آئیں گے۔ کل کے ہنگاموں---"

"تو اس میں پریشانی کی بات کیا ہے؟ تم لوگ بھی موج کرو---" میں نے ہنستے ہوئے کہا تو مسکرا دیا۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"--- اور سنو! کسی بھی مزدور کی مزدوری نہیں کاٹنا۔ ہر انسان کو اپنے تحفظ کا پورا پورا حق ہے۔"

میں یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور سنیں وہیں کھڑا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ میری اتنی سی بات کا بہت اچھا تاثر پیدا ہونے والا تھا' رقم کون سا میری جیب سے جانے والی تھی--- میں آفس میں آکر بیٹھ گیا' معمول کے مطابق چائے بھی آگئی اور میں اخبار پڑھنے میں مگن رہا۔ اس دن کے اخباروں میں بھی خاصا واویلا تھا' یہاں تک کہ متوقع قاتل کا خاکہ تک اس میں دے دیا گیا تھا۔ میں نے اس قتل سے متعلق جو بھی خبر تھی' پوری تفصیل سے پڑھی۔ میں ابھی اخبار ہی میں کھویا ہوا تھا کہ شاردا میرے آفس میں آگئی۔ میں نے اخبار ایک جانب رکھے اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ اس نے آتے ہی مزدوروں کے بارے میں بات کی اور تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ نے سریتا کو بہن بنالیا ہے' اس سے راکھی بھی بندھوالی ہے۔" اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"تم نے ٹھیک سنا ہے' مجھے اسے اپنی بہن بنا کر بہت خوشی ہوئی ہے۔"

"لیکن کیا تعلق اسی رشتے سے بن سکتا تھا' آپ کی نظر میں بس یہی ایک رشتہ ہے تعلق کے لئے---؟" اس کے لہجے میں مسرت تھی۔

"شاردا! تم کہنا کیا چاہتی ہو---؟"

"مطلب' اس کے ساتھ تو آپ نے بہن کا ناتا جوڑ لیا اور میں--- مجھے آپ کیا حیثیت دیتے ہو؟" اس نے بمشکل کہا۔

"تم میری بہت اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہن کیوں نہیں؟ جیسے وہ---"

اس نے تیزی سے کہا تو میں پھر مسکرا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ایسا سوال ضرور کرے گی' تاہم یہاں مجھے پھر بھی سیاسی بیان ہی دینا تھا۔ میں نے دھیرے دھیرے کہا۔

"معاف کرنا' شاردا! ہو سکتا ہے' تمہارے ذہن میں بہت ساری باتیں ہوں لیکن سریتا کو بہن بنانے کی صرف اور صرف ایک وجہ ہے اور وہ ہے اس کا اس تعلق' بندھن یا رشتے کے لئے خود کو ثابت کرنا--- اس نے میری بہت کیئر کی ہے۔ میں پہلے دن ہی سے اسے اس روپ میں دیکھ رہا تھا'

اس کے علاوہ میں اس کے بارے میں کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتا۔"

"تو اس کا مطلب ہے' میں غلط سوچتی رہی---" اس نے خودکلامی کے سے انداز میں اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"کیا--- تم کیا سوچتی رہیں---؟"

"یہی کہ--- بس چھوڑو۔ تمہاری اور میری دوستی پکی۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے میں نے تھامتے ہوئے کہا۔

"پہلے بھی تو ہماری دوستی تھی' کیا اس وقت کچی تھی؟"

"ہاں' لیکن اب پکی ہے۔ اب آپ مجھے کسی اور ہی روپ میں دیکھو گے' ایسا روپ جو بہت ہی خوبصورت ہو گا۔"

"ایسا کیا---؟" میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"ایسا--- اور ہاں' اب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ گھر چلتے ہیں' وہاں ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔" اس نے ایک نئے لہجے میں کہا جس کا آہنگ ہی بدلا ہوا تھا۔ میں ان لمحات سے بچنا چاہتا تھا سو بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

"مجھے تھوڑا کام ہے' وہ کر لوں--- شام کو ملتے ہیں۔"

میرے یوں کہنے پر وہ خوش ہو گئی اور پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں کافی دیر تک اس کے رویئے کے بارے میں سوچتا رہا۔ بلاشبہ وہ میرے اور سریتا کے بارے میں بہت غلط سوچتی رہی ہو گی--- کیا وہ اسے اپنی راہ کا کانٹا سمجھ رہی تھی' کیا وہ میرے ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت کوئی خصوصی قسم کے رکھنا چاہتی تھی؟ اس کا عندیہ اس نے دے دیا تھا کہ وہ اب ایک نئے اور خوبصورت روپ میں میرے سامنے آئے گی تو کیا واقعی وہ روپ میرے لئے خوبصورت ہو گا۔ کہیں وہ روپ ایک نقاب ہی نہ ہو؟--- یہ اور ایسے کئی سوال میرے ذہن میں آتے چلے گئے۔ میں کافی دیر تک ان پر سوچتا رہا اور پھر ان سبھی سوالوں کو یکسر نظرانداز کر کے ذہن سے جھٹک دیا۔ تبھی میں ماحول کی تبدیلی کے لئے آفس سے اٹھ گیا اور آفس سے باہر برآمدے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ مجھے وہ وقت یاد آنے لگا جب ارون گولی کے غنڈے یہاں آدھمکے تھے--- مجھے وہاں کھڑے ہوئے چند لمحے ہوئے تھے کہ اشوک دھوریہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور دھیرے سے کہا۔

"کیا بات ہے' عامر بابو! آپ ایسے کیوں کھڑے ہیں؟"

"بس یونہی--- تم سناؤ' سب ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے نا؟" میں نے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے---" وہ ہنستے ہوئے بولا' پھر ایک لمحہ کو ٹھہر کر کہا۔ "بس وہ سونالی تھوڑا پرابلم

کر رہی ہے ورنہ باقی تو سب ٹھیک ہے۔"

"وہ کیا پرابلم کر رہی ہے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"یہی کہ وہ میرے ساتھ شادی کر کے یہاں راہول ٹیکسٹائل میں نہیں آئے گی۔۔۔ یا تو ادھر ہی رہے گی ریڈلائٹ ایریا میں یا پھر اس ہسپتال کے نزدیک جہاں وہ کام کرتی ہے۔"

"یہ کیا منطق ہوئی؟" میں نے پرخیال انداز میں پوچھا۔

"وہ چاہتی ہے کہ وہ انہی دھندہ کرنے والی عورتوں کا علاج کرتی رہے۔ یہاں سے فارس روڈ جانا بہت مشکل ہو گا اس کے لئے۔ جس دن یہ پرابلم حل ہو گیا تو۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تو چھوڑ اس بات کو' یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شادی ہوتے ہی اس کے بہت سارے خیال بدل جائیں گے۔ شاید وہ تمہیں آزمانا چاہتی ہو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو یا کہ نہیں؟"

"عامر جی! وہ میرے بچپن کی دوست ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ جو کچھ کہتی رہی ہے' میری بھلائی کے لئے کہتی رہی تھی۔ اب میں بھی خود میں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ پتہ نہیں' عورت کے لمس میں کوئی جادو ہوتا ہے۔ اس نے میرا بڑا خیال رکھا۔ میں جب اس کے نزدیک ہوا' اسے سمجھنے کی کوشش کی تو وہ مجھے بہت خوبصورت لگی۔ اب وہ پہلے والی سونالی نہیں رہی' میرے لئے بڑی محترم ہو گئی ہے۔"

"پرنس نے رابطہ کیا کبھی۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ ہم جیسے لوگ ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے مگر ہمیں ان سے ڈرتے رہنا ہو گا۔"

"میں سمجھا دوں گا اسے۔۔۔"

میں نے کہا تو اشوک لجاجت سے بولا۔

"چلیں آج ہماری طرف۔۔۔؟"

"میں گیا تو تمہاری شادی کی بات پکی کر آؤں گا۔ پھر مت کہنا' مجھے پھنسا دیا۔۔۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ قہقہہ لگا کے ہنس دیا اور بولا۔

"پھر تو میں آپ کو ضرور لے کر چلوں گا۔"

"تو پھر چلو۔۔۔"

میں اچانک ہی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا کہ وہ جائے' میں آ جاؤں گا۔ تب تک اشوک آفس سے ہو کر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم ٹیکسی کے ذریعے فارس روڈ جا

رہے تھے۔

✿✿

ہمارے پہنچنے تک سونالی گھر آ چکی تھی۔ دن کی روشنی میں وہ گھر اچھا لگ رہا تھا۔ وہ پرانی وضع کا' ہندو طرز تعمیر کے مطابق لکڑی کے کام والا گھر تھا۔ برآمدے سے آگے سونالی ہمارے انتظار میں کھڑی تھی۔ وہ اچھی لگ رہی تھی۔ کاسنی رنگ کے شلوار قمیص میں اس کا گلابی چہرہ دمک رہا تھا۔ میک اپ سے بے نیاز بڑی بڑی آنکھوں والا پرکشش چہرہ' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھی اور ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں ہی بولی۔

"آپ کو اپنے گھر میں دیکھ کر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی ہے---"

"---اور مجھے بھی---"

میں نے مختصراً" انداز میں کہا اور ایک طرف پڑی پرانے طرز کی بید والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک لڑکی جوس لے آئی' وہ گلاس رکھ کر چلی گئی تو ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ چل نکلا--- کافی دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"سونالی! کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

"بہت اچھا' یوں جیسے بہت عرصے بعد مجھے تحفظ مل گیا ہو۔ اشوک بہت بدل گیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہوا' معذرت خواہ ہوں کہ میں آپ کو غلط سمجھتی رہی۔"

"تمہیں یہ محسوس کیسے ہوا کہ اشوک میری وجہ سے بدل گیا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ میں اسے بہت عرصے سے سمجھا رہی تھی مگر میری ایک بھی بات پر اس نے کان نہیں دھرا۔ آپ کے ساتھ اس نے بہت تھوڑا وقت گزارا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ میری ہر بات سمجھنے لگا ہے۔ میں تو یہی کہوں گی کہ---"

"چلو چھوڑو---" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی اور تجسّس سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ' اب آپ لوگ شادی کب کر رہے ہو؟"

"شادی---؟" ایک لمحہ کو وہ حیران سی رہ گئی کہ میں اتنی جلدی یہ بات کیسے کہہ دوں گا' پھر لمحوں میں سنبھل کر بولی۔ "جب چاہیں' کر لیں--- ویسے بھی تو ہم ساتھ میں ہی رہ رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ شرما گئی۔ اسے اپنے کہے ہوئے لفظوں کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ لاکھ ریڈ لائٹ ایریا میں رہنے والی لڑکی تھی' پڑھی لکھی اور بااعتماد مگر پھر بھی وہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔ انہی لمحوں میں مجھے خیال آیا کہ اسے کیچڑ میں کنول کہتے ہیں۔ میں اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں

میں ہی اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "---ویسے نہیں جیسے ایک شادی شدہ جوڑا رہتا ہے۔ میرا مطلب ہے---" وہ بات مکمل کئے بغیر خاموش ہو گئی۔

"دیکھو' سونالی! میرا یہاں پر کام تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ میرے پاس زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس دن ہوں گے' پھر اس کے بعد میں یہاں پر غیر قانونی ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے آپ لوگ شادی کے بندھن میں بندھ جائیں---کیا آپ لوگ مجھے یہ خوشی نہیں دو گے؟"

میں نے کہا تو ماحول یکدم تن گیا۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے' تب سونالی نے کہا۔

"ابھی تو ہم کھانا کھاتے ہیں' پھر اس بات پر بھی گفتگو کر لیتے ہیں۔ آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگواتی ہوں۔" اس نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے اشوک کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آخر یہ بھی شرما ہی گئی ورنہ میرے ساتھ بڑی لمبی بحث کرتی ہے۔"

"وہ کیسی---؟"

"شادی کرنے کے بارے میں---" اس نے کہا تو میں ہنس دیا۔

ہم فریش ہو کر کھانے کی میز پر آ گئے۔ اس دوران یونہی مستقبل کی باتیں چلتی رہیں۔ کھانے کے بعد ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سونالی شادی پر راضی تھی مگر اتنی جلدی نہیں' صرف میری وجہ سے اس نے ہاں کر دی۔ طے یہ پایا کہ اگلے ہفتے میں اس کی شادی ہو جائے گی۔ انہیں اخراجات کی پرواہ نہیں تھی۔ میں نے انہی لمحوں میں سوچ لیا کہ مالتی اور سونالی کی شادی ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ کر دی جائے۔ میں نے انہیں یہ خیال دیا تو وہ قدرے حیرت زدہ سے ہو گئے تھے۔ سہ پہر تک اس موضوع پر باتیں چلتی رہیں۔ اس وقت میں وہاں سے اٹھ آنا چاہ رہا تھا۔ انہی لحات میں انار کلی کا فون آ گیا' وہ گھر کے فون ہی سے بات کر رہا تھا۔

"خیریت' انار کلی---؟" میں نے بڑے تحمل سے پوچھا۔

"ہاں جی' خیریت ہی ہے۔ آپ یہاں سے اکیلے ہی نکلیں اور---"

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں کہاں پر ہوں---؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"آپ کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہو گا کہ آپ کا بہت زیادہ خیال رکھا جا رہا ہے۔ آپ یہاں سے اکیلے نکلیں گے تو پرنس ایک ٹیکسی میں بیٹھے ملیں گے' بہت ضروری باتیں کرنی ہیں آپ سے۔"

"صرف اس نے یا اور---" میں نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔ یہ ہدایات مجھے کہیں اور سے ملی ہیں۔ میرے خیال میں پرنس کو اس لئے سامنے رکھا ہے کہ آپ پورے اعتماد سے جائیں۔"

"او کے---- اپنا خیال رکھنا۔"

"جی' عامر جی----!" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں نے بہت کوشش کی کہ اشوک گھر تک ہی محدود رہے لیکن وہ میرے ساتھ ساتھ چلتا چلا آیا۔ جیسے ہی وہ چھوٹی چھوٹی' ٹیڑھی میڑھی گلیاں ختم ہوئیں اور سامنے بڑی سڑک دکھائی دی۔ وہیں مجھے دو ٹیکسیاں نظر آئیں ایک میں پرنس بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ڈرائیور تھا' دوسری میں فقط ڈرائیور ہی تھا۔ میں نے پرنس کی محض ایک جھلک دیکھی تھی' مجھے پہلے سے پتہ نہ ہوتا تو شاید میں پہچان بھی نہ پاتا۔ وہ ٹیکسی دھیرے دھیرے چل دی۔ میں نے زبردستی اشوک کو گلے لگا کر سی آف کیا کہ کہیں اس کی نگاہ نہ پڑ جائے کیونکہ وہ بھی پرنس کو جانتا تھا۔ میں اشوک سے الگ ہوا اور لمبے لمبے قدم اٹھا کر اس ٹیکسی کے پاس چلا گیا۔ میں نے بس رسماً" اس سے پوچھنا تھا کہ خالی ہے اور جواب میں اس نے سر ہلا دیا۔ میں نے دروازہ کھولا اور بیٹھ گیا۔ تبھی اس نے ٹیکسی سٹارٹ کر لی۔ اشوک مجھے ہی دیکھ رہا تھا' میں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور پھر چند لمحوں بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے ڈرائیور کو بالکل نہیں بتایا تھا کہ کدھر جانا ہے لیکن وہ پوری توجہ سے اس ٹیکسی کے پیچھے جا رہا تھا جس میں پرنس تھا۔

وہ بھینس کالونی ہی تھی۔ ہر طرف گوبر' بھینس' چارہ اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ دونوں ٹیکسیاں ایک بڑے سے گھر کے سامنے رک گئیں۔ میں جب تک باہر آیا' پرنس بھی نکل چکا تھا۔ اس وقت میں بالکل نہتا تھا۔ ہم دونوں آگے بڑھے اور مسکراتے ہوئے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا تو اس نے پوچھا۔

"کہو' کیا حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں---- تم سناؤ' یہ اچانک کیسے----؟"

"نہیں' یہ اچانک نہیں ہے بلکہ بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ وہ وقت آ گیا ہے جب تمہارے یہاں کے دوست تم سے مل لیں۔"

"کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں----؟" میں نے ہنوز مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"خیر' اتنی بھی نہیں۔ چلو' اندر چلتے ہیں وہیں ساری باتیں ہو جائیں گی۔"

اس نے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت مغرب ہونے کو تھی۔ ہم دونوں آگے بڑھے۔ ایک بڑے سارے صحن کے ساتھ برآمدہ تھا جو خاصا طویل تھا اور اس کے درمیان سے ایک راستہ جا رہا تھا۔ ہم برآمدے میں پہنچے تو دائیں طرف سیڑھیاں دکھائی دیں۔ پرنس اس طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیاں طے کر کے جب اوپر پہنچے تو سامنے ایک بڑا سا دروازہ تھا۔ ہم اس میں داخل ہو گئے۔ اندر

ایک میز کے گرد تین فرد بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے بالکل سامنے ایک تنومند شخص تھا۔ اس کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ اس نے ہندو یوگیوں جیسا لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ تھا۔ چہرے پر بہت زیادہ بالوں کی وجہ سے اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا' بس سرخ آنکھیں ہی اس کا پہلا تعارف تھا۔ اس کے دائیں طرف سوٹ پہنے ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ اس کے کھچڑی بال تھے اور پتلی پتلی مونچھیں تھیں۔ اس کے بالکل سامنے ایک نوجوان تھا۔ ہلکے بال' کلین شیو' ٹی شرٹ اور جینز پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں سونے کی چین اور کلائی پر بریس لیٹ--- ان تینوں نے بیک وقت میری طرف دیکھا۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا تھا' ایک نگاہ میں تینوں کو جانچ لیا تھا۔ تبھی ان میں سے بے تحاشا بڑھے ہوئے بالوں والے نے کہا۔

"سواگرتم' عامر جی! آیئے---" اس کا لہجہ شاندار تھا۔ میں اور پرنس بیٹھے ہی تھے کہ اس نے کہا۔ "مجھے شنکر پجاری کہتے ہیں' نام سے ہندو ہوں مگر کسی بھی دھرم کو نہیں مانتا۔" یہ کہہ کر اس نے سوٹ والے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ اقبال بھائی ہیں اور یہ نوجوان مرزا حسن ہے۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے میری طرف دیکھ کر خاموش رہا' پھر بولا۔ "عامر! جب سے آپ نے ممبئی کے لئے فلائی کیا ہے' تب سے آپ ہماری نگاہوں میں ہو۔ آپ کی ذمہ داری ہمیں دی گئی تھی۔ بہت سارے کام ایسے ہوئے ہیں جن کا آپ کو بھی نہیں پتہ لیکن ہم اسے دیکھتے رہے ہیں۔ آپ نے ارون کو بالکل ٹھیک استعمال کیا ہے اور یہ آپ کی خوش قسمتی رہی کہ آپ کو لکشمن راؤ مل گیا' وہ واقعی ہیرا ہے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اب وہ ہمارے خزانے میں آگیا ہے۔ اب اسی کے ذریعے ہم ارون کو تحفظ دیں گے۔" وہ دھیرے دھیرے کہتے ہوئے اچانک رک گیا۔ چند لمحے خاموشی کے بعد بولا۔ "آپ سے ایک غلطی یہ ہوگئی کہ آپ شردچندر سے ملنے چلے گئے۔ اس نے آپ کے بارے میں معلومات تو لینا ہی تھی لیکن یہ ایک معمول تھا اور جیسا سب سمجھ رہے تھے' ویسا ہی وہ سمجھتا۔ بات یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھا لیکن آپ نے اس رات کونال کو اگلے جہاں پہنچا دیا۔ یہ بہت تیزی کی آپ نے' دونوں میں سے ایک کام کرنا تھا آپ نے---"

یہ کہہ کر وہ خاموش وہ گیا۔ وہ میری طرف یوں دیکھنے لگا جیسے مجھ سے کچھ سننا چاہ رہا ہو۔

"ہاں' یہ کوئی نئی بات نہیں۔ مجھے بھی اس کا احساس ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"جس طرح آپ کو احساس ہے' اس طرح آپ کا نام آن ریکارڈ دیکھ کر بہت سارے لوگ آپ پر شک کر رہے ہیں اور آج دوپہر سے آپ کی نگرانی کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں اسی لئے ہم نے انارکلی کو زحمت دی تھی کہ وہ آپ سے بات کرے ورنہ پرنس بھی بات کر سکتا تھا۔"

"خیر' ویسے بھی ہم آپ سے ملنا چاہ رہے تھے---" اقبال بھائی نے بات کو سنبھالا دیا۔ "آپ

کے پاس واپسی کے لئے بھی تھوڑا سا وقت ہے۔ اس دوران آپ نے اپنے ٹارگٹ تک بھی پہنچنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنا لائحہ عمل بنا لینا چاہئے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" میں نے کہا۔

"آپ کا ٹارگٹ تو فقط اتنا ہے کہ شرد چندر کو ختم کر دیا جائے مگر ہماری اس پر بہت پہلے سے نگاہ ہے۔ وہ بھارتی خفیہ کا تربیت یافتہ ہے اور اب اس سطح پر ہے کہ پاکستان مخالف ایک بہت بڑا کیمپ چلا رہا ہے۔ اس میں پاکستان سے ہی آئے لوگوں اور یہاں سے بھارتی لڑکوں کو تربیت دے رہا ہے۔ اس کے ساتھ اسرائیلی ایجنٹ بھی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہاں سے ایک ٹی وی چینل کی بھی سرپرستی کر رہا ہے جس میں درپردہ پاکستان مخالف پروپیگنڈا ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس شخص کے ختم ہوتے ہی یہ سب ختم نہیں ہوگا' اس کی جگہ کوئی اور لے لے گا۔"

"تو کیا یہ سب کچھ پندرہ دنوں میں ہو جائے گا۔۔۔؟"

"بلاشبہ' یہ ایک نئی مہم ہے لیکن ہم آپ کو اس میں شامل نہیں کریں گے اگر آپ نہیں چاہیں گے تو یا پھر جہاں تک آپ ہمارا ساتھ دے سکیں کیونکہ ہم آپ کی راہ میں نہیں آنے والے بلکہ اسے ختم کرنے میں آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ آپ بہت قیمتی ہیں' اس کا مجھے پوری طرح احساس ہے۔"

"اصل میں اس کے ختم ہونے کے ساتھ ہی جب کوئی اور اس کی جگہ لے گا تو پھر نئے سرے سے اس سارے معاملے کو دیکھنا ہوگا جس میں بہت وقت لگ سکتا ہے۔ ہم نے سوچا ہے کہ کیوں نہ یہ سب ابھی ہو جائے۔" مرزا احسن نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کام اتنے مشکل نہیں ہیں' محض اڑتالیس گھنٹے چاہئیں مگر۔۔۔ یہ یاد رہے کہ میں نے یہاں سے قانونی طور پر واپس جانا ہے۔ میں نے اگر غیر قانونی طور پر یہاں سے نکلنا ہوتا تو میں کب کا یہ سب ختم کر کے جا چکا ہوتا۔"

"ہمیں احساس ہے' عامر جی۔۔۔!" شنکر پجاری نے ہنکارے کے سے انداز میں کہا۔

"تو پھر جو آپ کہیں' میں حاضر ہوں۔" میں نے نہایت تحمل سے کہا۔

"بس ہم میں رابطہ رہنا چاہئے۔ آپ اپنے طور پر کام کریں اور ہم اپنے طریقے سے کریں گے مگر انہی چند دنوں میں یہ سب ہو جانا چاہئے۔" اقبال بھائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبھی اس نے مرزا احسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ نوجوان اس سارے معاملے کو دیکھے گا' اب آپ کا رابطہ اسی سے ہوگا۔"

میں نے مرزا احسن کی طرف دیکھا' وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ شنکر پجاری اور اقبال بھائی

چند منٹ اور بیٹھے اور پھر چلے گئے۔ میں تھوڑی دیر مرزا احسن سے باتیں کرتا رہا۔ وہ کافی کام کا آدمی تھا۔ اس نے بہت ساری اہم باتیں مجھے بتائیں۔ ہم کچھ معاملات طے کر کے اٹھ گئے۔ پرنس اس سارے دورانئے میں خاموش رہا۔ اس سے مجھے یہ احساس ہو گیا کہ وہ اس دنیا میں کہاں تک حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ واپسی پر وہی ٹیکسی والا مجھے جو گیشں وری اسٹیشن تک چھوڑ گیا۔ جہاں سے میں لوکل ٹرین سے اندھیری آیا۔ وہاں سے آٹو کے ذریعے کوپر ہسپتال کے نزدیک مارکیٹ تک آیا اور پھر پیدل راہول لاج تک آیا تو گیارہ بج چکے تھے۔

"اتنی دیر لگا دی' بوا۔۔۔؟" انارکلی نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"بس یونہی آوارہ گردی میں دیر ہو گئی۔"

میں نے کہا اور اپنے بیڈروم کی جانب بڑھ گئی۔ تبھی میرے عقب سے انارکلی نے پوچھا۔

"کھانا لگاؤں۔۔۔؟"

"ابھی نہیں' میں فریش ہو کر آتا ہوں تو بتاتا ہوں۔" میں نے کہا اور بیڈروم میں چلا گیا۔

اس وقت میں کھانا کھا کر بہت ایزی موڈ میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ میں نے ٹی شرٹ اور نیکر پہنی ہوئی تھی۔ میرے سامنے ٹی وی چل رہا تھا اور میں ٹانگیں پھیلا کر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ انارکلی کچن میں مصروف تھا۔ رات کے تقریباً بارہ بج رہے تھے۔ میں نے چائے ختم کی اور ایک چینل پر پرانے گانوں کا پروگرام دیکھ رہا تھا۔ انہی پرسکون لمحات میں شاردا آ گئی۔ وہ ہلکے نیلے رنگ کی ہاف سلیوٹی شرٹ اور نیکر میں یوں تھی جیسے اس کا گداز بدن اس مختصر لباس میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور پاؤں میں ہلکے سے سلیپر تھے۔ اس کا یوں رات گئے' اس انداز میں آنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ اس نے میرے قریب آتے ہی اپنا ہاتھ بڑھا دیا جسے میں نے قدرے مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ میرے ساتھ صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا' آپ کے ساتھ گپ شپ کر آؤں اور ویسے آپ کو ایک بات بھی بتانا تھی۔" اس نے عام سے انداز میں کہا۔

"کہو' کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آج کچھ لوگ آئے تھے میرے پاس' شام کے وقت۔۔۔" اس نے یہ کہا اور میرے چہرے پر اس کا ردعمل تلاش کرنے لگی۔ میں بغیر تاثر کے اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا تاکہ وہ اپنی بات پوری کرے۔ مجھے خاموش پا کر وہ بولی۔ "وہ پولیس سے تعلق رکھتے تھے یا پھر شاید خفیہ کے تھے' بہرحال ان کا تعلق کسی نہ کسی فورس سے ضرور تھا۔"

اس نے کہا تو میں بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔

"وہ کیوں آئے تھے---؟" میں نے عام سے انداز سے پوچھا جیسے وہ موسم کے بارے میں بات کر رہی ہو۔

"وہی کونال کے قتل والا معاملہ--- بہت بڑے پیمانے پر اس کے قاتلوں کی تلاش کی جا رہی ہے۔ ہم اسی شام شرد چندر سے ملے تھے' بس ایسے ہی وہ میرے بارے میں اور آپ کے بارے میں سوال کرتے رہے۔"

"--- اور بلاشبہ وہ میرے بارے میں زیادہ کرید کر رہے ہوں گے کیونکہ میں نہ صرف مسلمان ہوں بلکہ پاکستانی بھی---" میں نے ہنستے ہوئے کہا پھر ایک لمحہ خاموش ہونے کے بعد میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں' ہم ان لوگوں سے پورا پورا تعاون کریں گے۔ وہ ہم سے جو پوچھنا چاہیں' ہم انہیں بتائیں گے۔"

"کہیں وہ آپ کو بے جا پریشان نہ کریں۔" شاردا نے تشویش سے کہا تو میں ہنس دیا۔

"اب دیکھو' وہ مجھ پر شک کریں گے تو مجھے ان کا شک دور کرنا چاہئے۔ جہاں تک بے جا پریشانی والی بات ہے تو وہ پھر دیکھا جائے گا۔ مجھے اپنے سفارت خانے سے مدد لینا ہوگی--- خیر' کوئی مسئلہ نہیں ہم یونہی کیوں اپنا سر کھپاتے رہیں۔"

"--- اور وہ کہہ رہے تھے کہ---"

"شاردا! وہ بہت کچھ کہیں گے۔ بھول جاؤ' دوبارہ اگر کوئی معاملہ ہوا تو انہیں مجھ سے ملوا دینا۔ میں انہیں سنبھال لوں گا' تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تو کمل جیت والا معاملہ بھی نہیں ہے جو سامنے آ جائے گا اور میرا نہیں خیال کہ وہ یوں گہرائی تک پوچھ تاچھ کریں گے۔ یہ محض فارمیلٹی ہے جو انہوں نے پوری کی ہے اور چلے گئے ہیں۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔" شاردا نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"کم آن' شاردا! وہ بھی تو انسان ہیں۔"

میں نے لاپرواہی سے کہا تو وہ ایک خاص انداز سے بولی۔

"ویسے بائے داوے' آپ دوپہر سے رات تک کہاں غائب رہے ہیں؟"

"اشوک دھوریہ کے پاس تھا۔ تمہیں بتاؤں' آج میں نے ان دونوں کی بات پکی کر دی ہے۔"

"کن دونوں کی---؟"

"ارے اشوک اور سونالی کی۔ دونوں ایک دوسرے کو بچپن ہی سے چاہتے ہیں لیکن یہ اشوک ہی سونالی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اب دونوں ہی راضی ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں تم سے بات کرنا

تھی۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"یہی کہ ان کی شادی اسی ہفتے میں ہو گی' ادھر مالتی کی بھی شادی ہے' کیوں نہ ہم ان سب کا ایک ہی جگہ۔۔۔"

"ارے واہ' یہ ٹھیک رہے گا لیکن ایک ہفتے میں تیاریاں کیسے ہوں گی۔" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"شاردا! وہ تم جیسے امیر لوگ نہیں ہیں جن کی تیاریاں مہینوں میں بھی نہیں ہوتیں' غریب لوگ ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں' کوئی ایسی جگہ ہو۔۔۔"

"بوا! کسی ہوٹل ووٹل کا مت کہنا کیونکہ وہاں تو بس رسم پوری کی جاتی ہے۔ شادی کی وہ خوشی جو ہونی چاہئے' وہ نہیں ملتی۔" انار کلی نے کہا جو ہمارے پاس آکر قالین پر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولا۔ "ہماری رائے میں تو یہ شادی وہیں مالتی کے گھر ہی ہو' وہیں اشوک اور سونالی کو بلوا لیا جائے۔ ہم بھی ایک دو دن وہیں چلے جائیں گے۔ خوب دھوم دھڑکا رہے گا۔ ناچ گانا ہو گا' مزے رہیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے ویسے۔۔۔" شاردا نے کہا۔

"چلو پھر' انار کلی! یہ سارے انتظام تم سنبھال لو۔ سارا کچھ طے کر کے اسی ہفتے میں یہ شادیاں ہو جانی چاہئیں کیونکہ اس سے اگلے ہفتے میں کسی دن میں نے واپس چلے جانا ہے۔"

میں نے کہا تو شاردا نے چونک کر میری طرف دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے بعد انار کلی اٹھ کر چلا گیا۔ تب وہ بولی۔

"اتنی جلدی وقت گزر گیا۔ ابھی تو ہم دوست بنے ہیں۔"

"شاردا! میرا بھی دل نہیں چاہتا کہ میں یہاں سے جاؤں مگر کیا کروں' میں بے وطن مسافر ہوں۔ مجھے ایک بار تو واپس جانا ہی ہو گا۔"

"ہم کوشش کرتے ہیں' آپ کا ویزا بڑھ جائے کچھ دن اور۔۔۔"

"پھر بھی تو واپس جانا ہو گا' تب بہت مشکل ہو جائے گا۔۔۔ معاف کرنا' شاردا! میں جب سے یہاں آیا ہوا' مجھے یہاں کا ماحول بہت تنگ ملا ہے۔ گھٹا ہوا' تنا ہوا۔ میں اب بھی کھل کر سانس نہیں لے پا رہا ہوں۔ مجھے یہاں سے محبت بھی ملی ہے لیکن نفرت اتنی زیادہ ہے کہ میں ان محبتوں کی سرشاری میں پوری طرح بھیگ بھی نہیں پا رہا۔"

"کیا ہم دوبارہ کبھی نہیں مل پائیں گے؟" شاردا نے حسرت سے کہا۔

"کیوں نہیں، شاردا! میں سریتا کی شادی پر ضرور آؤں گا---- راہول سے تو میری دوستی رہے گی، تب میں پھر آپ لوگوں سے ملنے کے لئے ہی آؤں گا۔ اب تو یہاں رہنا میرے معاہدے کی مجبوری ہے۔"

"محض چند دن---- چند دن رہ گئے ہیں۔" اس نے پھر مایوسی سے کہا۔

"خوشگوار یادوں کے لئے تو ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے، میرے پاس تو ابھی چند دن ہیں۔ میں ان دنوں میں ڈھیر ساری محبت حاصل کر لینا چاہتا ہوں۔"

"آپ نے تو اچھی طرح ممبئی بھی نہیں دیکھا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ----"

"مجھے ممبئی دیکھنے کی اتنی خواہش نہیں---- ہاں، یہاں پر جو لوگ میرے قریب رہے ہیں، میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کو ترجیح دوں گا۔"

"کیا آپ مجھے وقت دیں گے؟" اس نے حسرت سے پوچھا۔

"کیوں نہیں---- یہ جن شادیوں کی بات کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ پورا ہفتہ اسی میں گزر جائے گا۔ دفتر میں بھی ہم اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے پاس کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، صرف تمہاری بزنس کی مصروفیات، میٹنگ وغیرہ میں تمہیں وقت نہ مل پائے تو الگ بات ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں اسے ارینج کر لوں گی۔" اس نے کہا اور پھر تھوڑی دیر مزید باتوں کے بعد وہ چلی گئی۔ تب انار کلی نے کہا۔

"عامر جی! آپ نے سمجھا کہ میں آپ کو راہول لاج سے دور کیوں رہنے کا مشورہ دے رہا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا، حضور! پر یہاں بھی تو کوئی بندہ چاہئے---- خیر، اب دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا اور بیڈ روم میں چلا گیا۔

❀❀

"اشوک اور سونالی مان گئے کہ ان کی شادی لکشمن راؤ کے ہاں ہی ہو جائے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ بعد میں رسمیں منالیں گے۔ اس دوران شاردا میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش میں رہی تھی اور میں نے اپنے سارے رابطے یکدم منقطع کر دیئے تھے۔ ارون گولی سے میرا مسلسل رابطہ لکشمن راؤ کی وجہ سے تھا۔ لکشمن راؤ کے پاس فون آ چکا تھا، وہ مجھے ہر بات زبانی بتا دیتا۔ ارون پوری طرح شرت چندر کی نگرانی کر رہا تھا۔ دوسری جانب مرزا حسن کا رابطہ انار کلی سے تھا۔ میں اپنا فون بہت کم استعمال کرنے لگا تھا۔ میں اس قدر محتاط ہو چکا تھا کہ میں نے ابھی تک سفید لفافہ بھی لندن پوسٹ نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے اسے بنایا تھا، اخبار ردی میں

پڑے ہوئے تھے۔ ماحول بہت ہی گومگو کی کیفیت میں تھا۔ ان سارے دنوں میں سریتا سے میرا ایک بار بھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ بلاشبہ اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے بھی کوشش نہیں کی کہ اسے ملوں یا فون پر ہی رابطہ کر لوں۔

اس رات چال میں شادیوں کا بھرپور ہنگامہ تھا۔ لکشمن راؤ کے ساتھ انارکلی بہت مصروف تھا۔ سریتا سہ پہر سے وہاں پر تھی' شام کے وقت میں بھی وہاں چلا گیا۔ اتنے دنوں بعد میں نے وہاں سریتا کو دیکھا تھا۔ اس نے ہلکا ہلکا میک اپ کیا ہوا تھا اور زرق برق آف وائٹ لباس پہنے بہت ہی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے بھی مجھے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی چلی گئی۔ میں نے اپنے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اپنے بھائی سے نہیں ملو گی؟"

میرے یوں کہنے پر وہ تیزی سے میرے گلے لگ گئی۔ پھر اس کے آنسو بہہ نکلے' وہ سسک سسک کر رو رہی تھی' میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہر شخص کو اس کی سوچ کے مطابق نہیں ملتا۔"

"مگر اتنا بھی ظلم نہیں کرنا چاہئے۔" وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"یہ ظلم نہیں' حقیقت ہے۔ میں نے تمہیں اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں دنیا کی ساری خوشیاں نصیب ہوں۔" یہ کہہ کر میں مسکرایا اور اس کے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ "اب نہیں رونا' تم ہنستی مسکراتی ہوئی بہت خوبصورت لگتی ہو--- چلو' اب ہنس دو۔"

اس کے لبوں پر ذرا سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں اسے لے کر باہر گیلری میں آ گیا۔ ان کابک نما گھروں کے درمیان کھلی سی جگہ کو بہت خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ ایک طرف شادی کا منڈپ بنایا گیا تھا' لوگ تیار ہو کر آ رہے تھے اور وہاں پر دھری کرسیوں پر بیٹھ رہے تھے۔

"ماما اور دیدی---؟" سریتا نے پوچھا۔

"وہ ابھی آ جائیں گی یہ بھی ممکن ہے ماما نہ آئیں--- خیر' تم سونالی اور مالتی کے پاس جاؤ۔ میں نیچے جاتا ہوں اور ہاں' میرے پاس یہاں رہنے کے لئے محض چند دن رہ گئے ہیں۔ اب ناراض نہیں رہنا مجھ سے---"

میں نے کہا تو وہ بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔ بلاشبہ اس نے یہ نیا تعلق دل سے قبول نہیں کیا تھا--- میں ابھی وہیں گیلری میں کھڑا تھا کہ لکشمن راؤ میرے پاس آ گیا۔

"آپ آ گئے' مجھے ابھی سریتا نے بتایا۔ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"خیریت---؟" میں نے پوچھا۔

"ارون کا ایک پیغام تھا کہ شرد آج رات جوہو سنٹر کے قریب ایک پارٹی میں جا رہا ہے۔ وہ بہت مخصوص لوگوں کی پارٹی ہوگی اور ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھ اتنی سیکورٹی نہ لے کر جائے۔ اس پارٹی کا اتنے دنوں سے انتظار تھا۔"

"اسے کہیں' پتہ کرے۔ ممکن ہوا تو آج رات ہی کچھ کرنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے حتمی انداز میں کہا۔ میرے یوں کہنے پر لکشمن راؤ کا چہرہ اتر گیا' تب میں نے کہا۔ "آپ کیوں اداس ہو گئے؟ یہ بہت بھرپور موقع ہوگا۔ اس گہماگہمی میں میرے غائب ہونے کا کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ وہاں پر کچھ نہیں کر پاؤ گے۔ وہاں پر اسمگلروں کا اکٹھ ہے۔ ایک سے ایک حرامزادہ وہاں پر ہوگا۔ وہاں پر جانا خودکشی کے مترادف ہے کیونکہ انڈرورلڈ کا کوئی بھی شخص ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

"دیکھیں' کیا ہوتا ہے۔ بہرحال میرا یہ پیغام اس تک پہنچا دیں بلکہ فون مجھے دیں۔"

میں نے اس سے فون لیا اور نمبر ملا دیئے دوسری بیل پر فون رسیو کر لیا گیا' میری آواز سنتے ہی وہ چہک اٹھا۔

"دیکھیں' آپ نے جو کہا تھا اس کی تو انفارمیشن میرے پاس سوفیصدی درست ہے۔ اب بولیں' کیا کرنا ہے؟"

"تم بس تیار رہنا اور جیسے ہی وہ نکلے' اس کے بارے میں معلوم کر کے مجھے بتا دینا۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔۔۔۔ او کے؟"

"او کے۔۔۔" اس نے کہا تو میں نے فون بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ اب اس کی مجھے ضرورت تھی۔

اس وقت بھاگیشور اور اشوک شادی کے منڈپ پر بیٹھ چکے تھے لیکن ابھی دلہنیں نہیں آئیں تھیں۔ سمتری دیوی اور شاردا آ چکی تھیں اور خواتین میں تھیں۔ ان لمحوں میں انارکلی میرے پاس آیا۔

"مرزا حسن کا فون ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا فون مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ میں اس وقت لوگوں میں کھڑا تھا۔ میں بے خیالی کے سے انداز میں وہاں سے دور چلا گیا۔ بینڈ باجوں کے شور میں مجھے اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔ میرے "ہیلو" کے جواب میں اس نے تصدیق کی جس کے لئے چند فقروں کا تبادلہ ہوا۔ تب اس نے کہا۔

"آپ کے لئے اس وقت دو خوشخبریاں ہیں---"

"دو---؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں' دو--- ایک تو یہ کہ خفیہ والوں کی فہرست میں سے آپ نکل گئے ہیں۔ ان کے خیال میں شردسے آپ کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ انہوں نے آپ کو بہت قریب سے جانچا ہے۔"

"مگر مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا؟"

میں نے تیزی سے پوچھا۔ تب مرزا حسن ہنستے ہوئے بولا۔

"وہ دکھائی بھی کیسے دے سکتا ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی آپ کے قریب نہیں پھٹکا۔"

"تو پھر---؟"

"آپ کے سب سے زیادہ قریب رہنے والی شاردا ہی ان کے کان اور آنکھیں تھی' بالکل اسی طرح جیسے ان خفیہ والوں میں ہمارے کان اور آنکھیں موجود ہیں۔ آپ بہت زیادہ محتاط ہو جائیں اور اگر کوئی ایسی بات ہو گئی ہو تو اسے فوراً" قابو میں کرنے کی کوشش کریں لیکن میرا خیال ہے' ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہوگی ورنہ---"

"دوسری خوشخبری---؟" میں نے مختصر سے انداز میں پوچھا۔

"آج رات کسی بھی وقت وہ ہمارے قابو میں آنے والا ہے' وہ جب قابو میں آجائے گا تو۔"

"کہاں ملے گا وہ تمہیں---؟"

"جوہو سنٹر کے آس پاس---"

"اس کا تو مجھے بھی پتہ ہے اور میرے لوگ وہاں تک پہنچ رہے ہیں۔" میں نے صاف بات نہ کرتے ہوئے کہا۔

"زبردست--- شنکر پجاری کا آپ کے بارے میں اندازہ بالکل صحیح ہے۔ اس نے کہا تھا کہ آپ کو ضرور معلوم ہوگا سو آجائیں' باقی وہیں دیکھ لیں گے۔"

"میں وہیں ملوں گا---"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ لاشعوری طور پر میں نے اپنے اردگرد دیکھا' وہاں کوئی بھی میری طرف متوجہ نہیں تھا' سبھی مگن تھے جبکہ میرے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ مجھے وہاں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ میری تمام تر توجہ شرد کی طرف تھی۔ مدتوں بعد وہ وقت آنے والا تھا جس کے انتظار میں لمحہ لمحہ گزارا تھا۔ مجھے لاشعوری طور پر یہ احساس تو تھا کہ شاردا میری دوست نہیں ہو سکتی لیکن یہ یقین نہیں تھا کہ میری دشمنی میں اس قدر منافقت پر اتر آئے گی۔ میری چھٹی حس مجھے اس سے محتاط رہنے کے لئے کہہ رہی تھی اور میں محتاط بھی تھا۔ میں نے بہت غور کیا کہ گزشتہ دنوں

میں کوئی ایسی غلطی تو نہیں کر گیا جس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑے؟ مجھے کچھ یاد نہیں آیا سوائے اس کے کہ میں نے شیتل ورما کا فون سنا تھا۔ اس نے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی اور میں نے اسے ایک ہفتے بعد رابطہ کرنے کو کہا تھا۔ میں نے سب کچھ اپنے ذہن سے نکال دیا۔ کچھ لمحوں بعد میں اس مجمع میں یکسو ہو گیا۔ میرا ذہن پوری طرح شرد کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

بھا گیشوز اور اشوک نے مالتی اور سونالی کے ساتھ پھیرے لے لئے تھے اور وہ ایک طرف بنائے سٹیج پر بیٹھ گئے تھے۔ بہت اونچی آواز میں فلمی گانا چلا دیا گیا جس پر کئی لڑکے اور لڑکیاں ناچنے لگے تھے۔ ہلا گلا شروع ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ کھانے کے اہتمام کی طرف لگ گئے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ ارون کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریب" بارہ بجے کے قریب لکشمن راؤ میرے پاس آیا اور اس نے بغیر کوئی بات کئے فون میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں' بولو---؟"

"وہ جوہر سنٹر کے قریب ایک بنگلے میں ہیں۔"

"مجھے وہاں کی لوکیشن بتاؤ۔"

میں نے کہا تو اس نے مجھے وہ لوکیشن بتائی جو اسے اس کے آدمی نے بتائی تھی۔

"ٹھیک ہے تم وہاں پہنچو' میں آ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر میں نے وہ فون لکشمن کو تھماتے ہوئے کہا۔

"میں جا رہا ہوں' آپ یہاں سنبھال لیں اور انارکلی کو بھی بتا دیں۔ جو صورت حال ہو گی' وہ میں بتا دوں گا۔"

میں غیر محسوس انداز میں چال سے باہر آ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی جو میں نے کسی بھی ہنگامی حالات کے لئے وہ روک چھوڑی تھی۔ اس کا انتظام لکشمن راؤ نے کیا تھا۔ جیسے ہی میں اس ٹیکسی کے نزدیک پہنچا' ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا اور ویسے بھی میں نے ٹیکسی نمبر دیکھ کر اطمینان کر لیا تھا۔ جوہو سنٹر کے قریب جا کر میں نے ارون سے رابطہ کیا۔ وہ ایک مخصوص جگہ پر موجود تھے۔ میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تاکہ وہ کوئی گاڑی بھیج دے۔ پھر اس کے بعد میں نے مرزا حسن سے ایک پبلک بوتھ کے ذریعے رابطہ کیا' وہ بھی کہیں آس پاس ہی تھا۔ میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا اور تھوڑی دیر بعد رابطے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ میں پوری طرح تیار تھا اور میرے اندر بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

✿✿

ارون اور میں ایک ہی گاڑی میں تھے۔ اس کے ساتھ چند لوگ مزید تھے جنہیں میں نے دیکھا

نہیں تھا مگر وہ مختلف گاڑیوں میں جال پھیلائے بیٹھے تھے۔ ارون کے فون سے میں نے مرزا حسن سے رابطہ کیا' اسے اپنی پوزیشن بتائی اور اس کے بارے میں پوچھا۔ پھر بہت کچھ طے کر لینے کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔ اب انتظار تھا کہ وہ کب نکلتا ہے---- تقریباً دو بجے کے بعد ارون کا فون بجنے لگا۔ شرد چندر وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس کے ساتھ دو گاڑیاں تھیں اور ان میں آٹھ سے دس افراد تھے۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ وہی بوائے کٹ بالوں والی لڑکی تھی اور ایک ڈرائیور---- مرزا حسن سے میرا مسلسل رابطہ تھا۔ اس وقت شرد چندر کا قافلہ میری نگاہوں میں آیا جب وہ دوکیشنل سنٹر کے موڑ پر تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس موڑ سے مین سڑک کے درمیان کتنا فاصلہ ہے مگر جو کچھ بھی ہونا تھا' یہیں ہونا تھا۔ دوسری جانب حسن تھا۔ میں نے اسے بتایا تو اس کا فون بند ہو گیا۔ اگلے چند لمحوں میں اس روڈ پر اچانک گاڑیوں کے بریک چرچرائے۔ ارون نے اپنی گاڑی اس کی سیکورٹی کے عین درمیان میں لا کر روک دی۔ صورت حال یوں تھی کہ شرد چندر کی گاڑی میری اور حسن کی گاڑی کے درمیان میں تھی جبکہ شرد کی سیکورٹی والا قافلہ میرے اور ارون کے ساتھیوں کے درمیان---- چشم زدن میں گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جس سے پورا علاقہ لرز کر رہ گیا۔ اس پر مزید افتاد یہ ہوئی کہ ہمیں اس گاڑی سے نکلنا تھا۔ میں نے اپنا ریوالور سنبھالا اور ارون کے ساتھ باہر چھلانگ لگا دی۔ اگلے ہی لمحے گاڑی ریورس میں دو تین فٹ ہٹی اور دھماکے سے پھٹ گئی۔ تیز روشنی میں قافلہ کی اگلی گاڑی بھی لپیٹ میں آتی ہوئی دکھائی دی۔ ایک لمحہ بعد دوسری گاڑی بھی یونہی پھٹ گئی۔ کان پھاڑ دینے والے ان دو دھماکوں کے دوران مرزا حسن شرد تک پہنچ گیا۔ شرد نے نکل کر بھاگنے کی کوشش کی تو میں نے دوڑ کر اسے دبوچ لیا۔ میرے پیچھے ارون تھا۔ میں نے شرد کو اٹھایا تو مجھے دانتوں پسینہ آ گیا لیکن میں نے وہ چند قدم کا فاصلہ طے کیا۔ شرد مچل رہا تھا۔ میں نے جاتے ہی اسے سفاری میں جا پھینکا۔ تب تک حسن اس کے ڈرائیور اور بوائے کٹ بالوں والی لڑکی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر کے پلٹ چکا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور ساتھ ہی گاڑی بڑھا دی اس نے یہ دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ پیچھے کیا ہوا ہے۔ شرد نے ایک نگاہ میں مجھے دیکھا تھا اور اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے مگر میں نے زیادہ دیر اسے حیرت میں نہیں رہنے دیا اور بے ہوش کر دیا۔ یہ ساری کارروائی محض دو منٹ میں ہوئی تھی۔ کافی دور جانے کے بعد ایک ایمبولینس کھڑی دکھائی دی' مرزا نے گاڑی اس کے نزدیک لے جاتے ہوئے کہا۔

"عامر! تم یہ گاڑی لے جاؤ اور کہیں بھی چھوڑ دینا میں اس ایمبولینس کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی۔ جسے فوراً" ہی ارون نے سنبھال لیا۔ گاڑی کھڑی ہونے کے ساتھ ہی ایمبولینس سے چار آدمی نکلے۔ انہوں نے بے ہوش شرد کو سٹریچر پہ ڈالا۔

تبھی مرزا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کہو' کیا خیال ہے۔۔۔؟"

"میں اسے ابھی ختم کرنا چاہوں گا لیکن ہوش دلانے کے بعد۔۔۔"

"مگر وقت نہیں ہے۔ اسے اگر ہوش دلایا اور تمہاری باتوں میں۔۔۔"

اس کے لفظ منہ میں ہی تھے کہ اس سڑک پر تیز روشنی ہو گئی' ہم سب نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

حسن کی نگاہوں میں حیرت ابھری جو محض لمحہ بھر کے لئے تھی۔ اس نے ایمبولینس سے نکلے چاروں لوگوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے چشم زدن میں شرد کے بے ہوش وجود کو سٹریچر پر رکھا اور ایمبولینس کے اندر دھکیل دیا' ان میں سے دو اگلی جانب چلے گئے اور دو سٹریچر کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حسن نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں بھی اندر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے دروازہ بند کر دیا' اس کے ساتھ ہی ایمبولینس چل پڑی۔ میں نے پچھلے دروازوں میں جڑے شیشوں میں سے باہر دیکھا' ارون نے بھی اپنی گاڑی پیچھے لگا دی تھی جو تیز روشنی میں بڑی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ میں اس تیز روشنی میں سے ابھرنے والے کسی وجود کا انتظار کرتا رہا مگر چند منٹ بعد وہ تیز روشنی دھیرے دھیرے پیچھے رہ گئی' یہاں تک کہ وہ معدوم ہونے لگی۔ بلاشبہ حسن بھی اسی کیفیت میں تھا۔ اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

"کوئی ٹرک ہوگا یا کوئی اور۔۔۔ ہمارے مطلب کے نہیں تھے۔"

میں نے اس کی بڑبڑاہٹ کا جواب نہیں دیا بلکہ اس کے یوں بولنے پر میرے تنے ہوئے اعصاب قدرے پر سکون ہو گئے۔۔۔ ایمبولینس کے اندر خنکی تھی اور ایک ان دیکھا گھرا تناؤ تھا۔ میں نے ایک نگاہ حسن پر ڈالی' پھر اس کے ساتھ بیٹھے دونوں لوگوں پر' وہ میری جانب دیکھ رہے تھے۔ تبھی میں شرد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بے ہوش تھا۔ میں نے تھوڑی دیر کوشش کی تو وہ ہوش میں آ گیا۔ اس نے ہوش میں آتے ہی لاشعوری طور پر اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ ہل نہ سکا۔ مدہم روشنی میں اس نے میرے چہرے کو بڑے غور سے دیکھا' اسے پہچاننے میں چند لمحے لگے' تب وہ انتہائی غصے میں بولا۔

"تم؟۔۔۔ مجھے پہلے ہی شک تھا۔۔۔ تم پاکستانی۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ آیا۔ تب میں نے پوری قوت سے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ جس سے اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور خون کی لکیر گردن تک پھیل گئی۔ وہ حیرت سے میری جانب دیکھنے لگا۔

"تمہیں تو شک تھا نا' مگر میں پورے یقین کے ساتھ تم تک پہنچا ہوں۔ میری مجبوری یہ ہے کہ

میں تمہیں اسی حال میں قتل کرنے پر مجبور ہوں۔ ورنہ دل تو میرا یہی چاہتا ہے کہ تمہیں اتنا ماروں' اتنا ماروں کہ تمہاری ہڈیوں سے ریشہ ریشہ الگ کر دوں۔"

میں نے انتہائی نفرت سے کہا اور ایک تھپڑ مزید جڑ دیا۔ حیرت انگیز طور پر اس نے مسکراتے ہوئے بڑے تحمل سے کہا۔

"تم--- تم چوہوں کی مانند بھارت میں گھس سکتے ہو ورنہ---"

"نہیں' شرد! میں تمہارے سامنے ہوں' تم لوگوں کے درمیان ہوں اور اب تمہاری گردن ناپ کر بیٹھا ہوا ہوں۔ چوہوں' کتوں اور گیدڑوں کی طرح تو تم پاکستان میں رہے ہو۔ چھپ کر' دوسروں کے کاندھے پر رکھ کر بندوق چلانا مردانگی نہیں ہوتی۔"

"وہ کاندھے بھی تو تمہی لوگوں کے تھے' میں انہیں بھارت سے لے کر نہیں گیا تھا۔ میں تمہاری طرح خودکشی کا شوق نہیں رکھتا' ہمیں ایسی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جب ہمارا کام کرنے کے لئے تمہارے ملک کے لوگ موجود ہیں تو ہم تو یہ کھیل کھیلیں گے۔ میرے بعد اور لوگ آئیں گے' انہیں مزید لوگ مل جائیں گے۔" اس نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہتے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

"تمہیں شاید میرے جیسے کسی شخص سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا--- بہرحال اب مزید تم لوگوں کا کھیل نہیں چل سکتا' اب تمہیں بہت سارے لوگ سینہ تان کر کھڑے ملیں گے۔"

"نہیں' میرے پیارے! نہیں' تمہارا سسٹم ہمارے لئے بڑی آسانیاں رکھتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بھرپور قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "تم پاکستانی عوام اور یہ تمہارے ان دیکھے حاکم' جب تک یہ رہیں گے' تب ہم بھی تم لوگوں کے درمیان موجود رہیں گے کیونکہ وہ ہمارے لئے فضا سازگار رکھتے ہیں۔ کیا کیا کچھ نہیں ہے تمہارے ہاں۔ لسانی تعصب' فرقہ واریت' صوبائی عصبیت' نفرت انگیز سیاسی ماحول' غربت' ناانصافی--- کیا کچھ نہیں ہے؟"

"مگر شاید تمہیں معلوم نہیں کہ نئی نسل' نیا خون پاکستان کے لئے اپنی جان وارنے کے لئے ہم وقت تیار رہتا ہے اور---"

"وہی سپوت جنہیں معلوم ہی نہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے' ان کا مقصد کیا ہے؟--- وہ تو اپنے ہونے پر' اپنے وجود کے لئے پریشان ہیں۔ عیسائیوں نے اب تک صلیبی جنگ ختم نہیں کی' اسی طرح ہم ہندوستان کے ٹکڑے ہونا کبھی نہیں بھول سکتے۔ اکھنڈ بھارت تک ہماری یہ جنگ جاری رہے گی۔"

اس نے جذباتی لہجے میں کہا تو میرا دماغ سلگ اٹھا۔

"تمہارا یہ خواب کبھی نہیں پورا ہو سکتا۔ وقت بتائے گا کہ بھارت مزید کتنے ٹکڑوں میں تقسیم

ہوتا ہے' تم خود اپنے اندر بڑے بڑے سرطان پال رہے ہو۔"

"سرطان---" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ہم نے بھی تمہاری قوم کو لگا دیا ہے۔ دن رات کتنے بھارتی چینل اپنا پیغام تم لوگوں تک پہنچا رہے ہیں اور وہ لوگ بڑے اطمینان سے پاکستان مخالف باتیں سنتے رہتے ہیں۔ ان کے ضمیر سو رہے ہیں اور ہم یہی چاہتے ہیں۔"

"کیا یہ مردانگی ہے کہ تم اپنی کسی نیم برہنہ عورت کو---"

"نہیں' ڈیئر! وہ عورت محاذ پر کھڑی ہے۔ جنگ لڑ رہی ہے' نشہ دے رہی ہے تمہاری قوم کو' جو سکرین سے جڑے بیٹھے رہتے ہیں اور یہی ہماری کامیابی ہے۔"

"عامر! یہ ڈائیلاگ بازی چھوڑ' جو بھی کرنا ہے' جلدی کر۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" حسن نے تیزی سے کہا تو میں نے شرد کے چہرے پر غور سے دیکھا۔

"شرد چندر اگاشی! میں بے ہوشی کے عالم میں بھی تمہیں ختم کر سکتا تھا لیکن یہ تمہارے ساتھ ظلم ہوتا--- ویسے تو تم جیسے لوگ زمین پر بوجھ ہوتے ہیں مگر تمہیں تمہارا جرم بتائے بغیر قتل کرنا زیادتی ہوگی۔" میں نے کہا تو اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے۔ وہ میری جانب وحشت ناک انداز میں دیکھنے لگا۔ تب میں نے مزید کہا۔ "تمہیں یاد تو ہوگا' شرد! تم نے کراچی میں ایک سابق میجر اکرم کے گھر والوں کو ختم کر دیا تھا' ایک ہنستا بستا گھر اجاڑ دیا تھا تم نے---"

میں نے جذباتی انداز میں کہا تو وہ سوچنے لگا۔ بلاشبہ اس کے ذہن میں ایسی بے شمار یادیں ہوں گی۔ تب انہی چند لمحوں میں میرا غصہ عروج تک پہنچ گیا جب اس نے بے اختیار کہا۔

"تمہارا اس سے کیا تعلق ہے---؟"

"وہ--- وہی تعلق ہے' شرد! جو تم جیسے خبیث لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے ان کے لہو کی خوشبو محسوس کی ہے اور---"

شدت جذبات کے باعث میں کچھ نہ کہہ سکا۔ میں نے اس کی جانب ہاتھ بڑھائے تو وہ بولا۔

"انہیں میں نے قتل نہیں کیا تھا' سندھ کا ایک وڈیرہ تھا' اس کی دلچسپی---"

لفظ اس کے گلے میں ہی رہ گئے اور میں نے پوری قوت سے اس کا گلا دبا دیا۔ وہ ہیبت زدہ انداز میں تڑپنے لگا۔ میں ایک جھٹکے میں اس کی گردن توڑ سکتا تھا مگر میرے ہاتھوں میں تڑپتا ہوا اس کا وجود مجھے ایک انہونی کیفیت سے سرشار کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک جھٹکا لیا اور میرے ہاتھوں میں ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گیا۔ حسن پوری توجہ سے شرد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ختم ہو جانے کا یقین ہوتے ہی اس نے سیل فون پر کسی سے رابطہ کیا اور تیزی سے بولا۔

"کام ہو گیا ہے۔ جس طرح پلان ہے' اسی طرح اپنا کام کرو۔ کسی نئی صورت حال میں جو تم

لوگوں کی سمجھ میں آتا ہے' وہ کرو---- رابطہ رکھنا' میں نے تم لوگوں کے لئے بنکاک کا انتظام کر دیا ہے' کام کرتے ہی اطلاع دینا۔" اس نے حکمیہ انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر میری جانب دیکھ کر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وہ جو وہ کیمپ چلا رہا تھا' ان میں ہمارے بھی لوگ ہیں۔ وہ وہاں پر تباہی مچانے کے انتظار میں ہیں۔ وہ بیرونی ایجنٹ بھی ختم ہو جائیں گے جو وہاں پر تربیت دے رہے تھے۔ یہ بھی اسی پلان کا حصہ ہے۔" یہ کہہ کر اس نے طویل سانس لیا اور پھر بولا۔ "اب----؟"

"میں اروِن کے ساتھ نکلتا ہوں۔ اس شخص کا بھرپور خیال رکھنا' اسے شرد کی جگہ ایڈ جسٹ کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے----" اس نے تیزی سے کہتے ہوئے ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا تو میں نے کہا۔

"شرد کی تصویریں کل کے اخبارات میں شاید ہی ہوں لیکن ابھی وقت ہے ایسی جگہ۔"

"فکر نہیں کرو----"

اس نے کہا تو گاڑی رک گئی۔ میں اترا اور سامنے کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا جس میں سے اروِن میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر دو آدمی تھے۔ اگلی سیٹ والا آدمی پیچھے چلا گیا' تب میں نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے' نا----؟"

"سب ٹھیک----"

اس نے مختصراً" کہا اور گیئر لگا دیا۔ ایمبولینس کافی آگے نکل چکی تھی۔

"میں نے حسن کو سمجھا دیا ہے اور دوسروں سے تو پہلے ہی بات ہو چکی ہے۔ اب تم اس علاقے میں اپنی حکومت بنانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ سیاست ہی تمہارے لئے بہترین راستہ ہوگی' یہ سب تمہاری مدد کریں گے۔"

میرے یوں کہنے پر اس نے سر ہلا دیا۔ پھر ہم میں خاموشی چھا گئی یہاں تک کہ جوہو پارک آ گیا جہاں سے چال نزدیک تھی۔ گاڑی رکتے ہی دو تین گاڑیاں ہماری جانب بڑھیں۔ ان میں سے ایک ٹیکسی تھی' اروِن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں چال تک پہنچا دے گی' نکل جاؤ----"

میں نے اس سے ہاتھ ملانے کی زحمت نہیں کی اور بڑے اطمینان سے ٹیکسی تک پہنچا۔

✿✿

چال کے کھلے سے میدان میں ناچ گانے کی محفل جمی ہوئی تھی۔ چال میں داخل ہوتے ہی میری نگاہیں لکشمن راؤ کو تلاش کرنے لگیں۔ شاید وہ بھی داخلی راستے پر نظریں لگائے بیٹھا تھا' چند منٹ

بعد وہ میرے پاس تھا۔ اس کے چہرے پر زبردست تناؤ تھا۔ اس نے گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور پھر لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے نا۔۔۔؟" میں نے آنکھوں سے سب کہہ دیا' وہ مطمئن ہو گیا اور اطمینان سے بولا۔

"اس طرف سے اوپر بھاگیشور کے کمرے میں چلیں' میں ابھی آتا ہوں۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا اور میں بائیں طرف سیڑھیوں سے بھاگیشور کے کمرے کی جانب بڑھ گیا وہاں پہنچ کر میں نے اپنا جائزہ لی اور پھر فرش پر بچھے ایک بستر پر لیٹ گیا۔ مجھے وہاں سے گئے ہوئے تقریباً" تین گھنٹے ہونے والے تھے۔ اب پتہ نہیں' اس دوران میرا کسی نے نوٹس لیا بھی تھا یا نہیں؟۔۔۔ میں خاموشی سے لیٹا سوچتا رہا کہ جس طرح سوچ بچار سے پلان بنایا گیا تھا' وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اب اس کے اثرات کیا ہوں گے' اس سے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں ایسے ہی ان ممکنات کے بارے میں سوچنے لگا' میں خیالوں ہی خیالوں میں بہت دور تک جا کر واپس آتا رہا۔ میں اسی خیالی سفر میں تھا کہ دروازہ کھلا اور لکشمن راؤ کے ساتھ شاردا اندر داخل ہوئی۔

"یہ رہے آپ کے عامر بابو۔۔۔!" لکشمن راؤ نے دھیرے سے کہا اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔ "اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔۔۔؟"

"بس سر میں تھوڑا درد ہے۔۔۔"

میں نے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اداکاری کی۔ اس پر شاردا نے تڑپ کر کہا۔

"ہائے رام' مجھے بتا دیتے۔ میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتی۔۔۔"

"میں نے بھی کہا مگر انہوں نے کہا کہ بس آرام کرنے سے ٹھیک ہو جاؤں گا۔۔۔"

لکشمن راؤ نے جھوٹ بولتے ہوئے بات رکھ لی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو شاردا بھی میرے ساتھ فرش پر بچھے بستر پر آن بیٹھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"آؤ' چلیں۔۔۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اٹھ گیا۔

ہم اس مجمع میں آگئے جہاں ہلا گلا چل رہا تھا۔ میں نے وہاں موجود سب کی طرف دیکھا' ہر کوئی رونق میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک جانب دولہا اور دولہنیں بیٹھی ہوئیں تھیں۔ تب انار کلی میرے قریب آیا اور "سب اچھا ہے" کا اشارہ دے دیا۔ اسی وقت ساتھ بیٹھی شاردا نے پوچھا۔

"آپ اتنی دیر تک دکھائی نہیں دیئے تو میں پریشان ہو گئی تھی۔۔۔ کیا ہوا تھا؟"

"یار' میں نے لکشمن راؤ کا دل رکھا ہے۔ میں نے سوچا' ہو سکتا ہے کہ کچھ ہندو کھانے کے دوران میری موجودگی پسند نہ کریں سو میں اوپر بھاگیشور کے کمرے میں چلا گیا۔ طبیعت خراب ہونے کا

بہانہ کر کے' وہاں لیٹتے ہی میری آنکھ لگ گئی اور بس---"

"تو اس کا مطلب ہے' آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا؟" اس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں' میں کھالوں گا---" میں نے کہا اور اشوک دھوریہ کی طرف دیکھا جو ایک رقاص لڑکی میں کھویا ہوا تھا۔

"ان کا ہنگامہ بھی بس ختم ہونے کو ہے--- سریتا اور ماما تو کب کی چلی گئیں ہیں' ہم بھی چلتے ہیں۔" اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو اٹھو پھر' لکشمن راؤ سے اجازت لیتے ہیں---"

میں نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد میں اور شاردا وہاں سے نکل آئے۔ انارکلی وہیں رہ گیا--- جب ہم راہول لاج پہنچے تو صبح کا ستارہ جگمگا رہا تھا۔

✿✿

دو دن تک ممبئی کا وہ علاقہ پھر سے ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا۔ اس بار ان ہنگاموں میں شدت تھی' اخبار بھی چیخ اٹھے تھے اور ان میں بے شمار قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں۔ کونال اور شرد کے قتل کو بین الاقوامی سازش کا نتیجہ قرار دیا جا رہا تھا۔ بلاشبہ یہ سچ تھا اور مجھے ان قیاس آرائیوں سے کوئی غرض نہیں تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ شرد چندر کو ایک عظیم انسان کے رتبے پر فائز کر چکے تھے۔ اس کا وہ بھیانک چہرہ دیکھنے کی نہ کسی نے ہمت کی اور نہ دکھانے کی کوشش ہوئی۔ آج کے انسان کے ساتھ یہ کتنی بڑی بے بسی ہے کہ جو شخص مرجاتا ہے' ہم اس کی لاش پر ایک نیا شخص تخلیق کر لیتے ہیں جبکہ زندہ انسانوں کے سانس بھی گروی رکھنے سے باز نہیں آتے۔ ہم جب اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں تو الزام دوسروں پر دھر کے خود کو بری الذمہ قرار دے لیتے ہیں۔ شاید انسان اپنی صلاحیتوں کو بھول کر "چیزوں" پر زیادہ اعتماد کرنے لگا ہے ورنہ باز سے ممولے کا بھڑ جانا کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں۔ ظالم جتنا بھی طاقتور ہو' وہ اتنا ہی بزدل اور اندر سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ مظلوم جتنا بھی کمزور ہو' وہ اتنا ہی طاقتور ہوتا ہے۔ کیونکہ مظلوم جتنا کمزور ہوتا ہے اس کی آہ میں اتنی ہی توانائی ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ایسی آہ عرش کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ غنڈہ عناصر کی حاکمیت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک شریف اپنی آئی پر نہیں آجاتا۔ جب شریف آدمی آئی پر آتا ہے تو غنڈہ عناصر کی حاکمیت گئی سمجھو۔ عنصر بکھر کر سالمہ بن جاتا ہے پھر ایٹم' تب ایٹم کا مرکزیہ شق ہوتا ہے۔ یہی قانون فطرت ہے اور یہی اٹامک تھیوری جو طاقت کا توازن بگاڑے ہوئے ہے اور قوموں کو "سپرپاور" جیسے مقام نجس پر فائز کیئے ہوئے ہے۔ اس کا ترقی یافتہ نام "ویٹو" اور اس کا سادہ ترجمہ "سینہ زوری" ہے۔ اس سینہ زوری کا حق انہیں کس نے دیا؟ اصل میں

سوچنے والی بات یہی ہے۔ ظالم اسی وقت وجود میں آتا ہے جب مظلوم پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سرفروش اسی وقت جنم لیتے ہیں جب کسی قوم کو سرفروش کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ ایسی کیا ضرورت تھی کہ سترہ برس کا لڑکا ہندوستان کے دروازے پر دستک دیتا ہے اور پھر سیل رواں کی طرح بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ ماحول کا اثر تھا۔ آج ہم سرفروشی کے معنی ہی نہیں سمجھ پا رہے حالانکہ محبت کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ محبت محض لب و رخسار کے حصار میں مقید نہیں ہے۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھنے میں بھی محبت کی عظمت ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ سرفروشی ہوتی کیا ہے ورنہ ہمارے اردگرد ایسا ماحول نہ ہوتا۔ سرفروش تبھی جنم لیتے ہیں جب ان کا "اندر" روشن ہو جائے۔ اندر کی روشنی جب من کے راز آشکار کرتی ہے تو تبھی لوہا تپ کر کندن بنتا ہے۔ اپنی ہتھیلی پر اپنی جان رکھ کر پیش کرنا بڑے حوصلے اور عظمت والا کام ہے۔ اصل میں یہ حوصلہ ہی تو ہے جو انسان ناممکن کو ممکن بنا دینے کا اعتماد بخشتا ہے اور یہی سرفروشی کی روح ہے۔ بات یہ نہیں کہ ہمارے ہاں سرفروش پیدا نہیں ہو سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زرخیز ترین مٹی سے بے شمار سرفروش پیدا ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں لیکن ہم ایسا ماحول پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ لالچ اور مفاد کی تیز آندھیوں میں سب کچھ اڑا جا رہا ہے۔ کیا کبھی ہم نے اپنے ماحول کو دونوں آنکھیں کھول کر دیکھا ہے۔ کہیں ہمارے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں ہو رہا کہ ہماری سوچ کو تبدیل کیا جا رہا ہے؟ وہی سوچ جو ہمیں طاقتور بناتی ہے۔ جس سوچ کے تابع سترہ برس کا لڑکا ہندوستان کے دروازے پر آن موجود ہوا۔ محمود غزنوی سومنات تک جا پہنچا' اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوستان کی سوچ بدل کر رکھ دی۔ یہ لوگ ہندوؤں کے مجرم ہیں۔ وہ ان لوگوں کو کیسے انسانیت پسند اور عظیم مان سکتے ہیں۔ ان کی مجبوری یہ ہے کہ وہ تاریخی حقائق کو بدل نہیں سکتے کہ سترہ برس کے لڑکے نے سندھ فتح کیا' غزنوی نے سومنات کی سسکتی انسانیت کو براہمن کے خونیں پنجے سے نکالا اور اورنگ زیب نے اسلامی سلطنت کی صحیح معنوں میں بنیاد رکھ دی۔ وہ حقائق تبدیل نہیں کر سکتے مگر ان حقائق کے ساتھ اپنی سوچ کی آلودگی ضرور شامل کر رہے ہیں۔ ان کی کوشش یہی ہے کہ انہیں ڈاکو' لٹیرے اور اٹھائی گیرے بنا کر رکھ دیں۔ ہمارے ہاں نام نہاد' منتشر قسم کے دانشور ایسی ہی سڑاند مارتی سوچوں کو تعصب کے کوڑے سے اٹھا کر اپنی دانشوریت جتانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی ریڈی میڈ سوچوں کا سہارا لے کر ماحول کو پراگندہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک عام مسلمان پاکستانی اس دانشور سے کروڑ درجے اچھا اس لئے ہے کہ اس میں کسی بھی وقت سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے اندر تعصب کی سڑاند نہیں۔ کوئی ہمیں کچل نہیں پا رہا تو ہمیں تبدیل کر دینے کی دھن میں اپنی پوری توانائیاں لگا رہا ہے۔ تاکہ ہمارا اندر روشن نہ ہونے پائے اور ہمیں حقیقی روشن خیالی نہ مل جائے۔ اندر کا اندھیرا روح کو بھٹکا کر رکھ دیتا ہے' سوچیں پاگلوں کی طرح ٹکریں مارتی پھرتی

ہیں۔ تب اندھیروں کی سفلی قوتیں بیدار ہو کر خوف و ہراس پھیلا دیتی ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ کہیں ہم منفی تابعداری کا شکار تو نہیں ہو رہے؟

ان دنوں میں ایسے ہی خیالوں کے زیر اثر رہا۔ میں نے انتہائی محتاط انداز میں سبھی سے رابطہ رکھا۔ شاردا سے بڑی طویل گفتگو رہی۔ ہم نے دو بار اکٹھے کھانا کھایا۔ تیسرے دن میں نے سفید لفافہ تیار کر کے لندن بھجوا دیا۔ ان دنوں میں شیتل ورما سے فون پر بڑی لمبی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ بے تاب تھی اور میں اس کی بے تابیاں بخوبی جانتا تھا مگر میں انتہائی محتاط تھا۔

✿✿

ہنگامے سرد پڑ گئے تھے۔ شنکر پجاری اور مرزا حسن سے میرا مسلسل رابطہ تھا۔ شرد کے ماتحت چلنے والے کیمپوں میں انتہائی درجہ کی تباہی مچی تھی۔ بیرونی ایجنٹ مارے گئے تھے جس کی وجہ سے خاصی کھلبلی مچ گئی تھی۔ بلاشبہ بڑے پیمانے پر تفتیش ہونا تھی اور میں اس وقت سے پہلے بھارت چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ یہ بات تو سوچی ہی نہیں جا رہی تھی کہ یہ کوئی ذاتی انتقام کا شاخسانہ ہو سکتا ہے' اسے کسی اور طرح ہی سے دیکھا جا رہا تھا۔ مجھے اس سے غرض نہیں تھی۔ میں نے یہاں سے نکلنے کے کئی طریقے سوچ رکھے تھے' تاہم ایک اندیشہ تو تھا کہ کبھی بھی کوئی اپنا رخ میری طرف کر سکتا تھا۔ میں شاردا کے سامنے تھا' میرا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا اور میں نے اس کے ساتھ ممبئی کی سیر کرنے کا پلان کر لیا تھا۔ اجنتا کی غاریں' چور بازار' گیٹ وے آف انڈیا' فلورافاؤنٹین' ممبئی میوزیم' چوپاٹی' مالابار ہل' ایسل ورلڈ' نہرو پارک اور ایسی ہی کئی جگہوں کے بارے میں وہ ذکر کرتی رہی۔ میں پوری دلچسپی اور توجہ سے سنتا رہا تھا--- تیسرے دن کی شام میں نے انارکلی سے تیار ہونے کو کہا۔

"کہاں چلنا ہے' بوا---؟"

"ایئر انڈیا کے آفس' میرے ساتھ چلو---"

"وہ تو نارمن پوائنٹ میں ہے۔ ٹھیک ہے' چلتے ہیں۔"

"لیکن انتہائی رازداری سے' کسی کو بھی پتہ نہیں چلنا چاہئے---"

میں نے کہا تو سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلانے لگا--- تھوڑی دیر بعد میں تیار ہو کر باہر آ گیا۔ راہول لاج سے تھوڑے فاصلے پر وہ ٹیکسی لئے کھڑا تھا' میں جا بیٹھا اور ہم نارمن پوائنٹ چلے گئے۔ وہاں سے رات گئے ٹکٹ کنفرم کروا کر ہم واپس آ گئے۔ مجھے تین دن بعد کی رات کو بھارت سے نکلنا تھا۔ میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا اور خاموش رہا۔ ان تین دنوں میں شیتل کا فون آتا رہا۔ جو میں کبھی سن لیتا اور کبھی نہیں۔

✿✿

اس شام میں بہت اداس ہو رہا تھا۔ جس کے ڈھلنے کے بعد رات آتی اور میں راہول لاج چھوڑ کر لندن کی جانب پرواز کر جاتا۔ سورج کی سرخی زائل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس رات میں نے سمتری دیوی کے ساتھ ڈنر لینا تھا۔ میں جب ممبئی آیا تھا تو میری کیفیات عجیب سی تھیں۔ جوش بھری بے چینیاں اور اعتماد بھرا وجود' اب دشمن ہی نہیں رہا تھا تو عجیب طرح کا خالی پن میرے اندر اتر آیا تھا--- میں تیار ہو رہا تھا میرا پروگرام یہی تھا کہ ڈنر کے بعد شیتل ورما کے ساتھ تھوڑا وقت گزاروں گا' اتنے میں انار کلی میرا سامان لے کر ایئرپورٹ پہنچ جائے گا اور میں چلا جاؤں گا۔ لیکن ویسے نہیں ہوا جیسا میں نے سوچا تھا۔ میں نے اس وقت شیتل ورما کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"بڑے خراب ہو تم---!" اس نے شکوہ بھری شوخی سے کہا۔

"چلو' یہ اعزاز بھی ہمیں ملا۔ خیر' کہاں ہو---؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی' پہلے یہ بتاؤ تم نے آج سارا دن میرا فون کیوں نہیں سنا؟"

"میں مصروف تھا---"

"--- اور اب کیوں کیا؟"

"یہ بتانے کے لئے کہ آج رات ہم ملیں گے۔"

"رئیلی--- مگر کہاں؟"

"یہ تم نے بتانا ہے لیکن رات ایک بجے تک میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تقریباً" دس بجے پہنچوں گا۔"

"اتنا کم وقت---؟"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا' اس لئے---"

"تو پھر اندھیری--- میرا مطلب ہے' میرے فلیٹ پر---"

"چلو ٹھیک ہے--- اس کا راستہ میں نے دیکھا ہوا ہے' نہ سمجھ آئی تو پوچھ لوں گا۔"

"دیکھو' اب بہانہ نہیں چلے گا۔"

"بابا' لڑتی کیوں ہو---؟"

میں نے کہا تو وہ ہنس دی--- میں نے فون بند کیا تو میری نگاہ راہول لاج سے گیسٹ ہاؤس کی طرف آنے والے راستے پر پڑی۔ تین لوگ تیز قدموں سے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے سفاری سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ میں پہلی نگاہ میں تاڑ گیا کہ وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ میں پورے اعتماد سے صوفے پر آ بیٹھا اور نگاہیں ٹی وی اسکرین پر جما دیں۔ میں یوں بن گیا جیسے میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں۔ کچھ دیر بعد وہ آ گئے۔ وہ میرے سامنے کھڑے تھے اور خفیہ ادارے سے اپنا تعلق ہونے کا

تعارف کروا رہے تھے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ ان تینوں کے چہروں پر سختی تھی۔ ان میں سے دو بالکل خاموش تھے اور ایک ہی بات کرتا رہا تھا جو ان میں سے ادھیڑ عمر تھا اور اس کے بال سفید ہو رہے تھے۔ وہ بیٹھے نہیں بلکہ کھڑے کھڑے ہی بات کی۔

"مسٹر عامر! ہم سورگ باشی شردچندر جی کے قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔ آپ ان سے اسی رات ملے تھے جب ان کا بیٹا قتل ہوا تھا ہمیں آپ سے کچھ سوال پوچھنا ہیں۔"

"جی' پوچھیں---؟" میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

"مگر ابھی نہیں---" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "ابھی تو ہم صرف آپ سے یہ کہنے کے لئے آئیں ہیں کہ آپ اپنی تمام مصروفیات ترک کر دیں اور صرف یہیں گیسٹ ہاؤس تک محدود رہیں اور جب بھی آپ کو بلایا جائے' آپ کو آنا ہوگا۔ فی الحال ہم آپ کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں۔"

"تو کیا میں اپنے آپ کو حراست میں سمجھوں یہ تک۔ اس صورت میں مجھے اپنے سفارت خانے---"

"مسٹر عامر! ہم آپ کے سفارت خانے سے خود بات کر لیں گے اگر ضرورت ہوئی تو--- فی الحال آپ ہم سے تعاون کریں اور یہیں تک محدود رہیں۔" اس نے ذرا سختی سے کہا۔

"دیکھئے' آپ کو اگر مجھ پہ کوئی شک ہے تو میں اس کا سامنا کروں گا اور آپ سے پوری طرح تعاون کروں گا لیکن آپ کی یہ پابندی کہ میں گیسٹ ہاؤس تک محدود رہوں' مجھے قبول نہیں---" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"آپ یہ کیوں سمجھ رہے ہیں کہ آپ حراست میں ہوں گے اگر ہم آپ کو گیسٹ ہاؤس تک محدود کر دیں---؟"

"یہ پابندی ہے۔ آپ میرے معمولات کے بارے میں جب چاہیں اور جیسا چاہیں' سوال کر سکتے ہیں' مجھے جہاں چاہیں' بلا سکتے ہیں۔ میں اگر نہ آؤں یا تعاون نہ کروں تو---" میں نے فقرہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا۔

"ٹھیک ہے' ہم آپ کی بات سے مطمئن ہوتے ہیں۔"

اس نے کہا اور اچانک واپسی کے لئے مڑ گیا--- خفیہ والوں نے کوئی بات نہیں کی تھی اور بہت کچھ جتا بھی گئے تھے۔ بلاشبہ وہ نفسیاتی حربہ استعمال کرنے آئے تھے۔ ایسا تبھی ہوتا ہے جب معاملہ اندھیرے میں ہوتا ہے۔ وہ اگر مجھ تک پہنچ گئے تھے تو ٹھیک پہنچے تھے مگر سوال یہ تھا کہ انہیں راستہ کس نے دکھایا؟--- میرے ذہن میں پہلا نام شاردا ہی کا آیا تھا۔

✿✿

میں تناؤ کی کیفیت میں سمتری دیوی کے سامنے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی کھانا نہیں لگایا گیا تھا اور وہ میرے ساتھ یونہی عام سی باتیں کرتی چلی جا رہی تھیں۔ اتنے میں سریتا آ گئی۔ اس نے سفید رنگ کا ڈریس پہنا ہوا تھا جس پر سنہری کام تھا' بڑا سا آنچل اس کے سر پر تھا۔ اس وقت وہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں اس کے چہرے سے اجنبی لگ رہی تھیں۔ اس نے آتے ہی میری جانب غور سے دیکھا اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں چونکہ سمتری دیوی کی بات سن رہا تھا اس لئے بھرپور توجہ نہ دے پایا۔ انہی لمحوں میں شاردا بھی آ گئی اور پھر کھانا لگا دیا گیا۔ ایک عام سے ماحول میں کھانا ختم ہوا۔ میں نے وقت دیکھا' نو بج رہے تھے۔ میرے پاس شیتل ورما تک پہنچنے کے لئے ایک گھنٹہ تھا لیکن اب میں شاید ہی اس سے مل سکتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی نگرانی کے لئے موجود ہوگا اور مجھے یہاں سے نکلنا تھا۔ میں گیسٹ ہاؤس جانے کے لئے اٹھا تو سریتا بھی میرے ساتھ چل دی' کچھ دور آ جانے کے بعد اس نے قدرے سرگوشی میں کہا۔

"وہ خفیہ والے آپ سے کیا چاہتے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں --- وہ لوگ شرد چندر کے بارے میں تفتیش کر رہے ہیں جس سے میں اور شاردا مل چکے ہیں' اور بس ---" میں نے اتنا کہا اور پھر یونہی پوچھ لیا۔ "تم اس بابت کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"ہاں' آپ شاردا دیدی سے بچ جاؤ' وہ آپ کو بہت بڑے جال میں پھانس رہی ہے۔"

"کیسا جال ---؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہ مجھے نہیں پتہ لیکن ان خفیہ والوں سے شاردا کا مسلسل رابطہ ہے۔ مجھے کئی دنوں سے شک تھا لیکن آج تصدیق ہو گئی۔ جب وہ آپ کے پاس گئے تھے' تب پہلے وہ دیدی سے خاصی دیر باتیں کرتے رہے تھے اور دیدی انہیں آپ کے بارے میں تفصیل سے بتاتی رہی۔"

"کیا کچھ بتایا ---؟"

"یہی کہ آپ اس پورے ہفتے میں کیا کرتے رہے ہو۔"

اس نے بتایا تو میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ڈونٹ وری' میری بہن اتنا پریشان نہ ہوا کرے۔ یہ معمول کی باتیں ہیں ---"

میں نے کہا اور گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دیا۔ سریتا میرے ساتھ تھی۔ انار کلی اسے میرے ساتھ دیکھ کر قدرے پریشان ہو گیا۔ میں نے اسے اشارے سے سمجھایا تو وہ خاموش رہا تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔

"سریتا! اگر تمہارا خیال ہے کہ شاردا مجھے جال میں پھانس رہی ہے تو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے' میں نے تو اب چند دن بعد چلے جانا ہے؟"

"یہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہرحال' کچھ ایسا ہے ضرور---"

"چلو ٹھیک ہے' میں اس سے بات کر کے دیکھ لیتا ہوں' شاید---!"

"شاید وہ کچھ بھی نہ بتائے۔" اس نے میری بات مکمل نہ ہونے دی۔ پھر بولی۔ "آپ کوشش کر کے دیکھ لو۔"

میں کچھ دیر خاموش رہا' پھر فون لے کر شاردا کے نمبر ملائے۔

"بولیں' عامر! کیا بات ہے---؟"

"مصروف تو نہیں ہو---؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں' بس ٹیلی ویژن دیکھ رہی ہوں۔"

"تو چلو' باہر چلتے ہیں--- موڈ ہے؟"

"ہاں' بالکل--- مگر کہاں چلیں گے؟"

"یہ تمہاری مرضی' تم کہاں لے جاؤ---"

میں نے کہا تو اس نے تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ سریتا سمجھ گئی کہ اس نے جانا ہے۔ میں نے اس کے چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالی اور وہ چلی گئی' تب میں نے انار کلی سے کہا۔

"میں یہاں سے کچھ بھی نہیں لے جاؤں گا۔ تم ادھر ہی رہنا' میں تم سے رابطہ کروں گا۔ میرا سامان ویسے ہی رکھ دو جیسے پہلے تھا---"

"ایسے ہی ہونا چاہئے---"

اس نے سمجھتے ہوئے ہاں میں سر ہلا دیا۔ میں نے جلدی سے اپنے کاغذات اکٹھے کر کے اپنی جیب میں رکھے۔ پھر خاصے ڈالرز انار کلی کو تھماتے ہوئے بولا۔

"یہ رکھ لو' تمہارے کام آئیں گے---"

اس نے میری طرف دیکھا' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے زبردستی اس کے ہاتھ میں ڈالر دیئے اور پھر باہر آ گیا' تبھی شیتل ورما کا فون آ گیا۔

"کہاں ہو' کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے---؟"

"میں اس وقت ایک مصیبت میں ہوں۔ تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا لیکن تم تیار رہنا' میں جب بھی تمہیں کال کروں' تم مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرنا---"

"مجھے تھوڑا بہت---"

اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی' میں نے کال کاٹ دی کیونکہ سامنے شاردا نمودار ہو گئی تھی۔

"کہاں جانا ہے---؟" اس نے راہول لاج سے گاڑی نکالتے ہی پوچھا۔

"کہیں بھی یا پھر یونہی ڈرائیونگ کرتی چلی جاؤ' ہم نے تو باتیں ہی کرنی ہیں۔" میں نے عام سے انداز میں کہا۔

"تو چلو' ساحل پر چلتے ہیں۔ رات کے وقت سمندر کی آواز بہت خوش کن ہوتی ہے---" اس نے گاڑی گل مہر روڈ پر لاتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں دیکھ چکا تھا کہ ایک گاڑی حرکت میں آ گئی تھی اور مسلسل ہمارے پیچھے تھی۔

"چلو' ادھر ہی چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ویسے خیر ہے' اگر موڈ اچھا کرنا ہے تو کسی رومانٹک جگہ پر چلیں؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"کہیں بھی نہیں جاتے بس تم گاڑی چلاتی رہو' ہم باتیں کرتے رہیں گے---" میں نے اکتاہٹ سے کہا تو اس نے گاڑی گھما کر ایس وی روڈ پر ڈال لی۔ میں اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا' پھر اچانک پوچھا۔

"ان خفیہ والوں کو تم نے میری راہ پر کیوں ڈال دیا---؟"

میرے یوں کہنے پر وہ چند لمحے خاموش رہی اور پھر بولی۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ ایسی ہی بات کرو گے اور میں بھی ذہنی طور پر تیار تھی--- عامر! میں نہیں چاہتی کہ آپ یہاں سے جاؤ' آپ یہیں رہو---"

"تمہاری یہ خواہش کیوں ہے' یہ ایک الگ بات مگر یوں فورسز کو پیچھے لگانا؟"

"یہی ایک حل میری سمجھ میں آیا ہے' وہ آپ کو تفتیش کے بہانے روک لیں گے۔ کتنا عرصہ؟ مجھے نہیں معلوم لیکن تب تک ہم میں ایک نیا تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ جسے میں ابھی کوئی نام نہیں دے سکتی۔"

"تم صرف اس لئے ان سے میرے معمولات بیان کرتی رہی ہو---؟"

"ہاں---" اس نے اعتراف کیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ آگ سے کھیلنے والی بات ہے مگر آپ کو اسی طرح روکا جا سکتا ہے۔"

"---اور اگر وہ مجھے جاسوسی وغیرہ کے الزام میں بند کر دیں تو پھر---؟"

"آپ نے کوئی جرم نہیں کیا' اس کا مجھے یقین ہے۔ جب کچھ بھی ثابت نہیں ہو گا تو وہ کیسے بند کر سکتے ہیں؟"

اس نے اتنی بڑی بات یونہی کہہ دی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ میں کس آگ کے دریا سے یہاں تک پہنچا تھا۔

"اس کا طریقہ کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔۔۔ میں دوبارہ یہاں آ سکتا ہوں' تم میرے ساتھ لندن جا سکتی ہو۔"

"کیا ایسا ممکن ہو سکے گا۔۔۔؟"

"کیوں نہیں۔۔۔ میرے جانے کے بعد تم وہاں پر آؤ۔ راہول اور سمرن کو ان کے بچوں سمیت یہاں لے آؤ' وہیں ہم طے کرلیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"کیا سچ۔۔۔؟"

اس نے تقریباً" چیختے ہوئے کہا' تبھی میں نے جھوٹ بولنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ہاں' یہ سچ ہے' میں نے پہلے دن جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا تو تمہارے حسن سے گھائل ہو گیا تھا۔ اتنے دنوں میں مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ پھر آج میں نے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر آج خفیہ والے نہ آتے تو شاید چند دن اور لگ جاتے۔۔۔"

"تو میرا طریقہ ٹھیک رہا نا۔۔۔؟"

اس نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ پھر میں اس سے انتہائی رومانوی باتیں کرتا چلا گیا۔ اسے ہوش ہی نہیں رہا کہ وہ ایس وی روڈ پر کہاں تک آ گئی ہے۔ وہ راستہ پونا کی طرف جاتا تھا اور اس سڑک پر کئی ڈھابے بھی تھے۔ میں نے گھڑی دیکھی' تقریباً" گیارہ ہونے کو تھے۔ میں نے ایک ڈھابے پر گاڑی رکوالی۔ شاردا ایک ٹیبل کی طرف بڑھی تو میں نے واش روم جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے الگ ہو کر دیکھا' وہ گاڑی عین ہماری گاڑی کے پیچھے کھڑی تھی جو راہول لاج سے ہمارے پیچھے تھے۔ میں نے واش روم میں جا کر شیتل کے نمبر پش کیئے' پہلی بیل پر اس نے کال رسیور کرلی۔

"کہاں ہو۔۔۔ خیریت سے تو ہو؟"

اس نے تیزی سے پوچھا تو میں نے اسے صورت حال سمجھاتے ہوئے اپنی لوکیشن بتائی' پھر کہا۔

"غور سے سنو۔۔۔ تم یہاں تک آجاؤ مگر اپنی گاڑی ذرا فاصلے پر کھڑی کرنا۔ ان لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر۔۔۔"

"میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں پہنچ جاؤں گی۔" اس نے کہا تو میں نے فون بند کر دیا۔

✿✿

میں اور شاردا وہاں بیٹھ کر اس وقت تک کھاتے پیتے رہے جب تک مجھے شیتل دکھائی نہیں دے گئی۔ وہ کاؤنٹر تک آئی' سوڈے کی بوتل لی اور وہیں کھڑے کھڑے پینے لگی۔ میں نے بل دیا اور

اٹھ گیا۔ میں نے گھڑی دیکھی' بارہ سے اوپر ہو چکے تھے اور میرے پاس ایئرپورٹ پہنچنے کے لئے محض ایک گھنٹہ تھا۔ میں نے ایک نگاہ اس شخص پر ڈالی جو ہمارے انتظار میں تھا اس کے چہرے پر بوریت تھی۔ میں دھیرے سے مسکرا دیا اور شیتل کی طرف دیکھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ ہم جب وہاں سے چلے تو ہمارے پیچھے شیتل اور پھر وہ شخص تھا۔ اس وقت شاردا بہت خوش تھی اور آئندہ دنوں کے لئے بہت سارے پلان ترتیب دے رہی تھی۔ میں نے ہی اسے لندن آنے کا مشورہ دیا تھا اور وہ خوش کن خیالوں میں ڈوب گئی تھی۔ تب اچانک میں نے شاردا کے گلے میں اپنا ایک بازو حمائل کر دیا۔ وہ سلگنے لگی' اس کی سانسیں تیز چلنے لگیں۔ وہ دھیرے دھیرے موم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ مدہوش ہو چکی تو میں نے کہا۔

"شاردا! میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے لئے کوئی تحفہ خریدوں' آج کی رات کو یادگار بنانے کے لئے' کوئی سٹور۔۔۔"

"ہاں' آگے دائیں طرف موڑو گے تو ایک بہت بڑا شاپنگ سنٹر ہے۔"

"تو چلو' پھر ایک کھیل کھیلتے ہیں۔ تم اور میں شاپنگ سنٹر میں جاتے ہی الگ الگ ہو جائیں گے۔ پھر ایک گھنٹے بعد دوبارہ واپس ملیں گے۔ تم میرے لئے کچھ خریدنا اور میں تمہارے لئے۔ پھر گیسٹ ہاؤس میں جاکر میری خواب گاہ میں وہ تحائف کھولیں گے۔۔۔ کیسا ہے؟" میں نے یہ کہتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"ٹھیک ہے' بہت مزہ آئے گا۔۔۔"

اس نے خمار آلود نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ نجانے وہ کس وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پھر کچھ ہی دیر بعد ہم اس شاپنگ سنٹر میں تھے۔ ہم دونوں ہی گاڑی سے نکلے اور شاپنگ سنٹر کے دروازے ہی سے الگ الگ ہو گئے۔۔۔ تنہائی پاتے ہی میں نے شیتل کے نمبر ملائے' اس نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم۔۔۔؟"

"وہ شخص کدھر ہے۔۔۔؟"

"میرے سامنے کی گاڑی میں ہے۔۔۔"

"تم گاڑی ہٹا لو اور پیچھے لے جاؤ۔ میں دوسری طرف والے دروازے سے باہر نکل رہا ہوں' جلدی کرو۔۔۔"

میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب میں اس شاپنگ سنٹر سے باہر نکلا تو سامنے شیتل کی گاڑی تھی۔ میں تیزی سے اس میں بیٹھا تو اس نے گیئر لگا دیا' میں نے کہا۔

"ایئرپورٹ چلو---"

"وہاٹ--- ادھر کیوں؟"

اس نے پوچھا تو میں نے دھیرے دھیرے اسے روداد سنا دی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ وہاں آکر میں نے اپنا فون بند کیا اور اسے دیتے ہوئے کہا۔

"شیتل! یہی ایئرپورٹ تھا نا' جہاں تم نے میرا سواگت کیا تھا اور اب تم ہی مجھے الوداع کہہ رہی ہو۔ کل سب کو پتہ چل جائے گا کہ میں کہاں ہوں لیکن میں تمہیں بہت یاد کروں گا' تم بہت یاد آؤ گی---"

"--- اور کیا میں تمہیں بھول پاؤں گی؟"

"شاید ہم کبھی دوبارہ مل سکیں۔"

میں نے کہا تو وہ سسک پڑی' پھر دھیرے سے میرے گلے لگ گئی' وہ چند لمحے میرے ساتھ لگی رہی' تب میں نے اسے الگ کیا تو اس کے چہرے پر اداسی بھری مسکراہٹ تھی۔ میں نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور تیزی سے ایئرپورٹ کے اندر چلا گیا۔ تمام مراحل طے ہو چکے تو میں لاؤنج میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں جہاز کے اندر تھا۔ جہاز نے جب فلائی کیا تو میں نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ تبھی میری آنکھوں کے سامنے ثمن آ موجود ہوئی' جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

✿✿

تین ہفتے بعد میں لاہور ایئرپورٹ کے باہر کھڑا تھا۔ نیلگوں آسمان پر صبح کا ستارہ چمک رہا تھا اور کوئی کوئی تارہ اس کا ساتھ نبھانے کی کوشش میں دم توڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ مشرقی افق ابھی نارنجی نہیں ہوا تھا اور پچھلی رات کا آدھا چاند اپنی چاندنی کھو رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ پتہ نہیں' یہ سب آسمان پر تھا یا نہیں مگر میں یہ سب محسوس کر رہا تھا۔ میں اپنے سامان کے ساتھ ایئرپورٹ کے باہر سڑک پر کتنی دیر تک کھڑا رہا--- میں نے اپنی آمد کے بارے میں کسی کو بھی مطلع نہیں کیا تھا۔ ممبئی سے لندن جانے اور پھر لاہور تک پہنچنے میں کیا کچھ ہوا' وہ اس داستان سے تعلق نہیں رکھتا۔ میں راہول اور سمرن سے بھی نہیں ملا تھا کیونکہ وہ اگلے ہی دن ممبئی کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ بیٹا ہونے کے ناتے اس نے اپنے باپ کی ارتھی کو کاندھا دینا تھا اور اس کی چتا جلانی تھی۔ میں نے انارکلی کے ذمے یہ کام لگا دیا تھا کہ وہ اس بیچارے کو مکتی دے دے۔ یہ کوئی ظلم نہیں تھا۔ ہندوؤں کی سنسکرتی کے مطابق جب کوئی بوڑھا اور لاچار ہو جاتا تھا تو اسے دریا کنارے لے جا کر خوب غوطے دیتے' مر گیا تو ٹھیک ورنہ اسے وہیں چھوڑ کے آ جاتے۔ اب وہ جانیں اور ان کا کام۔ میں نے راہول سے کیا وعدہ نبھا دیا تھا--- میں نے ٹھنڈی سانس لی اور ٹیکسی کے لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اس وقت دھوپ کی کرنوں نے زمین کو چوم لیا تھا جب میں صفدر علی خاں کے گیٹ پر آن رکا۔ میں نے ٹیکسی والے کو فارغ کیا اور بیل بجا دی۔ تھوڑی دیر بعد صفدر علی خاں میرے سامنے تھے۔ ہمیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں چند لمحے لگے۔ وہ ان گزرتے برسوں میں خاصا بوڑھا ہو گیا تھا لیکن چہرے پر چمک اسی طرح تھی جو دوسروں کو اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔ اس نے سرسراتے ہوئے انداز اور حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اوئے' عامر!--- تم---''

یہ کہتے ہوئے اس نے مجھے پورے جوش سے گلے لگالیا۔ ہم کتنی دیر تک ایک دوسرے کے گلے لگے رہے جیسے دو شخص محبتوں کی توانائیاں ایک دوسرے سے کشید کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مجھے خود سے الگ کیا اور شدت محبت سے بولا۔

''او' بیٹا!--- کوئی اطلاع تو دی ہوتی---؟''

''میں اگر خود نہ کوشش کرتا آنے کی تو نجانے کتنے دن اور لگ جاتے یا شاید پھر وہاں سے نکل ہی نہ پاتا--- بس میں آگیا ہوں۔''

''آؤ---'' اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور میرا بیگ اٹھالیا۔ میں سوٹ کیس اٹھایا اور اندر ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ دوپہر کے کھانے تک باتیں چلتی رہیں۔ بہت کچھ میں نے کہا' وہ سنتا رہا تھا۔

''اچھا چلو' اب آرام کرو باقی باتیں پھر ہوں گی۔''

''نہیں' خاں صاحب! میں ابھی گاؤں کے لئے نکلوں گا۔''

میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں' میں تمہیں نہیں روک پاؤں گا---''

پھر تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے نکل پڑا۔ خاں صاحب نے ڈرائیور سمیت اپنی گاڑی دے دی تھی۔ لاہور سے نکلتے ہی میں سو گیا۔ پھر جب میری آنکھ کھلی تو میں اپنے قصبے کے مضافات میں تھا جہاں سے میرا گاؤں بہت نزدیک تھا۔

✿✿

مغربی افق کی مانگ کسی سہاگن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ گہرے نیلے آسمان پر اڑتے ہوئے پرندے واپس اپنے ٹھکانوں کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے پس منظر میں ادھے بادل' نارنجی رنگ میں رنگنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ کپاس کی فصل پر سفید پھول بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔ میرا

گاؤں قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ میں نے گاڑی میں موجود اے سی بند کروا دیا اور شیشے اتار دیئے۔ شام اور مٹی کی مہک میری حدود جاں تک میں اتر گئی۔ دنیا کا کوئی بھی نشہ اس سے زیادہ تیز نہیں ہو سکتا' اس نے مجھے سرشار کر کے رکھ دیا۔ اس وقت میرا من مجھ سے پہلے ہی گاؤں کی گلیوں میں دوڑ رہا تھا' وہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ میں آ گیا ہوں' میں آ گیا ہوں۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب گاڑی میرے گھر کے سامنے آ رکی' تب میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ؟ میں نے۔۔۔"

"سر' جی! مجھے پتہ ہے' میں کئی دفعہ یہاں آ چکا ہوں۔ آپ چلیں' میں سامان لے کر آتا ہوں۔۔۔"

اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں نے اطمینان بھری طویل سانس لی اور گاڑی سے اتر آیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا' ساری گلیاں اور گھر جیسے مجھ سے روٹھے ہوئے تھے۔ گلیوں میں نہ تو وہ دھول تھی اور نہ کچے گھروں کی وہ اپنائیت۔ پختہ گلیاں اور پکے گھر' صاف ستھرا ماحول کسی اجنبی کی طرح میرا سواگت کر رہا تھا۔۔۔ میں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا لیکن تب میرے اندر ہلکی سی لرزش بھی نہیں ہوئی تھی مگر اس وقت جب میں اپنے ہی گھر کا دروازہ پار کر کے اندر داخل ہوا تو میرا بدن لرز رہا تھا۔ میں اس وقت ویسا ہی محسوس کر رہا تھا جیسے بچپن میں دیر سے گھر آنے پر میں خوف زدہ ہوا کرتا تھا کہ نجانے کون کیا کہے گا؟۔۔۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا' سامنے دالان کے باہر تخت پوش پر میری ماں بیٹھی ہوئی تھی۔ موتیا رنگ کے لباس میں بڑی ساری چادر میں لپٹی ہوئی۔ وہی گلابی چہرہ مگر سر کے سارے بال سفید ہو چکے تھے جو اس کے بڑے سے آنچل میں سے جھانک رہے تھے۔ بلاشبہ وہ مغرب کی نماز پڑھ چکی تھی جو اتنے جذب سے تسبیح ہاتھ میں لئے آنکھیں موندے کوئی ورد وظیفہ کر رہی تھی۔ میں خاموش قدموں سے آگے بڑھتا گیا اور جب میں ان کے پاس پہنچ کر تخت پوش کے نیچے بیٹھ گیا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ تب انہوں نے صدیوں کی حیرت ملی آواز میں بس اتنا کہا۔

"میرا پتر۔۔۔!"

پھر میری جانب ہاتھ بڑھائے تو میں نے اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا۔ وہ کتنی دیر تک میرے سر پر ہاتھ پھیرتی رہیں۔ وہ انمول لمحے میری ساری زندگی کا حاصل تھے۔ پورا من ممتا کی محبت سے بھیگتا چلا گیا۔ کافی دیر بعد ماں جی نے میرا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اٹھایا اور میرا ماتھا چوم لیا' پھر بڑے دلار سے بولیں۔

"تو ٹھیک تو ہے نا' میرا پتر۔۔۔؟"

"ہاں' ہاں! میں تیری دعاؤں کے حصار میں رہا ہوں' مجھے کیا ہو سکتا ہے۔"

میں نے کہا تو میری ماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے مجھے اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ کتنی دیر تک ہم ماں بیٹا ایسے بیٹھ رہے۔'

"ارے' عامر! تو--- تو کب آیا؟"

بھابی کی آواز پر ہم دونوں چونکے۔ وہ دالان میں حیرت سے بت بنی کھڑی تھیں۔ میں نے اٹھ کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر نوکرانی کو آواز دے کر بولیں۔

"اے بھاگاں! چل جلدی سے میاں جی کو اطلاع دے' عامر آیا ہے۔"

وہ نوکرانی دوپٹہ سنبھالتی ہوئی باہر کی جانب چل پڑی۔ ڈرائیور صحن میں سامان رکھ کر واپس جا چکا تھا' یقیناً وہ ڈیرے پر چلا گیا ہو گا۔ جہاں اباجی کو اطلاع ہو گئی ہو گی۔

"چل' منہ ہاتھ دھو لے اور فریش ہو جا۔ میاں جی کے آنے پر کھانا لگاتی ہوں---"

بھابی نے کہا تو میں اٹھ گیا۔

"میں ابھی تھوڑی دیر تک آیا---"

میں نے کہا تو ماں جی بولیں۔

"ہاں' پتر! جا' اور جا کر ان کا قرض لوٹا آ۔ اس بوڑھے کی آنکھیں تیرے انتظار میں لگی ہوئیں ہیں۔"

"ماں جی---!" میں نے حیرت سے پوچھنا چاہا تو وہ میری بات کاٹ کر بولیں۔

"تیرے جانے کے بعد مجھے سب پتہ چل گیا تھا--- ثمن کے پاس جو وقت بھی بچتا ہے نا' وہ میرے ساتھ ہی گزارتی ہے۔ نجانے کون سا ناتا ہم میں بن گیا ہے۔ ہم تیری ہی باتیں کرتے اپنا وقت گزارتے رہے ہیں--- جا' ان سے بھی مل آ---"

ماں نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں واپس پلٹ گیا اور میجر اکرم کی حویلی کے دروازے پر جا پہنچا۔ میں بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔ وہی صحن اور سامنے دالان--- مجھے وہ وقت یاد آ گیا' جب میجر گن لیئے میرے انتظار میں تھا۔ میں نے صحن میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

"میجر صاحب---!"

میری آواز کی بازگشت میں ہی ثمن دالان میں آ گئی اور پھر جیسے حیرتوں میں ڈوبی ہوئی وہ ساکت ہو گئی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔ بس اتنا فرق پڑا تھا کہ اس کے حسن میں جو حزن ملا ہوا تھا' وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت کے زیر اثر تھیں۔ جن میں ستارے چمک رہے تھے۔

"کون ہے، ثمن بیٹا---؟"

میجر صاحب کی آواز آئی اور ساتھ میں وہ بھی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔ وہ بھی اچانک مجھے سامنے پا کر حیرت زدہ رہ گئے۔ چند لمحے یونہی گزر گئے تو انہوں نے دھیرے دھیرے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"بیٹا! میں اٹھ کر تیرا استقبال نہیں کر سکتا--- آ' میرے گلے لگ جا---"

شدت جذبات سے انہوں نے کہا تو میں آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔ وہ رونے لگے اور شفقت سے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "مجھے یہی ڈر تھا بیٹا' کہ میں کہیں تمہارے آنے سے پہلے ہی نہ مر جاؤں اور وہ بات جو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں' اپنے سینے پر بوجھ کی صورت لے کر قبر میں نہ اتر جاؤں۔ پر میرے اللہ نے میری سن لی۔ تو آ گیا' بیٹا! میرے جیتے جی آ گیا۔ اب میں سکون سے مر سکوں گا۔"

"کون سی ایسی بات ہے میجر صاحب---؟" میں نے ان سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اعتراف ہے' میرے بچے---!" انہوں نے میرے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا' پھر سانس لے کر بولے۔ "تو واقعی مرد ہے' میرے بچے! جس قوم کو تیرے جیسے بیٹے میسر آ جائیں' انہیں کوئی بھی شکست نہیں دے سکتا۔ مجھے اعتراف ہے' بیٹا' مجھے اعتراف ہے---"

"مجھے تو آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے مجھے ایک راستہ بتایا' مجھے بتایا کہ مردانگی کیا ہوتی ہے۔ میں بنجر زمین نہیں تھا کہ جس میں زرخیز بیج ڈالا جائے تو وہ اگے گا نہیں اور میجر صاحب! مجھے یقین کامل ہے کہ میری قوم' پاکستانی قوم کے نوجوان بنجر زمین نہیں ہیں۔ بڑی زرخیزی ہے ان میں لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ زرخیز بیج ہونے کے باوجود نہ کوئی زمین کو پہچان پا رہا ہے اور نہ بیج کو--- اصل شے تو پہچان ہے نا' وہ چاہے کسی شے کی بھی ہو۔"

"ہاں' بیٹا! ہجرت سے لے کر آج تک سیاسی شعبدہ باز ہمیں استعمال کرتے رہے ہیں اور ہم استعمال ہوتے رہے ہیں۔ مفاد پرست لوگ نوجوانوں کی زرخیز زمین پر کوڑا ہی پھینکتے آئے ہیں لیکن' انہیں شعور دینا ہے۔ ہمیں اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ ہمیں اس کا فائدہ ہوتا ہے یا نہیں---؟"

"یہ دنیا ایک مقتل ہے' میجر صاحب! جو بھی باشعور سر ہے' وہ کاٹا جاتا رہا ہے لیکن کیا سر کٹ جانے سے مقصد مر جاتا ہے' ہارے ہوئے لشکر کی قیادت کرنے والے کیا واقعی ہار جاتے ہیں؟--- تاریخ کے خوں رنگ اوراق گواہی دیں گے کہ ایسا نہیں ہوا۔"

میں نے جذباتی لہجے میں کہا تو ثمن بولی۔

"آئیں' ادھر آکر بیٹھیں' پھر اطمینان سے باتیں کرتے ہیں---"

وہ اندر کمرے کی جانب اشارہ کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں پیار کی جوت اور ہونٹوں پر مسرتوں کی روشنی جگمگا رہی تھی۔ میں اندر بیٹھ گیا تو وہ میجر صاحب کو میرے پاس چھوڑ کر باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دودھ کے بھرے گلاس لے کر آگئی اور وہ ہمارے درمیان میز پر ٹرے رکھتے ہوئے بولی۔

"لگتا ہے' اب آپ کو بات کرنے کا سلیقہ بھی آگیا ہے؟" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"محترمہ' ثمن! لفظ جانتے ہیں کہ وہ کس کی دسترس میں جانے والے ہیں۔ لکھا جانے والا یا بولا جانے والا لفظ اپنا اثر بھی رکھتا ہے اور یہ اثر لفظ کو استعمال کرنے والے کے پاس ہوتا ہے۔ من کی روشنی ان لفظوں کو راستے بخشتی ہے۔"

میں نے جذبات میں بھیگتے ہوئے کہا تو وہ شرگیں انداز میں خاموش رہی۔ میں نے گلاس خالی کیا اور ٹرے میں واپس رکھ دیا تو وہ بولی۔

"آپ ابھی آئے ہیں' بھوک تو لگی ہوگی---؟"

"میں نے میاں جی کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ میں ان سے ابھی ملا ہی نہیں۔ آپ بھی اگر آجاتے وہیں---"

"یہ ثمن تو روزانہ رات کو ادھر ہی کھانا کھاتی ہے۔" میجر صاحب نے کہا۔ "آج میں بھی چلتا ہوں۔"

میں نے ثمن کی طرف دیکھا' وہ نگاہیں چرا کر اٹھ گئی اور پھر تیزی سے بولی۔

"آپ چلیں' میں ان کے ساتھ آتی ہوں---"

یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی اور میں اٹھ کر اپنے گھر آگیا۔ میاں صاحب آچکے تھے۔ میں شفقت ملی محبت سے سرشار ہوتا رہا۔

انتہائی خوشگوار ماحول میں کھانا ختم ہوا۔ اس ماحول سے مجھے یوں لگا جیسے دونوں گھروں کے درمیان جو اجنبیت اور تکلفات کی دیوار تھی' ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ ماں جی اور ثمن کے درمیان باتوں سے میرے اندازے کی تصدیق ہوتی رہی۔ کھانے کے بعد ہم سب صحن میں آبیٹھے۔ میاں جی اور میجر صاحب گاؤں میں ہونے والے ترقیاتی کاموں کا ذکر کرتے رہے اور میں خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ درمیان میں بھابی اور میرے بڑے بھائی بھی بات کر لیتے۔ اسی دوران وہ کئی بار کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھ چکی تھی۔ بلاشبہ وہ بے تاب تھی مگر اس کا اظہار نہیں کر پا رہی تھی' تب اچانک ماں جی نے کہا۔

"ثمن پتر! وقت کافی نہیں ہو گیا' تم نے جانا نہیں ہے اپنے سکول---؟"

"جی' ماں جی! جانا تو ہے لیکن وہ---" وہ فقرہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"اس وقت کون سے سکول جانا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں شاید نہیں پتہ---" ماں جی کہتے کہتے رک گئیں' پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔ "ثمن پتر! اسے بھی ساتھ لے جاؤ اور دکھالاؤ۔"

"جیسے آپ کا حکم' ماں جی---!"

ثمن اٹھتے ہوئے بولی تو میجر اکرم نے کہا۔

"ہاں' ثمن! اسے اپنا سارا پراجیکٹ دکھانا---" ان کے لہجے میں خوشگوار سنجیدگی پنہاں تھی۔

ان کے یوں کہنے پر مجھے قدرے تجسّس ہو گیا مگر میں خاموش رہا اور اٹھ گیا۔

✿✿

میں اور ثمن گاؤں کی ان گلیوں میں بڑے اعتماد سے چلتے چلے جا رہے تھے جو کبھی میرے لئے اجنبی ہو گئی تھیں' انہوں نے مجھ پر ٹھٹھے لگائے تھے مگر اس رات وہ حیرت زدہ تھیں' خاموش اور مہر بلب--- ثمن بھی خاموش تھی اور بڑے اعتماد کے ساتھ میرے ساتھ چلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی جبکہ میں خلیفہ جی عبداللہ کو یاد کر رہا تھا۔ وہ اور ان کی باتیں میرے ساتھ میرا ہمزاد بن کر رہی تھیں۔ چند گلیاں پار کر لینے کے بعد جب ہم خلیفہ جی عبداللہ والے مکان کے پاس آئے تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ مکان اور اس کے ساتھ پوری قطار ایک بہت بڑی عمارت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ایک لمحہ کو مجھے یوں لگا جیسے کسی بڑے شہر سے کوئی عمارت کھود کر یہاں لا کر رکھ دی گئی تھی۔

"ثمن! یہ سب تم نے کیا ہے---؟"

"نہیں' آپ کی یاد اور حوصلہ قدم قدم پر میرے ساتھ تھا۔" اس نے اتنی بڑی بات انتہائی عام سے انداز میں کہہ دی۔ میں خاموش رہا تو وہ بولی۔ "آئیں---"

اس نے مین گیٹ کے ایک طرف لگی بیل دبا دی۔ چند لمحوں بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا' اس کے ہاتھ میں ٹرپل ٹو تھی۔ اس نے ایک لمحہ کو میری طرف دیکھا اور پھر بڑے ادب سے سلام کر کے ایک جانب ہٹ گیا۔ ثمن کے ساتھ میں بھی اندر چلا گیا۔ اندر جا کر احساس ہوا کہ یہ لمبائی ہی میں نہیں' چوڑائی میں بھی کشادہ تھی۔ برقی قمقموں کے باعث ہر شے واضح تھی۔

"اس جانب اکیڈمک بلاک ہے' دن کے وقت کلاسز ہوتی ہیں---" ثمن نے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے دیکھا وہاں کہیں کہیں روشنی تھی اور گہرا سناٹا تھا۔ "--- اور اس طرف ہاسٹل ہے۔" اس نے بائیں جانب کی بڑی سی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری

رکھی۔ "یہاں پر نہ صرف طالبات رہتی ہیں بلکہ ان کی اساتذہ بھی رہائش رکھتی ہیں۔ تربیت اور تعلیم کا ایک پورا منصوبہ ہے جو بہت اچھے انداز سے چل رہا ہے۔"

"اس سب سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں بہت زیادہ سرمایہ کاری کی گئی ہے---؟"

"جی ہاں--- ایک وقت تھا کہ یہاں مجھے اسکول کے لئے جگہ بھی نہیں مل رہی تھی اور اب یہ سارا کچھ آپ کے سامنے ہے۔ ہم اپنی ساری آمدنی یہاں لگاتے ہیں۔ آپ کے پونڈ بھی اسی میں خرچ ہوئے ہیں اور میاں جی بھی میری بہت مدد کرتے ہیں--- عامر! یہ سب پختہ ارادے' میری نیک نیتی اور آپ کے حوصلے کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"ہوں--- بلاشبہ انسان جس کام کے کرنے کا ارادہ کر لے' وہ ہو جاتا ہے۔ اصل قوت تو ارادے میں ہوتی ہے نا---!" میں نے کہا اور پھر دھیرے سے پوچھا۔ "کیا تم روزانہ یہاں آتی ہو اس وقت---؟"

"ہاں' روزانہ آتی ہوں۔ اگرچہ میں سبھی طالبات کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتی ہوں مگر ایک ہستی ایسی ہے' جس کے لئے مجھے آنا پڑتا ہے--- خیر آئیں' بیٹھتے ہیں---"

اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ایک الگ سے رہائش گاہ تھی۔ میں اور وہ اس طرف بڑھ گئے۔ وہ ایک بہت ہی صاف ستھرا اور خوشگوار احساس دینے والا چھوٹا سا گھر تھا۔ برآمدے میں ایک آرام کرسی پر بوڑھی سی خاتون بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گئی' تب ثمن نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"میڈم شائستہ! آپ عامر ہیں---" پھر میری جانب گھوم کر ان کا تعارف کرایا۔ "آپ یہاں کی پرنسپل ہیں۔"

"اوہ---" اس نے حیرت سے کہا اور پھر بڑے ولار سے بولی۔ "بہت انتظار تھا آپ کا۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ کہیں آپ کو دیکھے بنا ہی میں اس دنیا سے نہ چلی جاؤں۔"

میں محبت کے اس انداز پر کچھ بھی تو نہ کہہ سکا' بس محسوس کیا اور ان لفظوں میں چھپے ہوئے احساس نے میری کیفیت بدل دی۔ میں بس دھیرے سے مسکرا ہی سکا۔ میں خاموش رہا تو ثمن اس سے مخاطب ہو کر بولی۔

"میڈم' پلیز! آج آپ ہاسٹل جائیں' مجھ سے جایا نہیں جائے گا اور ہاں' آتے ہوئے لائبہ کو لیتی آیئے گا"

"کچھ کھائیں پئیں گی تو کچن کے ساتھ اماں پڑی ہوں گی' اس سے---"

"ہم کافی دیر بیٹھیں گے اور بس چائے پئیں گے---"

ثمن نے کہا تو میں اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں گہری سنجیدگی تھی۔ شاید وہ بیتے دنوں کی بہت ساری باتیں کہہ دینا چاہتی تھی--- میڈم چلی گئیں تو ہم برآمدے سے آگے بنے چھوٹے سے لان میں آ گئے جہاں پھول کھلے ہوئے تھے اور رات کی رانی کی خوشبو نے پورا ماحول مہکایا ہوا تھا۔ ہم دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پہلے تو وہ سر جھکائے سوچتی رہی پھر اچانک اس نے سر اٹھایا اور انتہائی جذباتی انداز سے آنسوؤں ملے لہجے میں کہا۔

"ساری دنیا میں ایک آپ ہیں جس پر میں فخر کر سکتی ہوں۔ مجھے یہاں ان لمحات کو دہرانے کی ضرورت نہیں کہ میں آپ کو کیا سمجھتی تھی اور نہ ہی مجھے اس پر شرمندگی ہے لیکن اس وقت میں خالص ترین جذبات کے ساتھ اپنے من کی بات کہہ دینا چاہتی ہوں اور وہ--- وہ بات کہتے ہوئے نہ مجھے کوئی خوف ہے اور نہ ڈر۔ مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے بلکہ اپنے من کی یہ بات کہتے ہوئے میں فخر محسوس کر رہی ہوں کہ وہ شخص جو ساری دنیا سے اس لئے بھی منفرد ہے کہ اس نے اپنی محبت لفظوں میں نہیں' اپنے عمل سے ثابت کی ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے' عامر! مجھے آپ سے محبت ہے۔ میں اعتراف کرتی ہوں' مجھے اپنے آپ سے بھی پیارے ہو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور میرا ہاتھ تھام کر اس پر اپنے سلگتے ہوئے لب رکھ دیئے۔ اس کے لبوں کے لمس میں عقیدت تھی۔ پھر میری ہتھیلی کی پشت اپنی دونوں آنکھوں سے لگائی اور میرے پیروں میں بیٹھ گئی۔ میں نے بڑے پیار سے اس کو شانوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کرسی پر بٹھا دیا۔

"ثمن! میں تو خود تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے محبت کا وہ تصور دیا جس کا گمان بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ محض جسم فتح کرنا یا جسم کی حدود تک ہی رہنا محبت نہیں ہے۔ اس میں تو خود غرضی ہوتی ہے چاہے اس میں من و تو کا فرق مٹ جائے۔ تم جسے انفرادیت کہہ رہی ہو' اس میں میرا کوئی کمال نہیں' یہ تو تمہاری محبت کا اعجاز ہے تمہاری محبت تھی ہی اتنی شاندار' پاکیزہ کہ جس نے مجھے محض جسم فتح کرنے تک محدود نہیں رکھا۔ تو نے مجھے وہ عشق عطا کیا ہے جس کی بنیاد انسانیت سے محبت کرنا ہے اور یقین جانو' یہی عشق کی اصل ہوتی ہے کہ انسانوں سے پیار کیا جائے۔ پھول اپنے لئے نہیں مہکتا۔ چاہے اس کی زندگی جتنی مرضی مختصر ہو' وہ اپنی خوشبو نچھاور کر دیتا ہے کہ یہی اس کی فطرت ہے۔ وہ تو اپنی پاک' خالص اور بے ریا خوشبو دیتا ہے۔ تمہارا عشق بھی اس پھول کی مانند ہے' جس کی پاک' خالص اور بے ریا خوشبو نے میرے من کو مہکایا۔ عشق کی فطرت بھی تو یہی ہے۔" میں نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"عامر! جب آپ چلے گئے نا' تو مجھے پورا یقین تھا کہ آپ واپس لوٹو گے اور جب واپس لوٹو گے تو میری محبت میں کمی نہیں ہوگی۔ شاید میرے دامن میں اتنا کچھ نہیں ہو گا جتنا آپ کے پاس خزانہ ہو گا۔

میں تو اتنا جانتی ہوں کہ ہر گزرتے پل کے ساتھ آپ کے دل میں میری محبت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ آگہی کتنی خوش کن اور خوبصورت تھی کہ ہم قریب نہیں اور ہر لحہ ہماری محبت کی گواہی دے رہا تھا۔ محبت کے لئے جسم کی قربت ضروری نہیں۔ جب بھی آپ کی طرف سے اخبار کے تراشے پہنچتے' میں سرشار ہو جاتی۔ میں تب سے میں نہیں رہی۔ میں جو ایک مایوس سی' زخم خوردہ لڑکی تھی' میرے اندر زمانے بھر کی جولانیاں آ گئیں۔ میں طاقتور ہو گئی۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میں عورت ہوں' یاد رہا تو بس اتنا کہ وہ جو اپنی جان ہتھیلی پہ لیئے پھرتا ہے' اس کی ہتھیلی پر میں خود پڑی ہوتی ہوں۔ وہ جب لوٹے گا تو میں کیا ہوں گی' وہی مایوس اور زخم خوردہ لڑکی؟--- وہ جس طرح بلھے شاہ نے کہا ہے نا کہ 'بلھیا' کیہ جاناں میں کون؟ تو مجھے بھی یاد نہیں رہا کہ میں کون ہوں۔ بس یاد رہا تو اتنا کہ میں وہی ہوں جو مجھ سے تو ہزاروں کوس دور ہے لیکن مجھ میں ہمک رہا ہے۔ اس کا عشق اگر وطن کی محبت کی معراج پا چکا ہے تو میں پیچھے کیوں رہوں۔ محض ایک سکول کا پراجیکٹ خود کو مصروف رکھ کر تلخ یادوں کو بھلانے کی آرزو' اپنی بے بسی کو دبانے کی خواہش نجانے کہاں کھو گئی اور پھر بہت کچھ میرے رب کی طرف سے عطا ہوتا چلا گیا۔"

"ہاں' ثمن! طلب جب تک رہتی ہے نا' وہ چاہے کسی شے کی بھی ہو' بندے کو سوائے انتشار' بے چینی اور بے سکونی کے کچھ بھی نہیں دیتی۔ دل اور دماغ کی جنگ اپنے من سے نکل کر پوری دنیا کو میدان جنگ بنا لیتی ہے۔ پھر بندہ صرف اپنے فائدے نقصان' ہار جیت اور کھونے پانے کے دائروں میں محدود ہو جاتا ہے۔ ایک جسم کی محبت تو انتہائی محدودیت والی بات ہے اور انسانیت سے محبت تو خالق کو انسان سے جڑنے میں اتنی ہی دیر لگاتی ہے جتنی دیر ہم خود لگاتے ہیں---" میں نے کہا تو وہ میری جانب دیکھتے ہوئے خاموش رہی۔ تب میں نے کہا۔ "مجھے خود سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ عشق حقیقی اور عشق مجازی کیا ہوتے ہیں؟ اس کی لاکھ توجہات بیان ہوتی رہیں لیکن میں تو یہی سمجھا ہوں کہ عشق بس عشق ہوتا ہے۔ اس کی تقسیم تو ہم نے خود کی ہے۔ جب تک ہم تقسیم در تقسیم کرتے رہیں گے' خود بھی تقسیم کے چکر میں الجھے رہیں گے---"

وہ خاموشی سے سنتی رہی' پھر اچانک محبت کی مہک سے سرشار' خمار آلود لہجے میں بولی۔

"عامر! آپ کو--- آپ کو--- مجھ سے محبت--- محبت تو ہے لیکن ہم اگر اب بھی نہ مل پائے تو---؟"

"تو پھر ہماری ساری ریاضتیں بے ثمر جائیں گی۔ کیا تم میرے لئے دعا نہیں کرتی رہی ہو؟"

"میرے لبوں پر تو ہمیشہ آپ کے لئے ہی دعائیں رہی ہیں۔"

"تو یہ دعا کس سے مانگتی رہی ہو؟" میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری جانب دیکھا' تب میں

نے بڑے دلار سے کہا۔ "ثمن! میں نے تو یہ جانا ہے کہ جس سے ہم دعا مانگتے ہیں' وہ ذات تمام تر قوتوں کا منبع ہے۔ وہی تو ہے جو اپنی ذات کی صفات بھی انسانوں کو عطا کر دیتا ہے وہ انسان کو قوت دیتا ہے اور اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ اپنی قوت کس مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے؟--- تم عورت ہو اور خالق عظیم نے تخلیق کی قوت تمہیں بھی عطا کی ہے اور ایک مرد کو بھی تخلیق کاری ودیعت کی ہے۔ اصل میں عشق ریاضت ہے جس سے ہم اللہ کے حضور جا کر پیش ہو جاتے ہیں۔ ہم جس طرح کا عشق لے کر اپنے رب کے حضور پیش ہوتے ہیں' ہمیں وہاں سے عطا بھی وہی کچھ ہوتا ہے۔ انسان اپنی روح سے عشق کرتا ہے تو روحانی چشمے پھوٹتے ہیں۔ دراصل یہ ناتے اور تعلق کی بات ہے۔ میں اگر اب بھی تمہارے پاس نہ رہوں تو کیا تمہاری محبت میں کمی آ جائے گی؟"

"بلاشبہ' نہیں---"

"ایسا اس لئے ہے' ثمن! کہ ہماری سوچ کا اثر ہماری جسمانی حالت پر پڑتا ہے۔ مجھے یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ میں نے خوش کیسے رہنا ہے؟ اگر میں پورے خلوص سے اور دیانتداری سے سوچوں گا تو ایک وقت ایسا آئے گا جب مجھے یہ احساس ہو جائے گا کہ جس انسان کے اندر پاکیزہ روح ہوتی ہے' وہ ہمیشہ خوش و خرم اور مطمئن رہتا ہے۔ ہمیں ایسی آنکھیں رکھنی چاہئیں جس سے فقط من دیکھا جائے' ایسا دل ہونا چاہئے جس میں ظرف کی انتہا ہو۔ یہی ریاضت ہے اور عشق کی روح کیونکہ عشق خدا کی ذات کا خلاصہ ہے۔"

میں نے کہا تو ثمن نے یوں ملائم انداز میں آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ جذب کی کیفیت میں ہو۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ چند لمحے اس حالت میں رہی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' آہٹ ہوئی اور میڈم شائستہ کے ساتھ پانچ چھ سال کی چھوٹی سی بچی دکھائی دی۔ پھولے گالوں والی' معصوم سی' حیران نظروں سے ہماری جانب دیکھتی ہوئی۔ اس نے گلابی رنگ کا فراک پہنا ہوا تھا' لمبے سے بال۔ پہلی ہی نگاہ میں اسے دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے میں نے اسے پہلے کہیں دیکھا ہوا ہے--- کہاں؟ اس کی مجھے سمجھ نہ آ سکی--- وہ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی ثمن کی جانب بڑھی لیکن میری طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ میرا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ اس کے معصوم چہرے سے نگاہ ہٹاؤں۔ ثمن نے بانہیں پھیلا کر اسے اپنی گود میں لے لیا' تب اس نے پوچھا۔

"آنی! آج آپ آئیں نہیں---؟" اس پر ثمن مسکرا دی اور بڑے دلار سے بولی۔

"میں اس لئے نہیں آئی' بیٹا! کہ آج وہ صاحب آئے ہیں جن کا ہمیں انتظار رہتا تھا۔" پھر میری طرف اشارہ کر کے بولی۔ "آپ بتا سکتی ہو کہ یہ کون ہیں؟"

وہ سوچنے والے انداز میں میری جانب دیکھنے لگی اور پھر اچانک جیسے اسے سمجھ آ گئی۔ وہ بڑے

بھرپور انداز اور بڑے جوش سے بولی۔

"عامر انکل۔۔۔؟"

لائبہ کے یوں کہنے پر ثمن نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں اشارہ دیا تو وہ ثمن کی گود سے نکل کر میری جانب والہانہ انداز میں بڑھی' میں نے بھی اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ میرے اندر تجسس میں لپٹا ہوا انجانا خوف ابھرا جو بلاشبہ میری آنکھوں سے عیاں ہو گیا۔ یہ انجانا خوف ایسا تھا کہ جس کی وضاحت میں خود بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی میں خود اس کی سمجھ پا رہا تھا۔ وہ بڑے اجنبی لمحے تھے جو کمال بے نیازی سے گزرتے چلے گئے تھے۔ میں نے بڑی بے بسی کے عالم میں ثمن کی جانب دیکھا تو وہ شدت سے بولی۔

"یہ لائبہ' زوہیب اور فائقہ کی بیٹی ہے جو اب میری ذمہ داری میں ہے۔۔۔"

ثمن نجانے کیا کہتی رہی لیکن میں اس کے لفظوں' آواز اور لہجے کے حصار سے نکل کر ان وادیوں میں کھو گیا جہاں فقط محبتیں ہوتی ہیں۔ جیسے دریا کو اپنا راستہ بنانے کے لئے کسی سے اجازت نہیں لینا پڑتی' بالکل اسی طرح میرے اندر لائبہ کے لئے پیار' محبت اور شفقت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا موجزن ہو گیا۔ اجنبی لمحے اچانک ہی اپنائیت کی انتہا تک جا پہنچے۔ جذبات کے احساس سے ہمکتے ہوئے بے ریا لمحے۔۔۔ نجانے کتنا وقت اس طوفان کی شدت میں بہہ گیا' ہوش آیا تو تجسس کے صحرا میں سوال اونٹوں کے کسی قافلے کی طرح میرے لاشعور کے سامنے آ گئے۔ تبھی ثمن بولی۔

"ایک سال کی تھی جب یہ میرے پاس آئی۔ فائقہ لائی تھی اسے میرے پاس' ساتھ میں صفدر علی خاں تھے۔ انہوں نے آپ کے تعلق کے بارے میں بتایا تھا کیونکہ زوہیب اب اس دنیا میں نہیں۔۔۔"

"اوہ' میرے خدایا۔۔۔!"

میں دکھ کی انتہا تک جا پہنچا۔ میں ابھی اسی کیفیت میں ہی تھا کہ ثمن نے لائبہ کو اپنے پاس بلایا اور پیار سے بولی۔

"اب آپ جائیں' آپ کے سو[illegible] کا وقت ہو گیا ہے۔ کل پھر سکول میں ملاقات ہو گی اور پھر کل ہم عامر صاحب کے ساتھ سیر کے لئے جائیں گے' خوب گھومیں پھریں گے۔ ٹھیک۔۔۔؟"

"ٹھیک ہے آنی۔۔۔"

اس نے میری گود سے نکلتے ہوئے کہا' پھر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتی ہوئی میڈم شائستہ کے ساتھ واپس چلی گئی۔ اتنے میں ملازمہ چائے رکھ گئی۔ ثمن نے چائے بنائی اور کپ میرے سامنے دھر دیا۔ اس دوران میں اپنے آپ میں نہیں رہا تھا' وقت کے اس دورانئے میں جا پہنچا تھا جہاں زوہیب اور

فائقہ تھے۔ انہوں نے میرے سامنے اپنی الفت کا اظہار کیا تھا' پھر میں ان سے بچھڑ گیا۔ لندن جا کر تھوڑا عرصہ میرا زوہیب سے رابطہ رہا تھا پھر وہ بھی وقت کی دھول میں گم ہو گیا اور اب یہ لائبہ---!

"کیسے ہوا تھا یہ سب---؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"زوہیب کراچی میں ہی تھا' وہیں ایک دن کسی دشمن کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ لائبہ اس وقت ایک سال کی تھی۔ فائقہ نے صفدر علی خاں سے رابطہ کیا اور وہ پھر میرے پاس آ گئے۔"

"فائقہ اس وقت کہاں ہے---؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں' شاید کسی دن اچانک آ جائے یا پھر کبھی نہ آئے--- بہر حال لائبہ کے آ جانے سے مجھے اک نئی زندگی مل گئی۔ اس کی وجہ سے نجانے کتنی بچیاں میری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ میں نے ہاسٹل کی بنیاد رکھ دی۔ مجھے یقین ہے' عامر! یہاں سے تعلیم و تربیت حاصل کر کے جانے والی لڑکیاں نہ صرف دنیا کا بہتر انداز میں مقابلہ کر پائیں گی بلکہ اچھی مائیں بھی ہوں گی' ایسی مائیں جن کی گود میں پرورش پانے والے بچے ہی دراصل ملک و ملت کا سرمایہ ہوں گے---" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو خاموش ہو گئی۔ پھر جب دوبارہ بولی تو کہا۔ "عامر! اب آپ آ گئے ہو' میری تمام تر جدوجہد کی روح اب آپ ہو۔ میں جہاں کہیں تھک جاؤں' آپ ہی میرا سہارا ہوں گے۔"

وہ کہتی چلی جا رہی تھی اور میں کچھ اور ہی سوچنے لگا تھا--- اپنے گاؤں آ جانے تک میں نے اپنے اور ثمن کے متعلق بہت کچھ سوچ رکھا تھا مگر میں اب اس گاؤں میں نہیں رہ سکتا تھا' مجھے واپس پلٹنا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تھوڑا عرصہ گاؤں میں رہ کر ثمن کو اپنے ساتھ لندن لے جاؤں گا۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ میں اپنی زندگی گزارنے کے لئے بہترین سہولیات کا متمنی تھا۔ جو مجھے لندن ہی میں میسر آ سکتی تھی بلکہ وجہ صرف یہی تھی کہ جن کے ساتھ میرا تعلق تھا' وہ سب بے وطن مسافر ایک خاص مقصد کے لئے میدان عمل میں تھے۔ میں یوں گاؤں میں ٹھہر کر اپنے مقصد کی توہین نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے طوفانوں سے کھیلنا سیکھا تھا اس لئے طوفان بھی میرے تعاقب میں رہتے تھے۔ میں اب گاؤں کی فضاؤں میں کسی طوفان کو آنے کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ یہاں بھی ایک مقصد کی تکمیل ہو رہی تھی۔ نجانے ثمن نے میرے بارے میں کیا کیا کچھ سوچ رکھا ہو گا؟--- میں چائے پیتا رہا اور سوچتا رہا۔ چائے کا خالی کپ واپس رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا۔

"آؤ' ثمن! اب چلتے ہیں---"

"ابھی سے---؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں--- میں ابھی آرام کروں گا' کل باتیں ہوں گی---"

میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ ہم دونوں خاموش سے وہاں سے نکلے اور پھر گھر آ گئے۔ میری

ماں میرے انتظار میں تھی۔ میں اس کے پہلو سے لگ کر سو گیا۔ اتنی میٹھی نیند پوری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔

✿✿

اگلے دن دوپہر سے ذرا پہلے میں ڈیرے پر چلا گیا۔ وہی پہلے والا سماں تھا۔ درختوں کی گھنی اور گہری چھاؤں' دور تک دکھائی دینے والے لہلہاتے کھیت' مویشیوں کی قطاریں' کھال میں بہتا ہوا شفاف پانی اور کھری بان کی چارپائی۔ میں اس پر لیٹ گیا تو سرشاری بھرا سکون میرے اندر اتر گیا۔ دراصل میں سوچنا چاہتا تھا' پرسکون خاموشی میں اندر سے باتیں کرنا بھی اک لذت آمیز تجربہ ہوتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ میں منتشر ذہن کے ساتھ یہیں پڑا خود کو بے وقعت محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب مجھے من سے گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ شاید ہم اس لئے منتشر' بے سکون اور بے چین رہتے ہیں کہ اپنے آپ سے باتیں نہیں کرپاتے۔ اتنا وقت گزر جانے کے بعد میں پوری یکسوئی سے اپنے اور ثمن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ثمن جو میرا عشق تھی اور عشق میں اپنا آپ دوسرے کی مرضی میں گھول دیا جاتا ہے' جہاں من وتو کا جھگڑا ہی نہیں رہ جاتا۔ میں نے اپنے تئیں فیصلہ تو کرلیا تھا مگر کیا ثمن بھی چاہے گی؟--- میں دوراہے پر تھا۔ میرا مقصد مجھے ثمن سے جدائی دینا چاہتا تھا اور ثمن کی مرضی کیا تھی' اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں ثمن کا دل توڑنے کی ہمت کر ہی نہیں سکتا۔ میں انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ مجھے آہٹ محسوس ہوئی' ثمن میرے سامنے تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں سے چاہت چھلک رہی تھی' میں نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو وہ جلدی سے بولی۔

لیٹے رہیں' میں ادھر بیٹھ جاؤں گی۔" اس نے دوسری چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے پورا یقین تھا کہ آپ مجھے یہیں مل سکیں گے۔"

میں کچھ بھی نہ کہہ سکا اور خاموش رہا' وہ بھی خاموش رہی لیکن مسلسل میری جانب دیکھتی رہی۔ ہلکے گلابی رنگ کے شلوار سوٹ اور آنچل میں وہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ آنچل کے ہالے میں دمکتا ہوا گلابی چہرہ جو کسی بھی طرح کے میک اپ سے بے نیاز تھا' مجھے مدہوش کر رہا تھا۔ زلفوں میں سے ایک آوارہ لٹ ہلکی ہوا سے لہراتی ہوئی اس کے چہرے سے کھیل رہی تھی' دائیں کان کا جھمکا اس کی گال کو چھو رہا تھا۔ میں دیکھتا رہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی' یوں نجانے کتنا وقت بیت گیا۔

"عامر---!" کتنی دیر بعد ثمن نے جذبات میں گندھی آواز کے ساتھ پکارا۔

"ہوں---" میں نے بھی بے خودی میں ہنکارا بھرا۔

"میں جانتی ہوں' عامر! کہ جدائیوں کے دکھ کیا ہوتے ہیں۔ پہلے پہلے جب جدائی کا احساس مجھے

ستاتا تھا تو میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ جایا کرتی تھی۔ لیکن پھر دھیرے دھیرے میں نے جدائی کو اپنی سہیلی بنا لیا۔ اب جدائی اگر میرے پاس آکر ہمکتی ہے تو میں اس سے کھیلتی ہوں۔ وہ میرا من بہلاتی ہے' ہم دونوں مل کر ڈھیر ساری باتیں کرتی ہیں--- جدائی تو انہیں مارتی ہے نا' جن کے پاس یقین کی قوت نہیں ہوتی۔"

"ثمن! کیا تمہیں یقین تھا کہ میں واپس لوٹ کے آؤں گا؟"

"یقین سے بھی آگے' میرا ایمان تھا اور اب بھی ہے۔ آپ جہاں بھی رہو' میرے ہو' ثمن' عامر کی ہے اور عامر' ثمن کا--- اگر آپ مجھ سے غافل نہیں رہے تو میں بھی ایک لمحہ آپ کو نہیں بھولی۔ میری ریاضتوں نے بھی میرا دامن بھر دیا ہے۔"

"ثمن! میں دنیا کی آلودگی میں بھی رہا ہوں۔ میں وہ عامر نہیں' میں تو---"

میں شرمندگی سے مزید کچھ نہ کہہ سکا--- وہ چند لمحے خاموش میری جانب دیکھتی رہی اور پھر میرے یوں کہنے پر وہ ہنس دی' مسکراتے ہوئے بولی۔

"سونا اگر غلاظت میں گر جائے تو کیا اس کی ماہیت بدل جاتی ہے۔ نہیں نا؟--- خیر چھوڑیں اس بات کو' میں تو آپ سے کچھ اور کہنے آئی تھی۔"

"بولو---؟"

"--- یہی کہ آپ کا اب آئندہ کا پروگرام کیا ہے---؟" اس نے عام سے انداز سے وہ سوال پوچھ لیا جس کا جواب میں اسے دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں خاموش رہا تو وہ دھیرے سے ہنس دی اور پھر بولی۔ "رات جب آپ اچانک خاموش ہو گئے تھے تو میں بہت کچھ سمجھ گئی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے واپس جانا ہے---"

"مگر میں تمہیں بھی---"

"نہیں--- عامر! مجھے معلوم ہے کہ آپ جہاں تک پہنچ چکے ہو' وہاں سے واپسی ناممکن ہے۔ میں آپ کو ایک عظیم مقصد سے دستبردار ہونے کی اجازت نہیں دوں گی۔ میں آپ کو اپنی ذات کے حصار میں قید نہیں کرنا چاہتی۔ کیا میرے لئے اتنا کافی نہیں کہ آپ میرے ہو اور میں آپ کی---؟"

"میرے عشق کی بنیاد تو تم ہو' ثمن! تمہارا دل ٹوٹ گیا' تمہاری محبت لاحاصل رہی تو میری ریاضت' میری جدوجہد کیا رائیگاں نہیں چلی جائے گی؟"

"دل!--- وہی دل نا' جو میں کب کا آپ کو دے چکی۔ میرا تو من اور تن آپ کا ہے۔ کبھی کبھی میں بھی اک عام لڑکی جیسے خواب دیکھتی ہوں۔ گھر' پیارا شوہر' آنگن میں شور مچاتے بچے اور پرسکون زندگی--- مگر ہم عام نہیں رہے۔ ہمارا عشق اس مقدس فریضے میں ڈھل چکا ہے جو کسی قوم کے

سرفروشوں کو نعمت کی طرح عطا ہوتا ہے اور رہی حاصل اور لاحاصل کی بات' یہ تو وہ لوگ سوچتے ہیں جن کی محبت میں مفاد کی آلودگی ہوتی ہے۔"

"ثمن! زندگی ہمیں کہاں لے آئی ہے' ہمارے ملنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن ہم اپنے مقصد کو سامنے رکھے اپنی تشنگی کو آزما رہے ہیں---"

"اگر بدن کی لذت سے تشنگی ختم ہوتی ہے تو میں ابھی اور اسی لمحے اپنا آپ' آپ سپرد کرتی ہوں۔"

"نہیں' ثمن! تم نے یہ کیسے سوچ لیا---؟" میں نے کہا تو ہنس دی اور بولی۔

"بات یہ ہے' عامر! ہم دو اکائیاں نہیں بلکہ ایک ہو چکے ہیں۔ باقی تو سب رسمیں ہیں نا' صرف بدن ملنے سے تو ایک نہیں ہوتے۔ سوچ' خیال' مقصد اور ارادہ تو ایک ہے۔ ہم تو مل چکے لیکن ہمارے ساتھ جڑے لوگ اگر ہم سے مایوس ہو گئے تو پھر ہماری ناکامی ہے۔ میں عامر کو ناکام نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"کیوں خود کو قربان---"

"نہیں' میں قربانی نہیں دے رہی' اپنا فرض پورا کر رہی ہوں۔ ہمارے والدین سوچ رہے ہیں بلکہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہماری شادی کر دی جائے۔ یہ ان کا فیصلہ ہے' ہم ان کا دل نہیں توڑیں گے۔ ہم انہیں سکون دے دیں کہ ان کا بوجھ اتر گیا۔ مجھے آپ کا نام مل گیا تو میں سمجھوں گی' میری ساری ریاضتوں کا ثمر مل گیا۔ میں آپ کے پاؤں کی زنجیر نہیں بننا چاہوں گی۔ بلکہ یہ چاہوں گی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو حوصلہ دیتے رہیں' یہاں تک کہ زندگی ہمارے قدموں پر ساری دنیا کی خوشیاں نچھاور کر دے---"

اس نے دھیرے دھیرے کہا تو مجھے اپنے ذہن سے سارا بوجھ اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے میری ساری مشکلیں حل کر دی تھیں--- میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے سرخ ہوتے ہوئے گال اور حیابار آنکھوں میں ساری دنیا سمٹتی ہوئی دکھائی دی۔ وقت جیسے تھم گیا۔ مجھے لگا جیسے ہم ابھی روئے زمین پر اترے ہیں--- عشق کی کوکھ سے جنم لینے والا مقصد بھی عشق کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ عشق سے سرشار سرفروش جلالی کیفیات کا نہیں' جمالی جذبات کے ساتھ اپنا کردار بناتا ہے۔ تب پھر پوری زندگی مراقبے میں گزرتی ہے۔ زندگی اور مراقبہ آپس میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور وہاں موت کبھی نہیں آتی' بس زندگی ہوتی ہے اور الوہی لذت سے سرشاری کی کیفیات میسر رہتی ہیں۔ تب پھر نہ خوف ڈراتا ہے اور نہ خوشی مسرور کرتی ہے۔ بس ایک کیفیت ہوتی ہے جو ساری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔

"کیا سوچنے لگے' عامر---؟"

اس نے تذبذب سے پوچھا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی نہیں' جو تم چاہو---"

اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا' پھر دھیرے دھیرے اپنے لبوں تک لائی اور اپنے لب میری ہتھیلی کی پشت پر رکھ دیئے۔ اسی طرح اس کے لب اپنی تمام تر جولانیاں' ریاضتیں' تشنگی' یقین' صدیوں کی رومانیت' زندگی بخش حوصلے' دھیان کی رعنائیاں' روحانیت کی رسائیاں اور نہ جانے کیا کچھ منتقل کرتے رہے اور میں آنکھیں بند کیئے پوری کائنات میں پھیل گیا۔ ہوش اس وقت آیا جب ایک قطرہ اشک میری ہتھیلی کی پشت پر ٹپکا' ایسا ہی ایک قطرہ میرے لئے سمندر بن گیا تھا۔

"یہ کیا---؟" میں نے اس کی آنکھوں میں پھیلے کئی سمندروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ میری محبت منفرد اور اعلیٰ ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے پورے دل سے قہقہہ لگایا۔ مجھے لگا' اس کا قہقہہ ہی میرے لئے کائنات میں پھیل جانے کی قوت اور میری فتح کا اعلان ہے۔ میں نے اپنی ہتھیلی کی پشت پر قطرہ اشک دیکھا جو کسی ہیرے کی مانند چمک رہا تھا۔ میں نے اسی ہاتھ سے ثمن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تب مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے خالق کائنات نے ہمیں بنایا ہی اسی مقصد کے لئے تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنس دیئے۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ایسا قطرہ اشک میرے لئے کیا اہمیت اختیار کر گیا تھا--- ہم دونوں ڈیرے سے اٹھے اور گاؤں کی جانب چل پڑے۔ جہاں سارے منظر بدل گئے تھے۔ میں نے بڑے فخر سے ان مناظر کو دیکھا اور دل ہی دل میں کہا---

تو نے دیکھا ہی نہیں ہے پسِ مژگاں اس کو
ایک آنسو تھا' سمندر پہ جو بھاری نکلا

○ ☆ ○